بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسلسلہ چہاردہ صد سالہ یادگار شہادت امیر المومنینؑ (۴۰ھ - ۱۴۴۰ھ)، اشاعت نو

نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد (۸)

ندائے عدالت انسانی

(صوۃ العدالۃ الانسانیہ)

مصنفہ

جارج جرداق، بیروت (لبنان)

ترجمہ

مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ

(سابق مدیر مجلۂ اصلاح)

ناشرین

ولایت پبلیکیشنز

نئی دہلی (انڈیا)

E-mail:welayatpublications@gmail.com

www.welayat.in

Contact: 09958225575

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

Ph. : 0091 522 4077872

مشخصات

کتاب کا نام	:	نفس رسولؐ جلد (۸) ندائے عدالت انسانی
مصنفہ	:	جارج جرداق (صوۃ العدالۃ الانسانیہ)
مترجم	:	مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ
طبع	:	عنبر پریس، لکھنؤ
تاریخ طبع	:	شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ، اپریل ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۴۹۶
قیمت	:	300 روپئے
ناشرین	:	ادارۂ اصلاح، لکھنؤ۔ ولایت پبلیکیشنز، دہلی

ISBN-13 : 978-93-87479-36-4
ISBN-10 : 93-87479-36-6

فہرست کتب

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلہا

ندوۃ العلماء لکھنو کے سابق سربراہ علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر "المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ" نامی کتاب لکھی تھی جس کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔اس کے دیباچہ کی ابتدا میں انہوں نے عمومی الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفریں، اور نادرہ روزگار شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی مکمل سیرت (جو ان کی روشن ترین خصوصیات پر حاوی اور ان کے مرکزی اور اہم کمالات ومحاسن پر روشنی ڈالتی ہو) عرصہ دراز تک مرتب نہیں ہوئی اور یہ بات ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی دینی وعلمی قرض کی نوعیت رکھتی ہے۔جس کی ادائیگی بعض اوقات انہوں نے بھی نہیں کی جو ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتے اور ان سے محبت ووابستگی کو سرمایہ ایمان وآگہی سمجھتے ہیں۔(سخن ہائے گفتنی)

آخری سطور میں اشارہ کس گروہ کی طرف ہے ان کے علم میں بہتر رہا ہوگا اسی تحریر میں آگے انہوں نے اپنے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی کے ایک حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے ایک روز بڑے دادا کے ساتھ گلوگیر لہجہ میں کہا علی تم کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر کتاب لکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ تم یہ کام کرسکو" (سخنہائے گفتنی)

اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت جب تین دہائیوں کے بعد آئی تو اس سلسلہ میں مزید اقدام سے پہلے ان کا یہ تجزیہ تھا:

"مجھے اسلامیات کے کتابی ذخیروں میں اک شدید کمی کا احساس پیدا ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات (جو بقدر امکان) ان کے اہم اور مرکزی خصائص وکمالات پر روشنی ڈالتی ہو موجود نہیں ہے" (سخنہائے گفتنی)

المرتضیٰ کی پہلی ہی اشاعت کے بعد منقولہ جملے جب میری نظر سے گزرے تھے تو مجھے مشہور اہل علم کی غفلت پر سخت تعجب ہوا

تھا۔اس لئے کہ خود ادارہ اصلاح سے دس ضخیم جلدوں میں "نفس رسولؐ" کے نام سے سیرت امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام شائع ہو چکی تھی جو ایک کارنامہ ہے لیکن چونکہ یہ شیعی حلقہ کا کام ہے لہٰذا اسے نظرانداز کیا گیا۔ادعا کے باوجود المرتضیٰ 20x26/8 سائز پر 500 صفحات تک بھی نہیں پہنچ سکی جبکہ "نفس رسولؐ" ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود نامکمل رہی اور جو منصوبہ تھا اس کی حد آخر کو حاصل نہیں کر سکی ہے جو اس حدیث پیغمبر ﷺ کی صداقت کا اعلان ہے کہ:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم لو ان الریاض اقلام، البحر مدادوالجن حسّابٌ والانس کتّاب ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب علیه السلام (بحارالانوار جلد ۴۰ صفحہ ۴۰)

"اگر باغات قلم بن جائیں اور سمندر، روشنائی بن جائیں اور تمام جن شمار کرنے والے بن جائیں اور تمام انسان لکھنے والے بن جائیں پھر بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے"۔

اوصاف علی، به گفتگو ممکن نیست
گنجایش بحر در سبو، ممکن نیست
من ذات علی به واجبی نشناسم
اما دانم که مثل او ممکن نیست

جب مجلہ اصلاح کے مدیر اول اور بانیٔ اصلاح فخرالحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے قابل فخر فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر طاب ثراہ نے دس جلدوں پر مشتمل سیرت امیرالمومنینؑ "نفس رسولؐ" کو قلم بند کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں شدید بے چینی تھی۔اس سلسلہ میں ان کا جو منصوبہ تھا وہ نفس رسولؐ کی پہلی جلد "اعجاز الولی" میں موجود ہے۔اپنے منصوبہ کا اعلان انہوں نے بذریعہ مجلہ اصلاح کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

"میں ماہ مئی ۱۹۵۰ء سے رسالہ اصلاح میں ایک عظیم الشان تاریخی اور تحقیقی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہوں اور وہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی سب سے زیادہ جامع سوانح عمری گویا حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی انسائیکلو پیڈیا ہوگی جو سات آٹھ جلدوں غالباً چار ہزار صفحوں میں پوری اور سات آٹھ سال میں ختم کی جائے گی۔اس طرح میں نے ابھی سات آٹھ برس اور اس دنیا میں اپنے کو زندہ سمجھنے کا سامان کر لیا ہے کیا بغیر اس سوانح عمری کے مکمل شائع ہوئے جناب ملک الموت کو میرے پاس آجانے میں افسوس نہیں ہوگا۔لیکن اگر نہ مانے تو میں کیا کرلوں گا۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد" اس حالت میں آپ میرے کل خطوط کی تعمیل کرتے رہئے گا۔"

والسلام احقر علی حیدر عفی عنہ (ایک عزیز کے نام مکتوب اصلاح نومبر دسمبر ۱۹۵۰ء)

"چونکہ ہم کو علمی خدمتیں کرتے بفضل تعالیٰ ۴۵ سال گزر گئے اور اب اس عظیم الشان سوانح مبارکہ نفس رسولؐ دس جلدوں پر مشتمل سوانح امیر المومنینؑ کے مکمل شائع ہو جانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ مگر معلوم نہیں ہماری عمر یا قوت وفا کر سکے یا نہیں۔ اس وجہ سے بندہ زادوں مولوی سید محمد باقر صاحب ادیب فاضل (الہ آباد) فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی مولوی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) اور صدر الافاضل سے جن کی بہت مفید مقبول کتاب "مذہبی تعلیم" کے پانچ حصوں کی خدا کے فضل سے ہر طرف دھوم ہوگئی ہے۔ اور مولوی سید آغا جعفر سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ سے وصیت بھی کر رکھی ہے کہ اس سوانح مبارکہ کو صرف خدائے کریم وقدیر کی تائید پر بھروسہ کر کے ہم نے شروع تو کر دیا ہے لیکن جب ہم زندہ نہ رہیں تو "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" اور "الولد سرٌ لابیہ" کے مطابق اس کو ضرور مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ دونوں فرزند قادر مطلق پر توکل کر کے اس کے مکمل کرنے میں جناب مولانا علی نقی صاحب قبلہ، جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ لکھنؤ، مولانا سید رضی صاحب زنگی پوری، جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب، جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب ہنسوی، جناب ڈاکٹر مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقدار شمس آباد، جناب سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے پروفیسر علی گڑھ، جناب ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب منیجر وقف ہوگلی، جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پانی پتی، جناب آغا سلطان مرزا صاحب جج پنشنر کراچی، جناب ڈاکٹر محمد علی الحاج سالمین صاحب بمبئی، جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب لاہور، اور جناب مولانا محمد بشیر صاحب ٹیکسلا سے پوری مدد لیتے رہیں۔"

(احقر علی حیدر عفی عنہ، ۷ رصفر ۱۳۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸ رنومبر ۱۹۵۰ء)

وصیت میں مزید تحریر فرمایا ہے:

"سوانح مبارکہ کے لئے وصیت کا مضمون بھی ہم اصلاح میں شائع کر چکے ہیں۔ چند ناموں کا اضافہ اس میں بھی ضروری ہے جن سے مدد اور مشورہ لیتے رہنا بہت مفید اور اہم ہے۔:

۱) جناب سید امتیاز حسین صاحب ترمذی وکیل پٹنہ۔ ۲) جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ۔ ۳) جناب مولوی سید ابن حسن صاحب جارچوی، لکھنؤ۔ ۴) جناب مولوی سید اختر علی صاحب تلہری۔ ۵) جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب امرتسری۔ اور ۶) جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب جوہر کراچی۔

مذکورہ بالا حضرات نیز ان حضرات سے جن کے اسمائے گرامی دسمبر کے اصلاح میں شائع ہو چکے ہیں التماس ہے کہ ہماری عمر ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور علمی خدمات کرتے ہوئے تقریباً ۵۰ سال گزر چکے ہم کو بہت افسوس ہے کہ سوانح مبارکہ کے مرتب کرنے کی توفیق بہت دیر کر کے ہوئی جب آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے اس وجہ سے ہم بے چین ہیں کہ سوانح مبارکہ کیونکر اچھی سے اچھی ہوگی۔آپ کل حضرت اس اہم دینی خدمت میں ہماری علمی اور قلمی مدد کر کے شکر گزار کریں اس طرح کہ کل حضرات سوانح مبارکہ کی دسوں جلدوں کے لئے جن قیمتی مضامین نادر تحقیقات، مفید مباحث اور ضروری افادات کا اندراج پسند کریں۔ان سب کو جلد از جلد ہمارے پاس ارسال فرمانا شروع کر دیں۔تاکہ ہم سب کو مرتب کرتے جائیں۔اور دسوں جلدوں کے مسودات کو آپ حضرات کی اعانت سے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر ڈالیں۔اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی تو انشاء اللہ خود چھپوا کر شائع کریں گے۔ورنہ خود آپ حضرات دفتر اصلاح سے شائع کراتے رہیں گے۔" (اصلاح مئی جون ۱۹۵۱ء)

علامہ علی حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے پہلے ۶۔۷ جلدوں میں پھر دس جلدوں میں سوانح عمری امیر المومنینؑ کا ارادہ اس وقت کیا جب عمر ڈھل رہی تھی۔جب اندازہ ہوا کہ عین حیات میں یہ کام پورا نہیں کرسکوں گا تو یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کیا۔مدیر دوم اصلاح مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ۴ جلدیں خود لکھیں مگر اپنے والد مرحوم کے نام سے باقی دیگر مصنفین و مبلغین کی کتابوں کو شامل کر کے دس جلدیں پوری کر دیں۔والد مرحوم مولانا سید محمد باقر جوراسی" ان کے ہم نام بھی تھے اور چالیس سال تک گہرے رفیق رہے تھے ان کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون "امام عصرؑ کا ایک خادم" کے عنوان سے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

"ان کے تالیفات و تصنیفات اور مضامین و تراجم کی تعداد تو بہت ہے جن کی فہرست پیش کرنا میرے لئے بھی دشوار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی حیثیت دس جلدوں میں مکمل ہونے والی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم و ضخیم سوانح عمری کو حاصل ہے یہ بات میرے علم میں ہے کہ مرحوم کے پدر بزرگوار مولانا سید علی حیدر صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی صرف ابتدائی دو جلدیں ہی اپنے قلم سے تحریر فرمائی تھیں۔اس کے بعد یہ اہم کام اپنے ہونہار فرزند کے سپرد کر دیا تھا۔جسے مرحوم نے ان کے اعتماد اور توقعات کے مطابق پوری مہارت اور کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

(اصلاح صدی نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰۷)

۳ سے ۷ جلدوں تک کی محنت مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کاوش ہے۔ایک لائق فرزند ہونے کی حیثیت سے اور اپنے والد مرحوم کے جذبۂ اخلاص کی قدردانی میں انہوں نے اس محنت کو بھی اپنے والد علام سے منسوب رکھا

لیکن اب جبکہ اس کا انکشاف ہو چکا ہے کہ بعد کی جلدیں ان کا کارنامہ ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان جلدوں کو انہیں سے منسوب کیا جائے۔ ۷ جلدوں کے بعد دس جلدیں مکمل کرنے کے لئے مقبول و معروف جن تین کتابوں کا سہارا لیا گیا ان کے ترجمہ کی زحمت بھی مرحوم ہی نے فرمائی تھی۔

چونکہ شہادت امیر المومنین کی چودہ سو سال مکمل ہونے کی یادگار منائی جارہی ہے لہٰذا اس مناسبت سے ترتیب میں معمولی تبدیلی اور دیگر تالیفات و تراجم کو شامل کر کے نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدیں پیش ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مرحوم نے جو خاکہ مرتب فرمایا تھا کام کا تکملہ اس نہج کے عین مطابق تو نہیں ہوسکا لیکن پھر بھی اس نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدوں کی اشاعت کے ذریعہ ایک غیر معمولی کام انجام پا گیا ہے۔

اب تمام ۱۴ جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد (۱): اعجاز الولی (حجۃ الاسلام علامہ علی حید رنقویؒ)۔

جلد (۲): قرآن ناطق (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۳): ثقل اکبر (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۴): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ اولیٰ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۵): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثانیہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۶): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثالثہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۷): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ رابعہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۸): ندائے عدالت انسانی ترجمہ: صوۃ العدالۃ الانسانیہ، جارج جرداق (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد ۹): تہذیب المتین فی سیرت امیر المومنینؑ (مولانا مظہر حسن سہارنپوریؒ)۔

جلد (۱۰): "ضیاء الغدیر، مصنفہ: ضیاء الواعظین مولانا وصی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ مع اضافہ خلاصہ الغدیر علامہ امینی اعلی اللہ مقامہ۔

جلد (۱۱): امیر المومنینؑ کے فیصلے، مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ۔

جلد (۱۲): علیؑ و فرزندان علیؑ ترجمہ: علیؑ وبنوہ، ڈاکٹر طہٰ حسین (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد (۱۳): اصحاب امیر المومنینؑ، (آیۃ اللہ ناظم زادہ) (مترجم حجۃ الاسلام سلیم علوی)۔

جلد (۱۴): صفات شیعیان امیر المومنینؑ، ترجمہ صفات الشیعہ شیخ صدوقؒ۔ (مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر

نقوی مدظلہ)

نفس رسول کی اس جلد (۸) "ندائے عدالت انسانی" میں عیسائی مصنف جارج جرداق نے جناب امیر علیہ السلام کے عدالت کے امتیاز کو ظاہر کیا ہے۔

میں نے جب المرتضیٰ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا اور شروع میں منقولہ جملے نظر سے گزرے تھے تو یہ جذبہ پیدا ہوا تھا کہ کیوں نہ نفس رسولؐ کی تمام جلدیں سامنے آجائیں تاکہ ان لا علم لوگوں کو معلوم ہوسکے جو نہیں جانتے کہ سیرت امیر المومنینؑ پر متعدد ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر کتاب موجود ہے۔لیکن مالی وسائل کی دقت کی وجہ سے اس سلسلے میں اقدام کی ہمت نہیں پڑی۔ مگر جب امیر المومنینؑ کی شہادت کے چودہ سو سالہ یادگار کے منصوبے بننا شروع ہوئے تو مجلہ اصلاح کے مدیر اعزازی مولانا محمد حسنین باقری نے یہ عزم کیا کہ اس موقع کے اوپر نفس رسولؐ کی جلدوں کی اشاعت تو ہو جانا چاہئے اور اس سلسلے میں انہوں نے محنت بھی بہت کی۔جس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ناظرین سے التماس ہے کہ اوقات دعا میں ادارہ اصلاح کو شامل کرنے کو فراموش نہ فرمایا کریں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارہ اصلاح لکھنؤ

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

پنجشنبہ ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء

عرض مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منعم حقیقی کا لاکھوں لاکھ شکر کہ محض اس کے لطف وعنایات کے سہارے ۳ ہزار صفحات پر سات جلدیں سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ مکمل کرنے کے بعد دسمبر ۱۹۶۲ء میں "سبط اکبر" یعنی سوانح عمری حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا پایہ تکمیل کو پہنچی اس پر آشوب زمانہ میں جب کہ دین اور پیشوایان دین سے لوگوں کی دلچسپی ختم ہوچکی ہے۔ اتنی ضخیم جلدیں اور حقائق ومعارف کے ایسے بیش بہا ذخیرے شائع کرنا ہمارے بس کی بات نہ تھی یہ قادر وقیوم ذات احدیت کی تائید اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا صدقہ ہے کہ ہم ان مجلدات کی اشاعت پر قادر ہوئے اور ان مجلدات نے پرستاران حق وصداقت اہل ایمان وارباب ولا کی نگاہوں میں شرف قبول بھی پایا۔

اب ہم سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ کی آٹھویں جلد شروع کررہے ہیں۔ یہ سوانح عمری بیروت کے ایک نامور عیسائی محقق جارج جرداق نے پانچ جلدوں میں لکھی ہے، عرب ممالک میں اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسلامی علماء کے علاوہ غیر مسلم دانشوروں نے بھی مصنف کو گراں قدر لفظوں میں خراج تحسین ادا کیا۔ اردو میں اس کی اشاعت غالباً سب سے پہلی مرتبہ دفتر اصلاح سے ہورہی ہے۔

دو باتیں ابتدا میں عرض کردینی ضروری ہیں ایک یہ ہے کہ مولف ایک ترقی پسند ادیب اور عیسائی مکتبہ خیال سے تعلق رکھتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کی لکھی ہوئی ساری باتیں ہمارے لئے قابل قبول ہوں جہاں جہاں ہمیں اس کی عبارتیں حقیقت وواقعہ کے خلاف نظر آئی ہیں ہم نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرقہ حقہ امامیہ کا صحیح نظریہ اور اصل حقیقت واضح کردی ہے پھر بھی ممکن ہے ہماری نظر خطا کرگئی ہو کچھ ایسے مقامات بچ رہے ہوں جہاں تعرض کرنا ضروری ہو اور ہم تعرض نہ کرسکے ہوں لہٰذا ناظرین اسے ہماری ارادی لغزش پر محمول نہ فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب جدید عربی انشاء پردازی کا نمونہ ہے۔ جہاں ہم سے ممکن ہوسکا ہے لفظی ترجمہ کیا ہے جہاں دشواری محسوس ہوئی ہے وہاں صرف مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے جہاں مطالب تشنہ محسوس ہوئے ہیں اپنی طرف

سے اضافے کر دیئے ہیں۔

خداوند رحیم و کریم سے التجا ہے کہ جس طرح سابقہ جلدیں پسندیدہ مومنین ہوئیں۔ یہ جلد بھی قبولیت کی حامل ہو۔ وما توفیقی الا باللہ و علیہ توکلت والیہ انیب۔

کمترین محمد باقر النقوی

مقدمہ

ازقلم: میخائیل نعیمہ

بزرگوں کی تاریخ ہمارے لئے عبرت وتجربہ ایمان وآرزو کا سرچشمہ ہے، ایسا سرچشمہ جو کبھی خشک نہ ہوگا۔ بزرگان جہاں مثل ان بلند وبالا پہاڑ کی چوٹیوں کے ہیں جن پر ہم انتہائی اشتیاق اور دلچسپی سے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے روشنی کے منارے ہیں جن سے ہمارے گرد وپیش کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں، انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہمیں اپنی ذات پر بھروسہ ہوا۔ جینے کی امید بندھی اور زندگی کی نیک بختیوں سے بہرہ ور ہوئے اور اغراض وفوائد سمجھ میں آئے۔ اگر یہ بزرگان جہاں نہ ہوتے تو ان کی دیکھی اور بے سمجھی طاقتوں سے نپٹنے میں ہم پر مایوسیوں کا غلبہ ہوتا اور موت کے آگے ہم سپر انداختہ ہوجاتے اور کہتے موت! ہم تیرے غلام اور تیرے قیدی ہیں تو جس طرح چاہے ہمارے ساتھ پیش آ۔

مگر ہم نے کسی دن بھی اپنے کو ناامیدیوں کے حوالے نہ کیا اور نہ کبھی اپنے کو حوالے کریں گے کیونکہ فتح یابی وکامرانی ہمارا حصہ ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم سے پہلے بہت سے لوگ فتح یاب وکامیاب ہوئے، علی ابن ابی طالبؑ انہیں کامیاب ہونے والوں میں سے ایک ہیں یہ موت پر فتح پانے والے ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں اگرچہ زمان ومکان کے فاصلے ہمارے ان کے درمیان حائل ہیں مگر نہ تو زمانہ ہمیں ان کی باتیں سننے سے مانع ہے نہ فاصلے کی دوری ہماری نگاہوں کو ان کی صورتیں دیکھنے سے روک سکتی ہے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا اس کا بہترین ثبوت یہ کتاب ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ کتاب انسانیت کے ایک بڑے بزرگ کی تاریخ ہے جو اگرچہ عرب میں پیدا ہوا تھا مگر اس کی ذات عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں، اس کے عنایات و کرم کے چشمے اسلام نے ظاہر کئے مگر وہ اسلام ہی میں منحصر نہیں، اگر علی فقط اسلام ہی کے لئے ہوتے تو لبنان کے ایک عیسائی فاضل کے دل میں جذبہ بے اختیار شوق نہ پیدا ہوتا اور ۱۹۵۶ء میں وہ علیؑ کے حالات اور ان کی زندگی کے واقعات کی تحلیل و تجزیہ اور تفحص وتلاش کے درپے نہ ہوتا نہ ان کے مقدمات کے دلفریب فیصلے، دلچسپ واقعات اور بہادری وشجاعت کے محیر العقول کارنامے اس کے لئے ایسے باعث کشش ہوتے کہ وہ شاعرانہ نغمہ سرائیاں کرنے پر مجبور ہوتا۔

یکہ تازی امامؑ صرف میدان جنگ ہی تک محدود نہیں بلکہ آپ اپنی روشن ضمیری، پاک دلی، جادو بیانی، کمال انسانیت، حرارت ایمانی، بلندی ہمت، محروم کی ہمدردی، مظلوم کی نصرت اور حق وصداقت کی پیروی میں بھی یکہ تاز اور عدیم النظیر تھے۔

ایسے کہ تیرہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کے محیر العقول کمالات اور یکہ تازیاں ہمارے لئے مشعل راہ اور زندگی کو خوشگوار اور پاکیزہ بنانے میں انتہائی مفید و منفعت بخش ہیں۔

ہم نہیں چاہتے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے اس کے دلچسپ اور افادیت سے بھرے ہوئے مقامات کی نشان دہی کریں کیونکہ ایسے مقامات ایک دو نہیں بہیترے ہیں مختصراً ہم اتنا ہی کہتے ہیں کہ مصنف نے بہت سے دلچسپ مباحث کا ایک گلدستہ تیار کیا ہے۔ جو رنگا رنگ خوشنما پھولوں کی طرح نظرنواز اور نغمہ ہائے دل آویز کی طرح روح افزا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مصنف نے واقعات کی تشریح پوری طرح کی ہے اور سیاست و مذہب اور سماجی اور مالی مسائل میں امیر المومنینؑ کے نظریات وعقائد کو کافی شرح و بسط سے ذکر کیا ہے علاوہ اس کے امیر المومنینؑ کی زندگی میں پیش آئے ہوئے واقعات کی بڑی عمدگی سے وضاحت کی ہے اور نئے نئے مطالب بیان کئے ہیں جو پہلے کے مورخین بیان نہ کر سکے تھے۔

کوئی مورخ و مصنف کتنا ہی چابکدست اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک کیوں نہ ہو ہزار صفحوں میں بھی امیر المومنینؑ کی پوری پوری تصویر کشی کرنے پر قادر نہیں نہ ان ہولناک واقعات کو پورے طور سے بیان کر سکتا ہے جو امیر المومنینؑ کے زمانے میں پیش آئے۔

عرب کے اس محیر العقول، نادرہ روزگار انسان نے جو باتیں سوچیں کہیں اور عمل میں لائیں وہ ایسی باتیں ہیں کہ نہ کسی کان نے پہلے سنیں نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھیں کوئی مورخ زبان اور قلم سے ان باتوں کو کتنا ہی شرح و بسط سے کیوں نہ بیان کرے پھر بھی وہ اس سے کہیں بیش از بیش ہیں۔ اس بنا پر آپ کی جتنی بھی تصویر کشی کی جائے وہ لامحالہ ناقص ہوگی۔

لیکن اس قسم کی کتاب میں مصنف کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ کے افعال و اقوال کی ہر ممکن ذرائع سے تلاش و جستجو کرے پھر انتہائی غور وفکر کے ساتھ ان افعال و اقوال کی گہرائیوں تک پہنچے اور ان کو اس طرح پیش کرے کہ امیر المومنینؑ کی تصویر سامنے آجائے جیسا کہ اس کتاب کے مصنف نے کیا ہے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کا لائق و فائق مصنف جیسا کہ وہ ماہر انشاء پرداز تحقیق کا دلدادہ اور انصاف کا شیدائی ہے علیؑ کی تصویر کشی میں بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے جسے دیکھ کر آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ تصویر ایسے انسان کی ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بزرگ ترین انسان تھا۔

میخائیل نعیمہ

گہوارۂ نبوت

عرب کی سرزمین بڑی حیرت انگیز اور اعجاز آمیز ہے۔ یہ کیفیت اس کی آئندہ بھی رہے گی۔ بڑے بڑے صحرا ہیں کہ اگر بارش سے محروم نہ ہوتے اور سرسبزی وشادابی انہیں نصیب ہوتی تو یہ سرزمین دنیا کے بھوکوں کا پیٹ بھرتی اور عالم کے لباس سے محروم انسان کو لباس پہناتی ایسے ایسے لق ودق صحرا ہیں جن کی وسعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا مگر افسوس کہ یہ سرزمین ہمیشہ سے ریگستان رہی۔ اسی میں جابجا ریت کے ٹیلے ہیں چھوٹے چھوٹے، بے آب وگیاہ پہاڑ ہیں اور پتھریلی زمینیں ہیں جن پر نہ تو کاشت کی جاسکتی ہے اور نہ وہ رہنے بسنے کے لائق ہیں۔ زراعت ممکن ہوتی تو آبادی بھی ہوتی۔ باوجودیکہ یہ سرزمین تین طرف سے سمندر سے گھری ہوئی ہے۔ پھر بھی بارش انتہائی کم ہوتی ہے اور گرمی کے زمانہ میں تو سخت وشدید گرمی پڑتی ہے۔

کسی کسی حصہ میں بارش بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہاں کی ہوا میں خنکی آجاتی ہے مگر ان اطراف میں بادسموم اتنی چلتی ہے کہ ہر شاخ اور ہر سبزہ خشک ہوجاتا ہے بلکہ گرمی کے مارے جانور تک مرجاتے ہیں۔

شعرائے عرب بادصبا کو جو ہمیشہ پورب سے چلتی ہے بہشت کی نسیم سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ایسی نہریں جو برابر جاری رہیں ان کا سرزمین عرب میں کوئی وجود نہیں البتہ جب کبھی بارش ہوتی ہے اور ندی نالے بہہ نکلتے ہیں تو لوگ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بند باندھ کر پانی کا ذخیرہ کرلیتے ہیں جو کچھ ہی مدت کے لئے کافی ہوتا ہے۔

عرب کا جانور اونٹ دیگر مقامات کے جانوروں سے امتیازی حیثیت کا مالک ہے خداوند عالم نے اسے لمبے لمبے پیر دیئے ہیں تاکہ وہ دور دراز کی مسافتیں آسانی سے طے کرسکے اور لق ودق صحراؤں میں تھک نہ جائے کھر ایسے دیئے ہیں جن کی وجہ سے پیر ریت میں دھنستے نہیں اور جس قدر راستے دشوار گزار اور سنگلاخ ہیں اسی قدر اس جانور کو قوت صبر اور برداشت کی طاقت بھی خدا نے عطا کی ہے پھر گرمی اور شدت تشنگی سے مقابلہ کی اسے قوت بھی بخشی ہے ایسا معدہ دیا جس میں کئی کئی دن کے لئے پانی کرلیتا ہے پانی نہ میسر آنے کی صورت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا مالک کسی نہ کسی ذریعہ اس کے معدہ کا پانی نکال کر اپنی تشنگی بجھاتا ہے۔ عرب والوں نے اونٹ کے ہزاروں نام رکھ چھوڑے ہیں۔

اس سرزمین پر سبزہ کا وجود شاذونادر ہے کانٹے دار جھاڑیاں ہیں وہ بھی پانی کی کمی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے سوکھی کھلائی۔ وہاں کے گھر عام طور پر خیمے ہیں جو نہ گرم ہواؤں ہی سے بچاسکتے ہیں نہ حرارت آفتاب ہی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس خیمہ میں رہنے اور زیرآسمان زندگی گذارنے میں کوئی فرق نہیں، انہیں وجوہ سے وہاں کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے بھی وہ جا

بجا چھنگی ہوئی اور وہاں کے لوگ ایک جگہ جم کر رہنے نہیں پاتے برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے رہتے ہیں۔

عرب کے رہنے والوں کی غذا خشک خرما ہے اور اونٹ یا شکار میں ہاتھ آئے جانوروں کا تھوڑا بہت گوشت صحرا میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے ان کی فطرت میں کشت وخون اور جنگ وجدال داخل ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے صحراؤں اور وادیوں میں آفتاب کی تمازت ایسی سخت وشدید ہوتی ہے اور زمین ایسی تپ جاتی ہے کہ لوگ ریت پر جانور بھون لیتے ہیں۔ ایک ہی جیسے ریت سے بھرے ہوئے صحرا و بیابان مختصر آبادی حالات کی یکسانیت بڑی تھکا دینے اور زندگی کی ناگوار بنا دینے والی ہوتی ہے، آرزو اور امید جو زندگی کی مسرتوں کا سرمایہ ہوتی ہے اس صحرا میں اس کا کہیں وجود نہیں۔

ایسے مشکل حالات اور اس طرح کی یکسانیت کی زندگی کی وجہ سے صحرا میں رہنے والے عربوں کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ زندگی کے نشیب وفراز اور دنیا کے گوناگوں طور وطریقے سے واقف ہوں نہ سود وبہبود خیر وصلاح کی فکر ہی ان کے دل میں پیدا ہونی ممکن تھی۔ نیکی و پرہیزگاری جو انسان کے دل کو ایمان قبول کر لینے پر آمادہ کرتے ہیں بے آب وگیاہ زمین پر اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی خصلتیں تو سرسبز وشاداب زمینوں میں نشوونما پاتی ہیں نہ کہ پتھریلی اور خشک زمینوں میں نیز ایسے لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں جو ہر طرح کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو زندگی سے محروم ہوتے ہیں اس زمانہ کے چند چھوٹے چھوٹے شہر یا مختصر سی آبادیاں کسی گنتی میں نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ ان کی تعداد بہت کم تھی پھر ان کی حیثیت صحرائے بے آب وگیاہ اور نامناسب ہواؤں کی زد میں گھرے ہوئے چند خیموں سے زیادہ نہ تھی البتہ طائف اور مدینہ میں نسبتاً زندگی کے کچھ وسائل میسر تھے۔

رہ گیا مکہ تو وہ بت خانہ تھا اس کے باشندے تجارت پیشہ تھے اور ان کی نظر میں ایک دینار کسی انسان کی جان سے زیادہ قیمتی تھا۔

جہنم کی طرح تپتے ہوئے ریگ زار میں فقر وفاقہ کی زندگی حال کی شکستہ خاطری اور مستقبل کی ناامیدی بس یہ تھا جزیرۃ العرب۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس صحرا کے پڑوس میں ایسی سرسبز وشاداب زمینیں بھی موجود ہیں جہاں غذا بھی میسر اور پانی بھی اور تمام عیش وآرام کے اسباب بھی پھر بھی ایسے انسان بھی تھے جو ان تمام آسائشوں کو نظر انداز کر کے اس ریگزار اور بنجر زمین پر ایسے فقر وفاقہ اور ذلت ونکبت کی زندگی بسر کرنے کو زیادہ محبوب رکھتے تھے انہوں نے صحرا سے قدم باہر نکالنا ہی نہیں چاہا اور اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ کہ یہ لوگ اپنے وطن کو سارے جہان پر ترجیح دیتے ہیں وہ وہاں سے ہٹنا چاہتے ہیں نہ دوسری جگہ کو اپنا وطن بنانا پسند کرتے ہیں یہ صحرائے عرب کا معجزہ تھا پیغمبر جب کہ ابھی مبعوث بھی نہ ہوئے تھے۔

لیکن یہ تمام بہتے ہوئے سرد وشیریں چشمے یہ تمام سرسبز وشاداب زمینیں وہ باغ وبہار فضائیں دنیا بھر کی دولت وثروت

غرض وہ تمام نعمتیں اور آسائشیں جو دوسرے مقامات کو حاصل تھیں سوا زمین عرب کے ان تمام نعمتوں کا اگر آپ اس چیز سے موازنہ کریں جو سرزمین عرب سے نمودار ہوئی تو ان کی کوئی قدر و قیمت نگاہ میں نہیں باقی رہتی، اس معجزات کی سرزمین، صحرائے عرب نے دنیا میں وہ چیز پیش کی جو ان تمام نعمتوں سے عظیم اور بالاتر ہے۔

وہ بزرگ ہستی جس نے تمام انسانوں کو ایک رشتہ میں منظم کیا جس کی وجہ سے حقیقت کے سرچشمے صاف ہوتے زندگی کی قدر و قیمت ظاہر ہوئی نیکی و رستگاری نے عظمت پائی اور حقیقت سر بلند ہوئی یعنی محمد بن عبداللہؐ اور ان کے بہترین رفیق علی ابن ابی طالبؑ۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے بزرگ اور ان کے چچازاد بھائی کا اس سرزمین عرب میں جہاں انسان کی جان ایک دینار کے برابر قیمت رکھتی تھی پیدا ہونا نبوت کے بعد اس صحرا کا دوسرا معجزہ تھا۔

❁❁❁

دعوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چمکتے ہوئے آفتاب جیسی روشن آنکھیں، نور خورشید سے بڑھ کر روشن حقیقت لبوں پر، یثرب وطائف کے چمن سے زیادہ تر وتازہ دل، حجاز کی چاندنی راتوں سے زیادہ پسندیدہ اخلاق وعادات، تیز وتند ہواؤں جیسی جولانی طبع، زبان میں جادو، دل میں آسمانی روشنی شمشیر بُراں جیسی ارادوں کی پختگی اور زبان پر خدائی باتیں یہ تھے محمد بن عبداللہ عرب کے نبی یہ تھے بتوں کو شکست و ریخت کرنے والے پیغمبر وہ بت جنھوں نے بھائی سے بھائی کو جدا رکھا تھا صرف انہیں بتوں کو توڑنے والے نہیں بلکہ مال کے بتوں کے عادت کے بتوں کے، تعصب کے بتوں کے بھی توڑنے والے تھے۔

پست ہمت قریشیوں کو دنیا سے بس اتنی ہی غرض تھی کہ بدو عربوں کے ہاتھ سے پیسہ نکل کر ہماری جیب میں آجائے اور زندگی کی قدر وقیمت ان کے نزدیک اس کے سوا کچھ اور نہ تھی کہ ذاتی منفعت کی خاطر اونٹ پر بیٹھ کر خوانی کرتے ہوئے ہزاروں سختیوں کے ساتھ صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانیں اور پھر اپنے شہر مکہ پلٹ آئیں وہ مکہ جو بت پرستی کا شہر تھا اور جہاں صرف درہم ودینار کی عزت تھی۔

دفعتاً ان کے کانوں میں وہ صدا پہنچی جس نے ان کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ان کی خواہشیں خاک میں مل گئیں دنیا نے ان سے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا کہ:

"انسان کی قیمت وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو اور صحرا نشین بدوؤں کی غرض خلقت وہ نہیں جو تمہارے ذہن نشین ہے"۔

یہ آواز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز تھی:

قبیلہ اسد اور بنی تمیم والے کسی حد تک احمق وجاہل تھے جو اپنی لڑکیوں کو بغیر کسی سبب کے زندہ درگور کر دیتے تھے ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی سوا اس کے کہ ایک عادت چلی آرہی تھی، مشیت الٰہی سے انہیں ضد تھی فطرت کا حسن انہیں ناپسندیدہ تھا۔ یہ آواز جو انتہائی شفقت ومحبت کی ترجمان تھی ان کے کانوں میں آئی کہ:

"اے لوگو! لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے باز رہو، بندگان خدا لڑکی بھی اسی طرح خدا کی مخلوق ہے جس طرح لڑکے۔ بندگان خدا میں سے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو زندگی کی نعمت سے محروم کرے وہ خدا ہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔

یہ آواز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز تھی۔

عرب والے ہمیشہ باہم برسرِ پیکار رہتے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، معمولی معمولی باتوں پر برسہا برس کشت و خون جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا وہ اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹتے اور اس پر فخر و مباہات کرتے، لڑ بھڑ کر مرجانا اور اپنی جہالت پر قربان ہو جانا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، بچے چیختے چلاتے اور اس حالت میں پلتے بڑھتے کہ ان کے دل میں نہ تو کسی کی محبت ہوتی اور نہ ہمدردی۔

اس عالم میں ایک آواز پہلی ہی آواز سے متصل ان کے خیموں میں گونجی گھن گرج سے زیادہ سخت اور آندھیوں کے جھکڑ سے زیادہ دہشتناک کہ:

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو، تم لوگ آپس ہی میں کٹے مرتے ہو حالانکہ تم سب ایک خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک دوسرے کے بھائی ہو، لڑائی شیطانی کاموں میں سے ہے، صلح و آشتی تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے۔ وہ نعمت جس کے لئے تم جنگ و جدال کرتے ہو وہ فقط صلح ہی کے ذریعہ نصیب ہو سکتی ہے"۔

یہ آواز بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی آواز تھی۔

عربوں سے بڑھ کر کوئی قوم متکبر اور خود پسند نہ رہی ہوگی وہ غیر عرب والوں کو اپنے سے پست سمجھتے تھے۔ حد یہ ہے کہ وہ غیر عربوں کو انسانوں ہی میں نہیں شمار کرتے تھے۔ یہ بدترین خصلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ پر انتہائی شاق تھی آپ نے ان متکبروں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

"لیس لعربی فضل علی عجمی الا بالتقوی، والانسان اخو الانسان احب ام کرہ"

"کسی عرب کے رہنے والے کو غیر عرب پر فخر نہیں سوا بسبب پرہیزگاری کے۔ انسان انسان کا بھائی ہے چاہے اسے پسند ہو یا ناپسند" یہ آواز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی آواز تھی۔

وہ ستم رسیدہ آوارہ و پریشان حال افراد بادِ سموم نے جن کے چہرے کی رونق جھلس دی تھی۔ سماج اور معاشرہ نے جنہیں نکال باہر کر کے عرصہ حیات ان پر تنگ کر رکھا تھا اور وہ ریت کے ذروں سے بھی زیادہ لوگوں میں حقیر و ذلیل تھے جن کی زندگی انتہائی تیرہ و تاریک ہو چکی تھی یہی لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے رفیق تھے جس طرح فقیر و نادار اور سماج کے نکالے ہوئے افراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے رفقاء و احباب تھے اور جس طرح تمام بزرگان جہاں کے رفیق فقراء اور نادار انسان ہوا کئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لوگوں کے لئے ڈکٹیٹرانہ حکومت کی روک تھام کی غلامی اور بندگی کو منع کیا اور انسان کو اپنے ہی

جیسے انسان کی بندگی سے آزاد کیا اور بیت المال کو قائم کیا تا کہ اس سے بلاتخصیص سبھی فائدہ اٹھائیں لوگوں کی کوششوں کا رُخ رفاہ عامہ کی طرف موڑا تا کہ ہر ایک کو فائدہ پہونچے۔ اکابر قریش کو جو آپ کے عزیز و اقارب تھے قدم قدم پر سرزنش کی تا کہ وہ اپنی حالت کو درست کریں اور نیکیوں کی طرف متوجہ ہوں اور پورے دل کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ رہیں کہ اسی نے منتشر اور پراگندہ موجودات کو ایک رشتہ میں پرو رکھا ہے۔

لیکن قریش والے نادانوں اور بے سمجھ بچوں کو بھڑکاتے کہ آپ کو پتھروں سے ماریں اور آپ کا مذاق اُڑائیں۔

وہ ستم دیدہ و بے خانماں افراد مظلوم و مجبور غلام جن کی ایک فرد موذن پیغمبر بلال بھی تھے ان کے دل یہ آواز سُن کر کھل اٹھے کہ:

''تمام انسان خدا کا دیا کھاتے ہیں سب سے خدا کو محبوب وہ ہے جو خلق خدا کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے''

یہ آواز محمدؐ کی آواز تھی۔

اور وہ لوگ جو آپ کے دشمن تھے آپ پر پتھر پھینکتے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے انہوں نے یہ صدائے جانفزا سنی:

ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين.

اور اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے پس (اب بھی) تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگوں اور ان سے کام کاج میں مشورہ کرلیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو (کیونکہ) جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔

یہ آواز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز تھی۔

وہ لوگ جو بہتر زندگی کے لئے راہ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگائے تھے اور بت پرستی اور بدکاری کے خلاف آپ حمایت ونصرت پر کمر بستہ تھے جنہیں یہ فکر دامنگیر رہتی کہ کہیں میدان قتال میں حقوق رائیگاں اور اخلاق کریمانہ برباد نہ ہو جائیں ان کے دلوں پر یہ پاکیزہ کلمات پتھر کی لکیر بنے ہوئے تھے کہ:

"لا تغدروا ولا تغلوا ولا تقتلوا وليدا ولا امراة ولا شيخا فانيا ولا منعزلا بصومعته ولا تحرقوا نخلا ولا تقطعوا شجرا ولا تهدموا بناء"

خبردار غداری نہ کرنا، خیانت کے مرتکب نہ ہونا نہ کسی بچے کو قتل کرنا نہ عورت کو نہ سن رسیدہ مرد ضعیف کو نہ ایسے راہبوں کو

جو گرجا میں گوشہ نشین ہوں نہ کسی درخت خرما کو جلانا نہ کسی درخت کو کاٹنا نہ کسی عمارت کو منہدم کرنا۔

یہ آواز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز تھی۔

عرب والوں نے یہ آسمانی آواز محمد بن عبداللہؐ سے سنی اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں انہوں نے یہ آواز پھیلا دی۔ بڑے بڑے جابر بادشاہوں اور صاحبان تخت و تاج کو اس آواز میں ڈھک لیا، انسانوں میں بھائی چارہ قائم کر کے ایمان کے رشتہ میں ایک دوسرے کو منظم کیا اور انسان اور خدائے وحدہ لاشریک میں وابستگی پیدا کی۔

محمد ابن عبداللہ کا سایہ اتنا پھیلا اور اتنا ہمہ گیر ہوا کہ پرانی دنیا سبھی اس سایہ تلے آگئی اور آتے ہی مشرق سے لے کر مغرب تک کی زمین خیر و معرفت اور صلح و آشتی کے پھل پیدا کرنے لگی۔ پیغمبر نے بالائے جہاں ہاتھ بڑھا کر دوستی و برادری کے پیچ چھینٹے، آپ کا وہ ہاتھ اب تک بڑھا ہوا ہے اور اسی طرح تخم ریزی کر رہا ہے اسی لئے دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا موجود نہ ہوں ایک آدمی ہند میں ہے دوسرا اندلس میں لیکن دونوں ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہیں پیغمبر نے مشرق والوں کو وہ عزت بخشی اور وہ فخر و ناز دے گئے جوان کے سر پر درخشندہ تاج بنا ہوا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ آواز انسانی بھائی چارے کی دعوت تھی۔ اس آواز نے حاکموں کے ہاتھوں کو رعیت اور ان کے زر و مال تک پہونچنے سے روک دیا۔ تمام انسانوں کو برابر کے حقوق دیئے چھوٹے بڑے حاکم محکوم عربی و عجمی سبھی کو، کسی کی تخصیص نہیں۔ کیونکہ تمام انسان خدا کے بندے اور اسی کے خوان کرم سے روزی پاتے ہیں۔

اس آواز نے عورتوں کو مردوں کے ظلم سے رہائی دلائی، مزدور کو سرمایہ دار کے ظلم سے نجات بخشی، غلاموں خادموں کو آقا کی بندگی کی ذلت سے آزاد کیا۔ تمام انسانوں کو حکومت میں دخیل بنایا۔ افلاطون اور دیگر فلاسفہ کے نظریہ کے خلاف جو پیشہ وروں کاریگروں کو ان کے ذلیل پیشہ کی وجہ سے شہری حقوق سے محروم قرار دیتے ہیں اور جنہوں نے انسانوں کو حقوق اور پیشہ کے لحاظ سے کئی طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

سوخوری اور ایک انسان کے دوسرے انسان کو لوٹنے سے منع کیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے بعد علی ابن ابی طالبؑ کی آواز تھی جنہوں نے انسان کو مکارم اخلاق کی طرف دعوت دی

❁❁❁

تاریخ عالم پر ایک نظر

"علیؑ ابن ابی طالبؑ بزرگوں کے بزرگ اور ایک ایسی منفرد ہستی تھے جس کی نظیر نہ مشرق میں پیدا ہوئی نہ مغرب میں نہ پہلے نہ بعد" شبلی شمیل

اپنے گوش ہوش کو تاریخ عالم پر لگاؤ تو ایسے امر کی خبر سنو گے کہ دسیوں صدیاں گزرنے کے بعد ابھی تک اس کا جواب پیدا نہیں ہوسکا۔ اپنے دل و دماغ سے واقعات دنیا کا جائزہ لو تو ایک ایسی شان دار شخصیت تم کو ہمہ تن جذب کرے گی کہ اس کے بلند خیالات کے سامنے ہر چیز پست نظر آتی ہے، نہ اس کے نزدیک دنیا اور زندگانی دنیا کی کوئی حقیقت ہے نہ اولاد و اعزہ اور دولت و سلطنت کی کوئی وقعت۔

یہ ہستی اتنی بلند و بالا ہے کہ اس کو معمولی انسانوں کی صف میں نہیں بٹھایا جاسکتا اور اس کی نگاہ عقل اتنی گہری ہے کہ اس کو آدمیوں کی عقل و فکر سے صرف نام کی مشابہت ہے۔

دل کے کان کھول کر سنو تو زمانے کی تاریخ تم کو راہ حق و عدالت کے ان شہیدوں کا افسانہ سنائے گی جن کے خون سے آسمان کا کنارہ گلرنگ ہے اور افق کی طرف دیکھنے سے تم کو دہری سرخیاں نظر آئیں گی، ایک فطری سرخی اور دوسری شہیدان راہ حق و انصاف کے خون کی سرخی۔

تاریخ مشرق پر ایک نگاہ ڈالو اور فہم و ادراک کی اس عظیم طاقت کا پتہ لگاؤ جو ہر دائرہ فکر بلند کا مرکز اور ہر صحیح دلیل و منطق کی اصل ہے۔ زندگیٔ دنیا اور حیات آخرت کے بارے میں ہر جدید تحقیق اور نئی رائے اسی سے وابستہ ہے۔ بشری نظام و قوانین، تمدنی اصول اور اخلاقی قواعد میں جو گہرا نظریہ تمہارے علم میں آیا ہو وہ اسی سرچشمے سے جاری ہوا ہے۔ یہ قاعدے جماعت انسانی کے باہمی ارتباط و امداد اور شرکت کار پر مبنی ہیں کون سی قوت فکر ا ہے جس نے حکمت میں ایک نیا مسلک اور تازہ روش اختراع کر کے لوگوں کے سپرد کی اور اگلے لوگوں نے اس کو پیچھے آنے والوں تک پہنچایا؟ ہر شخص نے اپنی سمجھ کے مطابق اس سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن ابھی تک کوئی اس کے حقیقی فلسفے اور گہرائی تک نہیں پہنچا۔

ضرورت اس کی ہے کہ دوسرے دماغ اور دوسری عقلیں ان مطالب سے تازہ ترین انکشافات کریں۔

۱چونکہ اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے لہٰذا اس سے زیادہ توقع نہ رکھنا چاہئے کہ وہ امیر المومنینؑ میں ایک مافوق البشر قوت فکر تجویز کرے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے علوم کو غور و فکر سے نسبت نہ دینا چاہئے کیونکہ وہ وحی و الہام سے ماخوذ ہیں اور پیغمبر و جبرئیل کے توسط سے منجانب خدا آپ کے قلب پر ان کا فیضان ہوا ہے اور فکر و نظر چاہے جس قدر عمیق اور مافوق .... علوم کا حدود ممکن نہیں ہے جیسے حضرت کو حاصل تھے بلکہ ان کا عشر عشیر بھی ناممکن ہے۔

کون سا وہ روشن خیال ہے جو خود رنج وتعب میں ہے اور دوسرے لوگ اس کی وجہ سے نعمت وراحت میں ہیں؟ جس نے دوست ودشمن دونوں کے لئے راستہ تیار کیا اور کررہا ہے۔ ایسا دانشمند جو ہر چیز کے اسباب ونتائج سے بحث کر کے دوسروں کے لئے کشف ووضاحت کرنے پر دل وجان سے آمادہ ہے۔

ایسا باریک بیں عالم جس نے ہر مطلب میں غور وفکر کیا ہے اور کسی چیز کا علم اس سے پوشیدہ نہیں ہے یہاں تک کہ جو کام لوگوں نے ابھی انجام نہیں دیئے ہیں بلکہ دماغوں میں صرف ان کا تخیل قائم ہوا ہے وہ بھی اس کو معلوم ہیں۔

زور طبیعت ایسا کہ مشرق میں جو علم اس کے بعد ظاہر ہوا وہ بھی اسی سے وابستہ ہے بلکہ سب کا سرچشمہ اور بنیاد وہی ہے۔

کبھی تم نے ایسی رسا اور کامل عقل دیکھی ہے جس نے بزرگ ترین حقیقت کو پہچان لیا ہو؟ اور وہ حقیقت اجتماعی رشتے کی اصل، جماعت کی تشکیل کا سبب اور ہر ایک کے اپنے ایک مخصوص راستے پر چلنے کا باعث ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ ایک گروہ ایک راستے پر چلتا ہے تو دوسرا کسی دوسرے راستے پر؟

اس مطلب کو جسے حضرت نے تیرہ سو سال سے زیادہ مدت پہلے سمجھ لیا تھا آج اس کو مشرق ومغرب کے علماء نے اپنی بحث کا جدید موضوع قرار دیا ہے۔ اس سے میری مراد وسائل زندگی کی ضرورت اور سامان معیشت ہے جس کو پانے کے لئے لوگ مختلف راہوں پر دوڑ رہے ہیں۔ ایک جماعت اپنے حدود سے آگے بڑھ کر قواعد عدالت کو نظر انداز کئے ہوئے ہے اور دماغوں کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کررہی ہے۔ سرمایہ دار طبقہ دولت حاصل کرنے کے لئے برسر حکومت افراد مفت کام لینے اور رعایا کو قابو میں رکھنے کے لئے اور بدعت تراش لوگ اپنے اطاعت گزاروں اور حلقہ بگوشوں کو اکٹھا کرنے کے لئے بے معنی حیلہ سازی اور غلط منطق سکھانے میں مشغول ہیں تا کہ اپنا ناجائز مقصد حاصل کرسکیں۔

کیا تم اس عقل کو پہچانتے ہو جو ایک ہزار سال قبل اس حقیقت کو معین کر جائے جو ہزاروں اوہام باطلہ کو منسوخ کرنے والی ہو اور کہہ جائے کہ "اگر کوئی شخص بھوکا رہتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس کا حصہ دوسرے نے لے لیا ہے"۔ اور پھر بتائے کہ "میں نے کوئی ایسی وافر نعمت نہیں دیکھی جس کے ساتھ کوئی ضائع شدہ حق موجود نہ ہو"۔ اپنے ایک عامل کے پاس احتکار کے بارے میں لکھا ہے کہ "اس کام میں عام لوگوں کا نقصان اور حکام کے لئے عیب ہے لہٰذا احتکار سے منع کرو۔[1]

ایک مرد بزرگ اور عقل دور بین نے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے انسانیت کا صحیح راز دریافت کیا اور معلوم کیا کہ

---

[1] مسیحی انسان کی نگاہ میں یہ بات تعجب خیز ہے کہ کوئی شخص ہزاروں سال قبل اس چیز کا ادراک کرلے جس کو آخری زمانے کے فلاسفہ زحمت کے ساتھ حاصل کرسکے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کے لئے یہ چیز عجیب نہیں ہے کیونکہ وہ علی علیہ السلام کے علم کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روحی والہام سے ماخوذ اور خدا تک منتہی سمجھتا ہے۔ پس حضرت کے لئے یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ ایک معمولی مطلب کو پہلے ہی سمجھ لیا۔

فضائل و مکارم اور اخلاق پسندیدہ انہیں لوگوں کی سرشت میں رکھے گئے ہیں جن کے لئے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اور ان کے حق میں ہر ظلم اور نقصان رسائی کو جائز سمجھتے تھے۔

اٹلی کے بت تراش رفائیل نے مادر عیسیٰ اٹلی کی ایک دیہاتی کاشتکار عورت کی صورت میں تیار کیا اور ہر قسم کے اچھے انسانی صفات اس میں نمایاں کئے۔ٹالسٹائے والٹر اور گوئٹے نے بھی اپنی دماغی کاوش اور تخئیل سے اسی کو تجویز اور ثابت کیا جس کی تصویر کشی رفائیل نے اپنے ہاتھوں سے کی تھی، لیکن اس بزرگوار نے سیکڑوں برس پہلے ہی اس مفہوم کو واضح کر دیا۔امراء و حکام منافع خوروں اور خود غرض لوگوں کا مقابلہ کیا۔مظلوموں کے بارے میں ان کے غلط اور بے ہودہ انداز خیال کی مخالفت کی اور قسم کھا کر کہا کہ "خدا کی قسم میں ظالم سے مظلوم کا حق وصول کروں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اس کو کھینچتا ہوا سر چشمہ حق کی طرف لاؤں گا چاہے اس کو ناگوار ہی ہو"۔

ان باتوں سے جو آپ نے اپنے زمانے والوں کے لئے کہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس دور کے لوگوں کو اچھی طرح سے پہچان لیا تھا، وہ تھا ان بے حقیقت امرا اور سرداروں کا گروہ جو اپنی نالائقی کے باوجود عہدے پائے ہوئے تھے اور ان محکوم و مجبور اور بدنصیب لوگوں کی جماعت جن کو سوا اطاعت کے کوئی چارہ نہ تھا۔آپ نے اختصار کے ساتھ کہا اسفلکم اعلاکم و اعلاکم اسفلکم تمہارے زیردست لوگ بلند مرتبہ اور تمہارے بلند مرتبہ لوگ پست و ذلیل ہیں۔[1]

اس کلام سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ محکوم و زیر دست لوگ اپنی مجبوری اور با اقتدار طبقے کے ظلم کی وجہ سے اپنے مکارم اخلاق اور صفات حمیدہ کے اظہار سے محروم ہیں اور بڑے لوگ اپنے عیوب کو لباس فاخرہ کے پردے میں چھپائے ہوئے ہیں۔

اس بزرگ ہستی نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ حقیقت اور فضیلت ایک امر مسلم اور ازلی چیز ہے جو ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ سارے انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں اس کے مرتقب ہیں اگرچہ ہر شخص ایک نئے طریقے سے اس کی تاویل کرتا ہے۔ قدیم سے قدیم امتیں اسی کے سائے میں پل رہی ہیں لیکن اس کو جانتی نہیں۔انہوں نے اپنے خیالات و عقائد کو اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں پایا ہے اور انہیں کو پسند کر لیا ہے اس لئے کہ ان کو مان لینے سے تحقیق و تجسس کی مشقت سے ان کو نجات مل گئی اور تقلید کی عادت ان کی فطرت بن گئی ہے۔

---

[1] امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد اس فتنے کی طرف اشارہ ہے جو آپ کے زمانہ خلافت میں اٹھایا گیا اور جس نے جماعت اسلام کو زیر و زبر کر دیا۔مصنف نے جو استنباط کیا ہے وہ اگرچہ اس کلام سے مستفاد نہیں ہوتا لیکن ایک امر مسلم ہے اور حضرت کے دیگر ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ پیغمبروں کے مبعوث ہونے کی بہترین غرض اور ان کی کامیابی کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے انفرادی حریت اور آزادی فکر کو رواج دیا۔اس لئے کہ جابر حکومتوں میں اور نمرود و فرعون وغیرہ کے دور استبداد میں لوگوں کی جان اور مال سب انہیں ظالم حکمرانوں کے قبضہ اختیار میں تھا لہٰذا قوت فکر مفلوج اور طبیعتیں دم بخود تھیں۔

سارے عقائد وخیالات کی بنیاد یہی ہے کہ ایک حقیقت مطلق موجود ہے اور بحث ونظر کی بنیاد اسی پر قائم کرنا چاہئے۔ دل ودماغ اور اس عادت وخصلت نے جو ان سے پیدا ہوتی ہے ہر کیفیت اور شوق اور نفس کی ہر صفت نے چاہے وہ جس شکل و صورت میں ہو اس حقیقت مطلق کو حاصل کرنے کے لئے علی ابن ابی طالبؑ کے وجود میں ایک دوسرے کی امانت کی اور علیؑ نے اس کو پالیا اور اپنے دل ودماغ سے یقین کرلیا کہ جس چیز کی بنیاد حق پر قائم ہو وہ متزلزل نہیں ہوتی، چنانچہ آپ خود اس استقلال کا نمونہ تھے کہ فتح ہو یا شکست آپ دونوں حالتوں میں اپنے کو غالب پاتے تھے جنگ کا میدان ہو یا سیاست کا ہر مقابلے میں غالب یا مغلوب ہونا آپ کے نزدیک برابر تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ حقیقت میرے ساتھ ہے اور آپ خود ہی اس کے میزان اور حق و باطل میں امتیاز قائم کرنے والے تھے۔

سارے کرۂ زمین کی تاریخ میں ایسے مستحکم عقیدے کا کوئی جواں مرد نہیں مل سکتا جس میں کسی قسم کی سستی پیدا نہ ہو اور بغاوت کی آتش فشانی اس کو لرزہ براندام نہ کرسکے۔ عقیدے کو ڈانوڈول کرنے والی اس سے بڑھ کے کون سی چیز ہوگی کہ دشمن انتہائی طاقت ور اور آپس میں متحد ہوں اور کسی شخص پر جس قدر ممکن ہو بری تہمتیں یہاں تک کہ کفر وگمراہی کے الزامات بھی لگا رہے ہوں؟ اور موت کی دھمکی یا موت سے زیادہ عقیدے کو خاکستر بنانے والی اور کونسی آتش فشانی ہوگی؟ لیکن علیؑ ان میں سے کسی ایک سے بھی سست نہیں ہوئے اور کوئی مانع ان کو ان کے راستے سے منحرف نہیں کرسکا عقیدے کی ترویج میں کسی قیمت پر اپنی کوشش اور لگن سے باز نہیں آئے اور اس کام سے نہ کوئی فائدہ اٹھانا چاہا نہ جاہ ومال کی خواہش کی۔ آپ کا نفع صرف عقیدے کی کامیابی تھا۔

تاریخ عالم میں تم نے کوئی ایسا لطف وکرم اور محبت وشفقت سے سرشار صاحب دل پایا ہے جس کو چاروں طرف سے حریص مطلب پرستوں، سرکش جاہ طلبوں اور کینہ پروروں نے گھیر رکھا ہو اور اپنے فوائد کے لئے ایک دوسرے کو پھاڑ کھائے جا رہے ہوں اور وہ لطف ومحبت سے لبریز بیانات کے ذریعہ ان کو صلح وسلامتی کی دعوت دے رہا ہو، پھر بھی وہ لوگ اس سے لڑنے کے لئے یک دل اور یک زبان ہو رہے ہوں؟

آج جس قدر اقوال موجود ہیں اور جن لوگوں کو لوگ بولتے یا لکھتے ہیں اور ہر شخص ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اپنی خصلت اور فطرت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوتا ہے ان میں سے کلمات طہارت وعصمت کو تم نے کسی کے اندر ان کے حقیقی

مفہوم کے ساتھ پایا ہے؟ دل کی پاکیزگی، نیت کی صفائی اور ایسی طہارت کو جس میں کسی برائی اور گندگی کی آمیزش اور آلودگی نہ ہو۔[1]

اگر ہم کسی محسوس چیز سے تشبیہ دینا چاہیں اور کہیں کہ اس شبنم یا صبح کی برف کے مانند ہے جو پھول کی پنکھڑی پر جمی ہوئی ہو، تب بھی ہم نے صحیح نہیں کہا کیونکہ یہ قلب و روح کی باطنی طہارت ہے جو رات یا صبح سے نہیں بلکہ پاکیزہ خیالات سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ خالص اور کسی آمیزش سے پاک طہارت اس صاحب دل کے نزدیک اسی قدر عزت رکھتی ہے جس قدر جاڑوں میں سردی سے کانپتے ہوئے لوگوں کے نزدیک دھوپ اور گرمیوں میں جھلستی ہوئی کھیتی کے لئے پانی۔

دنیا کی بزرگ ہستیوں کے درمیان جو شخص محبت و وفا میں سب سے آگے تھا وہ علیؑ تھے وفا ان کی سرشت و عادت اور ان کے جان و دل میں پیوست تھی۔ لوگوں سے محبت رکھتے تھے لیکن اس کو خود اپنی ذات سے وابستہ نہیں کرتے تھے۔ اپنا عہد پورا کرتے تھے، وفاداری ان کی ذات کی حقیقت تھی۔ انہوں نے اپنی فطری اور گہری ذہانت سے دریافت کیا کہ آزادی سب سے مقدس چیز ہے، ساری دنیا اس کی خواہاں ہے اور کسی نعمت کو اس کے برابر نہیں سمجھتی[2] صحیح قوت فکر اور اچھی خصلت آزاد آدمیوں میں ہوتی ہے اور سچی محبت اور خالص وفاداری بغیر آزادی کے ممکن نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ "بدترین بھائی وہ ہے جس کے لئے تکلف کرنا پڑے" اور بہترین شخص وہ ہوگا جو ایسا نہ ہوگا۔

کیا تم کسی ایسے فرمانروا کو پہچانتے ہو جس نے ہمیشہ پیٹ بھر کے روٹی کھانے سے اس لئے پرہیز کیا کہ اس کی رعایا میں سے اکثر لوگوں کو شکم سیری نصیب نہیں ہے؟ نفیس کپڑا اس وجہ سے نہیں پہنا کہ بہت سے انسان موٹی کملی اوڑھ کر بسر کرتے تھے؟ پیسہ کبھی اس سبب سے جمع نہیں کیا کہ فقیر اور حاجت مند آدمی بہت ہیں؟ اپنی اولاد اور دوستوں کو وصیت کی کہ میرے قدم بہ قدم چلو۔ مسلمانوں کے بیت المال سے بغیر استحقاق کے مطالبہ کرنے پر اپنے بھائی کو ایک دینار دینے سے انکار کر دیا۔ اپنے اصحاب و تابعین اور عمال سے رشوت میں ایک روٹی وصول کرنے پر سخت باز پرس کرتا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص کو ان الفاظ میں تنبیہ کی اور بیت المال میں خیانت کرنے سے باز رکھا کہ "خدا کی قسم اگر تم نے لوگوں کے مال میں کچھ بھی خیانت کی تو تم پر ایسی سخت کاروائی کروں گا کہ مفلوک الحال، گراں بار اور بے آبرو ہو جاؤ گے۔" (**قليل الوفر۔ ثقيل الظهر**

---

[1] ہمارے عقیدے میں امیر المومنینؑ خطا سے معصوم تھے اور ان کا علم دعقیدہ وحی و الہام سے ماخوذ تھا اسی وجہ سے اپنی حقانیت پر یقین رکھتے تھے اور حقیقت مطلق کو دریافت کر لیا تھا لیکن دوسرے لوگ نیک صفات کو ایک امر موہوم اور ایفائے عہد کو خیال باطل سمجھتے تھے۔

[2] انسان خود مختاری کو پسند کرتا ہے اسی وجہ اگر کسی شخص کو قید خانے میں بند کر دیا جائے اور اس کے لئے ہر طرح کے وسائل معاش اور سامان راحت مہیا کر دیا جائے پھر بھی وہ اپنی آزادی کو ترجیح دیتا ہے۔ انبیاء جابر بادشاہوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان پر غالب آتے تھے جس کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے انسان اپنی جان و مال پر اختیار رکھتا ہے لیکن سلاطین لوگوں کے اختیارات سلب کر کے اپنے ارادے کو زبردستی ان کے سر منڈھتے تھے۔

فسئیل الامر)اور دوسرے کو اس فصیح و بلیغ عبارت کے ساتھ مخاطب کیا:

مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے زمین پر جھاڑو پھیر دی جو کچھ تمہارے زیر قدم تھا اس پر قابض ہو گئے اور جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں آیا اس کو کھا گئے پس اپنا حساب میرے پاس روانہ کرو۔

بلغني انك جردت الارض فاخذت ما تحت قدميك و اكلت ما تحت يديك فارفع الى حسابك ۔

پھر ایک رشوت خور کو جو بے بس لوگوں کا مال ہڑپ کر کے اپنی جیبیں بھرتا تھا۔ زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا کہ "خدا سے ڈرو اور لوگوں کا مال ان کو واپس کر دو۔ اگر تم نے اس کو واپس نہ کیا اور خدا نے مجھکو تم پر قابو دیا تو خدا کے روبرو جو کچھ میرا فرض ہے تمہارے بارے میں اس کو انجام دوں گا اور تم پر وہ تلوار لگاؤں گا کہ میں نے جس پر بھی اس کا وار کیا وہ واصل جہنم ہو گیا۔

تم نے کوئی ایسا بادشاہ سنا ہے جو اپنے ہاتھ سے چکی پیسے اور اس سے اپنی خوراک کے لئے ایسی خشک روٹی تیار کرے جو زانو سے دبا کر توڑی جا سکے؟ اپنے ہاتھوں سے اپنی جوتیوں میں پیوند لگائے؟ مال دنیا میں سے تھوڑا یا بہت کچھ بھی پس انداز نہ کرے کیونکہ اس کا مقصد سوا مصیبت زدوں اور مظلوموں کی امداد کے اور کچھ نہیں تھا تا کہ ظالموں سے ان کا حق وصول کرنے اور ان کی زندگی کو خوشحال بنائے؟ کبھی کھانے پینے اور چین سے سونے کی فکر میں نہیں رہا کیونکہ اس کے ملک میں بعض آدمی ایک ایک روٹی کو محتاج تھے۔ بہت سے پیٹ بھوکے اور بہت سے جگر بریاں تھے۔

جس کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ ہے اور کیا کہنا اس فقرہ کی بلاغت کا آیا میں صرف اس بات پر قناعت کرلوں کہ لوگ مجھ کو امیر المومنینؑ کہتے ہیں اور زمانے کی سختیوں میں ان کا شریک نہ بنوں"۔

ملک اور بادشاہی اگر حق کو قائم کرنے اور باطل کو زائل کرنے کے لئے نہ ہو تو وہ علیؑ کے نزدیک دنیا کی پست ترین چیزوں سے بھی زیادہ پست تھی۔

ان تمام انسانوں کے اندر جو عدالت میں مشہور ہوئے کون بزرگوار ایسا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کے سارے باشندے اس کے خلاف اجتماع کرلیں تب بھی یہ کہنا لازم ہے کہ وہ حق پر ہے اور سارے مخالفین باطل پر کیونکہ اس کی راستی اور عدالت اکتسابی نہیں بلکہ ذاتی تھی جس کے بعد دوسروں نے اس سے سبق حاصل کیا اس کے قوانین سیاست وحکومت کے بنائے ہوئے نہیں بلکہ حکومت وسیاست خود ان قوانین کی بنیاد پر قائم تھی۔ قصداً کوئی ایسا راستہ انتخاب نہیں کیا تھا جو اس کو مسندِ حکومت تک پہنچا دے بلکہ وہ راہ اختیار کی جس سے پاک وصاف دلوں میں اپنی جگہ بنالے اور عدالت اس کی روح کا جز اور اس کے قلب میں پیوست تھی جس نے دوسرے فضائل وکمالات کو بھی اپنے ساتھ سمیٹ لیا تھا۔ اس کے لئے عدالت سے ہٹنا اور اپنے فطری تقاضے سے

اختلاف ممکن نہ تھا۔ عدالت ایک ایسا مادہ اور عنصر تھی جو اس کے اعضاو جوارح اور عناصر بدن میں شامل اور خون کے مانند رگوں میں دوڑی ہوئی تھی۔

تم نے تاریخ کے صفحات پر کوئی ایسا بہادر پایا ہے جس کے مقابلہ پر ہوس پرستوں کا ایسا گروہ آیا ہو جس میں خود اس کے اعزہ بھی شامل ہوں اور آپس میں جنگ ہوئی ہو، پھر جو لوگ فتحیاب ہوئے ہوں وہ مغلوب ہو گئے ہوں اور وہ شکست کھانے کے بعد غالب رہا ہو؟ اس لئے کہ اس کے دشمن انسانیت سے دور تھے اور انہوں نے حیلہ سازی رشوت، دنیا طلبی اور مکرو فریب کو اپنا آلہ کار بنا کر ظالمانہ حیثیت سے تلوار اٹھائی تھی لیکن وہ فضیلت انسانی، حقوق بشری کی رعایت اور ترویج عدالت و مساوات کے راستے میں اپنے روشن دل اور دوربین عقل کے ساتھ کسی قسم کی منفعت بلکہ اپنی ہستی سے بھی درگزرا۔ اور یہی سبب تھا کہ ان کی فتح و پیروزی درحقیقت شکست تھی۔ اور اس کی شکست فضائل انسانی کے لئے ایک عظیم کامیابی تھی۔

تم نے صفحات تاریخ پر کسی ایسے دلیر جنگجو کا پتہ لگایا ہے جو اپنے مخالفین سے بھی انتہائی محبت رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ ان کو انسانی صفات سے متصف دیکھے؟ دشمنوں کے حق میں اس کی مہربانی اس حد تک پہنچ جائے کہ اپنے ساتھیوں کو ان کے بارے میں اس طرح وصیت فرمائے جب تک وہ خود لڑائی شروع نہ کریں تم ان سے جنگ کی ابتدا نہ کرنا، جب بحکم خدا ان کو ہزیمت ہو تو جو شخص میدان سے پیٹھ دکھائے اس کو قتل نہ کرنا، بھاگے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا، مجبوروں اور زخمیوں کو قتل نہ کرنا، اور عورتوں کو تکلیف نہ پہنچانا"۔

جب گیارہ ہزار دشمنوں کی فوج جو ناحق اس کے خون کی پیاسی تھی اس پر پانی بند کر دے تاکہ وہ پیاس سے دم توڑ دے اور وہ ان سنگدلوں کو بھگا کر دریا پر قبضہ کرلے تو انہیں لوگوں کو پانی کی طرف دعوت دے اور کہے کہ جس طرح ہم اور ہمارے ساتھی پانی لے رہے ہیں اور پرندے پیاس بجھا رہے ہیں تم بھی پانی لے جاؤ اور سیر و سیراب ہو۔ فرماتا تھا کہ "جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے اس کا اجر اس آدمی سے زیادہ نہیں ہے جو انتقام لے سکتا ہو پھر بھی درگزر کرے اس لئے کہ ایسا شخص خدا کے فرشتوں میں سے ایک ہے"۔ جس وقت ایک شقی نے اس کے سر پر ضربت لگائی اور وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو قاتل کے بارے میں اپنے اصحاب سے فرمایا "اگر اس کو معاف کر دو تو یہ تقویٰ و پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے"۔

ایسا دلیر جنگ آزما جس نے اپنی بے نظیر شجاعت کو شفقت و مہربانی کے ساتھ جمع کر رکھا تھا۔ دشمنوں کے اس گروہ کے لئے جو مخالفت میں یک زباں تھے صرف زبانی عتاب پر اکتفا کی، حالانکہ اگر چاہتا تو ایک ضرب شمشیر سے ان کو خاک میں ملا دیتا۔ عتاب اور فہمائش کے موقع پر بغیر سلاح جنگ کے سر برہنہ ان کی ملاقات کے لئے گیا۔ البتہ وہ اسلحے میں اس طرح غرق تھے کہ ان کے چہرے خود اور زرہ کے سوراخوں سے بمشکل نظر آتے تھے۔ اس کے بعد ان کو پرانی دوستی اور برادری کی یاد دلائی

اور شدت سے گریہ کیا کہ انہوں نے یہ غلط راستہ کیوں اختیار کیا۔ جب اچھی طرح سمجھ لیا کہ ان کے دلوں پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور وہ سوا میرا خون بہانے کے اور کچھ نہیں چاہتے تب بھی خود سے آغاز جنگ نہیں کیا بلکہ اس قدر تاخیر کی کہ انہیں لوگوں نے جنگ شروع کی۔ اس وقت مظلوموں کی خاطر سے تلوار کھینچی اور ان پر ایسا حملہ کیا کہ ان کے اعضاء میں تھرتھری پڑ گئی طوفان کی طرح ان کو درہم برہم کر دیا ریگ بیاباں کی طرح ان کو فضا میں منتشر اور پراگندہ کر دیا۔ ان کی آرزوؤں کو برباد کر دیا اور ان کینہ پرور ظالموں کو خاک وخون میں غلطاں کر دیا جو کھلم کھلا عداوت اور بغاوت کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر فتح وکامرانی کے بعد ان کے کشتوں پر زار زار گریہ کیا باوجود یکہ وہ خود غرضی اور دنیا پرستی کے مارے ہوئے تھے اور بدترین حرص وہوس نے ان کو اس ورطۂ ہلاکت میں لا ڈالا تھا۔

شاہان دنیا کی تاریخ میں تم نے کوئی ایسا بادشاہ سنا ہے جس کے لئے فرمانروائی اور ثروت کے وہ سارے اسباب فراہم تھے جو دوسرے کو حاصل نہ تھے پھر بھی اپنے لئے رنج وافسوس کا انتخاب کیا، نسل ونسب بلند تھا لیکن کہا کہ ”کوئی شرف وتواضع وانکسار کے مانند نہیں“۔ ایک جماعت اس کو دوست رکھتی تھی تو اس کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہو وہ اپنے لئے فقیری کا خرقہ تیار کرلے، ایک گروہ نے اس کی محبت میں غلو کیا تو فرمایا، میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاکت میں مبتلا ہوئے، غلو کرنے والا دوست اور کینہ جو دشمن“۔ اپنے حق میں کہا کہ ”خداوندا میری ان خطاؤں کو بخش دے جن کو لوگ نہیں جانتے“۔ ایک فرقے نے اس کو اپنا خدا سمجھ لیا تو اس کو سخت ترین سزا دی۔ دوسرا ایک گروہ جو اس کو دوست نہیں رکھتا تھا اس کو بھائی کی طرح نصیحت کی۔ ایک جماعت نے اس کو گالی دی۔ اس کے ہمدردوں کو اچھا نہیں معلوم ہوا اور انہوں نے بھی گالی دے کر عوض لیا تو فرمایا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ میرے دوست ہو کر گالی بکنے والے بنو“۔ لوگوں نے اس سے دشمنی کی، اس کے ساتھ بدی کی، اس کی غیبت کی اور اس کے مقابلے پر لڑنے آئے پھر بھی فرماتا تھا کہ ”اپنے بھائی کے ساتھ احسان کر کے اس کی تنبیہ کرو اور انعام واکرام کے ذریعہ اس کی طبیعت میں اصلاح کرو“۔

نیز فرمایا ہے کہ ”تمہارا بھائی مہر والفت کا رشتہ توڑنے میں تم سے زیادہ طاقت ور نہیں ہے، اگر تم اس کو جوڑنے کی کوشش کرو، اور ظلم وایذا رسانی میں تم سے زیادہ تیز دم نہیں ہے اگر تم نیکی اور احسان کا برتاؤ کرو“۔

لوگوں نے اس کو ترغیب دی کہ ظالمین کے ساتھ لطف ومدارات کا برتاؤ کرے تاکہ اس کی سلطنت مستحکم ہو جائے تو فرمایا کہ ”تمہارا دوست وہ ہے جو تم کو برائی سے باز رکھے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو تم کو برے کام کی ترغیب دے“ پھر فرمایا ”سچائی کو اختیار کرو چاہے اس میں تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو اور جھوٹ سے پرہیز کرو چاہے اس سے تم کو فائدہ ہی کیوں نہ پہونچتا ہو۔

کسی شخص پر احسان کیا تھا لیکن وہ لڑنے کے لئے مقابلے پر آگیا تو خود اپنی طرف خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اگر کوئی شخص تمہاری نعمت کا شکر ادا نہ کرے تو اس سے تمہارا احسان منقطع نہ ہونا چاہئے"۔

ایک مرتبہ اس کے سامنے دنیا کی نعمتوں پر گفتگو ہو رہی تھی تو کہا "دنیاوی نعمتوں میں سے خوش اخلاقی کی نعمت کافی ہے"۔

لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ دوسرے بادشاہوں کی طرح فتحیابی کے لئے ہر ممکن وسیلے سے کام لے تو فرمایا کہ "جس کے دل پر گناہ غالب آگیا وہ فاتح نہیں ہے اور جو شخص عمل بد کے ذریعے غالب آئے وہ دراصل مغلوب ہے"۔

اپنے دشمنوں کی ان بداعمالیوں سے چشم پوشی کرتا تھا جن کا علم سوا اس کے دوسروں کو نہ ہو اور بار بار فرماتا تھا کہ جواں مردی کی بہترین عادت یہ ہے کہ دیکھی ہوئی بات کو ان دیکھی قرار دے دے"۔

دشمن اور نادان دوست اگر کوئی ایسی بات زبان سے نکالتے تھے جو لوگوں کو اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی تو فرماتا تھا کہ "جو بات تم کسی سے سنو اور اس میں کوئی نیک احتمال ہو تو بدگمانی نہ کرو"۔

تم کسی ایسے دینی پیشوا کو جانتے ہو جو اپنے حکام کو ان الفاظ میں ہدایت دے کہ "لوگ یا تو دین میں تمہارے بھائی ہیں یا خلقت میں تمہارے مساوی، لہٰذا ان کے ساتھ اس طرح سے درگزر اور چشم پوشی کا سلوک کرو جس طرح سے تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے ساتھ کرے"۔

تم کسی ایسے بادشاہ کو پہچانتے ہو جس نے حق کو قائم کرنے کے لئے سلطنت سے ہاتھ دھولیا ہو؟ اور کسی ایسے صاحب ثروت کو دیکھا ہے جس نے اپنے سارے مال میں سے زندہ رہنے کے لئے صرف روٹی پر قناعت کی ہو؟ اور زندگی اس کی نظر میں خلق خدا کو فائدہ پہونچانے کا نام ہو؟ البتہ دنیا اس کے علاوہ کسی اور کو فریب دے۔ (فلتغر غیرہ)

مشرقی دنیا کے آثار میں آیا تم نے نہج البلاغہ کو پڑھا ہے کہ کتنے بلیغ اور موثر انداز میں اپنی فکر و قوت متخیلہ اور جذبہ انسانیت سے کیسے کیسے نادر اور انوکھے فقرات اخذ کر کے ان کو باہم ترتیب دیا اور جب تک زمانے میں انسان کا وجود باقی اور فکر و خیال اور انسانی جذبات موجود ہیں اس کتاب کی جاذبیت قائم رہے گی۔ سارے موزوں اور ایک دوسرے سے مربوط، اجزائے کلام نگاہ احساس میں انتہائی خوش آئندہ اور نظر عقل میں بہت ہی عمیق اور پر معنی ہیں۔ پورے جوش اور ولولے کے ساتھ حقیقت اور واقعیت کو بیان کیا ہے اور کی بھی خبر دی ہے۔ نادر مطالب کو حسین عبارت میں ضم کیا ہے اور جمال صورت کو کمال معنیٰ کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے اس کو اپنے سامنے رکھو تو ایک سیلاب عظیم اور طوفانی سمندر نظر آئے گا۔ یہ حوادث روزگار کے مانند ہے جس کو بدلنا ممکن نہیں ہے اور ایک حرف بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو بات کچھ کی کچھ ہو جائے۔ اس کا حسن بیان گوش خرد میں سرور انگیز

نغمے سے بھی زیادہ روح افزا ہے، اور اس کا ظاہری جمال نگاہ عقل میں رنگارنگ اور دل آویز نقوش سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، ایک نوادر و عجائبات سے بھری ہوئی دنیا ہے جو ہر قسم کی خوبصورت چیزوں سے پاٹ دی گئی ہے۔

چشم و گوش کے لئے لذت اور عقل و ہوش کے لئے آزمائش ہے۔ اگر زبان ملامت کھولی ہے تو آندھیوں طوفانوں میں اس کے تحمل کی تاب نہیں، اگر زجر و توبیخ میں لب کشائی کی ہے تو گویا ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بادلوں کی گرج کے ساتھ مجرمین کے سروں پر چنگاریوں اور بجلیوں کی بارش کر رہا ہے۔ اگر منطقی استدلال پر توجہ کی تو ہوش و خرد کو مسخر کرلیا اور سوا اپنی قائم کی ہوئی حجت و برہان کے ہر دلیل کا دروازہ بند کر دیا۔ اگر تمہارے دل کو کسی چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہے تاکہ تم اس پر غور کرو تو تمہاری حس اور عقل کو بہت نرمی کے ساتھ اپنی جگہ سے ہٹا کر اس رخ پر موڑ دیتا ہے جدھر وہ چاہتا ہے، اور اس چیز کی حقیقت تک پہنچا دیتا ہے نیز اس کی تحقیق کیلئے تمہاری ساری طاقت اکٹھا کر دیتا ہے جب نصیحت کرتا ہے تو پدرانہ شفقت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور اتنی محبت کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں معین کی جاسکتی ہے جب شکایت زمانہ، جمال آفرینش اور کمال ہستی پر تقریر کرتا ہے تو اپنا مطلب ستاروں کے نور کی روشنائی سے تمہارے صفحہ دل پر نقش کر دیتا ہے۔

بلاغت میں ساری بلاغتوں سے بلند ہے، ایک ایسا قرآن ہے جو اپنی منزل سے تھوڑا سا نیچے آگیا ہے عربی زبان کے تمام محاسن جو اس وقت تک تھے یا آئندہ ایجاد ہونے والے تھے اس کے بیان میں فراہم ہو گئے ہیں، چنانچہ اس کے متکلم کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ "اس کا کلام خدا کے کلام سے پست اور مخلوقات کے کلام سے بالاتر ہے"۔

عقل کا ایک ایسا سرمایہ علم کا اتنا بلند پایہ، اس حد کی بلاغت اور ایسی کامل شجاعت جس کے ساتھ ایسی محبت و عنایت ہو کہ اس کی کوئی حد ہی تصور میں نہ آسکتی ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کو حاصل ہو جائے تو انسان کی آنکھیں خیرہ کر دینے کے لئے کافی ہے، نہ کہ اگر ایک ہی فرد بشر کے اندر ان سب کا اجتماع ہو جائے تو کیا عالم ہو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ مفکر اور ادیب دانشمند، منتظم، حاکم اور سپہ سالار دفعتاً سارے انسانوں حاکموں اور جنگی سپاہیوں سے کنارہ کش ہو کر اور محبت و عنایت کا طریقہ اختیار کر کے اس طرح گوشہ نشین ہو جاتا ہے کہ کسی کے ساتھ سروکار نہیں رکھتا، صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانی خصوصیات میں تحریک پیدا کرے اور احساسات کو برانگیختہ کرے۔ دل کے کانوں میں ان لطیف و عمدہ باتوں کو جو گرمی محبت اور شدت جذبات کی دلیل ہیں بہت نرمی اور آہستگی کے ساتھ پہنچاتا رہے کہ: دوستوں کا نہ ہونا بمنزلہ غربت ہے" دوسروں کی مصیبت پر خوشی نہ مناؤ" "نرمی اور بخشش کے ذریعہ اپنے کو لوگوں سے قریب کرو" جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے در گزر کرو، جو شخص تم سے اپنی بخشش کو الگ رکھے تم اپنی بخشش سے اس کو محروم نہ کرو، جو شخص تم سے رشتہ منقطع کرے تم اس سے نیا

رشتہ قائم کرو، اور جو شخص تمہارے ساتھ دشمنی کرے تم اس کے دوست رہو"۔

ایسا بزرگ انسان جو بلندی فکر میں دنیا کے مفکروں سے خیر خواہی میں زمانے کے نیکو کاروں سے علم کی زیادتی میں عالم کے دانشمندوں سے، دقتِ نظر میں عرصہ گیتی کے محققین سے، عطوفت ومہربانی میں سارے محبت کرنے والوں سے، ترک دنیا میں تمام پرہیزگاروں سے اور اصلاحی نظریات میں قوم کے جملہ مصلحین سے آگے نکل گیا ہے۔ دردمندوں کا شریک غم، مصیبت میں مظلوموں کا ساتھی، دنیا کے ادیبوں کو ادب سکھانے والا اور دلیروں کے لئے ہنر آموز ہے، ترویج حق کے لئے جان کو ہتھیلی پر لئے ہوئے ہے، ہر انسانی فضل وکمال کی بلند ترین منزل سے بھی اونچا جا چکا ہے، اور ان تمام صفات میں اس کا قول وعمل یکساں ہے کسی نیک کام میں سستی نہیں کی ہے اور ہر ایک میں پیش پیش رہا ہے۔ یہ انسان اس قدر بزرگ وبرتر تھا کہ اس پر دشمنوں کا غلبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور دوسروں کی فتحیابی کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی، اس لئے کہ اس زمانے میں ہر چیز الٹی ہوگئی تھی، داہنا بائیں جگہ پر اور بایاں داہنے کی جگہ پر تھا۔ پست وبلند نور وظلمت اور زمین وآسمان سب ہی اپنی اپنی جگہ پر برعکس صورت میں نظر آتے تھے۔

علی علیہ السلام کی حیثیت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تاریخ ان کو پہچانے یا نہ پہچانے اور اس وجہ سے ان کی شان میں زیادتی یا کمی معلوم ہو، ان حالات کے باوجود تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ علی علیہ السلام فکر بشری کی عمیق ترین منزل تھے حق وحقیقت کی راہ میں اپنی جان قربان کی شہیدوں کے باپ، عدالت کے منادی اور مشرق کے وہ یکتا انسان تھے جو ہمیشہ کے لئے زندہ اور باقی ہیں۔

اے زمانے! کیا ہو جاتا اگر تو ہم لوگوں پر مہربانی کرتا اور ہر دور میں ایک علیؑ جیسا جواں مرد اسی دل ودماغ اور زبان وذوالفقار کے ساتھ عطا کر دیا کرتا؟

❁❁❁

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو طالبؑ

جب ہم تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر کے صرف ظاہری حالات پر نہیں بلکہ حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی حالت اور سرگزشت بھی وہی ہے جو محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی، اور آپ کا نیز آپ کے ساتھیوں کا طرز عمل معاویہ اور اس کے ہمراہیوں کے مقابلے میں ویسا ہی تھا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا ابو سفیان ابو جہل اور باقی قریش کے مقابلے میں تھا۔ ان دونوں کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک حکومت کی تشکیل اور اشراف قریش کی جماعت کو زیر کرنے کی طاقت حاصل ہوئی علی علیہ السلام کے حالات و کیفیات بدلے ہوئے تھے اور آپ اپنے مخالفین کو قابو میں نہیں لا سکے۔

اگر چہ علیؑ بنی امیہ کے مانند لوگوں کی گردنوں پر حکومت نہیں کر سکے لیکن نیک بخت انسان کے پاک دلوں پر حکمرانی کرنے سے محروم نہیں رہے، اور آپ ایک انسان کامل کے صفات سے بھی اسی قدر آراستہ تھے کہ دلوں پر حکومت کریں۔

قبل اس کے کہ ہم علیؑ کے بارے میں گفتگو کریں، لازم ہے کہ اس سے قبل کے معاملات پر ایک ہلکی نظر ڈالتے ہوئے اس رابطے کو واضح کر دیں جو علیؑ کو محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ کرتا ہے۔ یہ رابطہ ان کے حالات زندگی کے مفصل حادثات اور جزئیات میں بھی موجود تھا۔ اور روحانی و باطنی خصوصیات میں بھی جو ایک گھرانے کے اندر جمع ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کامل ترین فرد اور ابو طالبؑ کے فرزند ان کے قدم بہ قدم اور ان کے بعد دوسروں سے کامل تر تھے۔ جس وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت پدری اور شفقت مادری سے محروم ہوئے تو ان کے دادا عبد المطلب جو علیؑ کے بھی دادا تھے ان کی کفالت پر کمر بستہ ہوئے۔ آپ کے دادا آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اپنے کو آپ پر قربان کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اپنے پوتے پر نظریں جمائے ہوئے حاضرین بزم سے کہتے تھے کہ اس بچے کی شان بہت بلند ہے، آپ کے دادا اس خردسالی ہی میں آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور اپنی عام نشست میں آپ کو خانہ کعبہ کے سایے میں اس جگہ بٹھاتے تھے جہاں ان کے بھائیوں کے لئے بھی گنجائش نہیں تھی۔

جب آپ کے دادا نے انتقال فرمایا تو آپ کے چچا اور علی علیہ السلام کے باپ ابو طالبؑ نے کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کی سرپرستی میں بہت آرام سے رہے اور ان کی شفقت و حسن تربیت سے جو انہوں نے عبد المطلبؑ سے ورثہ میں پائی تھی بہرہ مند ہوتے رہے وہ نیک اخلاق جو خاندان عبد المطلب کے خصوصیات میں سے تھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

روح میں پیوست اور آپ کے اعمال و افعال میں نمایاں تھے گویا جب خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی ہاشم میں سے منتخب کیا تو اس بزرگوار چچا کو بھی ان کی تربیت کے لئے چن لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سروش غیبی نے ابوطالب کو آگاہ کر دیا تھا کہ تمہارے بھتیجے کے معاملے میں ایک رمز ہے اور دوسرے اس سے واقف نہ تھے۔ ایک مرتبہ قحط اور خشک سالی کے زمانے میں اس بچے کو باہر لے گئے اور انتہائی انکسار کے ساتھ درخواست کی کہ کعبہ سے پیٹھ لگا کے خدا سے بارش کی دعا کرے۔ اس بچے نے چچا کی خواہش پوری کی اور انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اس وقت آسمان پر ابر کا کوئی نشان نہیں تھا دفعتاً بادل ہر طرف سے گھر کے آگئے اور اتنا پانی برسا کہ زمین سیراب ہوگئی اور مردہ کھیتی میں جان آگئی۔ لوگوں نے ابوطالبؑ سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ انہوں نے کہا میرا بھتیجا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور میں نے اس کے بارے میں کہا ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

یعنی وہ سفید چہرے والا جس کے روئے روشن کے وسیلے سے بادلوں سے پانی طلب کیا جاتا ہے وہ یتیموں کا پناہ دہندہ اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

یہ روایت جو کچھ بھی ہو چچا بھتیجے کے درمیان انتہائی خلوص و محبت کا پتہ دیتی ہے۔ ابوطالب ہمیشہ اس بچے کی خدمت میں رہتے تھے اور اس کے لئے شفقت و مہربانی میں کوئی فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ شام کی طرف گئے اور اپنے بھتیجے کو بھی جن کا سن چودہ سال کے قریب تھا ساتھ لے گئے مدین، وادی القریٰ اور دیار ثمود سے گزرنے کے بعد شام کے باغات کے قریب مختلف مناظر کے سیر سے دل بہلا رہے تھے، کہنا چاہئے کہ ابوطالبؑ موجودات کے اندر جن اسرار و رموز کا مطالعہ کر رہے تھے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح میں بھی جلوہ گر ہو گئے ظاہر و باطن اشیاء کے غم انگیز یا مسرت آمیز مناظر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ایک دوسرے سے مل جل کر اس میں انسانیت کامل کی روح اور اسرار وجود کی تصویر کشی کر رہے تھے۔ ہاں، گویا اس چچا اور بھتیجے کے لئے خدا کی مشیت یہی تھی کہ آنکھیں کھول کر سلسلہ وجود کے ارتباط اور ستاروں کے انتظام کا مشاہدہ کریں، اور آسمان کے ستاروں، فضا کی صفائی زمین کی حرکت اور زندگی کے ہنگامے اور ازلی اور ابدی جمال کا نظارہ کریں۔ اپنے بھتیجے کے بارے میں ابوطالبؑ کے جو خیالات تھے ان کو بحیرا راہب نے تقویت دے دی۔ جب اس نے آگاہ کیا کہ آئندہ عالم کے اندر ان کی شان بہت عظیم ہوگی، چنانچہ ابوطالبؑ نے ان کو زیادہ سے زیادہ شفقت و محبت سے دیکھنا شروع کیا اور طے کر لیا کہ ان کی نگہداشت اور ہمدردی میں کوئی سعی و کوشش اٹھا نہ رکھیں گے کیونکہ سمجھتے تھے کہ ان کی ذات میں کوئی راز ہے۔

جس وقت ابوطالبؑ سنتے تھے کہ مکے کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو امین کہتے ہیں تو فرط شوق سے ان کا دل تڑپنے لگتا تھا اور آنسو جاری ہوجاتے تھے۔

زنانِ قریش کی سردار خدیجہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سے خود تزویج کی درخواست کی باوجودیکہ اس سے قبل اشراف قریش اور صاحبان جاہ و مال کی تحریک نامنظور کر چکی تھیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے واحد معتمد علیہ اور مشیر کار ابوطالبؑ تھے چنانچہ اس سلسلے میں بھی ان سے مشورہ کیا، چونکہ ابوطالبؑ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ سوا نیکی اور بھلائی کے اور کسی چیز کی طرف ان کو رغبت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی خواہش کو قبول کیا جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ چاہتے تھے وہ وہی تھا جس پر ابوطالبؑ دل سے راضی تھے۔

جب غار حرا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر وحی نازل ہوئی تو آپ کے ساتھ سب سے پہلے آپ کی بیوی خدیجہ اور آپ کے ابن عم علی ابن ابی طالبؑ نے نماز پڑھی۔ یہ دونوں سب سے پہلے لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایمان لائے۔ جس وقت علی علیہ السلام کے ایمان لانے کی اطلاع ان کے باپ ابوطالبؑ کو ملی تو انہوں نے اپنے فرزند سے کہا کہ بیٹا کونسا عمل ہے جس کو تم انجام دے رہے ہو؟ علی علیہ السلام نے کہا بابا جان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایمان لایا ہوں، جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور یہ نماز انہیں کی پیروی میں پڑھتا ہوں۔ ابوطالبؑ نے کہا اے فرزند وہ تم کو سوا خیر و نیکی کے اور کس چیز کی طرف دعوت نہیں دیں گے لہٰذا ہمیشہ اُن کی اطاعت کرتے رہنا۔

جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو جعفر ابن ابی طالبؑ کو مہاجرین کا سردار بنایا اور آپ ان تمام لوگوں میں اپنے ابن عم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

ابوطالبؑ اسلام کے اندر پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی تعریف میں شعر کہے اور لوگوں کو ان کی نصرت پر آمادہ کیا۔ ایک مرتبہ اہل قریش کا ایک گروہ ابوطالبؑ کے پاس آیا اور خواہش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو ہمارے سپرد کر دیجئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ''جب تک ہم سب ختم نہ ہو جائیں نہ ہم اُن کو تمہارے سپرد کر دیں گے نہ ان کی مدد سے منہ موڑیں گے''۔

ابوطالبؑ اپنی زندگی کے کسی لمحے میں یہ نہیں بھولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ زمانے کی ایک عظیم شخصیت ہیں اور یہ کہ اسی طرح ان کے بھائی عبداللہ اور باپ عبدالمطلب بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے۔

جب ابوطالبؑ کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے اپنی جماعت کے بہت سے آدمیوں کو اپنے سرہانے جمع کیا اور کہا ''میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا کیونکہ یہ اہل قریش کے درمیان امین اور عرب کے اندر راست گوئی میں مشہور ہیں اور ساری خوبیاں ان کی ذات میں اکٹھا ہیں، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مساکین اور بادہ نشین اور تہی

دست لوگ ان کے گرد جمع ہیں، ان کی دعوت کو قبول کیا ہے اور ان کی باتوں کی تصدیق کی ہے، ان کی تحریک طاقت پکڑ چکی ہے اور سب ان کے ساتھ موت کے ہولناک طوفان میں کود رہے ہیں قریش کے روؤسا اور بڑے بڑے لوگ ذلیل ہو گئے ہیں کمزور افراد سربلند ہو چکے ہیں جو لوگ سب سے زیادہ ان سے دشمنی کر رہے تھے وہ سب سے زیادہ تابع فرمان ہیں اور جو اشخاص زیادہ دور تھے وہی ان کی خدمت سے زیادہ فیض یاب ہیں۔

اے اہل قریش ان کی مدد کرو اور ان کی حرمت کا لحاظ رکھو، خدا کی قسم جو بھی ان کے راستے پر چلے گا اور رستگار ہوگا اور جو بھی ان کے رائے پر عمل کرے گا وہ نیک بخت ہو جائے گا۔ اگر میں زندہ رہتا اور موت مجھ کو مہلت دیتی تو میں مصائب زمانہ کو ان سے دفع کرتا کیونکہ یہ سچے اور امانت دار ہیں۔ ان کی دعوت کو قبول کرو، ان کی نصرت میں ایک دوسرے کے شریک رہو، اور ان کے دشمن سے جنگ کرو کیونکہ جب تک زمانہ باقی ہے یہ تمہارے لئے شرف و آبرو کا سرمایہ ہے۔

ابو طالبؑ نے بیالیس ۴۲ سال تک رات دن پیغمبرﷺ کی خدمت کی، ان کی حمایت میں قریش سے ٹکرلی اور ان کے اعلان رسالت کی طرفداری کی، یہاں تک کہ دنیا سے اٹھ گئے۔

ابو طالبؑ کی رحلت کے بعد پیغمبرﷺ نے محسوس کیا کہ وہ اپنے سب سے بڑے پشت پناہ سے جو ان کے لئے مضبوط سہارا اور ان کی ذات سے قریش کی ایذا رسانی کو دفع کرنے والا تھا محروم ہو گئے۔ جس خاندان میں پیغمبرﷺ نے پرورش پائی تھی ابو طالبؑ اس کے بزرگ اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مددگار تھے۔ ان پر اپنی جان قربان کرتے تھے اور قریش کے سرکش لوگوں کی عداوتوں کو ان سے دور کرتے تھے جیسا کہ خود حضرتﷺ نے فرمایا کہ "جب تک میرے چچا ابو طالبؑ زندہ رہے قوم مجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی"۔

ایسی حالت میں بھی محمدﷺ بہت صابر اور خود دار تھے اور باوجودیکہ ان کے دشمن بے شمار اور دوست تھوڑے سے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ وہ دعوائے رسالت میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ پھر اس قدر غم و اندوہ کا کیا باعث تھا۔ جو چچا کی موت سے ان پر طاری ہوا؟ اصل میں اس کا سبب انتہائی محبت تھی، اس لئے کہ انسان ہر اس شخص کو عزیز رکھتا ہے جو اس کے ساتھ مہربانی اور اس کی حمایت کرے، یہ بہتے ہوئے آنسو گواہ تھے کہ محمدﷺ کو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں سے ایسی چیز نکل گئی ہے جو جان کے برابر تھی۔

❁❁❁

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ ابن ابی طالبؑ

خاندان ابوطالبؑ میں ایک انتہائی نیک اور پاک و پاکیزہ روح موجود تھی جو عالم ہستی پر انوکھے انداز سے نظر ڈالتی اور سب کو ایک دوسرے سے مرتبط اور متحد دیکھتی تھی۔

یہ روح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ میں بہت قوی تھی۔ اور ان دونوں ہستیوں کے درمیان بہت مضبوط رشتہ تھا کیونکہ علیؑ نے بچپن سے عہد شباب تک انہیں کی گود میں پرورش پائی تھی، جب ہم نے مان لیا کہ اخلاق حسنہ کا کسی قلب و روح میں فطری طور پر راسخ ہونا ممکن ہے تو ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان اور ان کی حمایت کی صفت لے کر پیدا ہوئے تھے اس لئے کہ خاندان ابوطالبؑ کے وہ خصوصیات و فضائل جن میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرورش پائی تھی ان کے پسر عم کی طرف پیدائشی حیثیت سے منتقل ہوئے تھے۔[1]

علیؑ کی خصلت ابوطالبؑ کے خاندانی فضائل و کمالات کے ساتھ ابھری یہی وہ جگہ تھی جہاں انہوں نے پہلی بار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنیں اور یہیں سے دعوت اسلام کی ابتدا ہوئی۔

علیؑ کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں گزری تھی کہ محمد نے ان کو اپنی ذات سے وابستہ کر لیا اور ان کو اپنا بھائی کہا۔ علی علیہ السلام خطبہ قاصعہ میں خود اپنی ذات پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

"تم رسول خداؐ کے نزدیک میری منزلت کو جانتے ہو کہ میں ان کے قریب ترین عزیزوں میں سے تھا اور مجھ کو ایک خاص درجہ حاصل تھا۔ مجھ کو بچپن ہی سے اپنے سایہ عاطفت میں رکھا، مجھ کو اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ اور اپنے بستر پر سلاتے تھے، میرا جسم ان سے متصل رہتا تھا اور میں ہمیشہ ان کی خوشبو سونگھتا تھا۔ انہوں نے کبھی میری گفتگو میں جھوٹ اور میرے کردار میں غلطی نہیں پائی۔ جس طرح اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اسی طرح میں ان کی پیروی کرتا تھا۔ وہ ہر روز ایک علم

---

[1] محترم ناظرین متوجہ رہیں کہ اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے اور ابوطالبؑ کے گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ کی جس طرح سے مدح کرتا ہے وہ وہی ہے جتنا ایک مسیحی شخص کا عقیدہ ہو سکتا ہے اور اس کے قلم سے اس سے زیادہ کی توقع نہ رکھنا چاہئے۔ ورنہ ہم مسلمانوں کے عقیدے کے موافق اور صحیح یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور امیر المومنینؑ کی ولایت پر ابوطالبؑ یا ان کے خاندان اور اس زمانے کے طور طریقے اور ماحول کا کوئی اثر نہیں تھا، یہ سب وحی و الہام خداوندی کے ذریعہ سے تھا۔ اس لئے کہ خاندان کے دیگر افراد میں سے ایک بھی حتیٰ کہ خود ابوطالبؑ بھی نبوت و ولایت کے اسرار میں شریک نہ تھے۔

بلند کرتے تھے اور مجھ کو اپنی متابعت کا حکم دیتے تھے۔[۱]

بچپن ہی کا وہ زمانہ ہے جب بچے کے اندر اخلاق فاضلہ کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے۔ علیؑ نے محمد صلعم کے ساتھ کافی زندگی خلوت میں بسر کی، ان کے طرز عمل کی پیروی کی اور اپنی قوم سے الگ رہے جو جہالت کی تاریکی میں سرگرداں اور اپنی موروثی عادتوں میں سختی سے جکڑی ہوئی تھی۔

علیؑ برسوں اپنے ابن عم کے کنار عاطفت میں رہ کر اس پاک و پاکیزہ فضا میں سانس لیتے رہے اور ان کے نزدیک انتہائی ممتاز اور محبوب تھے۔ پیغمبرؐ کے اصحاب اور پیرووں میں سے کسی کو بھی سوا علیؑ کے یہ چولی دامن کا ساتھ اور بھائی چارہ نصیب نہیں ہوا علیؑ نے اسی راستے پر آنکھیں کھولیں جو ان کے ابن عم نے کھولا تھا۔ خدا کی پرستش کو محمدؐ کی نماز سے سیکھا اور ان کی مہربانی، شفقت اور برادری سے بہرہ اندوز تھے، محمدؐ سے ان کو وہی نسبت ہے جو ابوطالبؑ سے محمدؐ کو حاصل تھی۔ علیؑ کے دل نے پہلی بار جب الفت کا احساس کیا تو انہوں نے اپنے پسر عم محمدؐ سے محبت کی۔ ان کی زبان جب پہلی مرتبہ گویائی سے آشنا ہوئی تو محمد سے گفتگو کی اور اظہار ہمت و مردانگی کی پہلی ہی منزل میں نصرت پیغمبرؐ پر کمر بستہ ہو گئے۔ محمدؐ کے انصار ان کو دوست رکھتے تھے اور حضرت کے دشمن بھی ان کی حرمت کو چھپائے تھے۔ علیؑ ان کے ایسے پروردہ اور شاگرد کہ پیغمبرؐ کے نفس اور ان کے اجزائے وجود ہی میں سے ایک جز بن گئے تھے۔

آغاز رسالت میں بزرگان قریش کا ایک گروہ جو بت پرستی سے بیزار تھا عقل کے فیصلہ سے ان کا گرویدہ ہوا۔ غلاموں اور بے آسرا لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے عدل و انصاف کی خواہش میں ان کا اقرار کیا تاکہ ان کی پناہ میں ظلم سے نجات پائیں ، اور پیغمبرؐ کی فتح و کامرانی کے بعد ایک تیسرا گروہ ان سے ملحق ہوا کیونکہ اس کے پاس اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسی بہانے سے ان کی بارگاہ میں رسوخ پیدا کرے اور اکثر بنی امیہ اسی طبقے میں سے تھے۔ یہ لوگ مختلف اوقات میں مسلمان ہوئے جو اگرچہ اطاعت و انقیاد کے اظہار میں ایک دوسرے سے مشابہ تھے، لیکن ان کے ایمان کا وزن الگ الگ تھا۔ البتہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولادت اور نشو و نما چونکہ معدن رسالت سے ہوئی تھی لہٰذا ان کا ایمان پیدائشی اور فطری تھا اور وہ بطن مادر سے اسلام کی صفت لیکر تولد ہوتے تھے۔ ان کے ایمان لانے کا سبب دوسروں کے مانند نہیں تھا اور حادثات زندگی

---

[۱] جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں مولف کتاب عیسائی ہے لہٰذا امیر المومنینؑ کے اس کلام میں سے جو کچھ حضرت خاتم الانبیاءؐ کی نبوت اور وحی پر دلالت کرتا ہے اس کو عمداً حذف کر دیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: ولقد قرن اللہ بہ من مدن ان کان فطیما اعظم ملک من ملائکتہ یسلک بہ طریق المکارم و محاسن اخلاق العالم لیلہ و نہار ولقد کنت اتبعہ۔

یا عمر سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے باطن قلب اور حقیقت روح سے اسلام کا اظہار کیا کیونکہ علیؑ کا اسلام اس سے کہیں زیادہ مستحکم تھا کہ حوادث عمر اس پر اثر انداز ہوسکیں بلکہ جس طرح پانی اپنے قدرتی سرچشمے سے ابلتا ہے اور جواہرات کان سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ایمان ان کے باطن روح سے جوش مارتا تھا اس لئے کہ جس عمر میں ایک بچہ اپنے ذہنی تصورات کو بیان نہیں کرسکتا انہوں نے نماز کا فریضہ ادا کیا اور خدا اور رسولؐ کی گواہی دی، بغیر اس کے کہ کسی سے حکم حاصل کریں یا کسی سے صلاح ومشورہ کریں صدر اول کے مسلمان ابتدا میں قریش کے بتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ لیکن علیؑ نے پہلی بار محمد صلعم کے خدا کا سجدہ کیا۔ یہ اس شخص کا ایمان ہے جس کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ پیغمبرؐ کی خیر خواہی اور ہمدردی میں نشو نما پائے۔ حضرت کے بعد حق پسندوں کا پیشوا ہو اور حادثات زمانہ کی خوفناک طوفانی موجوں میں کشتیِ نجات کا ناخدا بنے۔

یہ میرا بھائی ہے

اس یقینی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ اس کی تائید میں چند حدیثیں پیش کروں تا کہ بخوبی معلوم ہو جائے کہ پیغمبرؐ اور ان کے ابن عم کے درمیان باطنی اخوت کس منزل پر تھی۔ فضائل پیغمبرؐ کس حد تک علیؑ کو میراث میں پہنچے۔ علیؑ کی روح نے کس طرح سے نبوت کا رنگ اختیار کیا۔ آپ پیغمبرؐ کے نزدیک کس قدر عزیز و محبوب تھے اور اپنے قلب و زبان سے کہاں تک حضرت کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ اس کے بعد ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ پیغمبر خدا اسلام کے ان اعلیٰ قوانین کے ماتحت جو دین کے استحکام کا سبب بنے علی علیہ السلام کے لئے خلافت کا راستہ ہموار کر رہے تھے اس لئے کہ آپ علیؑ کے آئینے میں اپنی صورت دیکھ رہے تھے اور جو اخلاق حسنہ اور فضائل و مکارم پیغمبرؐ کے اندر تھے وہ علیؑ کے اندر بھی جلوہ گر تھے، جیسا کہ ہم آگے تفصیل سے بیان کریں گے۔ طبرانی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے"۔ اور سعد ابن ابی وقاص کی روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: "جو شخص علیؑ کو آزار پہنچائے اس نے مجھ کو آزار پہنچایا"۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ جز دوئم میں نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ حجۃ الوداع کے بعد جب مدینہ کی طرف واپس ہو رہے تھے تو ۱۸ ذی الحجہ کو جُحفہ کے قریب غدیر خم پر ٹھہر کے خطبہ پڑھا اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ** یعنی جس شخص کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں خداوندا دوست رکھ اس کو جو علی علیہ السلام کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی علیہ السلام کو دشمن رکھے اور تفسیر کبیر فخر الدین رازی میں مروی ہے کہ اس کے بعد عمر ابن خطاب نے علیؑ سے ملاقات کی اور ان سے کہا "اے علیؑ مبارک ہو تم کو، تم میرے مولا ہوئے اور ہر مسلمان مرد و عورت کے بھی مولا ہوئے"۔

اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور احمد بن حنبل جیسے بہت سے مورخین اور علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سولہ صحابیوں سے روایت کیا ہے اور بہت سے شاعروں نے نظم بھی کیا ہے جن میں سب سے پہلے حسان بن ثابت انصاری کہتے ہیں:

ینادیھم یوم الغدیر نبیھم   بخم واسمع بالنبی منادیاً
فقال فمن مولا کم و ولیکم   فقالوا ولم یبدوا ھناك التعامیا
الھك مولانا و انت نبینا   ومالك منابا الوصایه عاصیا

فقال لہ قم یا علی فاننی رضیتك من بعدی اماماً و هادیاً

فمن کنت مولاہ فھذا ولیہ فکونوا لہ انصار صدق موالیاً

یعنی غدیر کے روز پیغمبرؐ نے ان لوگوں کو مقام خم پر بلا کر اپنی آواز سب کے کانوں میں پہنچائی اور کہا کہ کون ہے تمہارا مولا اور سردار؟ پس لوگوں نے تجاہل سے کام نہیں لیا اور کہا کہ آپ کا خدا ہمارا مالک ہے اور آپ ہمارے نبیؐ ہیں، اور ہم آپ کی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں پس آپ نے کہا کہ اٹھو اے علیؑ کیونکہ یقیناً میں نے اپنے بعد تم کو امام اور پیشوا منتخب کیا۔ پس جس شخص کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔ لہٰذا ان کے سچے دوست اور مددگار رہنا"۔

جن شعرا نے اس روز کا ذکر کیا ہے ان میں سے ابوتمام طائی بھی ہے۔ اس کے علاوہ کمیت اسلامی نے اپنے قصیدہ عینیہ میں پوری تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے منجملہ اس کے کہتا ہے:

ویوم الدوح دوح غدیر خم ابان لہ الولایۃ لواطیعا

ولم ار مثل ذاك الیوم یوماً ولم ارمثلہ حقاً اضیعا

غدیر خم کے میدان میں حضرت سرور کائنات نے آپ کی خلافت کا اعلان کیا کاش پیغمبرؐ کی بات مان لی جاتی۔ نہ تو غدیر کے ایسا اہم دن میں نے دیکھا۔ اور نہ ایسا حق کبھی ضائع ہوتے دیکھا۔

کتاب آل ابن خالویہ سے بروایت ابوسعید خدری منقول ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ ابن ابی طالبؑ سے فرمایا:

"تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہاری عداوت نفاق، سب سے پہلا شخص جو بہشت میں داخل ہوگا وہ تمہارا دوست ہے اور سب سے پہلا شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ تمہارا دشمن ہے"۔

اہل روایت کا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ نے بارہا علیؑ کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ "یہ میرا بھائی ہے"۔

یہ حدیث ابوہریرہ سے منقول ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ایک جلسے میں فرمایا کہ "اگر تم آدمؑ کا علم، نوحؑ کا عزم، ابراہیمؑ کی خصلت، موسیٰؑ کی مناجات، عیسیٰؑ کا زہد اور محمدؐ کی ہدایت ایک ذات کے اندر جمع دیکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو دیکھو جو تمہارے طرف آرہا ہے"۔ لوگوں نے گردنیں اٹھائیں تو دیکھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیؑ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو؟ علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو؟ علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو؟ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد تمام مومنین کے سردار ہیں"۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کے ہمراہیوں میں سے ایک جماعت نے ان سے خواہش کی کہ صدقے

کے اونٹ ہمارے سپرد کردیجئے تاکہ ہم ان پر سوار ہوں اور اپنے اونٹوں کو سستانے کا موقع دیں، علیؑ نے ان کی بات نہ مانی، جب سب مدینے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت لے گئے اور سعد بن مالک شہید ان لوگوں کی طرف سے گفتگو کررہے تھے علیؑ نے ہمارے ساتھ بدسلوکی اور سختی کی، اور جو کچھ پیش آیا اس کا کچھ حوالہ دیا۔ اثنائے سخن میں پیغمبرؐ نے ان کی ران پر ہاتھ مارا اور بلند آواز سے فرمایا "اے سعد ابن مالک علیؑ کی شکایت بند کرو، خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ خدا کی راہ میں وقف ہیں"۔

ان حدیثوں سے اور ان کے علاوہ جن کا میں نے تذکرہ نہیں کیا ہے ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر ﷺ علیؑ کو اپنا بھائی سمجھتے تھے اور علیؑ بھی اس برادری سے بہت خوش تھے۔ نیز پیغمبر ﷺ ایک انسان کامل کے ان خصوصیات و فضائل کی طرف جو علیؑ کی شخصیت میں مجسم ہو گئے تھے لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے تاکہ سب جان لیں کہ وہ بہترین انسان ہیں جو آپ کے بعد شرائط رسالت کو انجام دے سکتے ہیں۔

صحیح روایات میں کچھ ایسی حکایتیں وارد ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ فطری حالات بھی محمد اور علی علیہما السلام کی ہم آہنگی میں مساعدت کرتے تھے اور واقعات و ماحول کی اس طرح تشکیل کرتے تھے کہ علیؑ سے ایسے خصوصیات ظاہر ہوں جن میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہ ہو۔

ایک یہ کہ علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے جو مسلمانوں کا قبلہ ہے اور یہ ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب دعوت اسلامی صرف محمد صلعم کی روح میں پل رہی تھی اور آپ نے ابھی اُسے ظاہر کیا نہیں تھا۔ آپ کا قیام علیؑ کے پدر بزرگوار ابوطالبؑ کے گھر میں تھا۔ علیؑ نے آنکھیں کھول کر محمد صلعم اور خدیجہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور یہ پہلے شخص تھے جو ایمان لائے حالانکہ ابھی جوانی میں بھی نہ ہوئے تھے۔ جب لوگوں نے ان پر عتاب کیا کہ تم نے بغیر اپنے باپ سے پوچھے کیوں اسلام قبول کیا؟ تو فوراً جواب دیا "خدا نے مجھ کو پیدا کیا بغیر اس کے کہ ابوطالبؑ سے پوچھے، پس کیا ضرورت ہے کہ اس کی اطاعت و بندگی کے لئے میں اپنے باپ اجازت لوں"۔

اسی حالت پر مدتیں گزر گئیں کہ اسلام صرف محمد صلعم کے گھر میں محصور تھا اور فقط پیغمبرؐ ان کی زوجہ خدیجہ، ان کے ابن عم علیؑ اور ان کے غلام زید بن حارثہ مسلمان تھے۔

جس روز پیغمبرؐ نے اپنے خاندان والوں کو کھانے کی دعوت دی اور چاہا کہ ان سے گفتگو کرکے اسلام کی تبلیغ کریں، تو آپ کے چچا ابولہب نے آپ کی بات کاٹ کر لوگوں کو بھڑکا دیا یہاں تک کہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور محمد صلعم کو چھوڑ کر باہر چلے

گئے۔حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوبارہ مدعو کیا اور کھانے کے بعد کہا کہ" میں عرب میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اپنے اعزہ کے لئے مجھ سے بہتر تحفہ لایا ہو، تم میں سے کون میری مدد کرتا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا اور چاہتے تھے کہ پہلے دفعہ کی طرح گھر سے چلے جائیں کہ اتنے میں علی علیہ السلام نے جو ابھی بچہ تھے اور سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اٹھ کر کہا کہ" یا رسول اللہ میں آپ کا مددگار ہوں اور جو شخص آپ کے مقابلہ پر آئے گا اس سے جنگ کروں گا"۔ بنی ہاشم ہنسنے لگے اور قہقہے کی آواز بلند ہوئی، اس کے بعد ابو طالبؑ اور علیؑ کو دیکھ کر مذاق اڑاتے ہوئے باہر چلے گئے۔ ہر لڑائی میں پیغمبرؐ کا علم علیؑ کے ہاتھ رہا۔ انہوں نے اپنی شجاعت و مردانگی، اپنے خون، اپنے قلب و زبان اور اپنی ہستی کو اپنے ابن عم پیغمبرؐ اور ان کے دین کی فتح و فیروزی کیلئے وقف کر دیا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کو عاجز کر دیا اور عین موقع پر جواں مردی سے دریغ نہیں کیا۔ جنگ خندق میں جب دشمن کے خوف نے اصحاب پیغمبرؐ کو بے قرار اور ان کے دلوں کو مضطرب بنا رکھا تھا تو علی علیہ السلام سرداران قریش کے مقابلے میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو گئے اور وہ کام کر دکھایا کہ مسلمانوں کو اپنی فتح کی امید بندھ گئی اور قریشیوں اور ان کے پہلوانوں کو شکست اٹھانا پڑی۔

جنگ خیبر میں علی علیہ السلام کا جہاد بہت زبردست اور حیرت انگیز تھا۔ خیبر کے قلعے باوجود اپنی اس قدر مضبوطی کے ان کے ہاتھ فتح ہوئے حالانکہ ان کے اندر آزمودہ کار جنگجو بہادروں کا مجمع تھا۔ اور اصحاب رسولؐ کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھا ہوا تھا۔

خلاصہ یہ کہ قلعے کے گرد مسلمانوں کے محاصرے نے طول کھینچا اور قلعے کے سپاہی اس کی حفاظت میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر محمدؐ کے مقابلے میں شکست کھا گئے تو جزیرۂ عرب سے ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور ان کی تجارت و سرداری فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو قلعہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے اپنی اہلیت کے مطابق مردانگی دکھانے کی کوشش کی اور بغیر قلعہ فتح کئے واپس آ گئے۔ دوسرے روز حضرت عمر ابن خطاب کو بھیجا لیکن وہ بھی ابوبکر کی طرح بیک بینی و دوگوش پلٹ آئے اور اس بلند قلعے اور مسلح پہلوانوں کے سامنے کوئی کام نہ دکھا سکے، اس وقت رسول خداؐ نے علیؑ ابن ابی طالب کو بلایا اور قلع فتح کرنے کا حکم دیا۔ علی علیہ السلام خوشی سے جھومتے ہوئے اپنے اس عقیدے کی راہ میں جو ان کی رگ میں پیوست تھا یہ خدمت انجام دینے کے لئے روانہ ہوئے۔

جب قلعے کے نزدیک پہنچے اور دشمنوں کو معلوم ہوا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ جنگ کرنے آئے ہیں جنہوں نے کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی اور کوئی پہلوان ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکا تو قلعے سے کئی دستے ایک ساتھ نکل پڑے اور ان میں سے ایک شخص نے علی علیہ السلام پر ایسی ضرب لگائی کہ سپر آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ علیؑ نے قلعے کا پھاٹک اکھاڑ لیا اور اس کو سپر کی

طرح ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ قلعہ فتح کرلیا اور یہ قلعہ اس وقت تک فتح نہیں ہوا جب تک اس مورچے پر کثیر تعداد میں سوار قتل نہیں ہوئے جن میں پہلا نمبر حارث ابن ابی زینب کا تھا۔

اس مقام پر ایک بہت تعجب خیز امر ہے تاریخ اسلاف میں ہم کو ایسے بہت سے پہلوان نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے عقیدے کی راہ میں لڑائیں لڑی ہیں لیکن دل میں صلح کے خواہشمند تھے اور اس کی آرزو رکھتے تھے کہ کاش ان کا کام کسی ایسے طریقے سے بن جاتا کہ جنگ نہ کرنا پڑتی۔ ان کے علاوہ ہم ایسے بہادروں کو بھی جانتے ہیں جنہوں نے اپنے مقصد کے لئے شہادت حاصل کی۔لیکن اس طرح کی لڑائیاں اور شہادتیں زیادہ تر بغیر فکر و تامل کے ہوتی ہیں اور ابتدائی تیاری پہلے سے آمادگی ،ایک مدت تک موت کے انتظار میں بیٹھنے اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کا مقصود قائم کرنے کے بعد واقع نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ یہ ناگہانی اتفاقات ہیں جو دفعتاً ہیجان غیرت اور جوش حمیت کے موقع پر اور کبھی شورش و انقلاب کے سلسلے میں اور دیکھنے والوں کی موجودگی میں زیادہ تر پیش آتے ہیں البتہ علی ابن ابی طالبؑ کا معاملہ ان سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے جنہوں نے محمدؐ ابن عبداللہ کے اور اپنے عقیدے کے حمایت اخوت کی رعایت اور حق کی راہ میں اپنے کو ایسے خطرے میں ڈال دیا جس سے عجیب تر اور بہتر واقعہ تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا اور جوان دونوں بزرگ واروں کی یگانگی کی سب سے روشن دلیل ہے۔

جب قریش کی ایذا رسانی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور کوشش کر رہے تھے کہ محمدﷺ کو قتل کر کے اسلام کو نیست و نابود کر دیں تو محمدﷺ ابو بکر کے گھر گئے اور ان کو آگاہ کیا کہ قریش نے چونکہ آپس میں صلاح و مشورہ کر کے میرے قتل کا منصوبہ بنایا ہے لہٰذا میں اب ہجرت کروں گا، ابو بکر نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی اور پیغمبرؐ نے اس درخواست کو قبول کرلیا۔جس وقت ان دونوں نے ہجرت کا قصد کیا تو یقین رکھتے تھے کہ قریش ان کا تعاقب کریں گے اس وجہ سے محمدﷺ نے تجویز کیا کہ راستے سے ہٹ کر چلیں تا کہ قریش ان کا سراغ نہ پائیں اور ایسے وقت گھر سے نکلیں جس وقت ان کے باہر جانے کا گمان نہ ہو۔جس رات محمدﷺ نے مکہ سے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اسی شب قریش کے لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے طاقتور اشخاص کا ایک گروہ تیار کر کے ان کو آپ کے گھر کے چاروں طرف لگا رکھا تھا تا کہ آپ رات کی تاریکی میں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائیں لیکن محمدﷺ نے اسی شب میں خفیہ طور پر اپنے پسر عم علیؑ ابن ابی طالبؑ سے کہہ دیا تھا کہ میری سبز چادر اوڑھ کے میرے بستر پر سو رہنا، اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ میرے بعد مکہ میں ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس ہیں ان کو واپس کر دو۔

علی علیہ السلام نے نبی کے فرمان کو انتہائی مسرت و رغبت کے ساتھ تسلیم کیا جیسا کہ پیغمبرﷺ کے لئے ہر فداکاری میں آپ کا شیوہ تھا۔ادھر قریش کے لوگ حضرتﷺ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور ایسا مضبوط گھیرا ڈالا تھا کہ سوا ان

کے دم شمشیر کے ہوا کو بھی گزرنے کی مجال نہیں تھی۔ وہ لوگ سوراخوں سے آنکھ لگا کر دیکھتے تھے تو ایک شخص کو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوتا ہوا پاتے تھے لہٰذا مطمئن تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھاگے نہیں ہیں۔ رات کے پچھلے پہر جب ان کی آنکھیں بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی کو محو خواب دیکھ رہی تھیں اس وقت خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کے گھر میں تھے، پھر ان کے ہمراہ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ قریش والے پتہ لگا کر یہاں بھی پہنچے لیکن خدا نے ان کو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا۔

اس فداکاری اور سرفروشی کی نظیر بہت شاذ و نادر ملتی ہے۔ انسان موت اور زندگی کے درمیان مترددہو جاتا ہے کہ فضائل و مکارم کو جو حقیقی سرمایہ حیات اور وجود انسانی کا سب سے قیمتی ماحصل ہیں نظرانداز کر کے جسمانی راحت کو اختیار کرے اور حیات مادی کی پست و حقیر لذتوں پر جو درحقیقت عین فنا ہے قناعت کرے یا اپنی ہستی کو مکارم اخلاق اور حقیقی شرف و بزرگی کی تحصیل میں وقف کردے، وجود جسمانی پر جو عالم وجود کی روح کلی سے کوئی ارتباط نہیں رکھتا توجہ نہ کرے اور حصول مقصد کے لئے خطرناک راستے پر قدم بڑھا دے، اس موقع پر شہادت اور موت اس کی دلیل ہے کہ حقیقت زندگی اس کی نظر میں عیش فانی نہیں بلکہ حیات باقی ہے۔

ہاں یہ ایثار و قربانی بہت کمیاب ہے، سقراط اور اس کے ایسے دوسرے افراد نے اپنی خوشی سے موت کو قبول کیا[1] تو علی علیہ السلام ابن ابی طالبؑ نے بھی اپنی مرضی اور اختیار سے اپنی جان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر فدا کیا۔ لیکن میدان جنگ میں اپنے پاؤں سے موت کے سامنے جانا یا اپنے ہاتھ سے زہر کا پیالہ پی لینا علیؑ کے کام سے زیادہ آسان ہے۔ کس قدر دشوار ہے اس شخص کے بستر پر سونا جس کو ظالموں نے مجرم سمجھ کے اس کے قتل کا تہیہ کر رکھا ہو اور جہاں اُن کے چنگل سے نجات پانا ممکن نہ ہو، وہ چند قدم کے فاصلے سے اس کو دیکھ رہے ہوں اور یہ بھی ان کی باتیں سن رہا ہو ہر لحہ ان کے حرکات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ اس کے قتل کا اشارہ کر رہے ہیں ان کی خون آشام تلواروں کو اپنے سر کے اوپر چمکتا ہوا پا رہا ہو اور اسی عالم میں ساری رات گزار دے۔ علی علیہ السلام نے اس خطرناک منزل میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کی اور اپنے عم بزرگوار کے فرزند سے یہ قوت و مقاومت سیکھی۔ ان کا بستر رسول پر سونا دعوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں ان کے جہاد اور کوشش کا ایک نمونہ تھا۔ یہ خوفناک مرقع ہمارے لئے امام کی طبیعت اور خصلت کو بے نقاب کرتا ہے کہ ان کے اعمال بغیر کسی تصنع کے ان سے اس طرح صادر ہوتے تھے جیسے موتی صدف سے باہر آتا ہے نیز ان کی قوت فکر، دماغی طاقت اور باریک بیں عقل کو پہچنواتا ہے، کیونکہ اتنی عمر میں دعوت اسلامی کی حقیقت کو

---

[1] سقراط بقائے روح اور عالم آخرت کا معتقد تھا، چنانچہ لوگوں نے اسی جرم میں اس کے قتل کا حکم دیا اور اس کو شوکران کا عرق جو ایک زہر ہے دیا گیا جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے پی کر جان دے دی۔

کما حقہ سمجھ لینا کسی کے لئے ممکن نہیں!۔

اس کارنامہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیاوی زندگی سے کس قدر بے اعتنا تھے، آپ انتہائی صدق واخلاص کے مالک تھے اور سوا مکارم اخلاق کے کسی اور چیز پر التفات نہیں فرماتے تھے اپنے کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور مظلوموں کی حمایت میں قتل ہوجانے پر بھی راضی تھے تاکہ ان کو چھٹکارا حاصل ہو اور پیغمبرؐ کی تبلیغ رسالت انجام کو پہنچے۔ ہر مرحلے کو سہل وآسان سمجھتے تھے اور اس میں کوئی تکلیف نہیں کرتے تھے وفا مردانگی، پاکبازی، شجاعت اور دوسرے انسانی صفات علیؑ میں جمع تھے، یہ فداکاری ان کی آئندہ جانفشانیوں کا ایک نمونہ تھی۔ محمدؐ اور علیؑ کے درمیان دوستی اور برادری کا رشتہ مستقل تھا اور دعوت اسلام کی پیروی کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے، ان کی باہمی شرکت کا اسی وقت سے شروع ہوگئی تھی جب سے محمدؐ نے ابی طالب کو پہچانا اور علی علیہ السلام نے محمدؐ کو۔ جس وقت سے یہ تینوں ہستیاں ایک گھر میں ساکن ہوئیں، جس کی بنیاد فضیلت وتقویٰ کی شرافت پر رکھی گئی تھی تو یہ خانۂ ابوطالبؑ کے خصوصیات میں سے تھا کہ علیؑ اور خود ابوطالبؑ اسی مقام پر محمدؐ کی منزلت سے آگاہ ہوئے اور اس کو بخوبی پہچان لیا جیسا کہ اسی چیز نے ابوطالب کو شفقت اور مہربانی اور آپ کے راستے کی پیروی، نیز علی کو فکر دقیق، محبت عمیق اور حد اعجاز تک فداکاری پر تیار کیا۔ رسول اللہؐ نے خود بھی اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور علی کو عزیز رکھتے تھے۔ پھر تنہا اپنی ہی محبت پر اکتفا نہیں کی بلکہ برابر دوسرے لوگوں کے نزدیک بھی ان کو محبوب بناتے تھے تاکہ آپ کے بعد ان کے لئے خلافت کا راستہ صاف رہے۔ آپ چاہتے تھے کہ لوگ علی کو انہیں صفتوں کے ساتھ پہچان لیں اور آپ کی رحلت کے بعد معتقد رہیں کہ علیؑ خود محمدؐ ہیں اور گویا کہ آپ بعد وفات بھی زندہ ہیں لہٰذا باختیار خود محبت واطمینان کے ساتھ ان کا انتخاب کریں نہ اس بنا پر کہ خاندان بنی ہاشم سے اور پیغمبرؐ کے ابن عم ہیں، اس لئے کہ محمدؐ خود اس قسم کی عصبیتوں سے جنگ کرتے تھے اور سختی کے ساتھ ان کو ممنوع قرار دیا تھا۔ چنانچہ بنی ہاشم کو جو آپ کے اہل خاندان تھے حکومت وولایت اور دنیاوی منافع سے دور رکھا جیسا کہ خود اپنی ذات کو ان فوائد سے محروم رکھا تھا۔[۲]

---

[۱] حضرت کی عمر ۲۳ سال تھی۔

[۲] پیغمبرؐ نے زکوٰۃ کو جو اس وقت میں بیت المال کی ایک متد بہ رقم تھی بنی ہاشم پر حرام فرما دیا تھا یہاں تک کہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھی ان کو نہیں بھیجتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ آپ زکوٰۃ کو اپنے خاندان کے مصرف میں نہیں لاتے تھے اور اس کو وصول کرنے کی غرض صرف فقراء ومساکین کی مدد اور عام مسلمانوں کی دیگر ضروریات ہیں۔

امام کے اوصاف اور فضائل

جن لوگوں نے امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کے اوصاف بیان کئے ہیں ان میں سے صاحب کتاب ذخائر العقبیٰ کہتے ہیں کہ آپ کا قد وقامت متعدل اور معمولی طور پر نیچا تھا، صاف گندمی رنگ اور محاسن سفید و بلند تھے، آنکھیں کشادہ اور سیاہ تھیں، خوش رو، خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے، گردن بلند تھی، گویا خالص چاندی کی ایک صراحی تھی، شانے چوڑے تھے، ہاتھ کے جوڑ بند ایسے تھے جیسے شیر غراں کے، کیونکہ بازوں اور کلائیوں میں زیادہ امتیاز نہیں تھا بلکہ گویا ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے تھے ہاتھ اور پنجے سخت فربہی میں اوسط درجے کے اور بھرے ہوئے تھے، پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہوا اور نیچے کا حصہ باریک تھا اور اسی طرح بانہوں کا گوشت بھی۔ پیغمبرؐ کی طرح آپ کی رفتار بھی پرسکون تھی، جب جنگ کے لئے بڑھتے تھے تو تیز چلتے تھے اور کسی دوسری چیز کی طرف مڑ کے نہیں دیکھتے تھے، جسم کی طاقت اتنی کہ عقل اس کو سمجھنے سے قاصر اکثر سواروں کو جو آپ کے چنگل میں آجاتے تھے بغیر کسی زحمت و تکلیف کے ایک خرد سال بچے کی طرح ہاتھ سے اٹھا کر زمین پر پٹک دیتے تھے اور اگر کبھی کسی پہاڑ کا بازو ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ مشہور ہے کہ آپ نے کسی شہسوار سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ یہ کہ اس کو زیر کر دیا چاہے وہ جس قدر قوی ہیکل اور پہلوانی میں شہرۂ آفاق رہا ہو، کبھی بہت بڑے دروازے کو جس کے کھولنے اور ہلانے سے کئی پہلوان بھی عاجز تھے اٹھا لیتے تھے اور اس کو سپر کی طرح ہاتھ میں لے کر اس سے اپنی حفاظت کرتے تھے، کبھی ایک ہاتھ سے اتنا بڑا پتھر زمین سے اٹھا کر الگ پھینک دیتے تھے کہ بہت سے جواں مرد مل کر اس کو جنبش بھی نہیں دے سکتے تھے کبھی میدان جنگ میں ایسا نعرہ مارتے تھے کہ دلیر بہادروں کا پتا پانی ہو جاتا تھا چاہے وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اور آپ کے مزاج میں تکلیفوں کے لئے قوت برداشت ایسی تھی کہ گرمی اور سردی سے کوئی نقصان پہنچنے کا خوف نہ تھا، جاڑوں کے کپڑے گرمیوں میں پہنتے تھے اور گرمیوں کے جاڑوں میں۔

خلق عظیم

ایک شخص کسی قضیے میں عمر ابن خطاب کے پاس علی علیہ السلام کی شکایت لے گیا عمر اس وقت خلیفہ تھے انہوں نے دونوں کو طلب کیا اور علیؑ سے کہا اے ابو الحسن اپنے فریق مخالف کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ علیؑ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے تو عمر نے ان سے کہا، اے علیؑ کیا تم کو اپنے مخالف کے برابر کھڑے ہونے سے انکار تھا؟ آپ نے فرمایا، نہیں ایسا نہیں ہے لیکن میں نے دیکھا کہ تم نے میرے اور میرے حریف کے درمیان مساوات نہیں برتی، مجھ کو کنیت کے ساتھ مخاطب کر کے میری تعظیم کی اور اس کو کنیت کے ساتھ خطاب نہیں کیا۔ ۱

لوگوں کی اور بالخصوص بزرگ شخصیتوں کی سرشت اور خصلت کو پوری تشریح سے بیان کرنا بہت دشوار ہے اس لئے کہ نفسانی صفتیں ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں ہر صفت دوسری صفت سے مربوط، ایک عادت کا سبب اور وہ کسی تیسری کا نتیجہ ہے یا دونوں کسی ایک کا معلول ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہٰذا میرا مقصد یہ ہے کہ علیؑ کے صفات نفسانی میں سے چند صفتوں پر کئی پہلوؤں سے غور کرنے کے بعد ایک ہی ذات کے اندر ان سب کا موازنہ کروں تا کہ اس عقلی تحلیل اور جائزے سے کچھ مقدمات مرتب کر سکوں اور نتائج نکال سکوں شروع میں علی ابن ابی طالبؑ کے صفات کو ہر موضوع میں آپ کے سادہ معاملات اور مشہور و معروف اعمال و افعال سے اخذ کر کے اجمال و اختصار کے ساتھ پیش کروں تا کہ جب ہم ان کی سرشت اور عادت و خصلت کو پہچان لیں تو آئندہ فصلوں میں ہماری تفصیلی بحث انہیں صفات و اخلاق کے حدود میں ہو۔

---

۱ اہل عرب میں بزرگ ہستیوں کو نام لے کر پکارنا جائز نہیں تھا جس کو تعظیم کے ساتھ مخاطب کرنا چاہتے تھے اس کو کنیت سے پکارتے تھے۔

اب ہم آپ کی عبادت سے کلام کا آغاز کرتے ہیں!

علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام تقویٰ اور پرہیزگاری میں مشہور تھے اور آپ کے بہت سے کام اپنی ذات اپنے آدمیوں اور دوسرے لوگوں کے لئے محض پارسائی کی وجہ سے ہوتے تھے میرا عقیدہ ہے کہ علیؑ کا تقویٰ دوسرے پرہیزگاروں کے مانند حالات و کیفیات کے اثر سے نہیں پیدا ہوا تھا۔ جیسا کہ اکثر متقی اشخاص کی عبادت کمزوری نفس کی بنا پر زندگی کے مقابلے سے بھاگنے اور لوگوں سے کنارہ کشی یا اپنے اسلاف کی تقلید میں ہوا کرتی ہے اور واقعات زندگی کے اثرات اس کی تائید کر دیتے ہیں کیونکہ لوگ عادتاً موروثی رسموں اور اپنے بزرگوں کے نمونہ عمل کو قابل احترام سمجھتے ہیں۔[1]

بلکہ امام کا تقویٰ ایک مضبوط بنیاد پر قائم اور عالم ہستی کے سارے اجزاء میں پائے جانے والے اس باہمی رشتے سے منسلک تھا جس نے ہر چیز یہاں تک کہ آسمان وزمین کو بھی ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا ہے اور آپ کی عبادت در حقیقت زندگی اور سعادت انسانی کے راستے میں سعی پیہم اور فتنہ وفساد سے جنگ تھی۔ آپ ہر پہلو سے برائی اور خباثت کا مقابلہ کرتے تھے، ایک طرف سے نفاق اور مطلب پرستی وخود غرضی کا، اور ایک جانب سے بے غیرتی، پستی وذلت، ناکارگی، بیچارگی اور دوسرے صفات ذمیمہ کا جو اس الٹے زمانے میں رائج تھے۔ علیؑ کے نزدیک تقویٰ کی حقیقت یہ تھی کہ حق وانصاف کی راہ میں جان پر کھیل جاتے تھے۔ آپ نے خود ایمان کیلئے یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ "تمہارے ایمان کی منزل یہ ہے کہ سچائی کو جھوٹ پر ترجیح دو چاہے سچائی میں تمہارا نقصان اور جھوٹ میں تمہارا فائدہ ہی کیوں نہ ہو"۔

آپ کا تقویٰ اس علامت کے مطابق تھا جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ علیؑ نے اسی سچائی کی وجہ سے شہادت حاصل کی، بلکہ اگر زندوں کو شہید کہا جاسکے تو آپ زندگی میں بھی شہید راہ صداقت تھے۔

اگر کوئی شخص امام علیہ السلام کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ آپ سیاست

---

[1] ناظرین یاد رکھیں کہ مصنف عیسائی ہے اور لوگوں کے نزدیک عبادت گوشہ گیری اور رہبانیت کا نام ہے لیکن اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، اسی وجہ سے اسلام کے پارسا اور پرہیزگار افراد نہ جدوجہد سے خائف تھے۔ نہ انسانوں سے بھاگتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو جس مقام پر مصلحتاً سکون وخاموشی کی ضرورت تھی وہاں بھی فرط جوش میں بہادری کے ساتھ اپنی جان کی بازی لگا دیتے تھے اور اب بھی ایسا کرتے ہیں۔

اور حکومت کی طرح عبادت میں بھی اپنا ایک مخصوص طریقہ رکھتے تھے جس میں بہت مضبوط تھے اور جس کا اسلوب سخت و مستحکم تھا۔ علیؑ اس شاعر کے مانند جو جمال فطرت میں ہمہ تن محو ہو گیا ہو ایک مطلق اور غیر محدود ہستی کے سامنے کھڑے ہو کر نفس پاکیزہ اور رتہ دل سے مکمل توجہ کے ساتھ اس سے راز و نیاز میں مصروف ہوتے تھے۔

حضرت کا یہ کلام آزاد عبادت گزاروں اور بزرگان اہل تقویٰ کے لئے ایک بڑی ہدایت ہے کہ ایک گروہ نے نعمتوں کی امید میں خدا کی عبادت کی جو تاجروں کی عبادت کی ہے۔ ایک گروہ نے عذاب الٰہی کے خوف سے عبادت کی جو غلاموں کی عبادت ہے۔ اور ایک گروہ نے شکر ادا کرنے کے لئے عبادت خدا کی جو آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔"

امام علیہ السلام کی عبادت اکثر بندوں کے مانند نہ خوف و ہراس کی وجہ سے تھی نہ تجارت کے لئے اور نہ بہشت کی امید میں بلکہ بزرگ لوگ جب رونق عالم، وجود مطلق اور غیر متناہی مبدا ہستی کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے مقابلے میں اپنے کو عجز و بندگی پر مجبور پاتے ہیں۔ اس عبادت کی اصل و بنیاد عقل و وجدان اور معرفت قلب کا کمال ہے۔

جس شخص کے نزدیک عبادت ایسی ہی ہو جیسی علیؑ کے نزدیک تھی تو وہ لا محالہ زندگی کو اسی نظر سے دیکھے گا جس نظر سے علیؑ نے دیکھا وہ زندگی کو دنیاوی فوائد اور فانی لذتوں کے لئے نہیں ڈھونڈھتا بلکہ مکارم اخلاق کے حصول اور ان مقاصد کو انجام دینے کے لئے تلاش کرتا ہے جو اس کے نفس کے ساتھ میل کھاتے ہوں اسی جہت سے علیؑ نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور نام و نمود سے پرہیز کیا۔ آپ اپنے زہد میں اسی طرح سچے تھے جس طرح اپنے اعمال و اقوال اور نیت میں صادق تھے۔ لذت دنیا سے اسی طرح بے رغبت تھے جس طرح اسباب سلطنت لوازم حکومت اور ان چیزوں سے بے پروا تھے جن پر دوسرے لوگ نظریں جمائے ہوئے تھے اور جن کی کشش ان کے رگ و پے میں پیوست تھی اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں بسر کرتے تھے اور اسی گھر میں رہ کر فرماں روائی بھی کرتے تھے آپ کی امارت سلطنت کی صورت میں نہیں بلکہ خلافت کی حیثیت میں تھی۔ جو کی روٹی نوش فرماتے تھے جس کے لئے آپ کی بیوی اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ البتہ آپ کے گورنر اور حکام، شام و مصر اور عراق کے بہترین لذات و نعمات اور محصول سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ اپنی زوجہ کو چکی پیسنے کی زحمت دینا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے اور خود ہی آسیا گردانی فرماتے تھے۔ باوجودیکہ مومنین کے امیر تھے پھر بھی ایسی خشک روٹی تناول فرماتے تھے جو زانو سے دبا کر توڑی جا سکتی تھی۔ جب جاڑے کا زمانہ آتا تھا اور سخت سردی پڑنے لگتی تھی تو ٹھنڈک سے بچانے والا کوئی کپڑا آپ کے پاس مہیا نہ ہوتا تھا بلکہ اسی گرمیوں کے ہلکے کپڑے پر قناعت کرتے تھے۔

ہارون بن عنترہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں قصر خورنق میں علیؑ کے پاس پہنچا تو جاڑوں کی فصل میں ایک

پرانی چادر کندھوں پر ڈالے ہوئے تھر تھرا رہے تھے، میں نے کہا کہ یا امیرالمومنینؑ خدا نے بیت المال میں آپ کا بھی ایک حصہ معین کیا ہے لیکن اس کے باوجود آپ اپنے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے مال میں سے کوئی چیز بھی نہیں لیتا اور یہ وہی چادر ہے جو میں مدینے سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ آپ نے اس مکان میں اسی طرح قناعت کی زندگی بسر کی۔ یہاں تک ابن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ رعایا کے اندر آپ سے زیادہ سادہ اور قناعت کے ساتھ زندگی گزارنے والا کوئی ایک شخص بھی نہیں تھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں دنیا سے اٹھ گئے حالانکہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔

دنیا سے اس قدر بے اعتنائی درحقیقت علیؑ کی اسی شجاعت و مردانگی سے مربوط تھی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن ایسا نہیں ہے آپ کی شجاعت و مردانگی دراصل روح کی بزرگی اور بلند مقصد کی راہ میں سعی و کوشش کا نام اور اپنے ذاتی فائدے سے ہٹ کر دوسروں کے نفع، مجبوروں اور مظلوموں کی امداد نیز پنجۂ ظلم سے ان کی رہائی کے لئے تھی۔ ایسی صورت میں آپ ہرگز اس پر تیار نہیں تھے کہ جس شہر میں بہت سے فقیر اور پریشان حال اشخاص بستے ہوں وہاں آپ دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں۔

عمر ابن عبدالعزیز اس خاندان بنی امیہ کا خلیفہ تھا جو علیؑ کو دوست نہیں رکھتا تھا، آپ کو طرح طرح سے بدنام کرنے کی کوشش کرتا تھا اور برسر منبر آپ کو دشنام دیتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کی پاکیزہ سیرت نے اس کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ:

"دنیا کے سب سے زیادہ زاہد و پرہیزگار انسان علی ابن ابی طالبؑ ہیں"

مشہور ہے کہ علیؑ نے پتھر پر پتھر اور اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی اور نَے سے نَے کو نہیں جوڑا یعنی نرکل کا مکان بھی نہیں بنایا۔ قصر ابیض سے انکار کر دیا حالانکہ انہیں کے لئے بنایا گیا تھا، تاکہ ان کا گھر فقیروں کے گھروں سے بہتر نہ ہو جو لکڑی کی جھونپڑیوں میں رہ رہے تھے۔ علیؑ کا یہ ارشاد آپ کے طرز زندگی کا آئینہ دار ہے آیا میں اتنے ہی پر اکتفا کر لوں کہ لوگ مجھ کو امیر المومنینؑ کہتے ہیں اور مصائب زمانہ میں ان کا شریک نہ بنوں"۔

ابن اثیر نے روایت کی ہے کہ جب علیؑ نے فاطمہؑ دختر رسول سے شادی کی تو ان دونوں کا بستر صرف ایک گوسفند کی کھال تھی۔ رات کو اس پر سوتے تھے۔ اور دن کو اسی پر اونٹ کو چارہ دیتے تھے، خادم ایک سے زیادہ نہیں رکھا، جب خلافت حاصل ہوئی تو اصفہان سے کچھ مال آیا جس کو سات حصوں پر تقسیم کیا، یہاں تک کہ اس میں ایک روٹی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کر دیئے۔

جوانمردی ہر پہلو سے علیؑ کے اندر مجسم اور ہر اس خوبی کو جمع کئے ہوئے تھی جو اس صفت کے لئے مناسب ہے عالی ظرفی اور چشم پوشی دونوں مردانگی کے جوہر ہیں اور یہ امامؑ کی عادت میں داخل تھے، چنانچہ اسی سبب سے کسی کو تکلیف پہنچانا پسند

نہیں کرتے تھے ہر چند کہ اس نے خود آپ کو ستایا تھا، یا کسی کی طرف دست ظلم دراز نہیں کرتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ وہ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے اسی عادت وخصلت نے بنی امیہ کو دشنام دینے سے آپ کو باز رکھا اگر چہ وہ لوگ ہر طرف سے آپ پر بدگوئی اور دشنام کے تیر چلا رہے تھے، اس لئے کہ بزرگ ہستیوں کی طبیعت سے یہ چیز دور ہے کہ دشمنوں کو گالی کے بدلے گالی دیں۔ بلکہ بنی امیہ پر سب وشتم کرنے سے اپنے اصحاب کو بھی منع فرمایا۔ جنگ صفین میں آپ نے سنا کہ اصحاب میں سے کچھ لوگ شام والوں کو گالی دے رہے تھے تو فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالی بکنے والے بنو، ہاں اگر ان کے افعال بیان کرو اوران کی حالت کا ذکر کرو تو تمہاری بات حق بجانب اور اتمام حجت کے لئے کافی ہوگی۔ گالی کے عوض کہو کہ "خداوندا ہمارا اوران کا خون محفوظ رکھ، ہمارے اوران کے دلوں کو گمراہی سے نجات دے اور ہماری ہدایت کرتا کہ جس نے حق کو نہ پہچانا ہو وہ پہچان لے اور جو شخص ظلم وضلالت میں آلودہ ہے وہ اس سے باز آجائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

دشمنوں کے ساتھ درگزر اور چشم پوشی میں تاریخ کے اندر آپ کی نظیر نہیں تھی، آپ کی معافی اور درگزر پر دلالت کرنے والی حکایتیں شمار سے باہر ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ لڑائی کے موقع پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے تھے کہ جب دشمن بھاگ کھڑا ہو تو اس کو قتل نہ کرو، جو مجبور اور زخمی ہو اس کی مدد کرنے سے دریغ نہ کرو، کسی کو برہنہ نہ کرو اور کسی کا مال اس سے نہ چھینو! مزید براں جنگ جمل میں اپنے دشمنوں کے کشتوں پر نماز پڑھی اوران کے لئے خدا سے استغفار کیا، جس وقت اپنے انتہائی سخت دشمنوں عبداللہ ابن زبیر، مروان ابن حکم اور سعید ابن عاص پر قابو پایا تو ان کے ساتھ معافی اور نیکی کا سلوک کیا اوران کو سزا دینے سے اپنے اصحاب کو باز رکھا، حالانکہ وہ سب کچھ کر سکتے تھے اور خود ان لوگوں کو بھی رہائی کی توقع نہیں تھی۔ آپ کی چشم پوشی کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس وقت عمر عاص پر غالب آئے تو باوجودیکہ علیؑ کے لئے اس کا خطرہ معاویہ سے کم نہیں تھا لیکن منھ پھیر لیا اوراس کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا۔ عمرو عاص نے ۔۔۔۔۔ تو اس احسان کے بعد بھی علی علیہ السلام سے دشمنی کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ عمر و نے جب ذوالفقار کو اپنے سر کے اوپر پایا تو اس کو امید تھی کہ اس حرکت جس کو وہ عمل میں لایا علیؑ اپنی آنکھیں بند کرلیں گے اور اس کو چھوڑ دیں گے۔[1]

اگر علی علیہ السلام نے اس وقت عمرو کو قتل کر دیا ہوتا تو مکر وحیلہ اور معاویہ کا لشکر ہی نیست ونابود ہو جاتا۔

جنگ صفین میں معاویہ اوراس کے ساتھیوں نے چاہا کہ علیؑ کو تشنگی سے زیر کریں لہٰذا کچھ روز تک آپ کے اور فرات کے درمیان

---

[1] کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں عمرو عاص علی علیہ السلام کے مقابلہ پر آیا تو بہت ڈرا اور سوا اس کے کوئی چارہ نہیں دیکھا کہ چت لیٹ کر اپنی شرمگاہ کھول دے تا کہ علی علیہ السلام اپنی آنکھیں بند کرلیں اور وہ بھاگ جائے، چنانچہ اس نے یہی کیا اور اپنی جان بچائی۔

حائل رہے اور کہتے تھے کہ ہم تم کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیں گے یہاں تک کہ پیاس سے مرجاؤ۔لیکن اس کے بعد آپ نے معاویہ کے لشکر پر؟ حملہ کر کے ان لوگوں کو دریا سے الگ کردیا لیکن ساتھ ہی اجازت بھی دے دی کہ جس طرح میری فوج پانی پی رہی ہے تم بھی پیو۔اگر چاہتے تو آپ بھی ان پر پانی بند کر سکتے تھے، یقیناً اس طرح آپ کو فتح حاصل ہوتی اور وہ لوگ موت کے خوف سے شکست مان لیتے۔

ایک مرتبہ سنا کہ آپ کے دو آدمی عائشہ پر کچھ بُرے الزامات لگا کر سخت و سست کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل کی آگ بھڑکائی اور علیؑ کو قتل کرنا چاہا۔علی علیہ السلام کے حکم سے دونوں کو سو۱۰۰ سو۱۰۰ تازیانے لگائے گئے۔

جنگ جمل میں فتح پانے کے بعد آپ عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے اُن کو احترام کے ساتھ روانہ کیا اور خود بھی میل تک اُن کو رخصت کرنے گئے، کچھ لوگ راستے میں اُن کی خدمت کیلئے بھی روانہ کئے، جن کو تاکید کی کہ ان کو عزت وحرمت اور آرام کے ساتھ مدینہ پہنچائیں کہتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کی بیس ۲۰ عورتیں ان کے ساتھ بھیجیں جو مردوں کی طرح سروں پر عمامے رکھے اور تلواریں حمائل کئے ہوئے تھیں۔راستے میں ایک روز عائشہ نے علی علیہ السلام کو برا کہا اور اضطراب ظاہر کرتے ہوئے زبان پر لائیں کہ علیؑ نے میرے ساتھ ان مردوں اور فوجیوں کو بھیج کے میری بے پردگی چاہی ہے، جب مدینہ پہنچیں تو ان عورتوں نے عمامے اُتار پھینکے اور کہا ہم مرد نہیں عورتیں ہیں۔[1]

علی علیہ السلام اس قدر شجاعت کے مالک ہونے کے باوجود ظلم وستم سے اجتناب کرتے تھے، راویان اخبار اور اصحاب تاریخ کا اجماع ہے کہ آپ جنگ سے بیزار تھے سوا اس موقع کے جب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہ جائے۔آپ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ دشمنوں سے معاملات اس طرح طے ہوجائیں اور حالات اس طرح درست ہوجائیں کہ خون نہ بہے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے۔اپنے فرزند حسن علیہ السلام سے فرماتے رہتے تھے کہ "کسی کو جنگ کی دعوت نہ دینا"۔امامؑ کا کلام تہہ دل سے صادر ہوتا تھا کیونکہ جو وصیت اپنے بیٹے کو فرمائی اُس پر خود بھی مدتوں عمل پیرا رہے اور بغیر مجبوری کے جنگ نہیں کی۔

مثال کے طور پر جب خوارج کی فوج سامانِ جنگ فراہم کرنے کی تیاری کر رہی تھی تو اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا کہ خوارج کے تیار ہونے سے پہلے ہی ان پر حملہ کردیا جائے، علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ "جب تک وہ مجھ سے خود لڑائی کی ابتدا نہیں کریں گے میں جنگ نہیں چھیڑوں گا آپ کو انسانیت اور ایمان وعرفان مجبور کرتے تھے کہ ان لوگوں کو وعظ وپند کے ذریعہ

---

[1] اس حکایت کو معتبر مورخین نے نقل نہیں کیا ہے اور کسی ایسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے جو قابل اعتماد ہو۔نیز امیر المومنینؑ کی سیرت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ اس وضع وقطع کے ساتھ ان عورتوں کی بے پردگی گوارہ کریں۔اس کے علاوہ عائشہ کی ہوشمندی بھی اس کی مقتضی نہیں کہ بصرے سے مدینہ تک اسی طویل مسافت میں ان کو اس کا پتہ نہ چل سکے کہ میرے ہمراہ مرد نہیں عورتیں ہیں۔

گمراہی سے باز رکھیں۔ ایک روز مجمع کے اندر موعظہ فرما رہے تھے بہت سے خارجی بھی سن رہے تھے جو امام کو کافر سمجھتے تھے، ان میں سے ایک شخص نے جو حضرتؑ کی بلاغت کلام سے متعجب اور شیریں بیانی و تاثیر سخن سے متحیر ہو رہا تھا کہا "خدا اس کو قتل کرے کس قدر بافہم اور دانشمند کافر ہے"۔ پیروانِ علی علیہ السلام نے چاہا کہ اس کو قتل کر دیں تو آپ نے آواز دی کہ اس نے زبان سے بُرا کہا ہے لہٰذا اس کا بدلہ زبان ہی کے ذریعہ لینا چاہئے یا پھر اس خطا سے درگزر کرنا چاہئے۔

ہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ معاویہ کی فوج نے چاہا تھا کہ علی علیہ السلام کو پانی سے محروم کر کے ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔ لیکن آپ نے اس بدسلوکی کا جواب احسان سے دیا۔ اور پانی کی بندش نہیں کی بلکہ اجازت دے دی کہ میرے اصحاب کی طرح معاویہ کا لشکر بھی پانی لے جائے۔

اس کے علاوہ معاویہ کے ساتھ اسی قسم کے اور واقعات بھی پیش آئے جن کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انصاف و مروت، ظلم و ستم سے پرہیز، اور احسان کرنے میں ایسے ہی تھے جیسا کہ علوی روح قدسی کے لئے سزاوار تھا۔

منجملہ ان حکایتوں کے ایک مورخ کہتا ہے کہ جنگ صفین کے زمانہ میں ایک شخص کریز بن صباح حمیری معاویہ کے لشکر سے نکل کر میدان میں آیا اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دی کہ کون ہے جو میرے مقابلہ پر آئے؟ اصحاب علیؑ میں سے ایک شخص نکلا اور قتل ہو گیا۔ اس نے دوبارہ مبارز طلب کیا، دوسرا مجاہد گیا اور قتل ہوا، اس نے تیسری مرتبہ اپنا مقابل مانگا اور تیسرا جانے والا بھی شہید ہو گیا۔ جب چوتھی بار اس نے نعرہ مارا تو کوئی شخص نہیں نکلا بلکہ صف اول کے لوگ ہٹ کے پیچھے والی صف میں آگئے۔ علیؑ کو خطرہ محسوس ہوا کہ صفوف لشکر میں خوف و ہراس پھیل جائے گا لہٰذا اس اپنی قوت بازو پر ناز کرنے والے مرد میدان کے مقابلے میں خود ہی تشریف لے گئے اور اس کو مار گرایا، پھر مبارز طلبی کی اور ان لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو کریز بن صباح نے آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا تھا۔ یہاں تک کہ تین پہلوانوں کو قتل کرنے کے بعد بآواز بلند فرمایا جس کو ہر شخص نے سنا کہ "اگر تم نے آغاز جنگ نہ کیا ہوتا تو ہم تم سے ہرگز جنگ نہ کرتے اور اپنی جگہ واپس آگئے"۔

روز جمل کا یہ ماجرا بھی منقول ہے کہ جب دشمنوں نے آپ پر ہجوم کیا اور آپ کے مقابلہ پر لشکر لا کھڑا کیا تو آپ نے بھی اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ صفیں آراستہ کر لیں اس کے بعد ہدایت دی کہ جب تک حجت تمام نہ کر دو نہ کوئی تیر پھینکنا نہ نیزہ لگانا نہ تلوار چلانا"۔ آپ چاہتے تھے کہ جنگ نہ کرنا پڑے اور ان سے صلح کے ذریعے بات طے ہو جائے تا کہ نہ کسی کا خون بہے نہ کوئی قتل ہو۔ ابھی ایک لحجہ بھی نہیں گزرا تھا کہ لشکر مخالف سے ایک دشمن نے تیر چلایا اور علیؑ کا ایک ساتھی مارا گیا، علیؑ نے صدا دی کہ خداوندا گواہ رہنا" دوسرا تیر آیا اور اصحاب حضرتؑ میں سے دوسرا شخص قتل ہوا اور آپ نے کہا "خداوندا گواہ رہنا"۔ اس کے بعد عبداللہ ابن

بدیل کو بھی ایک تیر لگا اور ان کا بھائی ان کو علیؑ کے سامنے لایا، آپ نے پھر کہا "خداوندا گواہ رہنا" اور جنگ شروع ہوگئی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ظلم و جور سے الگ رہنا علیؑ کا ایک اخلاقی اصول اور آپ کی عادت وفطرت میں شامل تھا۔ آپ عہد و پیمان نہیں توڑتے تھے اور پرانے دوستوں سے دشمنی نہیں کرتے تھے جب تک وہ خود عہد شکنی یا محبت کے عوض دشمنی نہ کریں۔ دوستی کی بہترین صورت اور وفاداری کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بہادر میدان جنگ میں کھڑا ہو کر اپنے پرانے دوست ملاقاتیوں کو جواب دشمن ہو کر اس سے لڑنے آئے ہیں اُسی برادرانہ نظر سے دیکھے، ان کو صلح و آشتی کی دعوت دے اور سابق ہمدردی و محبت کی یاد دلائے تاکہ شاید عہد شکنی اور خیانت سے باز آجائیں، یا سلاح جنگ ان کے ہاتھ سے لے لے اور مشکل و پیچیدہ کاموں کو صلح و صفائی کی صورت میں حل کرے، کیونکہ ایسے دشمن سے جو پہلے دوست رہ چکا ہو ایک دم سے جنگ نہ شروع کر دینا چاہئے۔ شاید پچھلے زمانہ کی یاد اس کے دل کو نرم کر دے اور جنگ و مخالفت سے روک دے۔

اگر ایفائے عہد اور دوستی کی سابق مراعات علی علیہ السلام کی روح میں غالب نہ ہوتی تو دشمن کے دفعیہ میں اس کا سہارا نہ لیتے۔ امامؑ کی عہد شناسی اور اس نیک خصلت کی مضبوطی پر دلیل قاطع وہ برتاؤ ہے جو آپ نے زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ کیا۔ یہ دونوں علی علیہ السلام کے دوستوں اور مددگاروں کو آپ سے جدا کر کے دشمنوں کی طرف لے گئے تھے اور عائشہ کو بہکا کر آپ کے مقابلے پر لائے تھے۔

دوست ہوں یا دشمن جو خبر دینے والے اس موقع پر موجود تھے انہوں نے روایت کی ہے کہ جب طلحہ و زبیر نے جنگ کا ارادہ کیا، بیعت توڑ ڈالی اور جنگ جمل میں بد باطنی کا مظاہرہ کیا تو علی علیہ السلام سر برہنہ بغیر زرہ اور سلاح جنگ کے ان کی طرف گئے، مطلب یہ تھا کہ میں صلح کی نیت رکھتا ہوں، اور آواز دی کہ اے زبیر میرے پاس آؤ، ! زبیر آلات حرب سے لیس آئے۔ عائشہ نے سنا تو فریاد کرنے لگیں کہ حیف ہے لڑائی سے، اس لئے کہ جانتی تھیں کہ علیؑ کے سامنے جو دشمن جائے گا چاہے وہ جتنا دلاور اور بہادر اور طاقتور ہو ضرور مارا جائے گا۔ اور یقیناً زبیر بھی اگر جنگ کرتے تو بچ کے نہ جاتے، لیکن علیؑ نے زبیر کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ عائشہ اور ان کے ہمراہی بہت گھبرائے اُدھر آپ ان کو لپٹائے ہوئے تھے کیونکہ خلوص اور محبت کا رشتہ بزرگوں کے دلوں میں ہرگز نہیں ٹوٹتا، علیؑ نے گزشتہ باہمی محبت کے لہجے میں پوچھا کہ افسوس ہے تم پر اے زبیر! کیا سبب ہوا کہ تم مجھ سے لڑنے آئے ہو؟ زبیر نے کہا عثمان کا خون۔ علیؑ نے کہا خدا قتل کرے اس کو جو ہم میں سے خون عثمان میں زیادہ شامل رہا ہو۔

پھر پچھلے پیمان رفاقت اور برادری کو یاد دلایا اور گفتگو کے درمیان کئی مرتبہ رو دیئے۔ لیکن زبیر جان و دل سے لڑائی پر تلے ہوئے تھے اور امامؑ کے مقابلے پر یہاں تک جمے رہے کہ قتل ہو گئے اور ان کا قتل ہونا علیؑ پر جو عہد محبت کی رعایت میں

وفادار تھے، بہت گراں گزرا۔

آپ گزشتہ خلفاء کو رائے مشورہ دینے میں دریغ نہیں کرتے تھے، ان کے اقوال و افعال میں امداد کرتے تھے اور ان کی وفاداری میں اپنے تین بیٹوں کے نام انہیں کے ناموں پر ابو بکر، عمر، اور عثمان رکھے۔[1]

جس وقت طلحہ مارے گئے تو علیؑ ان کے سرہانے کھڑے ہوئے اور وہ عمل کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ان کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے اور سخت اندوہ وغم کے ساتھ زار زار رو رہے تھے اور سابق رفاقتوں کی یاد میں ان کی طرف دیکھ کر مرثیہ کہہ رہے تھے کہ "اے ابو محمد کو ناگوار ہے کہ تم کو زیر آسمان مقتول دیکھوں، کاش کہ آج سے بیس سال قبل[2] خدا نے میری روح قبض کر لی ہوتی کہ یہ دن نہ دیکھتا"۔

لیکن یہ جوانمرد جو دوستی میں ایسا ثابت قدم تھا اس کے دوستوں نے حق دوستی کا لحاظ نہیں رکھا اس لئے کہ ان کو اس کی امید نہ تھی کہ یہ اپنی فطرت وخصلت کے تقاضے سے منہ موڑ کر ان کے ہاتھوں کو لوگوں کے حقوق چھیننے کے لئے آزاد چھوڑ دے گا۔

حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ اگر ساتوں اقلیم اور جو کچھ آسمان کے نیچے ہے سب مجھ کو دے دیا جائے تا کہ خدا کی نافرمانی کروں اور کسی چیونٹی سے ایک جو کا چھلکا بھی ظلم سے چھین لوں تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ میرے نزدیک یہ ساری زمین اس ایک پتی سے زیادہ حقیر ہے جو کسی ٹڈی کے منہ میں دبی ہوئی ہو"۔

اس بارے میں علیؑ کا یہ قول وعمل دونوں یکساں تھے، دوسروں کی طرح نہیں جن کی باتیں ان کے عمل سے بڑھی چڑھی ہوتی ہیں۔ جو سرشت اور خصلت آپ کے اس کردار کا باعث تھی اسی کی تحریک سے یہ الفاظ بھی آپ کی زبان پر جاری ہوتے تھے۔ علیؑ لوگوں پر ہر ایک سے زیادہ مہربان تھے اور ہر شخص سے زیادہ ان کی ایذا رسانی سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کے لئے اپنے کو بھول جاتے کیونکہ اپنی ذات سے اس بے اعتنائی کو اپنی زندگی کا لازمی جز سمجھتے تھے۔ آپ کی ساری زندگی مظلوموں اور مجبوروں کی حمایت کے لئے وقف تھی تا کہ ایسے ظالموں سے ان کا عوض لیں جنہوں نے اپنے کو بلند نسب اور نسلی امتیاز کی بنا پر ہر طرح کے ظلم ونقصان رسانی کا حقدار سمجھ لیا تھا۔

علی علیہ السلام نے قبیلہ قریش سے اس لئے مخالفت اور جنگ کی کہ وہ ذاتی منفعت، کسب جاہ و مال اور فرمانروائی کے لئے خلافت کے خواہاں تھے۔ آپ نے خلافت بلکہ دنیاوی زندگی سے چشم پوشی کی اور ہر چیز سے اس لئے دست بردار ہو گئے

---

[1] علیؑ کا ہر عمل اسلام کے فائدے کے لئے تھا اسی لئے خلفاء کی مدد بھی کرتے تھے اور اپنے حق کے لئے دین کا مفاد ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور جو نام عرب میں عام طور پر رائج تھے ان کو اس وجہ سے قابل ترک نہیں سمجھتے تھے کہ خلفاء کے نام ان کے موافق ہیں۔

[2] طلحہ ابو بکر کے قبیلے بنی تیم سے تھے اور ان کو خلافت کی ہوس اس لئے پیدا ہوئی کہ پچیس سال قبل انہیں کے خاندان کی ایک فرد اس منصب پر پہنچ چکی تھی۔

کہ آپ اہل دنیا کے شانے سے شانہ ملا کے چلنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس چیز پر راضی نہیں تھے کہ بے بس اور کمزور افراد کو ان کی ہوا و ہوس کا تختہ مشق بننے دیں۔

علی علیہ السلام کی مہربانی عام لوگوں پر اتنی زیادہ تھی کہ آپ کے بھائی عقیل نے جب بیت المال سے اپنے حق سے کچھ زیادہ وظیفہ طلب کیا تو آپ نے ان کو بے نیل مرام پلٹا دیا اور وہ معاویہ کے پاس چلے گئے۔ علیؑ نے بھائی کی جدائی گوارا کر لی لیکن اس پر راضی نہیں ہوئے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تھوڑا بھی بغیر حق کے صرف کریں۔

علی علیہ السلام سارے انسانوں کے لئے ایک شفیق باپ کے مانند تھے۔ حکام اور گورنروں کو نرمی و مہربانی کی ہدایت فرماتے تھے ظلم کرنے والوں کے ساتھ سختی و درشتی کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کو سخت سزا دینے سے ڈراتے تھے۔ آپ کی یہ وصیتیں برابر والیان حکومت کے کانوں میں پہنچتی رہتی تھیں کہ ''لوگوں کی فریاد کو پہنچو اور ان کی ضرورتوں کی کفالت کرو کیونکہ تمہارا سرمایہ انہیں کے ہاتھوں میں ہے، کسی شخص کو اس کی حاجت سے محروم نہ کرو اور اس کے مقصد میں مانع نہ ہو، خراج کے لئے کسی کے جاڑے یا گرمی کے کپڑے نہ بیچو، ایسا چوپایہ نہ لو جو ان کے کام آتا ہو اور ایک درہم کے لئے کسی کو تازیانہ نہ مارو''۔

علی علیہ السلام وہ تھے جنہوں نے اشتر نخعی کا عہد نامہ اس خوبی کے ساتھ تحریر فرمایا جس وقت ان کو ولایت مصر اور اس کے اطراف کا حکم بنا کر بھیجا تو ان کے مکتوب میں لکھا، ''ان لوگوں کے ساتھ درندہ جانوروں کی طرح نہ رہو، ان کی روزی کو مال غنیمت نہ سمجھو اس لئے کہ مصر والے ان دو قسموں میں سے کسی ایک میں داخل ہیں، یا تو وہ دینی حیثیت سے تمہارے بھائی ہیں یا بشری خلقت کے لحاظ سے تمہارے مساوی، ان کی لغزشوں سے درگزر کرو، ان کی خطاؤں کو معاف کرو جس طرح تم خود امیدوار ہو کہ خدا تمہارے جرم و گناہ کو بخش دے، کسی کو معاف کر دینے پر پشیمان نہ ہو اور سزا دینے میں ضد سے کام نہ لو''۔

پھر ان سے فرماتے ہیں کہ:

''احتکار سے منع کرو'' احتکار کے بارے میں سخت گیری ہی علی علیہ السلام سے معاویہ اور ان کے گروہ کی مخالفت کا بڑا سبب تھی کیونکہ وہ ملک و دولت اور مال غنیمت کو اپنے لئے چاہتے تھے اور علی علیہ السلام سارے انسانوں کے لئے۔

انسانوں کے ساتھ علی علیہ السلام کا لطف و کرم اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آپ نے اپنے نابکار قاتل ابن ملجم سے بھی نیک سلوک کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ ہم بعد میں اس کا تذکرہ کریں گے۔

حضرتؑ نے حسن و حسین علیہما السلام کے نام اپنی وصیت میں فرمایا ہے کہ ''حق بات کہو، ظالم کے دشمن رہو اور مظلوموں کے حامی'' نیز وصیت کی کہ ''ظالم کے دشمن رہو چاہے وہ تمہارا عزیز قریب ہی ہو اور مظلوموں کے مددگار بنو چاہے وہ غیر اور اجنبی ہی ہو''

آپ کی ہی کوشش رہتی تھی کہ ظالموں کی گوشمالی کریں اور لوگوں کے سروں سے ان کے پنجہ ظلم کو دفع کریں، آپ نے اس راہ میں اپنے دل وزبان اور شمشیر وخون سے سعی کی، مظلوم کے مددگار اور ظالم کے دشمن رہے۔ اس منزل میں آپ تنہا تھے اور جب تک زندہ رہے سستی سے کام نہیں لیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علی علیہ السلام کے عدل وانصاف پر تعجب نہ کرنا چاہئے بلکہ آپ اگر عادل نہ ہوتے تب تعجب ہوتا۔ آپ کی عدالت میں جو روایتیں منقول ہیں وہ تاریخ انسانیت کی بیش بہا میراث ہیں اور انسان کو ایسے واقعات پر فخر ومباہات کرنا چاہئے۔

آپ کے بھائی نے بیت المال سے خاص طور پر وظیفہ طلب کیا اور آپ نے انکار کردیا کہ یہ میرا مال نہیں ہے جو کسی کو یوں ہی بخش دوں۔ دوسرے مجبور ومحتاج لوگ بھی ہیں جو تم سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں اور ان کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

عقیل نے کہا کہ اگر اس مال میں سے آپ میرے لئے وظیفہ مقرر نہیں کرتے تو میں معاویہ کی طرف جاتا ہوں۔ لیکن اس بات کا علی علیہ السلام نے کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے عزم سے منحرف نہیں ہوئے۔

آپ کے بھائی معاویہ سے جاملے اور کہتے تھے کہ "معاویہ میری دنیا کے لئے بہتر ہے" معاویہ کا برتاؤ عقیل کے خیال پر پورا اترا، کیونکہ بیت المال معاویہ کے ہاتھ میں ایک ایسا آلہ کار تھا جس سے وہ اپنی سلطنت کی بنیاد مضبوط کرتے تھے، اپنے مقاصد کی تکمیل کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ بنی امیہ کی گئی گزری سیاست وبزرگی کو پھر سے تازہ کریں۔

امام علیہ السلام رعایا کے مقابلے میں اپنی برتری نہیں جتاتے تھے اور عدالت کے اجلاس میں ان کے دوش بدوش حاضر ہوتے تھے، اس لئے کہ عدالت آپ کے دل کی گہرائیوں میں راسخ تھی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے عیسائی شخص کے پاس اپنی زرہ دیکھی، اس کو فیصلے کے لئے قاضی کے پاس لے گئے جس کا نام شریح تھا۔ جب دونوں قاضی کے سامنے پہنچے تو علیؑ نے کہا کہ یہ میری زرہ ہے جس کو نہ میں نے بیچا ہے نہ کسی کو دیا ہے قاضی نے اس شخص سے پوچھا کہ تم امیر المومنینؑ کے دعوی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مسیحؑ نے کہا یہ زرہ میری ہے، اس کے باوجود میں امیر المومنین کو جھوٹا نہیں سمجھتا ہوں۔ اس وقت شریح نے علی علیہ السلام کی طرف رُخ کرکے پوچھا کہ آیا آپ پاس کوئی گواہ ہے کہ یہ زرہ آپ کی ہے۔ آپ نے ہنس کے کہا کہ شریح نے ٹھیک کہا واقعی میرا کوئی گواہ نہیں ہے۔ شریح نے اس مسیحی شخص کے حق میں فیصلہ دیا اور وہ زرہ لے کر روانہ ہوا۔ امیر المومنینؑ پیچھے سے اس کو دیکھتے رہے۔ ابھی وہ چند قدم بھی نہیں گیا تھا کہ یہ کہتا ہوا پلٹا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس طرح کا حکم پیغمبروں کے احکام میں سے ہے۔ جو شخص مومنین کا امیر ہو وہ مجھ جیسے

انسان کے ساتھ اس قاضی کے اجلاس پر حاضر ہو جو خود اس کا ماتحت ہے اور قاضی بھی امیر کے خلاف فیصلہ کرے؟[1] پھر کہا، خدا کی قسم اے امیر المومنینؑ زرہ آپ ہی کی ہے اور میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا۔

اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ عیسائی علی علیہ السلام کی فوج کا ایک وفادار سپاہی ہے اور جنگ نہروان میں خوارج کے مقابل میں تمام پہلوانوں سے زیادہ جدو جہد کر رہا تھا۔

ابن ابی رافع سے منقول ہے وہ کہتے ہیں میں علی ابن ابی طالبؑ کے بیت المال کا مہتمم اور اس کا کاتب تھا۔ بصرے کے مال میں سے ایک موتیوں کا گلوبند بھی ہماری بیت المال کی تحویل میں آیا تھا۔ علی ابن ابی طالبؑ کی دختر[2] نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ ایک موتیوں کا گلوبند امیر المومنینؑ کے بیت المال میں ہے اور وہ تمہارے اختیار میں ہے اس کو بطور عاریت میرے پاس بھیج دو تاکہ میں عید الضحیٰ کے روز پہن لوں اس کے بعد واپس کر دوں گی۔ میں نے اس شرط کے ساتھ اس کو بھیج دیا کہ اس کے تلف ہونے یا خراب ہو جانے کی آپ ذمہ دار ہوں گی اور تین روز کے اندر اندر مجھ کو واپس مل جانا چاہئے جس کو انہیں نے منظور کر لیا ہے۔

اتفاق سے امیر المومنینؑ کی نظر اس گلوبند پر پڑ گئی، آپ نے اس کو پہچان لیا اور اپنی بیٹی سے کہا یہ ہار تمہارے پاس کیونکر پہنچا؟ بیٹی نے کہا امیر المومنینؑ کے خزانچی ابن ابی رافع سے اس ضمانت پر عاریت لیا ہے کہ عید الضحیٰ کے دن تک پہن کے تین روز میں واپس کر دوں گی۔

امیر المومنینؑ نے مجھ کو بلا کر فرمایا کہ آیا تم مسلمانوں کے ساتھ خیانت کو جائز سمجھتے ہو میں نے عرض کیا میں اُس خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے حق میں کوئی خیانت کروں۔

فرمایا کہ پیغمبرؐ میری اجازت و مسمانوں کی رضامندی کے تم نے فلاں گلوبند میری بیٹی کو عاریت کیوں دیا میں نے عرض کیا امیر المومنینؑ وہ آپ کی بیٹی ہیں انھوں نے اپنی آرائش کے لئے مجھ سے عاریت مانگا اور میں نے اس ضمانت پر اُن کو بھیج دیا کہ بعینہ اس کو واپس کر دیں گی تاکہ اُس کو اُس کی جگہ پر رکھ دوں فرمایا آج ہی اس کو واپس لاؤ اور آئندہ کبھی ایسا اقدام نہ کرنا

---

[1] آج دنیا کے آزاد ممالک میں عدالتوں اور قاضیوں کو مستقل کر دیا گیا ہے چنانچہ کوئی شخص ان کو معزول نہیں کر سکتا تاکہ نڈر ہو کر بڑے آدمیوں کی مرضی کے خلاف بلکہ اپنے ارکان حکومت کے خلاف بھی فیصلہ کر سکیں۔ لیکن ابھی اسلامی عدالت کی منزل اس سے بلند ہے جہاں امام اور خلیفہ قاضی کو برطرف کرنے کا حق رکھتا تھا پھر بھی عادل قضاۃ امرا کے خلاف رائے دیتے تھے اور معزولی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اگر اس کے برعکس کرتے تو بدنام و ذلیل ہو جاتے تھے۔ اور امیروں کے برخلاف حکم دینے سے قوم کے اندر ان کا اوج شرف اور مرتبہ بڑھ جاتا تھا۔

[2] ہم شروع کتاب میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ کتاب عیسائی فاضل کی لکھی ہوئی ہے اس کی لکھی ہوئی تمام باتیں قابل قبول نہیں کیونکہ اس کے پیش نظر سواد اعظم کی کتابیں ہیں اور انہیں کی احادیث و روایات اس نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ ۱۲

ورنہ تم کو اس کی سزا دوں گا۔ یہ بات آپ کی دختر تک پہنچی تو انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ میں آپ کی بیٹی اور پارۂ جگر ہوں، مجھ سے زیادہ کون اس کو پہننے کا حقدار ہو سکتا ہے؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

اے دختر ابوطالب حق کے راستے سے قدم نہ ہٹاؤ کیا مہاجرین و انصار کی ساری عورتیں اس روز اسی طرح کے گلوبند سے اپنی زینت کرتی ہیں؟ بالآخر میں نے وہ گلوبند دختر امیر المومنینؑ سے واپس لے کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

علیؑ چھوٹے اور معمولی کاموں میں بھی عدالت کا لحاظ رکھتے تھے۔ اگر آپ کے اور دوسرے افراد کے درمیان دو چیزوں کی تقسیم کی ضرورت ہوتی تو مال کے انتخاب کا اختیار دوسرے شخص کو دیتے تاکہ اس کو یہ خیال نہ ہو کہ اچھا حصہ بڑے آدمیوں کے لئے ہے اور گھٹیا حصہ زبردست لوگوں کے لئے۔

ایک روز اپنے غلام کے ہمراہ ابو النوار جامہ فروش کے پاس تشریف لے گئے اور دو لباس خریدے اپنے غلام سے فرمایا کہ ان میں سے جو چاہے منتخب کر لے، غلام نے ایک اٹھالیا علیؑ نے دوسرا۔[1]

آپ نے اپنے عمال اور حکام کو جو فرمان اور خطوط لکھے ہیں وہ سب انصاف کے محور پر گردش کرتے ہیں۔

اپنے اور بیگانے سب ہی علیؑ کی مخالفت میں متفق ہو گئے تھے جس کا سبب یہ تھا کہ عدل و انصاف کی منزل میں آپ کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے اور اپنے اعزہ و اقربا کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں فرماتے تھے۔ کسی کی باتیں آپ کے اوپر اثر انداز نہیں ہوتی تھیں اور صرف حق بات قبول فرماتے تھے۔

جب عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنے اعزہ و احباب اور مخصوصین کو جاہ و ثروت حاصل کرنے کی پوری چھوٹ دے دی اور غلط مشورہ دینے والوں کی پیروی کی۔ مروان سب سے زیادہ ان کے مزاج میں دخیل تھا۔ انہوں نے ابوبکر کی اس حکیمانہ وصیت پر عمل نہیں کیا جو انہوں نے اپنے جانشین عمر کو کی تھی۔ ابوبکر نے کہا تھا کہ "جو لوگ اپنا پیٹ بھرنے کی فکر اور جاہ و دولت حاصل کرنے کی تاک میں ہیں ان کو اپنا مقرب نہ بنانا۔ اس چیز پر فریفتہ نہ ہو جانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بیٹھے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت سے مشرف ہوئے ہیں۔ ہر شخص کی طبیعت کا جائزہ لینا کہ وہ کیسا انسان ہے"۔

علیؑ ان حریص لوگوں سے بیزار تھے، چنانچہ جب خلافت آپ تک پہنچی تو چاہا کہ ان کے ساتھ عادلانہ سلوک کریں، پس کچھ لوگوں کو معزول کیا اور ایک گروہ کی ہوس ملک و مال پر پابندی لگائی۔

---

[1] ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے بزرگان دین دوسرے لوگوں سے زیادہ زیردستوں کے حق کا لحاظ رکھتے تھے اور جو لوگ لامذہب بن کر محتاجوں کی حمایت کا اظہار کرتے ہیں اور دین کو کمزوروں کے حقوق میں مخل سمجھتے ہیں انہوں نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہرگز وہ برتاؤ نہیں کیا ہے جو علیؑ فرماتے تھے۔

ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ اسلام کے اصول کو مسخ کر کے اس کو فرمانروائی اور حصول جاہ و دولت کا آلۂ کار بنادے اور سلطنت کو اپنے خاندان کی موروثی جائداد قرار دیدے۔ علیؑ نے ان لوگوں سے جنگ کی اور برابر یہ بلند الفاظ ان کے کانوں تک پہنچاتے رہے کہ: ''میں جانتا ہوں تم کو بغاوت اور شرانگیزی سے کون سی چیز باز رکھ سکتی ہے، لیکن جو تمہارے لئے باعث خوش حالی ہے وہ میرے لئے سبب فساد ہے''۔

ان لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ جس منزل تک پہنچا وہ ظاہر ہے ارباب ظلم و جور مغلوب ہو کر مکر و حیلہ سازی سے کام نکالنے لگے، اور علیؑ و پیروان علیؑ کے دلوں میں جذبہ عدالت نے کامیابی حاصل کی اگر چہ بظاہر یہ حضرات مظلوم ہوئے۔ جب علیؑ ابن ملجم کی ضربت سے شہید ہوئے تو ایک نخعی عورت ام الہیثم نے آپ کا مرثیہ کہا۔ جس کی ایک یہ بیت حضرت کے بارے میں لوگوں کی رائے اور حضرتؑ کے عدل و داد کی معرفت کو نمایاں کرتی ہے:

یقیم الحق لا یرتاب فیه و یعدل فی العدیٰ والا قربینا

یعنی حق کو قائم کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کرتے۔ اور اپنے بیگانے سب کے ساتھ عدل و داد سے کام لیتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

صفائی اور بے باکی بزرگ انسانوں کی خصلت ہے اور یہ علیؑ میں بدرجۂ اتم موجود تھی، کیونکہ یہ صفت آپ کی سرشت و عادت اور دوسرے صفات کمال کے ساتھ ایک اصل سے وابستہ تھی۔ صفائی و راستی، بے باکی و مردانگی اور اس طرح کی ساری صفتیں باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اسی بنا پر جو کام انجام دینا چاہتے تھے اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے تھے اور اپنے عزم و نیت کے خلاف کسی چیز کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ باوجودیکہ ہر شخص سے بہتر جانتے تھے کہ اگر حیلہ سازی سے کام لیں تو دشمنوں کے شر سے نجات مل سکتی ہے پھر بھی ان کے مقابلہ میں مکر و فریب سے کام نہیں لیا۔

امام علیہ السلام کے صدق و اخلاق کے بارے میں ہم جو کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے حضرتؑ کی صفائی اور بے باکی کا پورا ثبوت ملتا ہے اور اس سے بہت سے شواہد و قرائن سمجھ میں آسکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

آپ کے اصول و اخلاق میں سے ایک صفت ہر کام میں سادگی تھی۔ آپ تکلف سے متنفر تھے اور کہتے تھے: ''سب سے برا بھائی وہ ہے جس کے لئے رنج و تکلیف میں مبتلا ہونا پڑے''۔ نیز کہتے تھے: ''مومن اپنے بھائی سے تکلف کرے گا تو گویا اس نے اس سے جدائی اختیار کی'' آپ جو رائے ظاہر فرماتے تھے، یا جو نصیحت دیتے تھے یا جو مال عطا فرماتے تھے اس میں خود نمائی کا دخل نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں یہ خصلت اس قدر راسخ تھی کہ مطلب پرست لوگ کسی حیلہ سے آپ کو اپنے مقاصد کی

انجام دہی پر مجبور نہیں کر پاتے تھے چاپلوس اور خوشامدی اشخاص آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے مایوس تھے یہ لوگ کہتے تھے کہ آپ سنگ دل اور کج خلق ہیں اور لوگوں پر تکبر کرتے ہیں، لیکن امامؑ نہ سنگدل تھے نہ کج خلق اور نہ متکبر بلکہ بغیر تکلف اور ریاکاری کے جو آپ کی سرشت اور فطرت کا تقاضا تھا اس کا اظہار فرما دیتے تھے۔

جو لوگ آپ کے گرد اکٹھا تھے ان میں سے زیادہ تر ذاتی منفعت کے خواہش مند تھے علیؑ ان کے بارے میں بدگمان ہوئے اور اپنے سوء ظن کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ ان کی طرف سے آپ کا جو خیال تھا اس کا اظہار نہ تکبر ہے نہ کج خلقی۔

علیؑ تکبر سے بیزار اور عُجب و خود پسندی سے دور تھے بلکہ اکثر اپنی اولاد و اصحاب اور عُمّال کو غرور و خود پسندی سے منع فرماتے تھے۔ ان کو نصیحت کرنے میں آپ کے یہ الفاظ بھی تھے کہ "خود پسندی سے پرہیز کرو" اور فرماتے تھے:

یہ سمجھ لو کہ خود پسندی ایک مذموم صفت اور عقل کے لئے آفت ہے"۔

آپ کی تکلف سے نفرت کرتے تھے، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کی مدح وثنا میں حد سے بڑھ جاتے تھے ان کو بھی منع فرماتے تھے اور کہتے تھے" جو کچھ تم کہتے ہو میں اس سے کمتر ہوں۔

کبھی ایسا ہوتا کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اس کی قلبی کیفیت آپ کے علم میں ہوتی تھی اس کو پوشیدہ نہیں فرماتے تھے بلکہ کہہ دیتے تھے کہ "تم اپنے دل میں جو اعتقاد رکھتے ہو میں اس سے بالاتر ہوں"۔

علی علیہ السلام ان دونوں کی افراط کو جو آپ کی محبت میں غلو کرتے تھے اسی طرح ناپسند فرماتے تھے جس طرح دشمنوں کی تفریط کو۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "دو قسم کے لوگ میرے بارے میں ہلاک ہوئے افراط سے کام لینے والے دوست اور کینہ رکھنے والے دشمن" اس لئے کہ ہر افراط میں تکلف کے آثار پائے جاتے ہیں۔ نہ تکبر کرتے تھے نہ خواہ مخواہ انکسار کیونکہ دونوں چیزیں تکلف ہیں بلکہ جیسے تھے اپنے کو ویسا ہی ظاہر کرتے تھے۔ آپ تصنع، ریا اور نفاق سے پاک تھے، آپ کا ایسا بے تکلف انسان ملنا دشوار ہے۔ آپ نے خرمے خریدے اور چادر میں باندھ کے گھر کی طرف لے جا رہے تھے، کچھ لوگوں نے دیکھا تو عرض کیا کہ ہم کو دیدیجئے تاکہ ہم پہنچا دیں انتہائی سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ گھر کا ذمہ دار ان کو لے جانے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

غلط مشہور ہے کہ مصنوعی تواضع و انکسار فضائل نفس میں داخل ہے جیسا کہ اس سے اپنے کو پست ظاہر کرنا جھوٹ اور تکلف ہے علیؑ اس قسم کے متواضع نہیں تھے۔ اور متکبر بھی نہیں تھے۔ بغیر تواضع اور تکبر سے کام لیئے جو کچھ تھے اسی کو ظاہر کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں جوانمردوں کی صفتیں نہیں ہیں۔ کتاب "عبقریۃ الامام" کے منصف کہتے ہیں کہ "علی میدان جنگ میں دشمنوں کے مقابل سر برہنہ تشریف لے جاتے تھے، دراں حالیکہ وہ لوگ فولاد و آہن میں غرق ہوتے تھے کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عمل ریا و

نفاق پر مبنی تھا"۔

علیؑ کی ایک صفت پاک نفسی تھی۔ کسی شخص سے کینہ نہیں رکھتے تھے اور اپنے انتہائی سخت اور کینہ توز دشمنوں کے لئے بغض رکھنا پسند نہیں کرتے تھے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ فرزندوں اور دوستوں کو اپنے قاتل ابن ملجم کے اقربا کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اپنے دشمن طلحہ کے جنازے پر جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے گریہ کیا اور انتہائی شفقت اور سوز دل کے ساتھ مرثیہ کہا۔ باوجودیکہ خوارج نے امامؑ سے اس قدر دشمنی اور جنگ و جدل روا رکھی تھی اور آپ کا قاتل بھی انہیں میں اپنے پیروؤں اور اصحاب کو ہدایت فرمائی کہ میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا۔ اس ممانعت کا سبب یہ تھا کہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں اور نادانستہ طور پر گمراہ ہوگئے ہیں۔ حق کے طلبگار تھے لیکن اس کی تشخیص میں خطا کر گئے ہیں برخلاف معاویہ اور ان کے اصحاب کے جو دیدہ و دانستہ باطل کے طالب تھے اور اس کو حاصل بھی کیا۔

علی علیہ السلام کے اخبار و حالات میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکتی جو آپ کی کینہ جوئی پر دلالت کرتی ہو۔ ہر حال میں آپ کا اعتماد راستی، درستی، صاف گوئی اور تلوار کی طاقت کے اوپر تھا۔

مردان بزرگ کینہ پرور نہیں ہوتے اور ظلم و ناانصافی کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر ظلم کرتا ہے اس سے برہم ہوتے ہیں۔

علیؑ باوجودیکہ خود کسی سے کینہ نہیں رکھتے تھے لیکن ایک کینہ جو گروہ میں گرفتار تھے آپ کی پر مغز باتیں آپ کے غم و اندوہ کا پتہ دیتی ہیں، ایسا تلخ اندوہ غم جو دل سوزی اور مہربانی سے پیدا ہوتا ہے آپ کو اس کا افسوس تھا کہ لوگ خود ہی اپنا نقصان کیوں کرتے ہیں۔

علیؑ کی ایک اور صفت جس میں آپ ممتاز اور دوسرے فضائل اس کی تکمیل کرتے تھے اپنے افعال و عقائد کی درستی پر آپ کا اعتماد تھا۔ اور جب کوئی کام انجام دیتے تھے تو اس کی درستی اور اپنی حقانیت کا یقین رکھتے تھے[1]۔

جس وقت جزیرۃ العرب کے نامی پہلوان عمرو ابن عبدود سے جنگ کا ارادہ فرمایا تو پیغمبرؐ اور اصحاب نے آپ کو اس قصد کے خطرناک انجام سے متنبہ کیا، لیکن آپ نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی کیونکہ اپنی دلیری کے ساتھ دل میں جوش حمایت بھی رکھتے تھے۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ جب دشمن کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے تو بغیر کسی محافظ اور نگہبان کے جو آپ سے ان کے شر کو دفع

---

[1] اس لئے کہ معصوم تھے اور آپ کے عقائد وحی و الہام سے ماخوذ تھے۔

کرے، تنہا نماز میں مشغول ہوجاتے تھے یہاں تک کہ ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے آپ کو ضربت لگائی۔ یہی چیز ایک بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کو اپنے اعمال کی درستی پر پورا بھروسہ تھا۔ کیونکہ صحیح راستے پر چلنے والا انسان کسی چیز سے خوف نہیں کرتا۔

علی علیہ السلام کی ساری گفتار اور کردار اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے کاموں کی صحت اور درستی کا پورا اعتقاد رکھتے تھے اور اس عقیدہ میں انتہائی استوار تھے، اس لئے کہ آپ کے سارے کام آپکی عقل اور بلند ترین صلاحیتوں کے ذریعہ انجام پاتے تھے۔[1]

جس وقت لوگ آپ کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ دوست اور ایک گروہ دشمن، تو آپ دشمنوں کی مخالفت سے خوف زدہ نہیں ہوئے اور ان کی سختی کے مقابلے میں سپر نہیں ڈالی۔ کیونکہ اپنے عدل و راستی پر ایمان رکھتے تھے اور اپنے عمل کی صحت کے معتقد تھے۔ اسی حالت میں فرمایا ہے کہ "اگر میں مومن کی ناک پر تلوار ماروں کہ مجھ کو دشمن رکھے تو وہ میرا دشمن نہ ہوگا۔ اور اگر دنیا کی ساری نعمتیں منافق کے اوپر اونڈیل دوں تا کہ مجھ کو دوست رکھے تب بھی وہ میرا دوست نہ ہوگا"۔

اور اسی مقصد کے تحت فرماتے ہیں: "مجھ کو اس سے کوئی خوف نہیں ہے کہ میں تن تنہا ان لوگوں سے جنگ کروں اگر چہ ساری دنیا ان کے لشکر میں جمع ہو جائے"۔

جس وقت یہ سنا کہ مدینے والوں کی ایک جماعت معاویہ سے مل گئی ہے تو سہل ابن حنیف کو جو آپ کی طرف سے عامل مدینہ تھے لکھا کہ: اما بعد مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے شہر کے لوگوں کا ایک گروہ خفیہ طور پر معاویہ سے مل گیا ہے۔ لیکن تم اس چیز سے غمگین نہ ہونا کہ کچھ لوگ تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے ظلم و جور سے گریز نہیں کی ہے اور عدل و داد کا دامن نہیں تھاما ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

---

[1] بلکہ آپ معصوم تھے اور آپ کا ہر قول و عمل وحی و الہام اور احادیث پیغمبرؐ کے ماتحت ہوتا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو اپنے خیالات اور اقدامات کی صحت میں کوئی شک نہیں تھا۔ اگر محض عقل و فکر کی بنیاد ہو تو احکام عقل میں خطا ممکن ہے۔

میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ (پیغمبرؐ)
اے ابوالحسنؑ مبارک نہ ہو وہ مشکل جس کو حل کرنے کیلئے آپ ہوں۔ (عمر ابن خطاب)

امام کی قوت ادراک اور فہم و فراست

علیؑ ابن ابی طالبؑ قوت ادراک میں یگانہ روزگار تھے علوم اسلامی آپ کے محور فکر پر گردش کرتے ہیں۔ آپ عربی معلومات کا سر چشمہ تھے عرب کے اندر کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کو آپ نے وضع نہ کیا ہو یا اس کے وضع میں حصہ نہ لیا ہو۔ علوم تمدنی میں آپ کی بلاغت اور انتہائی مہارت کو ہم اس کے بعد تفصیل سے بیان کریں گے کیونکہ اس کے لئے علاحدہ سے بحث و تشریح کی ضرورت ہے۔ اس باب میں آپ کی فقہ، قضاوت علم کلام و عربی اور اسی طرح کے دیگر علوم سے بحث کرتا ہوں لیکن اختصار کے ساتھ، کیونکہ دوسرے لوگ بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور اس سلسلہ میں گہری تحقیق سے کام لے چکے ہیں جو کچھ انہوں نے تفصیل شرح و بسط سے کہا ہے اس کو میں اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں اور جس موقع پر انہوں نے اختصار کیا ہے یا کوئی تعرض نہیں کیا ہے اس کی تفصیل دے رہا ہوں:

پہلے قرآن و حدیث سے آغاز کلام کرتا ہوں پھر دوسرے علوم کا تذکرہ کروں گا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ علیؑ کے بارے میں رسولؐ کا یہ ارشاد ہے کہ:

انا مدینة العلم و علیّ بابها
میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔
کیونکر صحیح اترا۔

علیؑ نے اپنے پسر عم کی تربیت میں پرورش پائی، ان کی شاگردی کی، ان کی عادت اور سیرت کو اپنایا، میراث پیغمبرؐ آپ کے دل و دماغ میں پیوست ہوئی۔ قرآن میں حکیمانہ عقل و نظر کے ساتھ غور و تامل کیا اور اس کے باطن و حقائق کو دریافت کیا۔ حالات زمانہ نے ایسی صورت اختیار کی کہ قرآن میں غور و فکر کرنے کا آپ کو کافی موقع ملا جتنی مدت تک ابوبکر، عمر اور عثمان خلافت میں مشغول رہے آپ کی توجہ قرآن کی طرف رہی، اس کے الفاظ و معانی پر حاوی ہو گئے، آپ کی زبان اسی کے اوپر رواں اور آپ کا دل اسی میں غرق رہا احادیث پیغمبرؐ میں آپ کا علم ایسا تھا کہ کوئی دوسرا آپ کی ہمسری کی طاقت نہیں رکھتا تھا،

اوراس میں کوئی تعجب بھی نہیں ہے کیونکہ آپ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہے، ہر صحابی اور مجاہد سے زیادہ آنحضرتؐ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اور جو کچھ دوسروں نے سنا وہ آپ نے بھی سنا اور جو کچھ آپ نے سنا وہ دوسروں نے نہیں سنا۔ مشہور بات ہے کہ علیؑ نے پیغمبرؐ کے علاوہ کسی اور سے حدیث کی روایت نہیں کی اس لئے کہ آپ کو اطمینان تھا کہ احادیث رسولؐ کا ایک لفظ بھی آپ کے گوش و دل سے مخفی نہیں ہے آپ سے پوچھا گیا کہ:

''کیا وجہ ہے کہ آپ علم حدیث میں سارے اصحاب پر فوقیت رکھتے ہیں؟''

فرمایا جو کچھ میں پوچھتا تھا آنحضرتؐ اس کا جواب دیتے تھے اور جو نہیں پوچھتا اس کو خود ہی مجھ سے بیان فرماتے تھے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ فقہ اور اسلامی معلومات میں ہر ایک سے بالا تر تھے جیسا کہ ہر ایک سے بہتر اس پر عمل فرماتے تھے۔ جو لوگ آپ کے عہد میں تھے انہوں نے آپ سے زیادہ فقیہ اور آپ سے زیادہ کامل فتویٰ دینے والا نہیں پایا۔ ابوبکر و عمر ہر اس مشکل میں جس کا حل دشوار ہوتا تھا ہمیشہ علیؑ کی طرف رجوع کرتے تھے اور مشورہ میں آخری رائے آپ ہی سے طلب کرتے تھے یہ دونوں خلیفہ آپ کی رائے اور دانشمندی سے بہت زیادہ مستفیذ ہوتے۔ اور دوسرے اصحاب پیغمبرؐ بھی آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کوئی شخص مسائل شریعت میں آپ کے برہان سے بہتر برہان پیش نہیں کرسکا۔

فقہ میں علیؑ علیہ السلام کا علم صرف نصوص و احکام تک محدود نہیں تھا بلکہ دیگر علوم میں بھی جن کو جاننا فقہا کے لئے ضروری ہے جیسے علم حساب وغیرہ، آپ کی مہارت جملہ معاصرین سے زیادہ تھی۔

ابوحنیفہ کو فقہ میں امام اعظم کہا جاتا ہے اور جو دوسری صدی میں عہد امیرالمومنینؑ کے بعد گزرے ہیں بالواسطہ آپ کے شاگرد تھے، کیونکہ جب اپنی فقہ کو جعفر ابن محمد علیہما السلام کے سامنے پیش کیا تو اس کا سلسلہ آپ کے پدر بزرگوار سے علی ابن ابی طالبؑ تک منتہی ہوا۔ اسی طرح مالک ابن انس بھی چند واسطوں سے علی علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ مالک نے فقہ کو ربیعہ سے حاصل کیا، ربیعہ نے عکرمہ سے، عکرمہ نے عبداللہ سے اور عبداللہ نے علیؑ سے عبداللہ ابن عباس سے جو سب کے استاد تھے پوچھا گیا کہ:

''آپ کے علم کو آپ کے ابن عم سے کیا نسبت ہے؟'' (ابن عم سے مراد علی علیہ السلام ہیں) جواب دیا کہ:

''وہی نسبت جو ایک قطرے کو سمندر سے ہوسکتی ہے''

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

صحابہ نے بالاتفاق پیغمبرؐ سے روایت کی ہے کہ اقضاکم علیؑ یعنی تم سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔

علیؑ علم قضا میں زمانے کے سارے انسانوں سے زیادہ ماہر تھے۔ اس لئے کہ قرآن و شریعت کی آگاہی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور اسلام کے اندر حکم و قضا کا دارومدار انہیں دو چیزوں پر ہے۔

فہم وفراست اور قوت فکر میں بھی ایسے تھے کہ اختلاف کے محل میں زیادہ قرین صواب اور مطابق عقل حکم کو اختیار کرنے کی ہر ایک سے بہتر صلاحیت رکھتے تھے آپ کا وجدان اس قدر قوی تھا کہ ہر پہلو سے صحیح رخ کو سمجھنے اور عقل و وجدان کی بنیاد پر عادلانہ حکم دینے پر قادر تھے۔

عمر ابن خطاب سے منقول ہے کہ:

"مبارک نہ ہو وہ مشکل جس کو حل کرنے کے لئے آپ موجود نہ ہوں اے ابوالحسن"۔

علی علیہ السلام حکم وقضا میں دعویٰ کرنے والوں کی بھی رعایت کرتے تھے اور قوم وعوام الناس کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔ آپ کا یہ دوہرا پاس ولحاظ ایک دوسرے سے وابستہ اور لازم وملزوم تھا۔ آپ وہ پہلے قاضی ہیں جنہوں نے عوام کے حق کو فلسفی اور حکیمانہ نظریہ سے ثابت کیا اور فرمایا کہ اس حق کی رعایت حاکموں کے فرائض میں سے ہے۔ دعویٰ داروں سے قطع نظر تمام انسانوں کے درمیان عمومی نظم ونسق کی جہت سے بھی عدالت کی رعایت ضروری ہے۔ لوگوں پر کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کو اس قوم کی اصلاح کے لئے انجام دینا ان کا فرض ہے جس کے اندر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

انسانوں کے درمیان ایک قسم کا ربط موجود ہے اور اجتماعی قوانین نے ان کو ایک دوسرے سے متحد کر دیا ہے ان قوانین کا احترام ولحاظ قوم کی اصلاح کے لئے ضروری ہے نہ کہ محض انفرادی اغراض کے لئے۔

علی علیہ السلام نے اپنے احکام اور فیصلوں میں اس اصول کا پورا خیال رکھا ہے جس کی آج کے متمدن لوگ سختی سے پابندی کر رہے ہیں، اجتماعی قوانین اور قومی ارتباط کو قائم فرمایا اور حقوق وفرائض میں سب کو ایک فرد کے مانند سمجھا ہے۔

ایک رات علی علیہ السلام نے ایک آواز سنی کہ کوئی مصیبت زدہ فریاد رس کو پکار رہا ہے۔ آپ فوراً اس کی طرف دوڑے اور کہا "فریاد رس آپہنچا" آپ نے دیکھا کہ ایک شخص نے دوسرے کا گریبان پکڑ کے اس کو روک رکھا ہے جب اس نے آپ کو دیکھا تو اپنے حریف کو چھوڑ دیا اور علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کے کہا اس نے مجھ کو کھوٹے درہم دیئے۔ اور جب میں نے ان کو بدلنے کے لئے کہا تو اس نے منظور نہیں کیا بلکہ مجھ کو گالی دی اور ایک زوردار تھپڑ مارا۔

علی علیہ السلام نے خریدار سے فرمایا کہ یہ درہم واپس لے کر دوسرے ادا کرو۔ پھر مدعی سے پوچھا کہ اس کے تھپڑ مارنے پر تمہارا کوئی گواہ ہے؟ اس نے ثبوت پیش کیا تو آپ نے مارنے والے کو بیٹھنے کا حکم دیا اور مضروب سے کہا کہ اس سے قصاص لو۔ اس نے کہا میں اس کو معاف کئے دیتا ہوں۔

علی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ مدعی اپنے حق سے دستبردار ہو گیا اور معاف کر دیا تو اس کو قصاص لینے پر مجبور نہیں کیا

لیکن اس چیز کو ملحوظ رکھا کہ عام لوگوں کے حق کی رعایت کرنا لازمی ہے اور میرا فرض ہے کہ ظالم گناہگار کو سزا دوں تاکہ افراد کے درمیان انصاف کا رشتہ مضبوط رہے اور قوم کا حق ضائع نہ ہو۔

نیز آپ نے خیال کیا کہ ہر جماعت میں طاقتور اور ظالم اشخاص کافی ہیں جو ضعیفوں کے مال اور حقوق کو زبردستی چھینتے ہیں اور مظلوموں کو خوف یا اپنی کمزوری کی وجہ سے ان کو واپس لینے یا مطالبہ کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ اور ان کا حق بھی برباد نہ ہونا چاہئے۔ پس میرے سوا کون ہے جو ان کی حمایت کرے اور ان کا عوض لے تاکہ وہ اپنی اجتماعی زندگی سکون سے بسر کرسکیں اور اس کا یقین رکھیں کہ قومی حقوق میں افراد کے اندر کوئی امتیاز نہیں ہے اور ان کے حقوق محفوظ ہیں۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے اس مضروب کو چھوڑ دیا اور مارنے والے کا ہاتھ پکڑ کے اسی مضروب کے سامنے اس کے چہرے پر نو طمانچے مارے اور فرمایا: "یہ حاکم کا حق ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علی علیہ السلام کسی چیز کے ظاہر پر اکتفا نہیں کرتے اور چاہتے تھے کہ تمام امور کی کنہ اور حقیقت تک پہنچ جائیں قرآن اور دین میں حکیمانہ غور و خوض کیا جس طرح دوسرے مفکر دنیاوی امور میں غور و فکر کرتے ہیں۔

یقیناً علی علیہ السلام کی طرح ایسی قدسی قوت رکھنے والا انسان صرف دین کے ظاہر احکام و فرائض معینہ کی تعمیل اور عبادت کے ظاہری شرائط پر اکتفا نہیں کرتا۔ زیادہ لوگ دین اور معاملات و قضایا کے احکام کو فقط سطحی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ لیکن علی علیہ السلام نے ان کے باطن اور کُنہ و حقیقت پر بھی نظر ڈالی۔ ان چیزوں کو اپنی فکر و تحقیق اور غور و تامل کا موضوع قرار دیا۔ اور ثابت کیا کہ دین ایسے اصول و مبانی پر قائم ہے جو ایک دوسرے سے مربوط اور وابستہ ہیں۔ اسی سے علم کلام اور اسلامی فلسفے کی تدوین ہوئی۔ علی علیہ السلام پہلے متکلم اور علم کلام کے موجد ہیں۔

قدیم متکلمین اسی سرچشمے سے سیراب ہوئے کیونکہ علم کلام کے مبادی اور اصول ان کو آپ ہی سے پہنچے۔ اور آخر متکلمین بھی آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے بھی آپ ہی سے ہدایت حاصل کی۔

واصل ابن عطا فرقہ معتزلہ کا راس و رئیس ہے، یہ اسلام کا پہلا فرقہ ہے جس نے دین میں عقل کو دخل دیا اور کوشش کرتا تھا کہ دینی مسائل عقلی قواعد پر ٹھیک اتریں اور دین کی صحت عقل سے ثابت ہو۔ واصل ابن عطا ابو ہاشم ابن محمد بن حنیفہ کا اور ان کے باپ محمد علی ابن ابی طالبؑ کے شاگرد تھے۔

یہی بات اشاعرہ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کیونکہ وہ لوگ معتزلہ کے شاگرد تھے جنہوں نے واصل بن عطا سے اور اس نے چند واسطوں سے علی علیہ السلام سے علم حاصل کیا۔ علم تصوف کی اصل بنیاد نہج البلاغہ کے اندر ہے اہل تصوف مسلمان

قبل اس کے کہ یونانی فلسفہ سے آگاہ ہوں۔ علی علیہ السلام کے ارشادات کو اپنا ماخذ قرار دے چکے تھے جبکہ ابھی یونان و ہند کا فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

مشیت الٰہی یہی تھی کہ علی علیہ السلام دینی علوم کے مانند عربی علوم میں بھی رکن اور مرکز کی حیثیت سے رہیں۔ زمانے بھر کے لوگوں میں سے ایک بھی عربیت میں آپ کا ہمسر نہیں تھا۔ نحو کے کمال، زبان کی فصاحت اور فکر کی قوت نے آپ کو صحیح عربی لغت کے اصول وقواعد مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ اور آپ نے ان کو دلیل و برہان سے مضبوط کیا۔ منطقی استدلال وقیاس میں آپ کی قدرت فکر کو اس چیز سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ علوم عربی کی بنیاد سب سے پہلے آپ ہی نے قائم کی اور دوسروں کے لئے راستہ ہموار کیا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ علی علیہ السلام علم نحو کے بانی ہیں۔

ایک روز ابوالاسود جو آپ کے اصحاب اور شاگردوں میں سے تھے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ سر جھکائے ہوئے کچھ سوچ رہے ہیں۔

انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنینؑ آپ کس چیز پر غور فرما رہے ہیں؟

فرمایا:

میں نے تمہارے شہر (یعنی کوفہ) میں ایک بات ایسی سنی جس کو کہنے والے نے غلط طریقے سے ادا کیا لہٰذا میں نے چاہا کہ زبانِ عرب کے اصول میں ایک بنیادی کتاب لکھ دوں اس کے بعد کاغذ کا ایک ورق ابوالاسود کے سامنے دیا جس میں لکھا تھا کہ کلام کی تین قسمیں ہیں:

اسم، فعل اور حرف الخ

آپ کے اس واقعے کو دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ ابوالاسود نے علیؑ کے سامنے شکایت کی کہ لوگ کثرت سے غلط زبان بولتے ہیں کیونکہ جب سے اہل عرب فتوحات کے بعد عجم والوں سے گھل مل گئے ہیں ان کی گفتگو میں غلط محاورات بھی داخل ہو گئے ہیں۔

امامؑ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکایا۔ اس کے بعد ابوالاسود کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ میں بول رہا ہوں اس کو لکھ لو۔ ابوالاسود کاغذ اور قلم لے کر بیٹھے تو حضرتؑ نے فرمایا:

کلام عرب اسم، فعل اور حرف سے مرکب ہے۔ اسم اس چیز کی خبر دیتا ہے جو اس لفظ سے موسوم ہے، فعل اس کی حرکت اور عمل کا پتہ دیتا ہے اور حرف اس مفہوم کو بتاتا ہے جو نہ اسم ہے نہ فعل۔

اشیاء کی تین قسمتیں ہیں:

ظاہر اور مضمر اور وہ چیز جو نہ ظاہر ہے نہ مضمر۔

اور قسم آخر سے آپ کا مقصود بقولِ بعض نحویین کے اسم اشارہ ہے۔

پھر ابوالاسود سے فرمایا کہ اسی نحو یعنی اسی طریقے پر مطلب کی تشریح اور تکمیل کرلو چنانچہ اسی روز سے اس علم کو علم نحو کہنے لگے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

علی علیہ السلام کے دیگر خصوصیات میں اعلیٰ ذہانت اور زود فہمی بھی ہے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دوستوں کی بزم ہو یا دشمنوں کا مجمع، آپ بغیر کسی سابق تیاری اور توجہ کے کوئی ایسا برجستہ حکیمانہ مقولہ اور نفیس بات ارشاد فرماتے تھے جو ضرب المثل بن جاتی تھی اور ایک زبان سے دوسری زبان پر گشت کرتی رہتی تھی۔ مشکل حسابات میں فوراً جواب دیتے تھے جب کہ اس زمانے کے لوگ ان مسائل کو ایسی چیستان اور معما سمجھتے تھے جس کو حل کرنے اور آسان بنانے میں عقل شاذ و نادر ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔

روایت میں ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی شکایت کی کہ اس کا بھائی انتقال کر گیا ہے اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے ہیں جن میں سے اس کو صرف ایک دینار دیا گیا ہے۔

علی علیہ السلام نے فرمایا:

شاید تمہارے بھائی کے پسماندگان میں ایک بیوہ، دولڑکیاں، ماں، بارہ بھائی تم ہو؟ اور وہی بات صحیح نکلی جو آپ نے فرمائی تھی[۱]۔

ایک مرتبہ آپ منبر کوفہ پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے اپنے بعد ایک بیوی، باپ، ماں اور دولڑکیاں چھوڑی ہیں۔ علیؑ نے فوراً جواب دیا کہ زوجہ کا آٹھواں حصہ نویں حصے سے بدلا جائے گا

---

[۱] یہ حساب اس اصول پر مبنی ہے کہ زائد فریضے کو اہل فریضہ پر تقسیم نہ کریں بلکہ بعد والے طبقے کو دے دیں۔ اور اس کو فقہ میں تعصیب کہتے ہیں اس کا حساب اس طریقے سے ہے کہ چھ سو دینار کو چوبیس حصوں پر تقسیم کریں تو ہر حصہ پچیس دینار کا ہوتا ہے۔ پس ۲۴ حصوں میں سے تین حصے یعنی پچھتر دینار جو ترکے کا، آٹھواں حصہ ہے، زوجہ کو، سولہ حصے یعنی چار سو دینار یا ترکے کا دو ثلث لڑکی کو اور چار حصے یعنی سو دینار یا ترکے کا چھٹا حصہ ماں کو دیں گے باقی رہے پچیس دینار تو ان کو بارہ بھائیوں اور ایک بہن کے درمیان تقسیم کریں گے اور بہن کا حصہ ایک دینار ہوگا۔

اوراس مسئلے کو فریضہ منبریہ کہا گیا اس لئے کہ حضرتؑ نے منبر پر یہ فتویٰ دیا تھا[1]۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علی علیہ السلام حکیم اسلام تھے۔ حکمت عقل و بصیرت، قوی ادراک اور استنباط کی قوت سے وجود میں آتی ہے اور حکیم وہ شخص ہے، جو بہت سے معانی و مطالب کو مختصر عبارت میں ادا کرے اور اپنے قول پر کاربند ہونے کی کوشش کرے۔

علی علیہ السلام حکمائے اسلام بلکہ یگانہ روزگار افراد بشر میں ایک بلند منزل رکھتے ہیں۔

علی علیہ السلام کے جیسا انسان بہت مشکل سے مل سکتا ہے جو نظری اور عقلی مطالب کو اپنی دماغی قوت سے استنباط کر کے ان کو نفیس اور مختصر جملوں کے ذریعے اس طرح بیان کر جائے کہ زمانہ ان کو محفوظ رکھے اور وہ ضرب المثل بن جائیں۔

اسلامی علوم و معارف نے علوی حکمتوں سے اپنی تصویروں میں انسانیت کا رنگ جذب کیا اور ان سب کا سرچشمہ یہی وہ ہستیاں تھیں، محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

امام علی علیہ السلام نے اسرار ہستی، انسانی زندگی اور جماعت بشری پر فیلسوفانہ نظر ڈالی اور توحید و الٰہیات اور ماورا الطبیعۃ میں آپ کے بکثرت اقوال موجود ہیں۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، آپ علم کلام اور الٰہیات کے بانی ہیں۔ ایک ایسے استاد ہیں کہ جو شخص بھی آپ کے بعد آیا اور اپنی کوئی رائے یا قول رکھتا ہے اس نے آپ کی استادی اور رہبری کا اعتراف کیا ہے۔ نہج البلاغہ میں اس قدر حکمت کے موتی پرو دیئے ہیں کہ اس نے آپ کو زمانے کے فیلسوفوں کی پہلی صف میں سب سے آگے لا کر کھڑا کیا ہے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے مانند ہیں''۔

تو اس کے دراصل آپ کے مراد علیؑ تھے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

---

[1] یہ مسئلہ عدل پر مبنی ہے اور فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ جب ہم مال کو چوبیس حصوں میں تقسیم کریں گے تو زوجہ کو تین حصے یعنی ترکے کا آٹھواں حصہ، باپ اور ماں دونوں کو چار چار حصے یعنی ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اور لڑکیوں کو سولہ حصے یعنی دو ثلث ملیں گے جن کا مجموعہ ستائیس حصے ہوگا حالانکہ مال کے چوبیس حصے کئے گئے ہیں اور اس کلام کے ماتحت جو حضرت سے نقل کیا گیا ہے مال کو ستائیس حصوں پر تقسیم ہونا چاہئے جن میں سے زوجہ کو تین حصے ملیں گے جو ستائیس کا نواں حصہ ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں سے کسی کا جواب مذہب اہلبیت علیہم السلام کے موافق نہیں ہے۔ اور وہ حضرات جو خود فرزندان امامؑ تھے اپنے جد کے مذہب کو ہر ایک سے زیادہ جانتے تھے۔

علیؑ اور حقوق انسان

اپنے غیر کے بندے نہ بنو در آں حالیکہ خداوند عالم نے تمہیں آزاد قرار دیا ہے۔

خبردار ایسی چیزوں میں ترجیحی حقوق نہ چاہو جس میں تمام لوگ برابر کے حقدار ہیں۔

وہ گناہ جو نا قابل عفو ہے وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔

میں مظلوم کا انصاف اس کے ظالم سے کر کے رہوں گا۔

بندگان خدا پر ظلم انتہائی برا ہے۔

دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور دوسروں کے لئے بھی وہ نہ چاہو جو اپنے لئے نہیں چاہتے۔

بدبخت ترین راعی وہ ہے جس کی وجہ سے اس کی رعیت مبتلائے بدبختی ہو۔

بدخلق کسی افسری کا سزاوار نہیں جس کی ایذا رسانی کا تمہیں اندیشہ نہ ہو اسے بھائی بنانے کی کوشش کرو۔ (امام علیؑ)

دشوار آزمائش

قسم بخدا قبل اس کے کہ میرے خلاف گواہی دی جائے میں خود حق کا اعتراف کرتا ہوں۔

ہمارا معاملہ بہت سخت و دشوار ہے ہماری باتیں امانت دار سینے اور دور بین عقلیں ہی سمجھ سکتے ہیں۔الامام علیؑ

حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے انسانوں کے حقوق اور انسانی معاشرہ کی نیک بختی کے لئے ایسے مستحکم و استوار اصول مقرر کئے اور ایسے نظریات پیش کئے جن کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں آج کل جتنے سماجی اور اجتماعی علوم مروج ہیں سبھی ان اصول و نظریات کے بڑی حد تک موئید ہیں ان جدید اجتماعی علوم کے چاہے جتنے نام رکھے جائیں اور خواہ کتنی ہی مختلف شکلوں میں پیش کیا جائے سب کی غرض و غایت بس ایک اور فقط ایک ہے۔اور وہ یہ ہے کہ انسانوں کو ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھا جائے اور ایسے سماج کی تشکیل کی جائے جو انسان کے حقوق کی بہتر طریقے سے حفاظت کرے اور جس میں انسانی شرافت پوری طرح ملحوظ رہے۔گفتار و کردار کی آزادی اس حد تک محفوظ ہو کہ دوسرے کو نقصان نہ پہونچے۔

حالات و کیفیات روزگار سماجی و اجتماعی علوم کی ایجاد میں بہت بڑا اثر رکھتے ہیں۔یہ حالات و کیفیات روزگار ہی ہیں جو ان اجتماعی علوم کو کبھی کسی صورت میں پیش کرتے ہیں کبھی کسی صورت میں۔

جب ہم گذشتہ زمانہ کی تاریخ پڑھتے ہیں اور گوناگوں واقعات پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی دو جماعتیں اور مختلف افکار و نظریات میں ہمیشہ سے تصادم ہوتا چلا آرہا ہے، ایک جماعت استبداد، مطلق العنانی، عوام کے حقوق کی حفاظت اور آزادی کی طلب گار رہی۔گزشتہ زمانہ میں مفید انقلابی تحریکیں ہمیشہ مظلوموں کی طرف سے اٹھیں اور مصلح ہمیشہ انہیں میں سے پیدا ہوا کئے تا کہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ کریں تا کہ عدل و انصاف کی بنیادوں پر حکومت قائم کریں جو عقل کے بھی موافق ہو اور سماج کے حالات و کیفیات کے بھی مناسب۔

علی ابن ابی طالبؑ حقوق انسانی کی تاریخ میں بہت بڑی منزلت اور شان رکھتے ہیں ان کے نظریات و افکار اسلام سے وابستہ و پیوستہ تھے۔ان کے نظریات و افکار کا نقطہ مرکزی یہ تھا کہ استبداد کا خاتمہ ہو اور لوگوں کے درمیان طبقاتی تفاوت دور ہو۔ جس شخص نے بھی علی علیہ السلام کو پہچانا اور انسانی برادری کے متعلق ان کے عقائد و نظریات کو سمجھا اور ان کے ارشادات سنے ہیں وہ

جانتا ہے کہ علیؑ جفا پیشہ افراد کی گردنوں ۔۔۔۔۔۔ پر کھنچی ہوئی تلوار تھے ان کی تمامتر توجہ عدل و انصاف کے قواعد استوار کرنے پر مرکوز تھی ۔ ان کے افکار ان کے آداب اور ان کی حکومت اور سیاست سبھی چیزیں اسی کے لئے وقف تھیں جہاں بھی کسی ظالم نے لوگوں کے حقوق پر دست درازی کی رورو ناتواں انسانوں کو حقیر و ذلیل سمجھا اور ان کے فلاح و بہبود کو نظر انداز کیا اور ان کے ناتواں کاندھوں پر اپنا بار ڈالا، علیؑ نے اس کے ساتھ سخت جنگ کی۔

امام کے ذہن کی پرورش ہی اس فکر کے ساتھ ہوئی کہ عدل و انصاف کی اس طرح ترویج ہو کہ انسانوں کے حقوق محفوظ رہیں مساوات قائم ہو اور کسی طبقہ کے لوگوں کو دوسرے طبقہ کے افراد پر امتیاز و تفوق حاصل نہ ہو تا کہ ہر شخص اپنا حق حاصل کر سکے ۔ آپ کی آواز عدل عام کی ترویج کے لئے مسلسل بلند رہی اور آپ کا درہ اس کے نفاذ کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہا، آپ نے انسان کی قدر و قیمت اونچی کی اور اس کے بچاؤ کے لئے ہر لحہ کمر بستہ رہے ۔ آپ کی حکومت اس زمانہ میں بہترین نمونہ رہی ایسی حکومت کا جو عدل گستر، حقوق خلائق کی محافظ اور اپنے ہر ممکن ہر وسیلہ سے اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے والی ہے۔

امام کے ذہن میں ہر چیز سے زیادہ یہ حقیقت واضح تھی کہ آج کا سماج دھوکہ فریب اور نقصان کی بنیادوں پر قائم ہے بہت ضروری ہے کہ اس کی اصلاح و درستی کی جائے اور آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ کس طرح اور کتنی مدت اور عرصہ میں اس معاشرہ کو صحیح صورت میں لایا جاسکتا ہے، آپ کو یوں تو ہر قسم کی بھلائی کی فکریں رہتیں اور آپ سبھی کو عمل میں لانے کے لئے در پے رہتے مگر جتنی فکر اس بات کی رہتی کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے انہیں سنوارا جائے کسی بات کی نہ رہتی ۔ اس امر کی کوشش و سعی میں کوئی چیز آپ کے لئے رکاوٹ نہ بن سکی، کینہ پرور اور بدخواہ افراد کی سازشیں اور متحدہ کوششیں بھی آپ کو اس کام سے نہ روک سکیں، آپ کے دل میں اس سے بڑھ کر اور کسی بات کی تمنا نہ تھی کہ کسی حق کو قائم کریں اور باطل کو نیست و نابود کریں اور آپ سے بڑھ کر حق و باطل کی تمیز کرنے والا کون ہوسکتا تھا۔

علیؑ نے ٹھیک اندازہ کیا اور اپنے اندازہ کے مطابق بے خوف و خطرہ کام کرنے پر آمادہ ہو گئے رفاہ عامہ کے کسی کام میں انہیں تردد لاحق نہ ہوا ہر وقت کوئی نہ کوئی عامل یا والی رعیت پر ظلم کرتا، علیؑ خاموش نہ بیٹھے نہ انہوں نے چشم پوشی کی آپ نے جس کسی کو دیکھا کہ اس نے حکومت برحق کے مقابلہ میں گروہ بندی کی ہے اس کے ساتھ سستی نہیں برتی ۔ اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیریں دشمن تو دشمن کبھی کبھی دوستوں کی مرضی کے بھی خلاف ہوتیں مگر آپ ان کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ بہتر زندگی بسر کرنے کا حق ہر انسان کے لئے برقرار رہے لوگ دو قسموں میں منقسم نہ ہوں ایک انتہائی شادکام و مسرور دوسرا انتہائی ملول و دل گرفتہ۔

علیؑ کی خردہ میں عقل نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ لوگوں کو دو طبقوں میں تقسیم کرنا اور ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر ترجیح دینا انتہائی قبیح اور اس کا انجام بے حد برا ہوگا اس سے عقلیں معطل ہو جائیں گی نفوس میں خباثت پیدا ہو جائے گی فیصلوں میں اور معاملات میں ظلم و زبردستی اور فسق و فجور عام ہوں گے پھر تمام برائیاں اور ہر قسم کے فساد پھوٹ پڑیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی کی کوئی امنگ باقی نہ رہے گی اور لوگ باہم بدبین و بدخواہ ہو جائیں گے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا اور باہمی عداوت کی انتہا نہ رہے گی اور انجام کار یہ ہوگا کہ معاشرہ تباہ اور سماج ویران ہو جائے گا جب تک کہ انسانی سوسائٹی میں اس طرح کے دو طبقے ہوں گے ان کے درمیان تصادم ناگزیر ہے اور بے شمار جانیں اس تصادم کی بھینٹ چڑھ جائیں گی۔

حضرت عثمان کی خلافت کے آخری زمانہ میں ملک کے سربرآوردہ اکابر خصوصی طور پر بنی امیہ کے افراد کا جو حضرت عثمان کے خاندانی اعزہ اور رشتہ دار تھے یہ دستور ہو گیا تھا کہ اسلامی طریقوں کی علانیہ مخالفت کرتے عوام کو ذلیل و رسوا اور ان کے ساتھ غلاموں جیسا برتاؤ کرتے اور ان کے دل میں حاکم کی اتنی دہشت بٹھا دیتے کہ کسی کو حاکم کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوتی، وہ ان کی جانوں سے بھی اسی طرح کھیلتے جس طرح ان کے حقوق سے کھیلتے وہ اپنی ذاتی منفعت کے لئے عوام کا خون تک بہانے سے دریغ نہ کرتے اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اپنا انتقام لے سکے انہیں نہ رشوت لینے میں کوئی بات تھی نہ دوسروں کے مال ومتاع لوٹ لینے میں انہیں کوئی جھجک تھی۔

ان کی مسلسل کوششیں رہیں اور حالات و آثار بھی اس کی آگاہی دے رہے تھے کہ ان کے ارادے کیا ہیں؟ وہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین، ان کے حقوق کو پامال اور ان کے عہود ومواثیق کو شکست و ریخت کرنے والے ہیں۔ یہ خلافت کو ملوکیت و بادشاہت سے بدل دیں گے اور اسلامی جمہوریت کو شخصی رائے مطلق العنانی اور فرد واحد کی آمریت سے تبدیل کر دیں گے۔ اس جماعت کے لوگوں کی کیفیت علیؑ کی سخت منصفانہ روش اور اپنی ذاتی ہوا وہوس کے درمیان قمار بازوں جیسی تھی۔ ایک طرف علیؑ پوری مستعدی اور اپنی تمام توانائیوں سمیت عدل وانصاف رائج کرنے پر کمربستہ تھے دوسری طرف ان لوگوں کی اپنی تمنائیں تھیں کہ حکومت و ریاست ہمارے ہاتھ میں ہو اور دنیا بھر کے مال و دولت کے ہم مالک ہو جائیں ان دونوں کیفیتوں کے درمیان وہ جواریوں جیسی چال چلتے رہے اور اس امید میں کہ کب پانسہ اپنے ہاتھ لگے اور ہم ایسا انقلاب پیدا کر دیں کہ سارے منافع ہم ہی میں منحصر ہو کر رہ جائیں یہ لوگ بدترین ہوا وہوس دل میں لئے تاک میں تھے کہ کب موقع ملے اور ہم اسلامی عدل وانصاف کا خاتمہ کر دیں اور سیاسی بت پرستیوں کو پھر سے زندہ اور استوار کریں۔

اس میں شک نہیں کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے جو فرض اپنے ذمہ لیا تھا وہ بہت ہی سخت و دشوار تھا۔ گوناگوں اسباب و علل

اور پیچیدہ حالات نے علیؑ کو اتنی مشکلوں میں ڈال دیا تھا جن سے عہدہ برآ ہونا آسان بات نہ تھی۔ اس وقت کہ تہہ و بالا دنیا۔ انقلابی کیفیت دل سہا دینے والے واقعات اور علیؑ کی ذمہ داریاں اتنی عظیم و سنگین کہ خلافت اور دین اسلام کی بقا انہیں پر منحصر ان گتھیوں کو سلجھا کر اور ان مشکلات سے نپٹ کر علیؑ نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ عالم پر آپ کی خوبیاں ہویدا ہو کر رہیں اور دنیا کو معلوم ہوا کہ عامہ کے حقوق کا کس قدر آپ کو پاس و لحاظ تھا، ذاتی اور اجتماعی فضائل کی ترویج میں کس قدر عزم راسخ رکھتے تھے اور اپنے پیش نظر مقاصد کو کتنے صبر و تحمل اور ضبط و طاقت سے پایۂ تکمیل تک پہونچانے والے انسان تھے۔

علیؑ کی زحمت و صعوبت ٹھیک پیغمبر خدا کی زحمت و صعوبت جیسی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ نے اعلان رسالت فرما دیا اور قریش والے آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے ایک طرف حق و انصاف اور عدل و مساوات تھی۔ دوسری طرح خیانت، نفع خواہی اور خود پرستی تھی۔ پیغمبر ﷺ حق و انصاف اور عدل و مساوات کو رواج دینا چاہتے تھے اور قریش والے خیانت نفع خواہی اور خود پرستی پر کمر بستہ تھے۔

علیؑ ابن ابی طالب کو بھی ایسی ہی زحمت و دشواری پیش ہوگی مگر یہ زحمت و دشواری دوسروں کی نظر میں تھی، علیؑ تو ایسے تھے کہ بڑی سے بڑی زحمت و سخت سے سخت دشواری بھی انہیں بال بھر اپنے مقصد سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ علیؑ کو خداوند عالم نے جیسی قوت تحمل و طاقت برداشت دی تھی اگر کسی دوسرے کو نصیب ہو جائے تو اس کے لئے بھی ہر دشواری آسان ہے۔ علیؑ کے لئے اگر کوئی چیز ناقابل برداشت تھی تو بس ایک بات اور وہ یہ کہ وہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ رہیں عدل و انصاف کو رائج نہ کریں آزادی کی روح کو کچل ڈالیں اور فضائل کی تخم ریزی سے باز رہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ابوسفیان و ابولہب حمالۃ الحطب، ہند جگر خوارہ اور تاجران قریش کے کانوں میں وہ صدا پھونکی جس سے ان کی بنیادیں منہدم ہو گئیں اور در و دیوار شکست و ریخت ہوئے اور چھتیں زمین پر آرہیں لیکن یہی آواز مسلمانوں اور غریب و بے بس افراد کے لئے نوید جانفزا اور پیام مسرت تھی آپ نے فرمایا:

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترك هذا الامر حتیٰ یظهر اللہ او اهلك فیه ما تركته

"چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں اس شرط پر کہ میں دعوت اسلام سے باز رہوں تو ہرگز باز نہ رہوں گا یہاں تک کہ خداوند عالم اس دین کو غالب کر کے رہے یا میں اپنی جان دے دوں"

ایک دن معززین قریش نے پیغمبر سے کہا: اگر تم یہ نیا دین مال و دولت کی غرض سے لائے ہو تو ہم تمہارے لئے اتنی دولت اکٹھا کر دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ اگر فضیلت و شرف کے لئے لائے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے

ہیں، اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں بادشاہ تسلیم کئے لیتے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

ماجئتکم بما جئتکم به اطلب اموالکم ولا الشرف فیکم ولا الملك علیکم ولکن الله بعثنی الیکم رسولاً وانزل علی کتاباً و امرنی ان اکون لکم بشیراً و نذیراً فبلغتکم رسلة ربی فان تقبلوه فهو حظکم فی الدنیا والآخرة وان تردّوه علی اصبر لامر الله حتیٰ یحکم بینی و بینکم۔

''دعوت اسلام سے میری غرض نہ تو مال و دولت ہے نہ شرف و بزرگ نہ اس لئے کہ میں تمہارا بادشاہ بن بیٹھوں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خداوند عالم نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں عذاب خدا سے ڈراؤں اور جنت کی بشارت دوں میں نے خدا کے پیام تم تک پہونچا دیئے اگر تم قبول کرو گے تو دنیا و آخرت میں نصیبہ ور ہو گے اور اگر ٹھکرا دو گے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔

علیؑ نے کیا کیا؟ ان کا طرز عمل انہیں ابوسفیان و ہند جگر خوارہ کے فرزند کے ساتھ ان تاجروں کے ساتھ جو جاہ و مناصب خریدتے اور فروخت کرتے رہتے اور اس فوج و لشکر کے ساتھ جو اندھے بن کر دوسروں کے فائدہ کے لئے اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اپنے دین وعقیدہ کو باطل کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا کیسا رہا؟ علیؑ نے بھی ان کے کانوں میں وہ صدا پھونکی جس سے ان کے گھروں کی بنیادیں منہدم ہوگئیں در و دیوار ٹوٹے اور چھتیں شکست و ریخت ہوگئیں اور نیکوکار و صالح انسانوں کے لئے یہی آواز نوید مسرت اور پیام راحت بنی۔ آپ نے فرمایا:

اسفلکم اعلاکم و اعلاکم اسفلکم والله ما امرت ما ام نجم بخما۔ وایم الله لا نصفن المظلوم من ظالمه ولا قودن الظالم بخز امته حتیٰ اورده منهل الحق وان کان کارها والله فی الاعترف بالحق قبل ان اشهد علیه والله ما ابالی ادخلت علی الموت اوخرج الموت الی۔(نہج البلاغہ)

تمہارے زیر دست میں زبردست جب تک ستارے گردش میں ہیں میں کبھی انصاف کے خلاف حکم نہ کروں گا۔ خدا کی قسم میں مظلوم کا ظالم سے ضرور، انصاف کروں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر حق کی طرف کھینچ لاؤں گا چاہے اسے کتنا ہی ناگوار گزرے۔ خدا کی قسم قبل اس کے کہ میرے خلاف گواہی دی جائے۔ خود حق کا اعتراف کر لیتا ہوں۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں خود اپنے پیروں سے موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آرہی ہے۔

ایک دن کچھ معززین نے علیؑ سے کہا کہ ہم قوم کے معززین ہیں تو آپ نے فرمایا:

الذلیل عندی عزیز حتیٰ اخز الحق له والقوی عنی ضعیف حتیٰ اخذ الحق منه۔

''ذلیل میرے نزدیک عزت والا ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق وصول کرلوں اور عزت والا میرے نزدیک

ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کرلوں"

علیؑ نے اپنی زبان سے نکلی ہوئی باتوں کو کس حد تک عملی جامہ پہنایا اور ان کا معاملہ لوگوں کے ساتھ کہاں تک پہنچا؟

****

"یہاں سے"

"قریب ہے کہ ناداری کفر سے بدل جائے (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

"خداوندعالم نے اپنے بندوں کو فقر و ناداری سے بڑھ کر کوئی سخت سزا نہ دی ہوگی" (علی ابن ابی طالبؑ)

"مجھے حیرت ہے اس شخص پر جس کے گھر کھانے کو نہ ہو وہ کیوں نہیں تلوار لیکر لوگوں پر چل پڑتا" (ابوذر)

علیؑ نے کائنات پر گہری نظر ڈالی، ہر گوشہ پر نگاہ کی کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا، نظر کرتے وقت ان کی نگاہ لوگوں کے ذاتی حقوق پر بھی رہی اور اجتماعی حقوق پر بھی کسی چیز سے وہ غافل نہ رہے انہوں نے لوگوں کو عالم کی خوبصورتی اور عجائب خلقت کی طرف متوجہ کیا ساتھ ہی ساتھ افراد اور جماعت دونوں کو ان کے حقوق سے واقف بنایا تاکہ بزرگ ترین سعادت اور خوش بختی انہیں ہاتھ لگے انہوں نے فرد واحد کے حقوق بھی بیان کئے اور جماعت کے حقوق بھی اس طرح کہ افراد کو چاہئے کہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا کر ایک دوسرے کی مدد کر کے معاشرہ اور سماج کی بقا اور اس کی سعادت کے لئے کوشاں ہوں تاکہ اس کا فائدہ خود انہیں افراد کو حاصل ہو۔

انسان خود تین چیزوں سے مرکب ہے، نفس، بدن، عاطفہ، بدن کا بھی حق ہے اور ضروری ہے کہ اس کے حق کا بھی پاس و لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انسان کا جزو مادی ہے۔

علیؑ نے جن کی کوششیں تہذیب نفس اور اخلاق فاضلہ کے حصول پر مرکوز تھیں اس کی بھی کوشش کی کہ معاشرہ کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھیں اور انسانوں کی مادی اور دنیوی زندگی کے لئے عادلانہ قوانین مقرر کریں۔

ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ تطہیر قلب اور پسندیدہ سیرت کی تحصیل کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں اور ان کی فکر و وجدان کی اس طرح پرورش کریں اور اپنی ترتیب سے ایسا بنادیں کہ خود ہی وہ لوگ ناپسندیدہ اخلاق کو اپنے سے دور کر کے اپنے کو صفات حسنہ سے آراستہ کریں، لیکن پسندیدہ سیرت کی تحصیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی میسر نہ ہو اور جب تک عدل و انصاف نہ ہو وسائل معاش کا عامہ خلائق کے ہاتھ لگنا محال ہے لہٰذا اصلاح اور درستی کی ابتدا اس طرح کرنا چاہئے کہ انسان کی زندگی کی ضروری چیزیں پہلے فراہم ہوں، روٹی کپڑے کی طرف سے پہلے اطمینان ہو جائے ان کی فراہمی کے بعد ہی تہذیب نفس اور شائستہ

اخلاق کے حصول کی طرف لوگوں کا متوجہ ہونا ممکن ہوگا۔ علیؑ کا مطمح نظر خلافت کے پہلے بھی یہی تھا اور خلافت کے بعد بھی یہی رہا۔

وہ مزدور جو دن بھر کڑی مزدوری کرے اور اسے اس کی محنت کے لحاظ سے مزدوری نہ ملے اس کی مزدوری مہاجن اور ساہوکار کھا جائیں بھلا ایسے مزدور کے لئے عالم کے خوشنما مناظر سے لطف اندوز ہونا اور قدرت حق کی نشانیوں پر نظر کرنا کہاں ممکن ہے اسے تو خود اپنی زندگی بیکار معلوم ہوتی ہے اس کے دل میں فضائل و مکارم کی طرف رغبت کیا پیدا ہوگی۔

مجبور و بے بس اور ستم دیدہ افراد جو حکام کے تازیانوں کے نیچے رو کر اپنے جینے کو فضول سمجھتے ہیں جو خود اپنی غذا اپنے حاکموں کے حوالے کر کے بھوکے رہتے ہیں وہ حاکم جو ان غریبوں کی خدمت اور آسائش کے لئے ہوتا ہے مگر وہ ان غربا کے مال کو لوٹ لیتا ہے اور ان کی جانوں کا مالک ہوتا ہے کہ جو چاہے برتاؤ کرے ایسے مجبور و ستم رسیدہ افراد کیا سمجھ سکتے ہیں کہ تہذیب نفس کے کیا معنیٰ ہیں؟

وہ غریب و نادار افراد جو ایک درہم تک پاس نہیں رکھتے مگر خراج وصول کرنے والا عیاش و فضول خرچ حاکموں کے خزانوں کو بھرنے کے لئے ان کی مشکیں کس کر ان کا مال و اسباب ضبط کر لیتا ہے حالانکہ ان غریبوں کے پاس ایک روٹی بھی بھوک مٹانے کو نہیں ہوتی نہ انہیں اپنی جان و مال کی طرف سے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اگر حاکم کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالیں تو جان سے ہاتھ دھوئیں ایسے غریبوں کو کہاں اس کا موقع کہ وہ عالم وجود کے اسرار اور باریکیوں پر غور و فکر کریں اور اپنی سیرت سنوارنے کے لئے کوشاں ہوں۔

وہ شخص جسے تہی دستی نے ہر اچھائی سے دور کر دیا ہو ناداری نے اس کے دل کا سکون خاک میں ملا دیا جسے کسی چیز سے دل بستگی باقی نہ رہی ہو ستم گروں نے جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے ہوں رہائی کی کوئی راہ اسے نصیب نہ ہو ایسے شخص کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ راست گفتار اور پاک دل ہو فضائل سے آراستہ اور رشک و حسد و بغض سے پاکیزہ ہو اور قوانین خیر و تقویٰ سے منحرف نہ ہو۔

وہ شخص جس کے دل میں بھوک نے آگ بھڑکا رکھی ہو اور یہ آگ اس کے جسم کا ایک ایک قطرہ خون جلاتی اور اس کے دل کی ایمانی حرارت ختم کرتی جارہی ہو جو آگ اس کی محبت کو گہری عداوت اور شدید کینہ سے بدل دے اور اس کی دلجمعی و سکون خاطر کو طرح طرح کی بدگمانیوں اور نت نئے اندیشوں سے تبدیل کر دے ایسا شخص کب اس قابل رہتا ہے کہ وہ زندگی کی خوشنمائی اور دلکشی سے لطف اندوز ہو اور اس کے دل میں لوگوں کی عدالت کا اعتقاد باقی رہے وہ اپنے بھائیوں کا نیک خواہ ہو اور اپنے خویش و اقارب کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔

احساس کمتری اور چاکری کی بھاری زنجیروں نے جس شخص کے ہاتھ پیر باندھ رکھے ہوں جو شخص اپنی ذات کو بے

مسرف اور فضول سمجھتا ہو اور بے چارگی کے احساس نے جس کے دل میں کوئی ولولہ ہی باقی نہ رکھا ہو ایسا شخص کیسے کسی کے ساتھ محبت کر سکتا ہے؟ وہ شخص جو ایک روٹی کے لئے محتاج ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیر و تقویٰ سے متصف ہو۔ روٹی ہر طبقہ کے لئے سب سے پہلا سہارا ہے سلامتی کا یہی روٹی سکون دل کا باعث ہے اور یہی روٹی انسان کو احساس اور فکر پر آمادہ اور آداب و اخلاق اور دوسروں کے ساتھ شرافت سے پیش آنے کی پابند بناتی ہے۔

حاجت براری اور ناداری سے نجات ہی وہ زینہ ہے جو انسان کو پستی و بدبختی سے نکال کر بام سعادت تک پہونچاتی ہے۔ ناداری و تہی دستی انسان کے جذبات کو سلا دیتی ہے نادار افراد اپنے ہی شہر میں اپنے کو اجنبی سمجھتے ہیں انہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ زمین ہماری زمین نہیں یہ شہر ہمارا شہر نہیں نہ ہمارے عزیز ہمارے عزیز ہیں نہ ہم کسی مفید کام کے لائق ہی ہیں۔

چونکہ نادار و محتاج انسانوں کے نزدیک عمل نیک، سیرت پسندیدہ اور صفات حسنہ ان کی ذات کے لائق نہیں اس لئے ناداری سے محفوظ ہونے ہی کی صورت میں ایسے افراد کیلئے یہ بات ممکن ہے کہ وہ اپنے کو بھی کوئی چیز سمجھیں اور اپنی اہمیت کے قائل ہوں، اسی ناداری سے محفوظ ہونے کے بعد پستی اور بیکار محض ہونے کا احساس ان کے دماغوں سے نکل سکتا ہے اور وہ اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہم بھی نیکوکار اور صاحب صفاتِ پسندیدہ ہو سکتے ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حسد و کینہ کے جذبات ان کے دلوں سے دور ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

وہ منافق تھے جو کہا کرتے تھے کہ لوگوں کے درمیان امن و امان قائم رہنے کی واحد صورت یہ ہے کہ لوگ دو طبقوں میں باقی رہیں ایک وہ جو شکم سیر ہوں دوسرے وہ جو بھوکے ہوں شکم سیر کیلئے ضروری نہیں کہ زندگی کے تقاضوں کے آگے سر جھکائے وہ زندگی جو سب ہی جانداروں کے لئے پیاری ہے نہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی حالت اور لوگوں کی حالت میں تبدل و تغیر کا خواہش مند ہو۔ بس جس نظم پر دنیا چلی آرہی ہے اس نظم پر چلتی رہے۔ اسی طرح منافقین کے نزدیک بھوکوں کا یہ حق بھی نہیں ہے کہ وہ اپنا چھنا ہوا حق طلب کریں اس لقمہ کیلئے واویلا کریں جو ان کے منہ سے چھین کر سرمایہ داروں کے دسترخوان کی زینت بنا دیا جائے۔

اگر کوئی بھوکا اپنا چھنا ہوا حق طلب کرے اور اس روٹی کے لئے جھگڑنے پر آمادہ ہو جو اس کی اولاد کے منہ سے چھین لی گئی ہو تو وہ کافر اور فسادی ہے اس نے امن کی زندگی بسر کرنے والوں کی راحت میں خلل ڈالا۔

یہ منافقین عیش و عشرت کے وسائل محفوظ رکھنے اور بھوکے اور ننگے لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے نت نئے ڈھنگ سے کام لیتے تھے۔ ہر زمانہ میں ان منافقین نے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے زمانہ بعید میں بھی اور زمانہ

قریب میں بھی سب سے نمایاں ہتھکنڈہ ان کا دینی احکام غلط تاویل وتفسیر تھی یہ چیز صرف مسلمانوں ہی سے مختص نہیں اس میں ہر قوم ومذہب کے منافقین جواس کے شریک ہیں بدھ مذہب کے بھی یہودی مذہب کے بھی نصرانی بھی مسلمان بھی۔

سب سے آسان حربہ جس سے ان منافقین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ہمارے پیغمبروں نے زہد وپرہیزگاری کی دعوت دی ہے[1]۔

لذائذ ونعمات دنیوی سے بے پروائی برتنے پر زور دیا فقر وفاقہ کو بہتر سمجھا اور جدوجہد کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے اور قناعت کی زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے۔

منافقین اس کا بہت زور وشور سے چرچا کرتے اور عوام الناس کو ترغیب دلاتے ہیں صرف اس لئے تاکہ دوسرے

---

[1] چونکہ ترک دنیا اور زہد کے فضائل واحکام قرآن مجید واحادیث میں بکثرت مذکور ہیں اور ممکن ہے ان کو دیکھ کر کسی دماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دنیا اور اس کی طلب کلیۃً شریعت اسلام میں ممنوع ہے لہٰذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زہد کے درجات مختلف ہیں نیز انبیاء واولیا اور خاصان خدا کے فرائض ان کے مناصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے عامۃ الناس سے جداگانہ ہوتے ہیں۔۔۔ جہاں تک عوام خلق اللہ کا تعلق ہے ان کو جس قسم کے زہد کی ہدایت کی گئی ہے اس کی تعریف اور اس کے حدود کی تعیین بھی صاف طور سے کردی گئی ہے امیرالمومنین نے فرمایا ہے:

الزهد بين كلمتين من القرآن قال الله سبحانه لكيلا تاسوا على مافاتكم الخ

حقیقت زہد قرآن مجید کے دو جملوں میں ہے خداوند عالم نے فرمایا "پس جس آدمی کو گئی ہوئی چیز کا غم نہ ہوگا اور آنے والی شے کی خوشی نہ ہوگی وہ پورا زہد حاصل کرے گا۔

ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (مائدہ)

اے ایماندارو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف)

(اے پیغمبرؐ ان سے) کہو کہ زینت کی وہ چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے کی پاک اشیاء آخر کس نے حرام کی ہیں؟

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے حرام کئے ہوئے خبائث کو حلال قرار دینا جائز نہیں اسی طرح اس کی حلال کی ہوئی پاکیزہ اشیا اور اسباب زینت کو حرام کرنا اور ان کے ترک استعمال کا عہد کر لینا بھی ناجائز ہے اس طرح کے عہد یا قسم کا شرعی طور پر انعقاد نہیں ہوسکتا۔

حضرت امیرالمومنینؑ کے ارشادات ہیں: الزهد فى الدنيا قصر الامل وشكر كل نعمة والورع عن محارم الله (جامع السعادات)

"زہد فی الدنیا" آرزوؤں امیدوں کو گھٹانا، ہر نعمت کا شکر ادا کرنا، خدا کی جانب سے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان سے پرہیز کرنا ہے۔

ان الزهد فى دنيا ليس باضاعة المال ولا تحريم الحلال بل الزهد فى الدنيا ان لا تكون بما فى يدك اوثق منك بما عند الله (جامع السعادات)

زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ مال کو ضائع کیا جائے اور حلال کو حرام کر لیا جائے بلکہ معنی زہد یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو ان اسباب دنیا پر نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں۔

امیرالمومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص روئے زمین کی ساری کائنات لے لے اور اس سے مقصود خدا کی خوشنودی رضاجوئی ہو۔ تو وہ زاہد ہے اور اگر ساری کائنات زمین کو چھوڑ دے اور رضائے الٰہی اس کی مراد نہ ہو تو وہ زاہد نہ ہوگا۔ (جامع السعادات)

کسی نے امیرالمومنینؑ سے پوچھا کہ زہد فی الدنیا کیا ہے آپ نے فرمایا یعنی حرام دنیا سے منہ موڑنا۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا کے ممدوح یا مذموم ہونے کا مدار انسان کی نیت وارادہ پر ہے اگر تحصیل دنیا کے مقاصد انسانیت کے اعلیٰ مقاصد ہیں تو وہ قابل مدح اور وسیلہ آخرت ہے اور اگر مقاصد کسب ودنیا پست نظری پر مبنی اور محض نفسانی اغراض تک محدود ہیں ان سے حیوانی جذبات کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد اعلیٰ پیش نظر نہیں تو قابل مذمت ونفرت ہے۔ (اسلام کا معاشی نظام مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری)

محروم رہیں اور ہمارے گھر زرو جواہر اور مال واسباب سے بھر جائیں
اور ہم خوب داد عیش وعشرت دیں۔

ان جھوٹے دعوؤں اور غلط پروپگنڈوں کے مقابلہ میں ضروری ہے کہ ہم حق کو واضح کریں تبھی وہ بنیاد و اساس معلوم ہو سکتی ہے جس پر علیؑ کی سیاست قائم تھی اور جس کی بنیادوں پر آپ نے اپنے دستور کی عمارت کھڑی کی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

یہ صحیح ہے کہ مہاتما گوتم بدھ بڑے قناعت پسند اور زاہد بزرگ تھے انہیں عیش و آرام سے کوئی دلچسپی نہ تھی نہ لذائذ و نعمات دنیوی کی کوئی رغبت وہ مختصر سے مختصر آب و طعام اور لباس و ضروریات زندگی پر اکتفا کرتے تھے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ کنفوشیس چین کے حکیم و فلسفی اور پیغمبر ذاتی طور پر زہد کو بہت محبوب رکھتے تھے اور دنیاوی عیش و آرام کے اسباب اپنے لئے اتنا ہی کافی سمجھتے تھے جس کے کئی کئی گنا احباب خود ان کے چاہنے والے اور ان کی رسالت کے معتقد اپنے لئے کافی نہیں سمجھتے۔

یہ بھی صحیح ہے سقراط جاڑے اور گرمی دونوں میں ایک ہی لباس پہنتے کنکر پتھر کی سختی ننگے پیر رہنے سے انہیں نہیں روکتی نہ سردی و گرمی کی شدت انہیں مجبور کرتی تھی کہ اپنے برہنہ سر و سینہ کو لباس سے ڈھانکیں وہ اپنی زندگی میں ایک دن بھی آرام و چین پر مائل نہ ہوئے آرام و نشست کے طالب نہ ہوئے بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ کئی کئی دن بھوک و پیاس میں کاٹ دیئے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ عیسیٰ بن مریم جیسا کہ حضرت علیؑ نے ان کی تصویر کشی کی ہے تکیہ کے طور پر اینٹ استعمال کرتے موٹا کھردرا کپڑا پہنتے نامرغوب غذائیں نوش کرتے، ان کی نان خورش گرسنگی تھی ان کا چراغ چاند کی روشنی تھی جاڑے کے دنوں میں ان کے لئے سایہ آفتاب کی دھوپ تھی۔ ان کا پھل اور ان کی خوشبو صحرا کا سبزہ تھا، بیوی کوئی تھی ہی نہیں جو انہیں اپنی زلفوں کا اسیر بنائے نہ کوئی فرزند تھا جس کے لئے وہ محزون ہوں نہ کوئی مال تھا جس پر ان کی توجہ مرکوز ہو نہ کوئی طمع تھی جو انہیں ذلیل کرے ان کی روا داری ان کے دونوں پیر تھے اور ان کا نوکر ان کے دونوں ہاتھ تھے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیروں سے دنیا نکال کر ان کے غیروں کے قدموں تلے بچھا دی گئی تھی لذائذ دنیوی ان سے روک دیئے گئے تھے اور دنیاوی زیب و زینت کے سامان ان پر حرام تھے وہ انتہائی زاہد و دنیا سے بے نیاز انسان تھے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتے اور تھوڑا بہت کھاتے بھی تو موٹا جھوٹا وہ دنیا سے ایسے گئے جیسا کہ ابوذر کا بیان ہے:

''آں حضرت ﷺ نے ایک دن میں دو قسم کے کھانوں سے کبھی اپنا پیٹ نہیں بھرا جب آپ کھجوروں سے پیٹ بھر لیتے تو پھر روٹی نہیں کھاتے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ کئی کئی مہینے آپ کے گھر روٹی پکنے کے لئے چولہا نہیں جلا''۔

یہ بھی صحیح ہے کہ خود حضرت علیؑ دنیاوی ساز و سامان سے صرف دو چادریں اپنے لئے کافی سمجھتے تھے اور طعام و غذا سے

صرف دو روٹیاں اور مکان ایسا جو فقیروں سے مخصوص ہے آپ کے زہد و قناعت کے واقعات بے شمار ہیں اور اتنے مشہور ہیں جن کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے رفیق ابوذر غفاری جو کی روکھی سوکھی روٹیوں پر قناعت کرنے والے انسان تھے وہ خود بھی یہی جو کی سوکھی روٹیاں کھاتے اور ان کے بال بچے بھی وہ اسی پر راضی اور خوش رہتے اور پوری طرح مطمئن۔

یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں مگر ان باتوں کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے وہ بات بھی اپنے مقام پر صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ حضرات تعلیم و ہدایت خلق کے ذمہ دار تھے رہبری و رہنمائی کے بلند منصب پر فائز، اس منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اور اسی ذمہ داری کے احساس کی بنا پر وہ قلیل سے قلیل آب و غذا اور مختصر سے مختصر سامان معیشت کو اپنے لئے کافی سمجھتے تھے زندگی اور اس کی لذتوں سے ان کے دل مطمئن اور آسودہ ہوا کرتے مگر ہر شخص ان کے ایسا تو ہو نہیں سکتا نہ وہ زحمتیں برداشت کر سکتا ہے جو وہ برداشت کرتے نہ وہ روشنی کسی کے دل میں ہو سکتی تھی جو ان کے دلوں کو منور اور ان میں سرگرم عمل ہونے کا ولولہ پیدا کرتی تھی پھر دوسروں کی فکر اور امت کی غمخواری کی وجہ سے انہیں اپنی غذا اپنے لباس اپنے عیش و آرام کی پرواہی نہ ہوتی تھی[1]

---

[1] غریبوں کی ذہنیت و خیال کو بلند رکھنے اور مفلسی کی کلفت سے بچانے کے واسطے حکومت الٰہیہ و سلطنت ربانیہ کے نمائندوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں، معیار معیشت ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کے برابر بلکہ ان سے کمتر رکھیں نہ امیرانہ جاہ و جلال ہو نہ سرمایہ دارانہ تمکنت شاہانہ شان و شوکت نہ حاکمانہ رئیسانہ طرز زندگی بلکہ وہ مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بے تکلف بیٹھنے والے اور سیرت نبویہ مسکین جالسا مسکینا پر چلنے والے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیر و آداب کے ذیل میں مروی ہے آپ نے فرمایا:

"میں پانچ باتوں کو مرتے دم تک نہ چھوڑوں گا غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا اور دنبیوں کو اپنے ہاتھ سے دوہنا بالوں کے کپڑے پہننا اور بچوں کو سلام کرنا تاکہ یہ بات میرے بعد عام سنت بن جائے"۔

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: خداوند عالم نے مجھے خلق کا امام بنایا ہے تو مجھ پر یہ بات فرض کر دی ہے کہ اپنے ذاتی آسائش اور کھانے پینے میں اتنی تنگی کروں کہ طرز زندگی غریبوں کی طرح ہو جائے تاکہ فقرا میری فقیرانہ طرز زندگی کی پیروی کریں اور اغنیا اپنی مالداری کے بل بوتے پر سرکش نہ بن سکیں۔

علامہ مجلسیؒ نے اس کلام امامؑ کی شرح میں فرمایا ہے:

"حاصل یہ ہے کہ محتاج جب اپنے امام کو دیکھے گا کہ ادنیٰ درجہ کی معیشت پر راضی ہیں تو وہ بھی اپنی فقیری و مفلسی پر رضامند ہو جائے گا اسی طرح سرمایہ دار جب ان کو فقیرانہ طرز زندگی میں دیکھے گا تو اس کی سرمایہ داری اس کو سرکشی پر نہ مائل کر سکے گی اور وہ یہ جانے گا کہ اگر مالداری میں کوئی خیر و خوبی ہوتی تو امام اس کے لئے ادنیٰ ہوتے اور اس خیر و خوبی کو نہ چھوڑتے"۔

ایک طویل روایت میں ہے: "عاصم نے عرض کیا ہے کہ امیر المومنینؑ پھر کس وجہ سے آپ نے بے مزہ کھانے اور موٹے کپڑوں پر اکتفا کی ہے"۔ تو فرمایا کہ خدا نے ائمہ عدل کا یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ طریقہ زندگی کو ضعیف الحال غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ فقیروں کو ان کا فقر ہلاک نہ کر دے"۔

علامہ مجلسی اس کلام امامؑ کی شرح میں فرماتے ہیں: "یعنی امام عادل پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو لباس و غذا میں ضعیف الحال غریبوں کے مشابہ بنائیں تاکہ اہل فقر ہلاک نہ ہوں جبکہ وہ دیکھیں گے کہ ان کے امام انہیں کی ہیئت و صورت میں رہتے ہیں اور انہیں کے ایسے کھانے کھاتے ہیں تو یہ بالذات دنیا سے محرومی پر ان کے لئے وجہ تسلی بنے گی اور نفسانی خواہشوں پر صبر کرنے کا داعی اور ذریعہ"۔ (اسلام کا معاشی نظام مولفہ مولانا محمد رضی صاحب زنگی پوری مرحوم)

اسی کے ساتھ اس کو بھی ملا لیجئے کہ ان رہنمایان عالم کے جسموں میں وہ طاقت وقوت ہوتی تھی جو دوسرے کے جسم میں نہ ہوتی چنانچہ مہاتما گوتم بدھ جیسا کہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں اپنے زمانہ میں تمام اہل ہنود سے زیادہ طاقت ور تھے، سقراط یکہ تاز میدان شجاعت اور بڑے مشہور جنگ آزما تھے علی ابن ابی طالبؑ کی جیسی جسمانی طاقت تھی بھی کو معلوم ہے بہر حال یہ حضرات جسمانی طاقت کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہوں یا نہ ہوں ایک بات ایسی ہے جس کی اہمیت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جن لوگوں نے ان رہنمایان عالم کی زندگی کا مطالعہ اور ان کے حالات کا تجزیہ کیا ہے انہوں نے سب سے پہلے اس حقیقت کا اندازہ کیا ہوگا کہ یہ حضرات انقلاب کے علمبردار تھے اور ان کے مقاصد انقلاب سے وابستہ تھے اپنے یہاں کے عوام الناس سے انہوں نے جو کچھ کیا عوام الناس کی بھلائی کے لئے کیا اور انہیں کی مدد سے کیا۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے انہوں نے وہی طریقے اختیار کئے جو ان کے ملک کے لوگوں کے حالات کے مناسب تھے ان انقلابات کے علمبرداروں میں بعض وہ تھے جو انقلاب دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جیسے سقراط، عیسیٰ بن مریم[1] اور علی ابن ابی طالبؑ اور بعض وہ تھے جن پر دشمنوں کا کوئی بس نہ چل سکا جیسے مہاتما گوتم بدھ اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

انقلاب کے علمبرداروں کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ عیش وعشرت سے بہرہ اندوز ہوں کیونکہ مزاج انقلاب انہیں اس بات کا موقع ہی نہیں دے سکتا تھا کہ وہ عیش وعشرت میں پڑیں عیش وعشرت سے بہرہ اندوز ہونے کیلئے سب سے ضروری چیز سکون واطمینان ہے اور یہ سکون واطمینان انہیں نصیب نہ تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ انقلاب کے دشمن کا ٹکراؤ سب سے پہلے اسی سے ہوتا ہے جو علم بردار انقلاب ہوتا ہے وہی اولین نشانہ ہوتا ہے ان کا جب تک وہ انقلاب لانے میں کامیاب نہ ہو جائے اس کی جان کے لالے پڑے رہتے ہیں وہ مظلوم ومقہور ہوتا ہے جب تک اسے غلبہ نصیب نہ ہو۔ لہٰذا ایسے مظلوم ومقہور شخص کے لئے جس کی جان کے لالے پڑے ہوں کیسے ممکن ہے کہ وہ لذائذ دنیوی سے بہرہ اندوز ہو اور دنیا کی راحتوں کا طلبگار ہو یہ تو اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے مقصد انقلاب کو حاصل کرلے یا پھر انقلاب سے دستبردار ہی ہو جائے۔

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ علم برداران انقلاب آزاد وخود مختار تھے انہیں آزادی حاصل تھی کہ جس طرح کی زندگی چاہیں بسر

---

[1] اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جناب عیسیٰ نے یہودیوں کے ہاتھوں سولی پائی اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے جب ارشاد خداوند عالم وما قتلوہ وما صلبوہ یہودیوں نے نہ تو جناب عیسیٰ کو سولی دی نہ انہیں قتل کیا بلکہ ایک دوسرا شخص جسے قدرت نے عیسیٰؑ کی شبیہ بنا دیا تھا سولی دیا گیا۔

کریں اور جس قدر ضروریات زندگی کو اپنے لئے کافی سمجھیں اس پر قناعت کریں کسی کو ان پر اعتراض کا حق نہ تھا کہ فلاں چیز اپنے لئے کاہے پسند کی اور فلاں چیز کیوں نہیں۔انہوں نے زہد وقناعت کی زندگی خود اپنے لئے پسند کی تھی دوسروں کو مجبور نہیں کیا تھا کہ تم بھی پسند کرو۔اب ان رہنمایان عالم کے متعلق جو اقوال ملتے ہیں ان پر بھی ہم ایک نظر ڈالتے چلیں۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ انبیاء کرام اور انہیں جیسے رہنمایان عالم اور مصلحین روزگار علمبرداران انقلاب تھے ایک نے اپنے زمانہ اور اپنے ماحول کی مناسبت سے انقلاب لانے کی کوشش کی اور دشمنان انقلاب سے متصادم ہوتے۔

یہ بات معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ محرک انقلاب ایک اپنی اکیلی ذات سے انقلاب نہیں لاسکتا۔بلکہ اسے مددگاروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی حمایت پر کمربستہ ہوں اور اس کی طرف سے دشمنان انقلاب سے لڑیں ایسی صورت میں ضروری ہے کہ جیسی زندگی ان مددگاروں کی ہو ویسی ہی قائد انقلاب کی بھی ہو۔اس کی حالت بالکل ان کی حالت جیسی ہو یہی سب سے بڑا سبب تھا ان کے زہد وورع اور لذائذ دنیوی سے ان کی بے نیازی کا اور اسی وجہ سے وہ دوسروں کو بھی قناعت کی ترغیب دلاتے تھے تاکہ ان کی تمام تر توجہ انقلاب کی حمایت پر مرکوز رہے وہ جہاد پر کمربستہ رہیں عیش وراحت میں پڑ کر کسلمند نہ ہوجائیں ورنہ انقلاب کی تحریک کامیاب ہی نہیں ہوسکتی۔

تو ان رہنمایان عالم کے یہ جو چند اقوال ملتے ہیں زہد وقناعت کے متعلق تو ان کی حیثیت ایک وقتی علاج کی تھی مخصوص ماحول اور مخصوص وقت کے لحاظ سے اور مخصوص افراد سے متعلق تھے یہ مطلب نہیں تھا کہ لوگ ہمیشہ فقر وفاقہ ہی کی زندگی بسر کریں اور دنیا سے برابر کنارہ کش ہی رہیں۔

رہنمایان عالم نے دنیاوی زیب وزینت سے پرہیز اور عسرت وکلفت کی زندگی کو دستور عام نہیں قرار دیا تاکہ تمام لوگ ان کی پیروی کریں نہ انہوں نے مختصر سامان حیات پر قناعت کرنے کو واجب بتایا کہ دوسرے لوگ جو طاقت برداشت نہیں رکھتے وہ بھی مختصر سامان حیات ہی پر قناعت کرنے لئے مجبور ہوجائیں اگر ایسا ہوتا تو ان کی انقلابی تحریکات کی کوئی غرض و غایت نہ ہوتی اور نہ ارباب دولت وثروت اور پشتینی رئیس ان کے دشمن ہوتے۔

نہ یہ بات سمجھ ہی میں آنے والی ہے اور نہ قابل قبول ہی ہے کہ مہاتما گوتم بدھ یا حضرت مسیح یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایسے معاشرہ میں انقلاب پیدا کریں جس میں ایک ظالم ہو دوسرا مظلوم ایک پیٹ بھرا ہو دوسرا گرسنہ وہ اس معاشرہ کی بنیادیں درہم برہم کردیں اور اس میں نہ اپنی جان کی پرواکریں نہ اپنے اعوان وانصار کی جان کی، یہ نصب العین بنالیں کہ یا تو اس معاشرہ میں انقلاب برپا کرکے رہیں گے یا پھر اپنی جان نثار کردیں گے یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ پھر اسی حالت پر پلٹ

جائیں جو حالت پہلے موجود تھی اوران لوگوں کو زہد و پرہیز گاری اور دنیا سے بے نیازی کی ترغیب دیں تا کہ وہی امتیاز و تفاوت لوگوں کے درمیان باقی رہے جو پہلے تھا پیٹ بھروں کو اور پیٹ بھرنے کی ترغیب دیں اور ناداروں کو ناداری کے فضائل گنوائیں۔

رہنمایان عالم کی زندگی اور ان کی تعلیمات ان منافقین کی بخوبی قلعی کھول دیتی ہیں جو زہد و تقشف اور فقر کی طرف لوگوں کو ترغیب دلاتے اور ایسے ایسے فقروں سے جو زیادہ تر ان کے من گڑھت ہوتے اور چیزوں کی مدح سرائی کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ فقرے انہوں نے اپنے جی سے گڑھے اور گڑھ کر ان رہنمایان عالم کی طرف منسوب کر دئے ہیں۔

ان رہنمایان عالم کی تعلیمات و زندگی سے ہمارے اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ان حضرات نے خود تو زاہدانہ زندگی بسر کی لیکن انہوں نے دوسروں کو اس کی دعوت نہ دی۔خود دنیاوی زیب و زینت سے بے تعلق رہے لیکن عوام الناس کے لئے یہی چاہا کہ وہ خوش حال ہوں۔انہیں عیش و آرام میسر ہو ان میں نہ کوئی فقیر ہو نہ نادار نہ کمزور ہو نہ ضعیف نہ ظالم ہو نہ مظلوم ان کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ ایک منصفانہ اجتماعی زندگی باقی رہے جس میں سب برابر کے حقدار ہوں اور مل جل کر شریفانہ زندگی بسر کریں۔

مہاتما گوتم بدھ نے عمل پر جو زور دیا ہے وہ اسی لئے کہ لوگ نیک بخت اور خوشحال ہوں نہ اس لئے کہ لوگ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کریں اور ناداری کی آگ میں جلیں جیسا کہ ان کے بعض عقیدت مند بیان کرتے ہیں یہ عقیدت مند لوگوں کی ناداری و بدبختی کے اسی طرح ذمہ دار و جواب دہ ہیں جس طرح روحانی بدبختی کے۔

''مہاتما گوتم بدھ تو فرماتے ہیں کہ دوسروں کی مدد کرو اور اپنے دلوں کو ان کی محبت کے ساتھ کشادہ کرو''۔

کنفوسیشش حکیم۔فقر و ناداری پر گویا لعنت کرنے اور زندگی سے جھنجھلاہٹ اور برہمی کو اسی فقر کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''انسان کے لئے بے تکبر مالدار ہونے سے زیادہ مشکل ایسا نادار ہوتا ہے جسے ناداری پر جھنجھلاہٹ نہ ہو''۔

اس بزرگ مرتبہ انسان نے اپنی تعلیمات میں زیادہ تر لوگوں کو اپنی مادی زندگی سنوانے کی ترغیب دی ہے۔ روحانیت کے پرستاروں کے لئے بھی ایسا نہیں کہ انہوں نے مادی صعوبتوں کو ظاہر کیا ہو۔

حضرت عیسیٰ بزرگ ترین انقلابی فرماتے ہیں:

''تنہا روٹی پر انسان زندہ نہیں رہ سکتا''۔

مطلب یہ ہے کہ صرف روٹی ہی پر انسان کی گزر نہیں ہو سکتی اسے اور دوسرے ضروریات زندگی کی بھی ضرورت ہے۔ یہ فقرہ بین ثبوت ہے اس کا کہ حضرت مسیح روٹی کی شان کو بہت اہمیت دیتے تھے اور ضروریات کی تکمیل اور اسباب حیات کا

میسر ہونا ہر فضیلت کی بنیاد و اساس سمجھتے تھے۔

حضرت مسیح نے اپنے اس فقرہ سے جو مطلب واضح کرنا چاہا ہے وہ ان جاہل تن پروروں کی توجیہ و تاویل کے بالکل مغائر ہے جن کا دلی مقصد یہ ہے کہ دوسروں کو روٹی سے محروم کرکے اپنا، اور اپنے عزیزوں کا اور اپنے حوالی موالی کا گھر بھر لیں جو کہتے ہیں کہ لوگ مشقتیں جھیلیں زحمتیں اٹھائیں اور اپنی روٹی کاہل گداؤں اور آرام طلب فقیروں کو دے دیں تاکہ اس داد و دہش سے خداوند عالم راضی و خوشنود ہو۔

ان جاہل تن پروروں نے حضرت عیسیٰؑ کے قول کی جو توجیہ و تفسیر کی ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ لوگ روٹی کیلئے محنت مشقت کرنی چھوڑ دیں یا یہ کہ محنت مشقت تو کریں مگر کھائیں نہیں اس لئے کہ دنیا فانی ہے اور حقیقی عیش آخرت ہی میں ممکن ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا تو یہ مطلب ہے کہ روٹی کو بنیاد قرار دیا جائے اور بنیاد قرار دے کر اس پر غور کرو کہ تنہا روٹی ہی پر انسان کی بسر نہیں ہوسکتی بلکہ روٹی حاصل کرنے کے بعد تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم روح کی پاکیزگی وصفائی اور دل کے سکون کا سامان بھی ڈھونڈو۔

حضرت مسیح کا یہ پیغام بہت بڑا انقلابی اقدام تھا ان ریاکار لٹیرے کاہنوں، حاکموں اور دین کی تجارت کرنے والوں کے خلاف جو ناداروں کی محنت و مشقت سے داد عیش و عشرت دیتے اور ان کا خون چوس کر اپنا پیٹ بھرتے اس بزرگ ترین انقلابی حضرت مسیح کا مطمح نظر یہ تھا کہ روٹی پانی اور لباس تمام انسانوں کو پوری طرح میسر ہونا چاہئے چنانچہ آپ نے یروشلم کے معززین و اشراف اور وہاں کے کاہنوں اور شاہان روم کے درباریوں کی ان کے بھرے مجمع میں بہت بے خوفی سے توصیف کرتے ہوئے فرمایا:

”یہ لوگ بڑے بڑے بوجھ جن کا اٹھانا انتہائی شاق ہو باندھتے ہیں اور اسے لوگوں کے کاندھوں پر دھر دیتے ہیں اور خود اپنی انگلیوں سے بھی اس بوجھ کو جنبش دینا گوارا نہیں کرتے، یہ ہر کام صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظر ان پر پڑے۔ یہ اپنے رشتہ داروں سے منہ موڑے رہتے ہیں کپڑوں کے دامن کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ شادی کی محفلوں میں مسند کے پاس اور جلسوں میں اولین نشست پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں، چاہتے ہیں بازاروں میں لوگ ان کو سلام کریں اور ہمارے آقا ہمارے آقا! کہہ کر ہمیں پکارا جائے۔

حضرت مسیح ان منافقین کی نماز قبول نہیں فرماتے کیونکہ یہ دوسروں کی محنت کھا جاتے اور ان کو ان کی روٹی کے حق سے محروم کردیتے۔ آپ فرماتے ہیں:

"تم پر تباہی ہو اے ریاکارو کیونکہ تم بیواؤں کے گھر کھا جاتے ہو اور کسی علت ہی کے سبب اپنی نمازوں کو طول دیتے ہو"۔

بیواؤں کا گھر کہتے وقت مسیح کی نگاہوں میں ان گھروں کی تصویر تھی جن میں نادار اور بھوکے انسان رہتے ہیں۔ فقر و ناداری حضرت عیسیٰؑ کے نزدیک وہ لعنت تھی جس نے روم کی شہنشاہیت اس کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے لشکروں، اس کے قوانین اور اس کے سامراجی مظالم سے اسی طرح نکل لی جس طرح یروشلم کے کاہنوں وہاں کے اشراف و امرا اور ان کی عادات سے نکلی اور ان کو نکال باہر کر کے ایسے لوگوں کو جگہ دی جو بھوکوں کی روٹی نہیں کھاتے تھے نہ پیاسوں کا پانی پی جاتے تھے نہ دوسروں کی محنت کا پھل کھاتے نہ روم سے آ کر ان کے شہروں میں اپنی نو آبادی قائم کرتے جو ان کے شہر نہیں تھے۔

بزرگ ترین انقلابی انسان جس نے حیات انسانی کی عظمت کے اظہار کیلئے اپنے کو انسان کا فرزند کہا جس کی خواہشوں کو عبادات کے تاجروں نے غلط معنی پہنائے تاکہ لوگوں کو محتاج رکھ کر منافع سمیٹتے رہیں اسی بزرگ نے ان لٹیروں بھرے عوام کے دشمنوں اور بھوکوں کا لقمہ اور محنت کشوں کی محنت کا ثمرہ چھین کر کھا جانے والوں پر یہ دائمی لعنت برسائی اور بہ بانگ دہل انہیں ان لفظوں سے خطاب کیا کہ:

"اے اژدہوں کی اولاد"

وہ بزرگ ترین انقلابی جس نے حیات انسانی کی عظمت کے اظہار کے لئے اپنے کو انسان کا فرزند کہلایا اسی نے احمق قرار دیا ان تمام لوگوں کو جو انسان کی خدمت نہ کریں چاہے ان کی منزلت لوگوں میں انتہائی امر مقدس اور مذہبی معاملات جیسی کیوں نہ ہو چنانچہ جب آپ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت ایک بہت بڑے کاہن کی سرکردگی میں آئی ارادہ یہ تھا کہ آپ کا امتحان لیں اور گھما پھرا کر انہوں نے یوم السبت (سنیچر کے دن) کی بات نکالی تو آپ نے ان کے سردار کو خطاب کر کے فرمایا:

"اے ریاکار.........."

یہودی سردار پر جیسے بجلی گر پڑی اپنے لباس کے اندر کانپنے لگا حضرت مسیح نے فرمایا:

اے ریاکار انسان سنیچر کا دن انسان کیلئے پیدا کیا گیا انسان سنیچر کے دن کے لئے نہیں پیدا ہیں۔

اسی طرح خود تمام عبادتیں سارے مذہبی طریقے سب ہی چیزیں حضرت مسیح کے نزدیک انسان کی خدمت کے لئے پیدا ہوئیں اور انسان کی پہلی خدمت یہ ہے کہ اس کو راستہ دیا جائے کہ وہ روٹی حاصل کر سکے۔

حضرت مسیح جنہوں نے اپنا لقب فرزند انسان قرار دیا انہوں نے روٹی کی خاطر کام کرنے کو مبارک قرار دیا اور اسباب معیشت کی فراہمی تمام انسانوں کے لئے ہر دین کی بنیاد اور سر عبادت کا مظہر قرار دیا۔ کیا حضرت مسیح ہی کا یہ ارشاد نہیں:

”میں بھوکا تھا تم لوگوں نے مجھے کھانا کھلایا میں پیاسا تھا تم نے مجھے سیراب کیا میں بے ٹھکانے تھا تم نے ہمیں پناہ دی“۔

آپ نے یہ سب باتیں کہیں مگر یہ نہیں کہا کہ:

”میں نماز پڑھتا تھا تم لوگوں نے میرے ساتھ نماز پڑھی“۔

اس معاملہ میں حضرت عیسیٰؑ کے انقلابی اقدامات بے حد وحساب ہیں آپ کے ان اقوال سے اناجیل اربعہ بھری ہوئی ہیں جن میں آپ نے بھوکوں کا لقمہ چھیننے والوں کی سرزنش کی ہے اسی طرح آپ کے وہ بے شمار اقوال بھی اناجیل اربعہ میں موجود ہیں جن کے ذریعہ آپ نے فقیروں اور کمزوروں کو لٹیروں اور ان کا حق غصب کرنے والوں اور ان کے شہروں پر زبردستی قابض ہونے والوں کے خلاف برانگیختہ کیا ہے۔

”سب سے قطع نظر، کیا وہ بہتان عظیم جو رومیوں نے حضرت عیسیٰؑ پر لگایا کہ آپ پر مقدمہ قائم ہوا اور آپ کے قتل کا فیصلہ صادر ہوا کیا وہ یہی تہمت نہ تھی کہ آپ عوام کو بھڑکاتے اور انہیں قیصر کو جزیہ دینے سے روکتے ہیں“۔

حضرت عیسیٰؑ نے قیصر کو جزیہ دینے سے عوام کو کیوں روکا اس روٹی ہی کے لئے تو جسے قیصر اور اس کے حکام وامراء بھوکوں کے حلق ناداروں کے گھر اور یتیم کے ہاتھ سے چھین لیتے تھے، کیا یروشلم کے کاہنوں نے قیصر کے نظام حکومت کی بقا کے لئے جس میں غریبوں کو لوٹا جاتا تھا اور سرمایہ داروں کے گھر بھرے جاتے تھے قیصر کے نمائندہ پر زور نہ دیا تھا کہ:

”اگر تم عیسیٰؑ کو سولی نہ دو گے تو تم قیصر کے دوست دار نہیں“۔

کیا حضرت عیسیٰؑ نے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر جس میں حاکم بھی تھے محکوم بھی ظالم بھی تھے مظلوم بھی یہ ہمیشہ زندہ رہنے والے فقرے نہیں کہے تھے:

چراغ جلا کر نیچے نہ رکھ دیا جائے بلکہ بلندی پر رہے تاکہ اس کی روشنی ہر اس شخص پر پڑے جو گھر میں ہو“

گھر سے مراد یہاں سارا عالم ہے اور گھر والوں سے مراد تمام انسان ہیں وہ چراغ جو ایک طرف روشنی ڈالے دوسری طرف اندھیرا رکھے ضروری ہے کہ اس کو توڑ دیا جائے اور اس کی جگہ ایسا چراغ جلایا جائے جس کی حرارت اور روشنی ہر زاویہ پر پڑے۔

اسی بنا پر کیا وہ لوگ جو اس حکیمانہ انقلابی اقدامات کو مسخ کر کے پیش کرتے تھے اور وہ لوگ جو عوام الناس کو زہد ناداری اور قناعت کی ترغیب دیتے تھے ریاکار منافقین اور اژدھوں کی اولاد نہ تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان کا نام رکھا تھا۔

یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برادر مسیح جنہوں نے وقت کے ظالمانہ معاشرہ کے خلاف قدم اٹھایا جس میں ظالم ومظلوم لٹنے والے اور لوٹنے والے کمزور وطاقت ور کی چیخ وپکار مچی ہوئی تھی ان کی زبانی قرآن لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ

زمین پر چلو اور خدا کے رزق سے کھاؤ پیو۔

آپ نے کھانے پینے کا حکم دیا کہ اسی پر زندگی کا انحصار ہے۔ یہ حکم آپ کا سب کیلئے ہے کسی خاص جماعت سے یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص صلاحیت بھر محنت کر کے اپنا پیٹ بھر سکتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿۳۱﴾

انسان اپنی غذا پر نظر کرے ہم نے آسمان سے پانی برسایا زمین کو شگافتہ کیا دانے کو اس پر اگایا اور انگور نیشکر (گنا) زیتون اور کھجور کے درخت اس پر اگائے ہرے بھرے باغ اور تر و تازہ میوے پیدا کئے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار۔

لوگ تین چیزوں میں برابر کے حقدار ہیں پانی سبزہ اور آگ۔

پانی جو خداوند عالم نے آسمان سے برسایا یا اپنی قدرت سے زمین پر جاری کیا اس میں ہر انسان برابر کا حقدار ہے اگر کوئی شخص خود نہر کھود کر پانی نکالے یا پانی ذخیرہ کرے تو کسی دوسرے کو حق نہیں کہ زبردستی وہ پانی اس سے لے لے کیونکہ وہ اس پانی کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی طرح وہ گھاس میں جو بقدرت خدا روئیدہ ہو اور کسی کو اس کے لئے زحمت نہ اٹھانی پڑی ہو ہر ایک کے لئے عام ہے کسی کو حق نہیں کہ اپنے لئے خاص کر لے اور دوسرے کو اس سے روک دے اسی طرح اگر کسی نے آگ سلگائی ہو تو دوسرے کو اس سے محروم نہیں کر سکتا کیونکہ اگر کوئی اس کی آگ سے اپنا چراغ روشن کر لے تو اس کی آگ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ رئیس و حاکم زمین کے جس حصے کو چاہتا اپنے مویشیوں اور اونٹوں کیلئے مخصوص کر لیتا۔ اس زمین میں بس اسی کے جانور چرتے کسی دوسرے کے جانور اس میں نہیں جا سکتے وہ زمین جو عام ہوتیں جہاں سبھی کے جانور چرتے وہاں اس رئیس کے بھی جانور چرتے لیکن رئیس کی خاص زمین پر بس اسی کے جانور جا سکتے۔ اس وقت جہاں جبر و تشدد کی اور بہت سی صورتیں جاری تھیں وہاں یہ بھی تھی، رحمۃ للعالمین پیغمبر نے دیگر رسوم و قوانین کے ساتھ جاہلیت کے سرکش و جابر انسانوں کے اس جبر و تشدد کو بھی ملیا میٹ کیا۔

پیغمبر مزدوروں کو ان کی پوری اجرت دیتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرتے کہ مزدور کو اس کی ضرورت کے

لائق اجرت دو تا کہ زمین پر کوئی فقیر ومحتاج نہ رہے، آپ کی حالت یہ تھی جب مال خراج آپ کے پاس آتا تو آپ پہلے اپنے اصحاب میں تقسیم کرتے اور اپنی دختر فاطمہؑ کو بعد میں دیتے تا کہ عوام الناس کی ضرورت پہلے رفع ہو جائے۔ (محمد المسیح مصنفہ خالد محمد خالد)

حضرت محمد مصطفیٰؐ کا دولت وثروت اور ناداری کے بارے میں جو طرز عمل رہا اس میں ہم کلام کو طول نہیں دینا چاہتے دوسری فصل میں بہت وضاحت سے ہم نے یہ بیان کیا کہ اسلام نے کس کس طرح لوگوں کو محنت ومشقت اور ایسا کام کرنے کی ترغیب دلائی ہے جو منفعت بخش ہو اور جس کی وجہ سے نہ کوئی محتاج رہے نہ فقیر یہاں تک کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسلام میں نماز و روزہ سے بھی بڑھ کر وہ کام افضل ہے جو منفعت بخش ہو یہی حال حضرت مسیح کی مسیحیت کا بھی ہے حضرت مسیح نے بھی کام کاج محنت مزدوری کرنے کی ایسی ہی ترغیب دلائی ہے۔

حضرت مصطفیٰ ﷺ جو ناداری کو پسند نہیں کرتے اور محتاجی کو بہتر نہیں سمجھتے تھے انہیں کا یہ فقرہ ہے:

كاد الفقران يكون كفرا

قریب ہے کہ ناداری کفر ہو جائے۔

ہم آگے چل کر دوسری فصل میں دکھائیں گے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی باریک بیں نگاہیں معاشرہ کے کتنے بے شمار رموز واسرار تک جا پہونچیں اور آپ نے زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے کس کس طرح لوگوں کو ترغیب دلائی۔

ابوذر غفاری زاہد وقانع اور دنیا سے بے نیاز انسان اگر چہ انہوں نے خود اپنے لئے روکھی پھیکی زندگی پسند کی مگر انہوں نے فقر وناداری کے خلاف سخت وشدید جنگ لڑی اور عوام کے حق کی حمایت کرتے ہوئے اپنی جان دے دی فقر کے خلاف آپ کا یہ فقرہ بھی انتہائی دلکش ودل آویز ہے کہ:

اذا ذهب الفقر الى بلد قال له الكفر خذنى معك

جب ناداری کسی شہر کا رخ کرتی ہے تو کفر اس سے کہتا ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے لے۔

اسی طرح آپ کا یہ فقرہ بھی ہے:

عجبت لمن لا يجد القوت فى بيته كيف لا يخرج على الناس شاهرا سيفه

مجھے اس شخص پر حیرت وتعجب ہے جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو وہ تلوار کھینچ کر لوگوں پر پل کیسے نہیں پڑتا۔

جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے منافق پیرووں نے حضرت عیسیٰؑ کے اقوال اور حالات زندگی کی غلط توجیہ وتفسیر کی اس غرض سے کہ فقر وناداری عوام الناس کی نگاہوں میں مستحسن ظاہر ہو اور وہ دنیا کی نعمتیں ہمارے لئے چھوڑ کر خود بے نیاز ہو جائیں اسی طرح عہدیداری اور بعد کے سلاطین وحکام کی بھی کوشش یہی رہی ہے کہ ہمارا دبدبہ واقتدار اور جاہ وجبروت ہمیشہ باقی رہے

انہوں نے اپنے حاشیہ نشینوں اور ملازمین کو تحریک کی کہ وہ پیغمبر کی طرف منسوب (۱) کر کے جھوٹی جھوٹی حدیثیں بیان کریں جن سے عوام کو غلام بنائے رکھنے اور جمہور کو لوٹنے میں مدد ملے۔ چنانچہ ان کے نمک خاروں نے انبیاء کرام کی طرف منسوب کر کے نت نئی حدیثیں بیان کیں جس میں عوام کو صابر و شاکر رہنے حکام کے مظالم سہنے اور ان کے احکام کو بے چون و چرا تعمیل کرنے کی ترغیب دلائی گئی تھی۔

---

(۱): بسا اوقات خود بنی امیہ ایسی حدیثیں اختراع کرتے کبھی ان کے ہوا خواہ و حاشیہ نشین اور کبھی ان کے تنخواہ دار علماء دین طبع آزمائی فرماتے ہم چند نمونے من گھڑت احادیث اور بے سروپا قصص و حکایات کے بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری نے مختلف اسناد سے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے: قال قال رسول الله انكم سترون بعدی اثرة وامورا تنكرونها قالو فما تامرنا . یارسول الله قال ادوا اليهم حقهم واسلوا الله حقكم (صحیح بخاری جلد ۸)

تم عنقریب میرے بعد ترجیح بلا مرجح اور ناپسندیدہ امور دیکھو گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ پھر ہمیں آپ کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان سلاطین کے حقوق کو ادا کرنا اور خود اپنے حقوق کو اللہ سے مانگنا۔

نیز ابن عباس سے روایت کی ہے۔ قال قال رسول الله من رای من اميره شيئا يكره فليصبر عليه فانه من فارق الجماعة شبرا فما مات الاميتة جاهلية۔ (بخاری جلد ۷ ص ۸۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے بادشاہ سے کسی ایسے امر کا مشاہدہ کرے جو اسے ناگوار ہوئی اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے جدا ہوگا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

بخاری نے باسناد مختلف علقمہ بن وائل حضرمی سے روایت کی ہے کہ مسلمہ بن زید جعفی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: يانبي الله ارايت ان قامت علينا امراء يسالوننا حقهم ويمنعوننا حقنا!! فما ترى؛ فاعرض عنه ثم ساله فاعرض عنه ثم ساله في الثانية او الثالثة فجذبه الا شعث بن قيس و قال رسول الله اسمعوا اطيعوا فان عليهم ما حملوا او عليكم ما حملتم۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۱۹)

یا رسول اللہ! اگر ہمارے اوپر ایسے لوگ حاکم بن بیٹھیں جو اپنا حق تو ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا دوبارہ عرض کی آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا پھر تیسری مرتبہ مسلمہ نے عرض کی اس پر اشعث بن قیس نے انہیں کھینچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ان کی بات سنو اور مانو ان کی ذمہ داریاں ان کے سر ہیں اور تمہاری ذمہ داریاں تمہارے سر۔

بخاری نے عرفجہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا۔ انه ستكون هنات و هنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جمع فاضربوه بالسيف كائنا ما كان (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۱)

عنقریب ناگفتہ بہ باتیں ظہور میں آئیں گی اس وقت اگر کوئی شخص امت میں تفرقہ اندازی کا ارادہ کرے اسے تلوار سے مارو چاہے کچھ بھی ہو۔

انہیں بخاری نے ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا بويع الخليفتين فاقتلوا الاخر منهما۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۲)

جب دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو آخر میں جس کی بیعت ہوئی ہے اسے قتل کر دو۔

اسی مضمون کی بے شمار حدیثیں ہیں سب کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان حکومت کے مطیع و فرمانبردار رہیں اور بادشاہ کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو حرف شکایت زبان پر نہ لائیں کہ اس طرح وہ فتنہ پردازی کے موجب اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کے باعث ہوں گے۔ لب لباب ان تمام حدیثوں کا اس حدیث میں ہے۔

ستكون فتن. القاعد فيها خير من القائم والقائم خير من الماشي والماشي خير من الساعي و من وجد ملجاء او معاذا فليعذبه (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۸۲)

عنقریب فتنے رونما ہوں گے ان فتنوں کے زمانے میں بیٹھا ہوا انسان کھڑے سے بہتر ہوگا کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو شخص کوئی جائے پناہ پائے وہ اس کی پناہ میں چلا جائے۔

مذکورہ بالا ان تمام حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے افتراق واختلاف کے ڈر سے امت والوں کو تاکید کی ہے کہ وہ حاکموں کے وفادار رہیں چاہے وہ حکام اپنے افعال میں دین سے باہر ہی کیوں نہ ہوگئے ہوں اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی یہ تھی کہ چاہے آپ کی رسالت ملیامیٹ ہوجائے مگر مسلمانوں کا اتحاد و درہم وبرہم نہ ہو اس صورت میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر کو اتحاد و اتفاق اتنا ہی پسند خاطر تھا اور اصول وفروع مذہب کی اتنی پروا نہ تھی تو پھر آپ نے مذہب اسلام کی دعوت دے کر مشرکین کے اتحاد ہی کو پارہ پارہ کیوں کیا۔ مشرکین عرب مزے میں رہتے آرہے تھے ان میں نہ افتراق تھا نہ اختلاف سب ایک نقطہ پر متحد تھے یعنی کفر وشرک اور بت پرستی پھر آخر کیا ضرورت تھی کہ نیا مذہب پیش کر کے ان میں تفرقہ ڈال دیا ان کے بتوں کو توڑا ان کے بت پرستی کے معتقدات کچلے درآں حالیکہ یہی سب چیزیں عرب والوں کو جان سے بڑھ کر پیاری تھیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پیغمبر خدا کے یہ ارشادات تاریخی پہلو سے صحیح ہے کیوں نہیں صحابہ کرام نے وفات پیغمبرؐ کے وقت انہیں حدیثوں کو ثبوت میں پیش کیا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت وجانشینی اور میراث کے متعلق صحابہ لڑ جھگڑ رہے تھے نیز عہد ابی بکر میں جب مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دینے یا نہ دینے میں اختلاف ہوا نیز اس پر آشوب وقت میں جبکہ حضرت عثمان پر یورش تھی اور لوگ انہیں قتل کرنے کے درپے تھے کیوں نہیں ان احادیث کو کسی نے پیش کیا کہ پیغمبر ایسا فرما چکے ہیں ہم لوگوں کا صبرو سکون ہی بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رسول اللہؐ کی بہت ہی چہیتی بیوی کہی جاتی ہیں پیغمبرؐ کی بیشمار حدیثوں کی حافظ بھی تھیں طلحہ وزبیر بہت مقرب بارگاہ صحابی اور ان جنتی لوگوں میں سے تھے جنہیں پیغمبرؐ نے جنت کی بشارت دی انہیں کیوں نہیں یہ حدیثیں یاد آئیں اور کیوں نہ حضرات علیؑ کے خلاف جنگ کے لئے کمربستہ ہوگئے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مذکورہ بالا حدیثیں بہت سی آیات کلام مجید اور پیغمبرؐ کی صحیح حدیثوں کی مخالف اور مغائر ہیں پیغمبرؐ کی سیرت اور ذوق اسلامی سے بھی دور کا تعلق ان حدیثوں کو نہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت ہے: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾

خدا کی راہ میں جنگ کرو اور یہ جان رکھو کہ خداوند عالم بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

سورہ مائدہ میں ہے: إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم

جو لوگ خدا اور رسولؐ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی جزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جائیں۔

سورہ مجادلہ میں ہے: لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

جو لوگ خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے نہ دیکھو گے اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔

سورہ ممتحنہ میں ہے: یا ایھا الذین آمنوا لا یتولوا قوماً غضب اللہ علیھم۔ اے ایمان لانے والوان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔

یہ تو چند آیات تھیں کلام مجید کی جو ان فرضی روایات کے قطعی مخالف ہیں اب صحیح حدیثیں بھی ملاحظہ فرمایئے جو ان فرضی حدیثوں کے قطعی مغائر ہیں۔

امام علم عبداللہ بن مسعود سے باسناد مختلف روایات کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا: ''مجھ سے پہلے جتنے نبی مبعوث ہوئے ہر نبی کے لئے اس کی امت میں سے حواریین اور اصحاب ہوا کئے جو اس نبی کی سنت پر چلتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان حواریین واصحاب کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ اور وہ افعال بجالاتے تھے جن کا حکم نہیں دیا گیا تھا جو شخص ایسے لوگوں سے ہاتھ جہاد کرے وہ بھی مومن اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن (صحیح مسلم جلد ۱)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے پیغمبر خداؐ کو ارشاد فرماتے سنا جو شخص ایسے لوگوں سے ناپسندیدہ امور رونما ہوتے دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے جو ہاتھ سے بدلنے پر قادر نہ ہو وہ زبان سے بدلے اور جو زبان سے بدلنے پر قادر نہ ہو وہ دل سے بدلے اور یہ کمتر درجہ ایمان کا ہے۔ (فتوحات وھبیہ ص ۲۶۱)

لیکن جس نے بھی انبیائے کرام کی زندگی کا صحیح طور پر جائزہ لیا ہے وہ جانتا ہے کہ انہوں نے فقر کو ناگوار سمجھا اور ان تمام منافقین کو جہنم کی بشارت دی جنہوں نے فقر کی طرف لوگوں کو ترغیب دلائی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سرمایہ کے محافظ، ان انبیاء کے دشمن نہ ہوتے اور تمام کمزور و ناتواں افراد انبیاء کی حمایت پر کمر بستہ نہ ہو جاتے۔

عرب کے قدیم دانشوروں کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں پوری واقفیت تھی اس بات کی کہ انفرادی طور پر ہر انسان کے عمل کو معاشرہ کے نظام سے گہرا تعلق ہے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وسائل معاش کی فراہمی پاکیزگی سیرت، عمدگی اخلاق اور عادات وخصائل انسانی میں بہت بڑا اثر رکھتی ہے۔

وہ قناعت جو ممدوح ہے وہ یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور صرف تن پروری سے اُسے غرض ہو۔ کیونکہ تن پروری کی وجہ سے ناداری پیدا ہوتی ہے۔ اچھی عادتیں تباہ ہو جاتی ہیں اور ایمان ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے ساری توجہ روح کی تربیت پر صرف ہو اور جسم سے بے نیاز ہو جاؤ تو یہ غلط ہے اس لئے کہ بھوکے پیٹ سے اطاعت ممکن نہیں۔ فقر و ناداری پر صبر و تحمل بڑے دل وجگر والے بزرگوں کا کام ہے جیسے جناب ابوذر مگر ہر شخص ابوذر جیسا صبر و تحمل نہیں رکھتا۔ حضرت پیغمبر خدا نے الفقر فخری فقر میرے لئے سرمایہ فخر و ناز ہے جو فرمایا اس سے بقول سعدی شیرازی ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو مرد میدان رضا و خوشنودی الٰہی تھے نہ کہ ان لوگوں کی ناداری کی طرف جو نیکو کاروں کا لباس پہنتے اور دوسروں کے یہاں سے مقررہ خوراک کھاتے اور یہ جو فقرہ ہے کہ قناعت بے حساب خزانہ ہے تو یہ تن پروروں اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنے والوں کیلئے نہیں کہا گیا۔ بلکہ حریص دولت مندوں اور ظالم حاکموں کیلئے کہا گیا ہے جو کسی چیز پر قناعت نہیں کرتے اگر ان کے ہاتھ میں دنیا بھر کی نعمتیں بھی دے دی جائیں تب بھی ان کی سیری نہ ہو۔

بزرگان اسلام نے فاقہ سے نڈھال بھوکوں کیلئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ دوسروں کے مال سے بقدر اپنی خوراک کے بغیر اجازت مالک لے لیں ایسا کرنے والے کو انہوں نے مجرم نہیں گردانا بلکہ اسے مجرم قرار دیا ہے جس نے ان کا حق نہیں دیا۔ یہ لطیف حکایت جسے علامہ خالد محمد خالد نے اپنی کتاب من ھنا نبدا میں تحریر کیا ہے ہمارے مدعا کا بہترین ثبوت ہے۔

حاطب بن بلتعہ صحابی پیغمبرؐ کے غلاموں نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرالی۔ گرفتار ہوئے اور انہوں نے اپنے جرم کا اقرار بھی کرلیا۔ مقدمہ حضرت عمر کے سامنے پیش ہوا انہوں نے دیکھا کہ معاملہ پوری طرح صاف ہے۔ اونٹنی چرائی گئی جنہوں نے چوری کی وہ پکڑے گئے اور انہوں نے اقرار بھی کرلیا کہ ہاں ہم نے چوری کی ہے۔ اب فیصلہ کیلئے باقی ہی کیا رہ گیا تھا۔ انہوں نے مجرموں پر ایک نظر کی اور یہ آیت تلاوت کی:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ بدلہ میں ان کے جرم کے یہ سزا ہے خدا کی طرف سے۔

حضرت عمر ہاتھ کاٹنے کا حکم دینے ہی والے تھے کہ ان کی نگاہ پھر ان کے مجرموں کے چہرے پر پڑی دیکھا ان کا چہرہ سفید ہو رہا ہے جیسے خون کی بوند بھی کسی کے چہرے پر باقی نہ رہی ہو۔ آنکھیں بے نور اور جسم لاغر و کاہید ہو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ان غلاموں کا مالک کون ہے اسے میرے پاس بلاؤ عبدالرحمان بن حاطب حاضر ہوئے حضرت عمر نے کہا میں ان غلاموں کے ہاتھ کاٹنے ہی والا تھا مگر مجھے اندازہ ہوا کہ تم ان غلاموں کو قید و بند میں رکھتے ہو کھانے پینے کو نہیں دیتے وہ اس حد تک مجبور ہو گئے کہ ناجائز بھی ان کے لئے جائز ہو گیا میں انہیں تو کوئی سزا نہ دوں گا البتہ تم سے تاوان وصول کروں گا تاکہ تم اپنی حرکت سے باز آؤ۔ پھر اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ تمہاری اونٹنی کتنے داموں کی تھی۔ اس نے کہا چار سو کی حضرت عمر نے عبدالرحمان بن حاطب سے کہا جاؤ اس شخص کو آٹھ سو ادا کرو اور غلاموں سے کہا تم لوگ رہا کئے جاتے ہو۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

لیکن علیؑ! تو ان کی پوری زندگی ہی گذری لوگوں کی حالت سنوارنے اور ان کی ناداری اور احتیاج دور کرنے میں۔ ان کی حکومت کی بنیاد ہی اس پر قائم تھی جیسا کہ آگے چل کر ہم اس کو تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے۔ خود علیؑ دنیا کے سب سے بڑے زاہد اور آلائش دنیاوی سے پاک وصاف انسان تھے لیکن انہیں ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ دوسرے لوگ ناداری پر قناعت کر کے زندگی گذاریں اگر یہ بات ہوتی تو وہ اس وقت کے صاحبان دولت و جاہ اور عوام کی پونجی ہضم کرنے والوں کے خلاف محاذ قائم نہ کرتے نہ ان کی ہتھیائی ہوئی ناجائز دولت چھین کر نادار اور رفاقہ کش انسانوں میں تقسیم کر دیتے۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بچپنے کے زمانہ میں کوفہ کے میدان رحبہ میں پہنچا حضرت علیؑ کو دیکھا کہ وہ سونے چاندی کے دو ڈھیروں پر کھڑے ہیں اس کے بعد آپ نے اس مال کو لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا شروع کیا آپ نے سب ہی کچھ تقسیم کر دیا۔ پھر اس حالت سے اپنے گھر پلٹے کہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے گئے وہی علیؑ جو اپنے گھر میں اس مال و دولت کے رتی برابر بھی کوئی چیز نہیں لے گئے وہ تمام لوگوں سے خطاب کر کے کہتے ہیں:

"تم اپنی دنیا کے لئے اس طرح سرگرم عمل رہو جیسے تمہیں ہمیشہ اس دنیا میں زندہ رہنا ہے"۔

علیؑ کے نزدیک اس سے بڑھ کر اہم کوئی اور بات نہ تھی کہ لوگوں کی احتیاج و ناداری دور کی جائے اس بارے میں ان کا ایک ایسا صریحی قول ہے جس کی کوئی تاویل ہی نہیں کی جا سکتی۔

ارشاد فرماتے ہیں:

لو سلکتم الحق من نهجه لنهجت بکم السبل وما عال فیکم عائل

اگر تم حق کی شاہ راہ پر گامزن رہو گے تو راہیں تمہیں خوش آمدید کہیں گی اور تم میں سے کوئی شخص ناداری میں مبتلا نہ ہو گا۔

آپ نے جہاں عربوں کے جاہلی آداب و اخلاق پر ضرب لگائی وہاں ان کی درویشانہ قناعت پسندی پر بھی بھرپور وار کیا فرماتے ہیں:

وانتم معشر العرب منیخون بین حجارة خشن تشربون الکدر و تاکلون الخشب

تم اے گروہ عرب کھردرے پتھروں کے درمیان سکونت رکھتے گدلا پانی پیتے اور ناداروں جیسا سڑا و بسا کھانا کھاتے ہو۔

حضرت علیؑ کی لفظیں بتاتی ہیں کہ آپ کو لذیذ غذائیں نرم و آرام دہ کپڑے اور ریھانہ مکان ناپسندیدہ نہ تھے۔ البتہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ہم تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں اور ملک میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہوں جو اس عیش و راحت سے محروم ہوں۔ حضرت علیؑ کی یہ تصریح ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کی اولین تمنا یہ تھی کہ ہر ایک کو اسباب معیشت سے کافی حصہ میسر ہو۔ حضرت علیؑ لوگوں کے پیشوا تھے اور پیشوا کا فریضہ ہے کہ خود بھی وہ تمام اذیتیں برداشت کرے جو اس کے پیرو اٹھاتے ہیں اور اسی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرے جس طرح اس کے پیرو بسر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ فقر و ناداری کا بالکل خاتمہ ہو جائے جب قوم میں ایک شخص بھی نادار باقی نہ رہے گا تو لازمی طور پر پیشوا کی ناداری کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کا طرز معیشت بھی وہی ہو گا جو عوام کا ہو گا ورنہ پیشوائی اور سرداری کے معنی ہی کیا باقی رہ جائیں گے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

أاقنع من نفسی بان یقال امیر المومنین ولا اشارککم فی مکارہ الدھر۔

کیا میں صرف اس پر قناعت کرلوں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہتے ہیں اور مکروہات زمانہ میں تم لوگوں کا شریک نہ بنوں۔

مکروہات دہر سے حضرت علیؑ نے یہی فقر و ناداری کی مصیبتیں مراد لی ہیں۔

حضرت علیؑ نے اپنی دختر کو عید کے دن بیت المال کے موتی سے آرائش کرنے کو جو روکا تھا وہ اسی وجہ سے کہ دوسروں کی بہت سی بیٹیاں ویسی آرائش کرنے سے مجبور تھیں انہیں ایسے موتی میسر نہ تھے ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنی دختر کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ ہار بیت المال واپس کر دو۔ آپ نے فرمایا تھا:

"اے دختر ابن ابی طالب! حق سے روگردانی اختیار نہ کرو کیا مہاجرین و انصار کی تمام عورتیں بھی اس عید کے دن ایسی ہی آرائش کرتی ہیں"۔

آپ نے تمام عورتیں فرمایا یہ نہیں کہا کہ معززین یا شرفا عورتیں۔

جس دن سے کہ حضرت علیؑ مسند نشین خلافت ہوئے اور زمام حکومت آپ کے ہاتھوں میں آئی آپ نے سب سے پہلا

کام یہی کیا کہ لوگوں کی ناداری دور کرنے کی کوشش کی اور علیؑ کو ایسا ہی کرنا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ یوں تو انسان کی جان کو ہزار آفتیں لگی ہوتی ہیں مگر فقر و ناداری سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ علیؑ ہی کا تو یہ قول ہے کہ ماضرب الله عبادہ بسوط اوجع من الفقر خداوند عالم نے انسان کو فقر سے بڑھ کر کسی دوسری اذیت میں نہیں مبتلا کیا۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ آپ لوگوں کی ناداری دور ہونے کو بہت ضروری سمجھتے تھے نیز اس فقرہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو لوگوں کی کیفیات و احوال اور مقدمات و نتائج امور کا بالکل صحیح اندازہ تھا۔

بعض لوگوں نے فقر و ناداری کی بڑی مدح و ستائش کی ہے۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی ہے مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ علیؑ نے فقر کے خلاف ٹھیک اسی طرح جنگ لڑی جس طرح پیغمبرؐ نے جنگ لڑی تھی اور جس طرح بزرگ ترین انقلابی انسان ابوذر غفاری شیعیان علیؑ کے راس و رئیس اور ستم پیشہ بنی امیہ کے مقتول نے لڑائی لڑی۔

پیغمبرؐ بھی جانتے تھے اور علیؑ اور ابوذر غفاری بھی کہ ناداری ہر خوبی کو تباہ کر دیتی ہے یہاں تک کہ صالحین مومنین کے نزدیک یہ کفر و انکار کا سبب ہوتی ہے اسی وجہ سے علی علیہ السلام نے ہر موقع پر اس کے خلاف جنگ کی اور فقر کی طرف دعوت دینے والوں کو ذلیل و خوار کیا۔ اگر مرد زیرک و دانا ہو تو یہ فقر اسے حضرت علیؑ کے مذہب میں گونگا بہرا بنا دیتا ہے اسی فقر کی وجہ سے ایک ہی شہر کے رہنے والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی بلکہ ایک دوسرے کے دشمن اور کینہ خواہ ہوتے ہیں۔ موت اس میں شک نہیں کہ انسان کیلئے بہت بڑی مصیبت ہے۔ مگر فقر و ناداری کا درجہ موت سے بھی بڑھا ہوا ہے حضرت علیؑ کی زبان میں ناداری سب سے بڑی موت ہے۔

ناداری اور ناداری کو اچھا بتانے والوں کے متعلق حضرت علیؑ نے جو سخت ترین فقرہ ارشاد فرمایا ہے جس سے ان لوگوں کے مکر و فریب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ لو تمثل لی الفقر رجلا لقتلته۔ اگر ناداری میرے سامنے کسی انسان کی صورت میں آجائے تو میں اسے قتل کر ڈالوں۔

انسانی معاشرہ حضرت علیؑ کی نظروں میں مثل ایک ایسے جسم کے تھا جو نہ تو متضاد عناصر سے مرکب ہو نہ ان کا نظام، حقوق و واجبات کے تفاوت پر قائم ہو کہ ایک گروہ جو چاہے کرے اس سے کسی قسم کا تعرض نہ ہو اور ایک گروہ بے بس و لاچار ہو کوئی اس کا پرسان حال نہ ہو۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ جس معاشرہ کو پسند کرتے تھے اس میں ہرگز یہ بات جائز نہ تھی کہ ایک گروہ کا شکم حرام مال کھا کھا کے خوب پھولتا جائے اور دوسرا گروہ چرم و استخوان کا مجموعہ بنا رہے، ایک گروہ محنت مشقت کرے دوسرا گروہ اپنی چیرہ دستیوں سے

ان کی محنتوں کا ثمرہ چھین لے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ باوجودیکہ عالم روحانی اور مجردات کی طرف متوجہ اور پروردگار کی مناجات میں غرق رہتے مگر ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ وہ بندگان خدا کے معاملات سے غافل رہے ہوں یا ان کی معمولی سے معمولی بات انہوں نے نظرانداز کی ہو اس لئے کہ انسان کمال خلقت کا بہترین نمونہ ہے۔ دنیا اور خلائق کو ٹھیک اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے پیغمبرؐ خدا دیکھتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا

ہم نے رات کو لباس بنایا اور دن کو برائے حصول معاش پیدا کیا۔

اسی اساس و بنیاد پر علیؑ نے اپنی توجہ انسانی معاشرہ پر مرکوز رکھی اجتماعی قوانین کو زندہ کیا اور ان کی صلاح و درستی کیلئے سر گرم عمل رہے تاکہ نیکوکار و خوش بخت معاشرہ وجود میں آئے انہوں نے اپنے وعظ و پند اور اپنی نصیحت دونوں کو ان کے محل پر استعمال کیا اور ہر طبقہ کے لوگوں کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔

علیؑ کو جتنی فکر عدل و انصاف رائج کرنے کی رہتی تھی اور بات کی نہیں ان کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ عدل و انصاف کی بنیاد استوار ہو۔ حضرت کے مسند نشین خلافت ہونے کے بعد کچھ لوگ آپ کو مبارک باد دینے کیلئے حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ اپنی جوتیاں اپنے ہاتھوں سے ٹانک رہے ہیں آپ نے فرمایا:

"میری یہ پھٹی پرانی جوتیاں تمہاری حکومت سے مجھے زیادہ پیاری ہیں اگر میں حق کو قائم اور باطل کو نیست و نابود نہ کروں"۔

وہ عابد و زاہد حضرات جو آخرت کے لئے سرگرم عمل رہتے ان سے آپ کی خواہش رہتی کہ اخروی نعمات حاصل کرنے کے لئے ہر چیز سے پہلے خلائق کی خدمت کریں اور اس خدمت خلق کے وسیلہ سے بہشت کا استحقاق پیدا کریں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"آخرت کی بھلائیاں اس شخص کو نصیب ہوں گی جو خلائق کے فائدہ کے لئے کام کرے اور بہترین فائدہ کا کام یہ ہے کہ بھوکوں کو شکم سیر کیا جائے پیاسوں کو پانی پلایا جائے اور بے لباسوں کو لباس پہنایا جائے اور دوسرے لوگوں کو ان کے فرائض اور حقوق سے آگاہ کرنا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا"۔

ایک دن امیر المومنینؑ علا ابن زیاد حارثی کے گھر تشریف لائے یہ آپ کے اصحاب میں سے تھے جب آپ نے ان کے گھر کی وسعت دیکھی تو فرمایا:

"ما کنت تصنع بسعة هذه الدار فی الدنیا اما انت الیها فی الآخرة کنت احوج وهی ان شئت بلغت بها الآخرة تقری فیها الضیف و تصل فیها الرحم و تطلع منها الحقوق مطالعها فاذا انت قد بلغت بها الآخرة۔

تم دنیا میں اس گھر کی وسعت کو کیا کرو گے؟ درانحالیکہ تم آخرت میں گھر کی وسعت کے زیادہ محتاج ہو جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) ہاں اگر اس کے ساتھ تم آخرت میں بھی وسیع گھر چاہتے ہو تو اس میں مہمانوں کی مہمان نوازی عزیزوں سے اچھا برتاؤ اور موقع ومحل کے مطابق حقوق کی ادائیگی کرو اگر ایسا کیا تو اس کے ذریعہ آخرت کی کامرانیوں کو پالو گے"۔

کمیل بن زیاد سے صوم وصلوٰۃ کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اے کمیل! یہ بات اہم نہیں کہ تم نماز پڑھو روزہ رکھو اور زکوٰۃ دو اہم بات یہ ہے کہ نماز پاک وصاف دل سے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہو"۔

آخرت سے پہلے اس دنیا میں لوگوں کی زندگی کی آپ کو اتنی فکر رہتی کہ خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ روزانہ کوفہ کے بازاروں کا چکر لگاتے ہر دوکان پر کھڑے ہوتے اور فرماتے:

"اے گروہ تجار خدا سے ڈرو، خریداروں سے نزدیکی حاصل کرو حلم سے اپنے کو آراستہ کرو قسم کھانے سے باز رہو، جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو، ظلم سے کنارہ کش رہو، مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو اور پوری ناپ تول کرو، لوگوں کو ان کے سودے کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ"۔

نوف بکالی سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں مسجد کوفہ کے اندر حاضر ہوا حضرت کو سلام کیا آپ نے جواب سلام دیا میں نے عرض کیا امیر المومنینؑ مجھے نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا:

"لوگوں کے ساتھ نیکی کرو خدا تمہارے ساتھ نیکی کرے گا"۔

میں نے عرض کی کچھ اور بھی نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا:

"اے نوف! اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تم بروز قیامت میرے ساتھ رہو تو خبردار ظالموں کے مددگار نہ ہونا۔ تو انسان کی خدمت، اس کی احتیاج کا ازالہ ظلم کا خاتمہ علیؑ کی سیاست کا نقطہ مرکزی تھا، ایک مرتبہ پیغمبر خدا نے آپ کی طرف نظر کر کے فرمایا تھا۔

"اے علیؑ خدا نے تمہیں ایسی زینت سے سنوارا ہے جو اس کے نزدیک محبوب ترین زینت ہے۔ خداوند عالم نے تمہیں کمزوروں کی محبت عنایت کی تمہیں یہ پسند کہ وہ لوگ تمہارے پیرو ہوں اور وہ لوگ تمہارے امام ہونے پر راضی ومسرور"۔

امام سے پہلے

وہ شخص بے خوف نہیں رہ سکتا۔ جو خود شکم سیر ہو کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

اپنے دست و بازو کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں۔

جس نے لوگوں کا شکریہ نہیں ادا کیا اس نے خدا کا شکر نہیں ادا کیا۔

لوگ تین چیزوں کے برابر کے حقدار ہیں پانی، سبزہ آگ۔ ذخیرہ اندوز خطاکار ہے، جس نے زمین کی کسی چیز کو ہتھیایا ساتوں طبق زمین کے اس کی گردن میں طوق بنا دیے جائیں گے۔

لوگ مثل کنگھی کے دانوں کے برابر ہیں۔ جھگڑے چکانا، نماز روزہ سے بہتر ہے۔

ایک لحہ کا سوچ بچار سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے تمام خلق خدا کی عیال ہے اور ان میں خدا کو سب سے پیارا وہ ہے جو عیال خدا کے لئے دوسروں سے زیادہ نفع بخش ہو۔

دین نام ہے معاملت کا۔

بندگان خدا بھائی بھائی ہو جاؤ۔

انسان انسان کا بھائی ہے چاہے وہ پسند کرے یا ناپسند۔

(پیغمبر خدا محمد مصطفیؐ)

قبل اس کے کہ ہم یہ بیان کریں کہ امیر المومنینؑ انسانی برادری کیلئے کیا نظریات و عقائد رکھتے تھے اور انہوں نے انسانی حقوق کا کس کس طرح پاس ولحاظ کیا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان کر دیا جائے کہ خود پیغمبر اسلام نے انسانی برادری کی فلاح و بہبود کیلئے کیا کیا۔ کون سے احکام وقواعد مرتب کئے اور حقوق انسان کی کس قدر مراعات کی۔ اس لئے کہ علیؑ کا منصب بس یہی تھا کہ پیغمبرؐ کے مقرر کردہ دستور کو عملی جامہ پہنائیں اور آپ کی تمناؤں کو بروئے کار لائیں، علیؑ نے جو کچھ کیا وہ تتمہ تھا پیغمبرؐ کے کاموں کا اور آپ کا ہر اقدام وابستہ تھا پیغمبرؐ کے اقدامات سے۔

پیغمبرؐ اسلام نے لوگوں کے دنیاوی حالات اور سماجی و معاشرتی حالات پر پوری توجہ مبذول رکھی جس طرح اسلام نے انفرادی طور پر ہر شخص کے لئے دستور حیات مرتب کیا احکام مقرر کئے اسی طرح عام انسانی برادری اور سماج و معاشرہ کے لئے

بھی دستور و قوانین مقرر کئے۔ انسانی برادری اور سماج و معاشرہ کا اسلام کو اتنا زبردست پاس ولحاظ تھا کہ اس نے ہر قومی و ملی خدمت کو ایک طرح کی عبادت شمار کیا بلکہ قومی و ملی خدمت اقامت شعائر دینیہ اور مذہبی فرائض کی انجام دہی پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ ارشاد فرماتے ہیں:

صلاح ذات البین افضل من عامة الصلوٰة والصیام۔

اختلافات ونزاعات کی اصلاح عام نماز روزہ سے بہتر ہے۔

ذیل کا واقعہ اس کا بہترین ثبوت ہے کہ پیغمبر کو قوم و معاشرہ کی بھلائی کی جتنی فکر رہتی اتنی کسی چیز کی نہیں۔

ابن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے ہم لوگوں میں کچھ لوگ روزے سے تھے کچھ نہیں۔ شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ ہم لوگوں نے ایک جگہ منزل کی، سوا اپنی چادروں کے اور کوئی سایہ کا سامان نہ تھا۔ ہم میں بہت سے ایسے تھے جو اپنے ہاتھ سے چہرے پر سایہ کئے تھے جو لوگ روزے سے نہ تھے انہوں نے اُٹھ کر خیمے نصب کئے جانوروں کو پانی سے سیراب کیا پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ذهب المغطرون الیوم مالاجر کله

جو لوگ روزے سے نہ تھے انہوں نے آج کے دن کا سارا ثواب لوٹ لیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ جو فرائض و واجبات کا ایک اہم رکن ہے سفر میں ساقط ہے تاکہ اس کی وجہ سے انسان معاشی امور میں کوتاہی نہ کرے اور خلائق کی خدمت سے عاجز نہ ہو جائے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا یہ بھی ارشاد ہے:

من رای منکم منکراً فلیغیره بیده فمن لم یستطیع فبلسانه فمن لم یستطع فبقلبه وهو اضعف الایمان

جو شخص تم میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے جو ہاتھ سے نہ بدل سکے وہ زبان سے بدل دے جو زبان سے بھی بدلنے پر قادر نہ ہو وہ دل سے بدلے اور یہ کمزورترین درجہ کا ایمان ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کا ایسا واضح دستور ہے کہ اس دستور کے ذریعہ ہر قسم کی بھلائی اور فائدہ دوسروں کو پہنچایا جاسکتا ہے اور ہر خرابی اور برائی کو دور کیا جاسکتا ہے پیغمبرؐ اسلام کی بہت سی حدیثیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ جو شخص کسی طرح کا فائدہ بھی قوم و ملت کو پہنچائے وہ زاہد و عبادت گذار انسان سے افضل ہے یہ تو عام افراد کا حکم ہے جو بھی قوم و ملت کو فائدہ پہونچائے لیکن اگر یہی فائدہ پہنچانے والا اور قوم و ملت کا نفع رسان، عالم بھی ہو تو بلا شبہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں لاکھوں عابدوں سے بہتر ہوگا جس طرح چاند لاکھوں ستاروں سے بہتر ہوتا ہے ارشاد نبوی ہے:

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علیٰ سائر الکواکب

عالم کی فضیلت عابد پر اسی طرح مسلم ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر۔

پیغمبرؐ خدا نے عقل کی مدح وستائش کی ہے اس لئے کہ عقل ہی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے عوام الناس کو فائدہ پہونچانے کی راہیں نکالتی ہے خلائق کو نفع رسانی عقل کی قوت ہی کی بدولت ممکن ہے پیغمبرؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں:

تفکیر ساعة واحدة خیر من عبادة سنة۔ ایک ساعت کا سوچ بچار ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(روایات میں ہے کہ ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے)

اسلام نے انسانی معاشرہ اور سماج کی فلاح و بہبود اور اس کے اتحاد و شیرازہ بندی اور اس کے ذرائع حیات پر پوری توجہ مبذول کی روئے زمین کی نعمتوں اور عمل کی برکتوں کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی۔

خلق لکم مافی الارض جمیعاً والارض وضعھا للانام

خداوند عالم نے روئے زمین کی تمام نعمتیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں زمین خلائق کے لئے پیدا کی گئی۔

وھو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقه

خدا ہی نے زمین کو تمہارا تابع کیا تم اس کی راہوں پر چلو اور خدا کا رزق تناول کرو۔

دین اسلام نے انسان پر لازم کیا کہ دوسروں کا شکر گذار ہو، دوسروں کا شکر گذار ہو کر ہی انسان خدا کا شکر گذار ہو سکتا ہے۔

لایشکر اللہ من لا یشکر الناس۔ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا وہ خدا کا شکر گذار نہ ہوا۔

پیغمبرؐ نے منفعت بخش اور سود مند کاموں کی بڑی مدح وستائش فرمائی ہے بلکہ آپ نے مدح وستائش ہی پر اکتفانہ کی بلکہ وہ ہاتھ چومنے کے قابل قرار دیئے کثرت عمل سے جس پر ورم آجائے فرماتے ہیں: تلك ید یحبھا اللہ و رسوله

یہ وہ ہاتھ ہے جس کو خدا اور رسولؐ دوست رکھتے ہیں منفعت بخش اور فائدہ عامہ کے کاموں کو پیغمبرؐ کتنی عظمت و تقدیس کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اس کا ثبوت ذیل کی روایت سے ملتا ہے۔

پیغمبرؐ کے اصحاب نے ایک گٹھے ہوئے طاقتور جسم کے انسان کو جاتے ہوئے دیکھا انہوں نے تمنا کی کہ کاش یہ شخص اپنی یہ قوت وطاقت راہ خدا میں صرف کرتا پیغمبر خداؐ نے یہ حکیمانہ فقرہ ارشاد فرمایا:

ان کان خرج یسعیٰ علی ابوین شیخین کبیرین وھو فی سبیل اللہ وان کان خرج یسعیٰ علیٰ صبیة له صغار فھو فی سبیل اللہ والکان خرج یسعیٰ علیٰ زوجه یعفوھا عن الحرام فھو فی سبیل اللہ وان کان خرج یسعیٰ علیٰ نفسه یمنعھا السوال فھو فی سبیل اللہ

اگر یہ شخص اپنے بوڑھے ناتواں والدین کی خدمت کیلئے نکلا ہے تو یہ کام بھی خدا کی راہ میں ہے اگر اپنے چھوٹے بچوں

کے لئے کمانے نکلا ہے تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے اگر زوجہ کیلئے کمانے نکلا ہے تاکہ اسے حرام کاموں سے محفوظ رکھے تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے اگر خود اپنی ذات کے لئے کمانے نکلا ہے تاکہ بھیک مانگنے سے محفوظ رہے تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے۔

کتب احادیث اپنے دامن میں بیشمار حدیثیں پیغمبرؐ کی ایسی رکھتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل کو بہت احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اور کام کرنے والوں کی بڑی منزلت تھی آپ کی نگاہوں میں فرماتے ہیں:

ان الله یحب العبد المومن المحترف ما اکل احد کم طعاماً قط خیرا من عمل یدہ

خداوند عالم مومن اور کماؤ بندہ کو محبوب رکھتا ہے اپنے دست و بازو کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں۔

لہٰذا جب عمل کی یہ قدر و قیمت بلکہ تقدیس کا یہ درجہ اسے حاصل ہے تو کام کرنے والے کو چاہئے کہ جو کچھ کرے بڑے استحکام کے ساتھ کرے جب کوئی شخص کام کرے گا خود بھی نفع اٹھائے گا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائے گا اور اس کا وجود سوسائٹی میں مبارک سمجھا جائے گا خداوند عالم اسے محبوب اور اپنا مقرب بنائے گا۔

پیغمبرؐ ارشاد فرماتے ہیں: ان الله یحب اذا عمل احد کم عملاً ان یتقنه

خداوند عالم کو یہ بات محبوب ہے کہ جب تم میں کوئی شخص کوئی کام کرے تو ٹھیک سے کرے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ہم نے اوپر یہ بات کہی ہے کہ اسلام نے زمین کو تابع قرار دیا ہے جس کے راستے پر لوگ چلتے ہیں اس کے رزق سے کھاتے ہیں اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ زمین کی ان نعمتوں کی تقسیم میں اسلام کا طرز عمل کیا رہا؟

کیا یہ زمین کی تمام نعمتیں لوگوں کی ایک خاص جماعت کا حق ہیں دوسری جماعت کا نہیں ایک طبقہ لوگوں کا اس سے بہرہ اندوز ہونے کا حق رکھتا ہے دوسرا نہیں رکھتا۔ یا اس کی تقسیم محنت و مشقت اور ضرورت کی بنیاد پر ہونی چاہئے؟ کیا یہ زمین کی نعمتیں بادشاہوں، رئیسوں، دولتمندوں، اور غاصبوں کے پاس ذخیرہ ہو کر رہ جانے کے لئے ہیں یا اس کے سبھی حقدار اور اس کی تقسیم تمام انسانوں پر منصفانہ حیثیت سے ہونی چاہئے۔

اسلام نے انسانی برادری کو انصاف و منطق کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کے لئے حکیمانہ قوانین مقرر کئے ہیں نہ تو کسی کو محروم کیا نہ کسی کو محنت سے زیادہ دیا ہر محنت و مشقت کا صلہ ہوتا ہے اور سماج پر لازم ہے کہ اس صلہ کا پاس و لحاظ رکھے۔ اچھے سماج کی تعریف یہ نہیں کہ محنت کرنے والا تو بھوکا رہے اور کاہل و دھوکہ باز انسان جو کوئی کام نہیں کرتے انہیں کھاتے کھاتے بدہضمی ہو جائے نہ اچھے سماج کی یہ تعریف ہے کہ محنت کرنے والے کو اس کی محنت کا پھل نہ ملے اور زمین کی تمام نعمتیں بے کار و نکما شخص ہتھیا لے جیسا کہ گزشتہ زمانے کے سماجوں میں ہوتا تھا یا جیسا کہ اسلام آنے کے بعد بنی امیہ کی خواہش رہی کہ تمام خلائق کو اپنا

غلام بنالیں اور ان کی جان و مال میں جو تصرف چاہیں کریں۔ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے فضول خرچی اور بے جا زینت و آرائش کو حرام قرار دیا ہے خصوصیت کے ساتھ ایسے معاشرہ میں جس کے زیادہ تر افراد فقیر و نادار ہوں اس لئے کہ ایک طرف اگر فضول خرچی اور بے جا زیب و زینت ہوگی تو دوسری طرف لازماً فقر و فاقہ ہوگا اور محرومی و ناامیدی و نیز اس وجہ سے بھی کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ دوسرے انسان کی محنت کا پھل کھائے اور اس وجہ سے بھی کہ حد سے بڑھی ہوئی یہ فضول خرچی اور عیش و عشرت ناداروں کے سماج میں جب ہی ممکن ہے کہ ایک محنت کرے اور دوسرا اس کی محنت کا پھل کھا جائے پیغمبرؐ اسلام نے فضول خرچ اور عیش و عشرت کے دلدادہ لوگوں کے گھروں کو شیطان کے گھروں سے تعبیر کیا ہے ارشاد فرماتے ہیں:

فلا اراھا الا ھذہ الاقفاص التی تستر الناس الدیباج

شیطانوں کے گھر یہی پنجرے ہیں جنہیں لوگوں نے حریر و دیباج پہنا رکھے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا

کتنے شہر ہیں جس کے باشندے عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے گھر ویران ہو گئے کوئی رہنے والا نہیں رہا سوا مختصر سے گھروں کے۔

دوسری جگہ قرآن مجید انتہائی بلیغانہ انداز میں ایسے لوگوں کی سرزنش کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا

جب ہم کسی شہر کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس شہر کے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو حکم دیتے ہیں یعنی ان کے لئے ایسے اسباب عیش فراہم کر دیتے ہیں کہ وہ فاسق ہو جائیں اور سزاوار ہلاکت ٹھہریں پھر ہم اس شہر کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

ناداروں کے درمیان رہ کر حد سے بڑھی ہوئی فضول خرچی اور بے اندازہ عیش و عشرت جو ناداروں کی دل شکستگی کا باعث ہوتی ہے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اس تک پہنچنے والی تمام راہیں مسدود کیں حکام و ولاۃ کا ظلم و جور بھی ایک ایسا ہی راستہ تھا۔ احتکار یعنی انسانی ضروریات کی چیزیں اس غرض سے ذخیرہ کر کے رکھنا کہ گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔ مزدوروں سے کام لینا اور ان کی مزدوری نہ دینا۔ زمین کا مالک ہو جانا بغیر اس کے کہ اس کی آبادکاری کیلئے کوئی زحمت و مشقت اٹھائی جائے دوسروں کے مال کو ہتھیا لینا نیز اور اسی قسم کی تمام ظلم و زیادتی کو پیغمبرؐ اسلام نے سختی سے منع کیا اور حرام قرار دیا۔ احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا: من احتکر فھو خاطی ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔ زمین غصب کر لینے کے متعلق ہولناک دھمکی عذاب کی دی کہ: من ظلم الارض شیئاً طوقہ من سبع ارضین

جوشخص دوسرے کی زمین غصب کرے خداوندعالم زمین کے ساتوں طبق اس کی گردن کا طوق بنادے گا۔نیز فرمایا:

من اقطع مال امری مسلم بغیر لقی اللہ عزوجل وھو علیہ غضبان

جوشخص دوسرے کے مال کوغصب کرے وہ بروز قیامت خداسے اس طرح ملاقات کرے گا کہ خداوندعالم اس پرغضبناک ہوگا۔

سودخوری کی تمام قسموں کو اسلام نے حرام قرار دیا سودخوری کے متعلق قرآن کہتا ہے :لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اے ایمان لانے والوسوددرسودنہ کھاتے چلے جاؤ۔دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا خداوندعالم نے خریدوفروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سودخوری کوحرام سودکھانے والوں کو بہت ہولناک تہدیداورعذاب کی دھمکیاں دی گئی ہیں کیونکہ یہ ایک طرح کی بیگاراوردوسروں کواپنا غلام بنانا ہے[1]۔

انصاف کے معنی یہ ہیں کہ انسان کوبس اتنا ہی ملے جتنی وہ محنت کرے اگرلوگ دوسروں کا مال نہ ہتھیائیں انسانی ضروریات

---

[1] ربااوربیع میں اس لحاظ سے بہت بڑافرق ہے کہ سوداگراورتجارت پیشہ افرادانسانی ضروریات کی چیزیں جہاں جہاں سے وہ فراہم ہوسکتی ہیں اپنے وسائل سے کام لیکر سستے داموں پرخریدتے ہیں۔ہرشخص کونہ تویہ پتہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں کہاں سے دستیاب ہوں گی اورنہ منگانے ہی کی کوئی سبیل ہوتی ہے تجارت پیشہ افرادچیزوں کوخریدکر اپنے مقام پرلاتے اورخریداروں کے۔۔۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت تھوڑانفع حاصل ہوتا ہے کبھی نقصان بھی اٹھاناپڑتا ہے لیکن سودخواروں کونہ توکوئی زحمت کرنی پڑتی ہے نہ مشقت جھیلنے کی نوبت آتی ہے نہ وہ کم نفع پرقناعت کرتے ہیں نہ انہیں کبھی نقصان ہی اٹھاناپڑتا ہے اس بناپران میں تجارت پیشہ افرادمیں بہت بڑافرق ہے جن لوگوں نے قرآن شریف کاغائرمطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام نہ تومردودوملعون سرمایہ داری کاحامی ہے نہ اشتراکیت کے غیرفطری نظام کی تائیدکرتا ہے۔وہ انفرادی ملکیت کوتسلیم کرتا ہے تاکہ ہرشخص اپنے خداداد قوتوں اورصلاحیتوں سے بیش ازبیش کام لے چونکہ معاشی زندگی کی اصلاح کیلئے قانونی جکڑبندی کافی نہیں اس لئے اسلام نے اخلاقی تربیت کے ذریعہ سے بھی اس مقصدکوحاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔دنیاوی حکومتوں کے مادی نظام اوراسلام میں یہی ایک وجہ امتیاز ہے۔

اشتراکی نظام ہماری پوری معاشی زندگی کوضابطے اورقانون کی بندش میں جکڑدیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک مشین بن کررہ جاتے ہیں اورہمارے ارادے اور مرضی کاجب کوئی مصرف نہیں ہوتا تووہ آہستہ آہستہ معطل اوربے کارہونے لگتے ہیں، ہمدردی،غرباپروری اورصلہ رحمی کے مواقع جب دستیاب نہ ہوں گے توفرداورجماعت ان شریفانہ جذبوں سے محروم ہوجائے گی۔یہ صحیح ہے کہ اشتراکی نظام ایک ایسی سماج کی بنیادرکھ رہا ہے جس میں کوئی فرددوسرے کے معاشی امدادکامحتاج نہ ہوگا بلکہ یہ فرض اجتماعی ادارے انجام دیں گے۔مگرجب ہمدردی اورمواسات کاسرچشمہ افرادکے دلوں میں خشک ہوجائے گا توامدادکے اجتماعی اداروں کوایسے آدمی کہاں سے ملیں گے جو ان شریفانہ جذبات سے پرہوں اورمصیبت زدہ افرادکادل سوزی سے مداواکرسکیں۔شخصی اعانت اخلاقی احساس کی بیداری کاپیمانہ ہے۔اجتماعی امدادکے ادارے محض مشین ہوں گے جوقائم شدہ طریق عمل بارائے عامہ کے دباؤسے کام کرتے رہیں گے۔اسلام چونکہ نفسیات انسان پرپوری نظررکھتا ہے اس لئے اس نے چندشعبوں کوتو ضابطے اورقانون کے حوالے کیا ہے۔اوربقیہ شعبوں میں انسان کے اخلاقی احساس کوعمل کی آزادی دے دی ہے اوراس طرح اس کے نشوونماکاموقع بہم پہونچایا ہے، دوسرے امورکی طرح معاشی امورمیں بھی انسان کے آزاداورخودمختارارادے کے لئے ایک وسیع میدان چھوڑدیا گیا ہے جہاں قانون اورحکومت کے دباؤ کاگذرنہیں یا جہاں بنی آدم کی اخلاقی جرأتوں کاامتحان ہوتا ہے۔جوشخص قانون کی روسے اس بات پرمجبورہوکہ اپنی گاڑھی کمائی ایک ادارے کے سپردکردے اوراس میں سے اتنا ہی لے جتنااس کی ضرورت کے لئے کافی ہوتویہ کیونکراندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس آدمی کااخلاقی معیارکیا ہے۔ہاں حکومت کادباؤاورقانون کی گرفت کاخوف نہ ہوتوانسانی عمل سے اس کی اخلاقی نشوونماکاپتہ چل سکتا ہے اسلام حاکمانہ داروگیراورقانونی دباؤکودرمیان لائے بغیرانسان کے اخلاق کواتنامضبوط دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دستگیری اوراعانت کرسکے۔پوراقرآن،راہ خدامیں خرچ کرنے کے احکام سے بھراپڑا ہے۔اس سے جہاں انسان کی اخلاقی فضیلت کااظہارہوتا ہے وہاں دولت کے گردش کرتے رہنے کابھی موقع دستیاب ہوتا ہے جس سماج میں دولت چلتی پھرتی رہے وہ وہاں سرمایہ داری وجودمیں نہیں آسکتی"(فلسفۂ آل محمدمولاناابن حسن جارچوی)

کی چیزیں زیادہ دام پر فروخت کرنے کی نیت سے ذخیرہ نہ کریں تو ایک شخص کے پاس دولت کا انبار جمع نہیں ہوسکتا۔

اگر انسان اور اس کی محنت سوسائٹی میں کوئی اہمیت رکھتی ہوتی تو کبھی بیگاری اور چاکری رواج نہ پاتی اسلام میں انسان کی قدر و قیمت مال و دولت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس سے بالاتر ہے برخلاف ناکارہ و فاسق معاشرہ کے جن میں انسان کی قیمت اس کے مال و دولت کے لحاظ سے لگائی جاتی تھی۔

سب سے بڑا گناہ سوسائٹی کا یہ ہے کہ ارباب حکومت اور ذخیرہ اندوز افراد دونوں عوام کو لوٹنے پر ایکا کرلیں اور ناجائز طریقے سے ان کی محنت کا پھل کھا جائیں۔ قرآن میں ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ مال کو رشوت میں حکام کے یہاں جھونک دو تاکہ لوگوں کے مال میں کچھ ہاتھ لگے ناحق خورد و برد کر جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

اور پیغمبر محمد ارشاد فرماتے ہیں:

وما اکل احد کم طعاماً قط خیراً من عمل یدہ

اپنے دست و بازو کی کمائی سے بہتر کوئی غذا نہیں۔

سورہ زلزال میں ہے: وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی اس کا انجام دیکھے گا۔ اور ارشاد ہوتا ہے: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ۔ ہر شخص اپنے اعمال کا اسیر ہے۔

زر و مال اگرچہ لوگوں کی ذاتی ملکیت ہوتا ہے اور اسلام نے ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے اس سے انکار نہیں کیا لیکن اسلامی قوانین کچھ اس طرح مرتب کئے گئے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بے حساب دولت کسی خاص جماعت کے پاس ذخیرہ اور انہیں میں منحصر ہو کر رہ جائے تاکہ وہ تمام منافع کو اپنے لئے مخصوص کرلیں دوسروں کو ذلیل کریں ان سے بیگاری لیں مال کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ: لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان کھلونا بن کر نہ رہ جائے۔

تو قرآن و حدیث کی رو سے مال سب سے پہلے جماعت کا ہے اور جماعت کے افراد اس مال سے اپنی ضرورت اور محنت کے لحاظ ہی سے لے سکتے ہیں اسی وجہ سے اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا کہ کوئی شخص دوسروں کا مال زبردستی ہتھیائے۔ جس طرح یہ ناجائز قرار دیا گیا کہ کوئی شخص اپنی ضرورت سے فاضل مال ذخیرہ کرکے رکھے پیغمبرؐ کی مالی سیاست کی یہی بنیاد تھی

اور پیغمبرؐ نے اپنے قول وعمل سے ایسے نمونے پیش کئے جن کی پیروی ضروری ولازم ہے۔

پیغمبرؐ کے ایک محبوب صحابی تھے رفاعہ بن زید، کسی غزوہ میں تیر سے شہید ہوئے لوگوں نے آ کر پیغمبرؐ کو تعزیت پیش کی اسی سلسلہ میں کہا، رفاعہ کا بھلا ہو یا رسولؐ اللہ وہ شہید مرے" مطلب یہ تھا کہ پیغمبرؐ کی تسلی ہو اور آپ کا حزن واندوہ کم ہو مگر آنحضرتؐ کا حزن واندوہ کم ہوا نہ رفاعہ کے انجام بعد الموت سے مطمئن تھے۔ آپ نے فرمایا:

"ہرگز نہیں، وہ شملہ جو انہوں نے خیبر کے مال غنیمت سے لے لیا تھا وہ آگ کی طرح مشتعل ہے"۔

رفاعہ جہاد کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے لیکن باوجود اس کے پیغمبرؐ نے انہیں گنہ گار قرار دیا کیونکہ انہوں نے جماعت کے مال سے ایک معمولی سی چیز لے لی تھی انہیں چاہئے تھا کہ اپنی مرضی سے وہ شملہ نہ لیتے بلکہ تقسیم کا انتظار کرتے۔

غاصبوں اور ذخیرہ اندوزوں کے ساتھ اسلام نے جو رویہ اور طرز عمل اختیار کیا اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلام نے زندگی کو بڑی اہمیت دی ہے زندہ انسان ہی اس کائنات کی روح ہے اور خداوند عالم نے تمام چیزیں اسی کے لئے پیدا کی ہیں لہٰذا اس کو زندگی اور زندگی بسر کرنے کے وسائل سے کیونکر محروم کیا جاسکتا ہے اور کیونکر ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنی قوت و طاقت کے بل پر دوسروں کو وسائل زندگی حاصل کرنے سے روک دیں یا ان کی کمائی خود ہڑپ کر جائیں۔

پیغمبرؐ اسلام کی نظروں میں مال ہوتا ہی اس لئے ہے کہ خلائق کو آسائش سے زندگی کے وسائل میسر ہوں جس طرح تمام انسان آفتاب کی روشنی اور ہوا پر برابر کا حق رکھتے ہیں اور دونوں چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح ساری ضروریات زندگی جو آفتاب کی روشنی اور ہوا کی پیداوار ہیں ان میں بھی انسان کا سب کے برابر حق ہے اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ اسے اس فطری حق سے محروم رکھے۔

پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد ہے کہ لوگ تین چیزوں میں برابر کے حقدار ہیں پانی، سبزہ، آگ ہر شخص خواہ وہ کسی قوم وقبیلہ کا ہو یا جس مذہب کا بھی پابند ہو وہ حق رکھتا ہے کہ اپنی محنت کا پھل کھائے، انسانی برادری کے ہر ہر فرد کا فریضہ ہے کہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور اپنے معاملات وحالات کی اصلاح ودرستی کی کوشش کریں۔

انسانی برادری کا فریضہ ہے کہ وہ افراد کے حق کو پہچانے اور ان کو وسائل زندگی میں حاصل کرنے کی آزادی دے کہ جیسی ان میں صلاحیت ہو جتنی محنت کر سکیں اس کے لحاظ سے کام کریں اور اپنے عمل کا ثمرہ خود حاصل کریں۔ سماج کے افراد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کی مدد کریں اور اپنی آزادی کو دوسروں کے لئے رکاوٹ نہ بنائیں۔ نہ تو برادری کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے افراد پر ظلم کرے نہ افراد کے لئے جائز ہے کہ برادری کو نقصان پہنچائیں۔ جس طرح افراد اپنی بھلائی ملحوظ رکھتے ہیں

اسی طرح ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کی بھلائی کا بھی لحاظ رکھیں پیغمبرؐ خدا کا ارشاد ہے: کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ تم میں سے ہر شخص نگراں ب ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہوگا۔کسی کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کو نقصان پہونچائے پیغمبر خداؐ نے اس کو بڑی اچھی مثال دے کر سمجھایا ہے:

چند لوگ ایک کشتی پر بیٹھے اور ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ حاصل کر لی ان میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے تیشہ لیکر جس جگہ بیٹھا تھا وہاں سوراخ کرنا شروع کیا لوگوں نے اس سے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو اس نے جواب دیا یہ میری جگہ ہے میں آزاد ہوں جو چاہوں کروں کشتی والوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور خود بھی ڈوبنے سے بچے اور اس کو بھی بچایا اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ بھی ڈوبتا اور یہ لوگ بھی ڈوب جاتے۔

ہر شخص پر واجب و لازم ہے کہ برائی کو چاہے وہ جس صورت میں ہو دور کرے اور سماج اور برادری کی سلامتی کے لئے کوشاں ہو جیسا کہ ارشاد پیغمبر ہے: من رای منکم منکرا الخ جو شخص کوئی برائی ہوتے دیکھے اسے روک دے۔

پیغمبرؐ اسلام نے اٹھتے بیٹھتے امت والوں پر یہ بات واضح کی کہ اخلاق حسنہ عملی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں صرف زبانی پند و نصائح سے نہیں۔لوگوں کے ساتھ عملی طور پر شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہئے زبانی جمع خرچ نہیں پیغمبر لوگوں سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے۔بلکہ چھوٹوں بڑوں میں گھل مل کر رہتے دلجمعی سے ان کی باتیں سنتے میل جول رکھتے ان کی خدمت کرتے جیسا کہ عظیم انسانوں کا طریقہ ہے۔

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ پیغمبر خداؐ کے ہمراہ بازار گئے کسی دوکاندار سے آنحضرتؐ نے ضرورت کی بعض چیزیں خریدیں اور دوکاندار کو نصیحت کی کہ تجارت میں ہمیشہ جائز نفع لینا مال ذخیرہ نہ کرنا ناجائز طریقہ سے نہ کمانا اور نہ یہ خیال کرنا کہ تمہیں کو عیش و آرام کا حق ہے دوسرے کو نہیں۔دوکاندار کو پتہ نہ تھا کہ پیغمبر اسلامؐ ہمکلام ہیں ابوہریرہ نے اسے آگاہ کیا۔دوکاندار بے چین ہو گیا چاہا کہ پیغمبرؐ کے ہاتھوں کو بوسہ دے پیغمبرؐ نے سختی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور دوکاندار سے فرمایا:

"ایسا نہ کرو ایسا عجم والے اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے تھے ہاتھ چومنے کا مطلب غیر خدا کے آگے ذلیل ہونا ہے"۔

ابوہریرہ نے چاہا کہ پیغمبرؐ کا سامان اٹھا کر چلیں پیغمبرؐ نے روک دیا اور تبسم فرماتے ہوئے کہا:

"رہنے دو چیز کا مالک دوسروں کی بہ نسبت اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے"۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

ملوک و سلاطین سے پیغمبرؐ ہمیشہ بدگمان رہے بلکہ ان کو سوسائٹی میں کوئی درجہ دیا ہی نہیں کیونکہ یہ خود خراب ہیں

اور دوسروں کو بھی خراب کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً
سلاطین جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت داروں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔

پیغمبرؐ کو سب سے زیادہ تردد ان ملوک و سلاطین کے تکبر و بڑائی کا رہتا پھر وہ جاہ و جلال اور شان و شوکت کے خصوصی انداز جو سلاطین اپنے لئے رکھتے تھے اس لئے کہ پیغمبرؐ لوگوں کی زندگی کو اسی تقدیس کی نظر سے دیکھتے جس طرح ہر حقیقت کو دیکھا کئے قول و عمل میں سادگی اور فطری انداز آپ کے نزدیک شریفانہ زندگی کے رکن اساسی تھے اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کو دیکھ کر صحابہ از راہ تعظیم کھڑے ہو جاتے آپ انہیں منع کرتے ہوئے فرماتے:

"میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرو جس طرح عجم والے اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں"۔

منجملہ ان واقعات کے جن سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو شان و شوکت اور رعب و داب پسند خاطر نہ تھا، یہ ہے کہ جب ابراہیم فرزند پیغمبرؐ کی رحلت ہوئی تو اس روز سورج کو اتفاقاً گہن لگ گیا لوگوں نے کہا کہ فرزند پیغمبرؐ کے غم میں آسمان بھی سوگوار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے جب یہ فقرہ سنا تو لوگوں کو جمع کر کے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"چاند سورج خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت پر انہیں گہن نہیں لگتا"

پیغمبرؐ کی تعلیم تھی کہ زندگی جہاں تک ہو سکے سادگی کے ساتھ بسر کی جائے نہ اس میں کوئی پیچیدگی ہو نہ تکلف زندگی بسر کرنے کا یہی اسلوب اسلام کی بنیاد ہے اسلامی مسائل کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارے مسائل ایک اصل سے پیدا ہوئے ہیں وہ اصل بہت عمیق اور تمام مسائل کو شامل اور وہ اصل سادگی ہے جس میں نہ دھوکا فریب ہو نہ آمیزش یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے زندگی کے ساتھ سچائی۔

خالد محمد خالد نے بڑی عمدگی سے اس اسلوب کا خلاصہ بیان کیا ہے:

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک مرتبہ لا علمی میں ایک اعرابی کو کوڑا مار دیا۔ آپ نے اصرار کیا کہ وہ اعرابی بھی اسی طرح آپ کو کوڑا مارے۔ آپ نے کھڑے ہو کر اپنے اصحاب سے فرمایا: "میں نے جس کسی کی پشت پر کوڑا مارا ہو وہ مجھ سے قصاص لے لے جس کسی کا مال لیا ہو وہ میرے مال سے اس کا بدلہ حاصل کرے"۔

پیغمبرؐ نے کبھی کسی کو اذیت نہیں پہنچائی تھی لیکن یہ زندگی کے ساتھ سچائی تھی جسے پیغمبرؐ بہترین صورت میں مرتب کر رہے تھے۔

آپ کی زندگی جس طرح ریاکاری اور کمزوری سے پاک تھی، اسی طرح غرور و تکبر سے بھی کبھی آلودہ نہ ہوئی۔ آنحضرت تیز دوڑنے میں کا مقابلہ کرتے اپنے ہاتھ سے نعلین ٹانک لیتے کپڑوں میں پیوند لگاتے بکری کا دودھ خود دوہ لیتے اپنے گھر

والوں کی خدمت کرتے اصحاب کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھتے۔ جب اصحاب کے ہمراہ کہیں جا رہے ہوتے تو اصحاب سے کہتے کہ میرے آگے چلو اور جب ان کے پاس آتے اور وہ بیٹھے ہوتے تو آپ آخر میں بیٹھ جاتے اور جب اصحاب آپ کی تعظیم وتکریم کرنا چاہتے تو آپ ان سے فرماتے:

''تم پر تفوق وامتیاز مجھے پسند نہیں'' (کتاب محمد والمسیح صفحہ ۱۶۲۔۱۶۳)

یہ تھی سچائی زندگی کے ساتھ۔ اس فصل میں ہم نے پیغمبرؐ سے متعلق جتنی روایتیں نقل کی ہیں سب سے اس کی تصدیق ہوتی ہے رہ گئے حکام ان کے ذمہ اتنے فرائض اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انہیں سوسائٹی کا خادم بننا پڑتا ہے نہ کہ ظالم ومتمرد سردار یا چور ڈاکو۔

پیغمبر ﷺ کے حالات میں ملتا ہے کہ ایک جگہ کے لوگوں نے پیغمبر ﷺ سے کسی حاکم کی شکایت کی کہ اس نے تحفے ہدایا قبول کئے ہیں آنحضرت ﷺ نے تحقیقات کی تو یہ پتہ چلا کہ واقعہ صحیح ہے آنحضرت ﷺ بہت غضبناک ہوئے اور والی کو بلا کر پوچھا: ''جو چیز تمہارا حق نہ تھی تم نے کیسے لے لی؟''

والی نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ وہ ہدیے اور تحائف تھے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم گھر میں بیٹھے رہتے اور ہم تمہیں والی نہ مقرر کرتے تو کیا اس وقت بھی تمہیں لوگ تحفے تحائف دیتے؟

آپ نے والی کو تاکید کی کہ وہ تحفہ مسلمانوں کے بیت المال کو پہنچا دو اور اسی وقت آپ نے اسے معزول بھی کر دیا۔

اس طرح پیغمبرؐ نے لوگوں کو بتایا کہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے رشوت نہ دیں اور حاکم کو بتایا کہ لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے، وہ ان کا اس لئے حاکم مقرر کیا گیا ہے کہ ان کے لئے بمنزلہ باپ کے ہو نہ اس لئے کہ چور ڈاکو ہو جائے۔

جب حاکم کے تحفے تحائف قبول کرنے پر آنحضرت ﷺ کی برہمی کا یہ عالم تھا تو زر ومال لوٹنے دولت کو خزانوں میں بند رکھنے حقوق تلف کرنے اور عامۃ الناس کو ستانے پر آنحضرت ﷺ کی برہمی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں حاکم لوگوں کے انتخاب [۱] واختیار سے مقرر ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی مرضی کے مطابق حکومت کرتا ہے ہر وقت اس کے پیش نظر لوگوں ہی کی فلاح وبہبود ہوتی ہے اسلام نے حاکموں کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ رعیت سے رائے مشورے لیں اور جن مشکل مسائل کا پسندیدہ حل سمجھ میں نہ آئے ان میں رعیت سے صلاح لیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

---

[۱] حکومت یعنی کسی ضلع صوبہ کی حکومت نہ کہ خلافت امامت وہ تو خدائی منصب ہے اور خدا ہی جسے چاہتا ہے مقرر کرتا ہے۔

امرھم شوری بینھم۔ اوران کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں۔

خلیفہ کو حق نہیں کہ عوام کی مرضی کے بغیران کے مال میں تصرف کرے نہ اسے یہ حق ہے کہ اپنی طرف سے کوئی قانون بنائے بلکہ قوانین وہی ہیں جو اسلام نے مرتب کئے ہیں اس کا حق بس اتنا ہی ہے کہ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے، حکام کے لئے جائز نہیں کہ مظلوم وستم دیدہ افراد کی طرف سے بے توجہی کرے اوران کے حقوق کو ظالم کے دسترس سے بچائے۔حاکم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس انتظار میں رہے کہ مظلوم اس کے پاس شکایت لے کر آئے بلکہ خود اُسے چاہئے کہ مظلوم کی مدد کو پہونچے اوراس کی دادرسی کرے ہوسکتا ہے کہ مظلوم فریاد وشکایت کی ہمت اپنے میں نہ پاتا ہو یا اسے راہ نہ ملتی ہو شکایت کرنے کی۔اسلام نے ایسے مظلوم کی جس پر ظلم وزیادتی ہو مگر وہ ظلم کی فریاد نہ کرے خاموش بیٹھ جائے ہر قسم کی ذلتیں سہے مگر اُف نہ کرے سخت ملامت کی ہے اور کہا ہے یہ شخص خود اپنا ظالم ہے۔اسلام نے اپنے حق اپنی جان و مال اپنی عزت وآبرو کی حفاظت ومدافعت کی ستائش کی ہے چنانچہ ارشاد پیغمبرؐ ہے:

من قتیل دون مظلمته فھو شھید۔ جو شخص ظلم وزیادتی کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دیدے وہ شہید ہے۔

نیز ارشاد نبوی ہے:

''اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اوراس کا ہاتھ نہ پکڑلیں تو قریب ہے کہ ان سب پر خدا کا عذاب نازل ہو''

اسلام نے تمام افراد انسان کو ایک دوسرے کا بھائی شمار کیا مذہبی جنبہ داری سے بھی جنگ کی ہے ارشاد ہوتا ہے لا اکراہ فی الدین دین میں زبردستی نہیں۔اور خاندانی وقبائلی عصبیت سے تو سخت وشدید جنگ کی ہے ارشاد پیغمبرؐ ہے:

الانسان اخوا الانسان احب ام اکرہ۔ انسان انسان کا بھائی ہے یہ بات اسے پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی خشکی وتری میں انہیں سواریاں مہیا کیں پاک وپاکیزہ غذائیں کھانے کو دیں اور بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت دی۔

پیغمبرؐ جب خطاب فرماتے تو آپ کا خطاب عرب والوں کی طرف بھی ہوتا عجم والوں کی طرف بھی گورے کالے زرد سیاہ سب ہی آپ کے مخاطب ہوتے آپ ان کو ایک دوسرے کا ہمدرد وغم گسار بھائی سمجھ کر مخاطب کرتے جو انسانیت کے رشتے میں باہم منسلک ہوتے قومیت یا جنسیت کے فرق کی وجہ سے باہم ان میں کوئی فرق نہ ہوتا۔اوراگر ان میں فرق ہوتا بھی تو اعمال

خیر کے لحاظ سے فرق ہو تا رنگ و نسل کی جہت سے نہیں۔ارشاد فرماتے ہیں پیغمبرؐ:

یاایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد لیس لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لاحمر علیٰ ابیض ولا لابیض علیٰ احمر فضل الا باالتقویٰ فلیبلغ الشاھد منکم الغائب

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارے باپ آدم بھی ایک ہیں کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر یا لال کو سپید پر یا سپید کو لال پر کوئی فضیلت نہیں اگر ہے بھی تو تقویٰ کی وجہ سے تم میں سے ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ پہونچا دے۔

یہ تھا اسلام کا دستور و قانون بنی نوع بشر اور ان کے معاشرہ کے لئے جیسا کہ قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے بھی۔

دو وقتوں میں مسلمان بادشاہوں نے اس دستور پر عمل کیا اور دو وقتوں میں شدید مخالفت کی جن دو وقتوں میں اس دستور پر عمل کیا گیا وہ عہد پیغمبرؐ اور عہد ابی بکر و عمر ہے۔اور ان کے بعد علیؑ ابن ابی طالبؑ کے عہد میں اس دستور پر عمل ہوا اور جن دو وقتوں میں اس دستور کی شدید مخالفت ہوئی وہ عثمان اور عہد بنی امیہ و بنی عباس ہے۔بنی امیہ جو حضرت عثمان کے عزیز و رشتہ دار تھے انہوں نے حضرت عثمان کی نرمی و تساہلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیت المال پر ہاتھ صاف کیا اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد بنی امیہ و بنی عباس دونوں نے اس دستور کی دھجیاں اڑائیں۔اگر کبھی انصاف پرور خلفاء اور مسلمان بادشاہوں نے اصلاح کی کوشش بھی کی تو زمانے نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچا سکتے۔حضرت عثمان کے عہد کے حالات ہم آئندہ فصلوں میں بیان کریں گے اور دکھائیں گے کہ کس طرح ان کے زمانہ میں حکومت کے انداز بدل گئے اور پہلی حکومت میں اور اس حکومت میں کوئی بھی مماثلت باقی نہ رہی۔بنی امیہ زمین، زر، اور عوام پر مسلط ہو گئے۔عوام الناس کے رزق کو اپنے قبضہ میں سمیٹ لیا۔حضرت عثمان نے رشتہ داری کا اتنا پاس و لحاظ کیا کہ انہیں مکمل چھوٹ دے دی کہ سیاہ و سپید جو چاہیں کریں اور خلافت کی اصلی شکل بدل کر خالص اموی بادشاہت بنا ڈالیں۔

کئی برس تک یہ اندھیرا رہا یہاں تک کہ حضرت علیؑ تخت نشین خلافت ہوئے۔علیؑ تک یہ خلافت کس کس طرح پہونچی اور ان کی حکومت کا انجام کیا ہوا؟ اس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

حاکم عوام ہی کی ایک فرد ہے

رائے مشورے کے بغیر کوئی کام درست نہیں میں تم ہی میں کا ایک شخص ہوں مجھے بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو تمہیں حاصل ہیں اور میرے سر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو تمہارے سر۔

رعایا کے دل راعی کا خزانہ ہیں، عدل و انصاف یا ظلم وستم جو اپنے خزانہ میں رکھے گا وہی پائے گا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خلافت صحابی ہونے کی وجہ سے یا پیغمبر کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے:[1] (الامام علیؑ)

قبل اس کے خلافت علی ابن ابی طالبؑ تک پہونچے قریب تھا کہ اموی حکومت و بادشاہت میں بدل جائے، یا بالکل بدل ہی ہو چکی تھی۔ اس زمانے کے حکام و ارباب حل وعقد اور صاحبان رائے و مشورہ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ خلافت ہمارا خصوصی حق ہے اور ہم اس کے لائق و سزاوار ہیں کیونکہ ہم عالی خاندان بھی ہیں اور والا نسب بھی۔ وہ اپنے اقتدار کو مضبوط اور اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کی خاطر قبائلی عصبیت جماعت بندی، رشوت ستانی، غرض ہر ناجائز سے کام کو جائز سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ حاکم رعایا کی جان و مال عزت و آبرو کا مالک مختار ہے۔ جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے کسی کو مجال دم زدن نہیں غریب عوام ان کی نظروں میں چوپائے تھے ان پر جتنا بھی بوجھ لاد دیا جائے اور ان کی پشتوں کو کوڑوں سے جتنا بھی لہولہان کیا جائے۔

حضرت عثمان کے عہد میں قسمت نے ان والیوں کو من مانی کرنے کے مواقع بھی بہم پہونچا دیئے۔ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا کر ان والیوں نے اسلامی حکومت کے گوشہ گوشہ میں اموی حکومت کو مضبوط بنانے کی تدبیریں کیں قبائل عرب کے شیوخ و اکابر کو بے انتہا مال و دولت اور رشوت دے کر اپنا طرف دار کرلیا۔ برسر اقتدار افراد کو کامل آزادی دے دی کہ عوام پر جتنا ظلم کر سکیں، کریں ان کی جان و مال سے جس طرح سے چاہیں کھیلیں اور جتنا خون چاہیں عوام کا بہائیں۔

فوجیوں کو بے انتہا مال و دولت دے کر یا عہدہ و مناسب کی لالچ میں مبتلا کر کے اس طرح انہیں خرید لیا کہ وہ ان کے مخالف ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ جس نے ان کا ساتھ دیا ان کی طرفداری کی انہیں اپنا مقرب بارگاہ بنایا) اور جس نے ان کی

---

[1] مولف کتاب نے اس فصل میں امیر المومنینؑ کی طرف اس فقرہ کو منسوب کیا ہے کہ خلافت کا معیار نہ صحبت پیغمبر ہے، نہ آنحضرت ﷺ سے قرابت داری۔ ہم شیعوں کا اعتقاد یہ ہے کہ خلافت امیر المومنینؑ میں منحصر تھی کیونکہ خداوند عالم نے بھی قرآن میں اس کی صراحت فرمادی تھی اور پیغمبر ﷺ نے بھی اپنی زندگی میں ہر محل و ہر موقع پر اس کا اعلان فرمایا ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ خلافت کا معیار نہ تو صحبت پیغمبرؐ ہے۔ نہ پیغمبرؐ کی رشتہ داری نہ عوام الناس کا انتخاب بلکہ جس طرح خداوند عالم نے نبی کا تقرر اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی طرح امام بھی اسی نے مقرر کیا ہے۔

طرفداری سے گریز کیا وہ راندۂ درگاہ قرار دیا گیا۔

غرض کہ ان نئے اصولوں پر حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ بنیاد رکھنے والے بنی امیہ تھے جن کے دل میں حقیقتاً اسلام کا گزر نہ ہوا تھا وہ محض جان کے خوف سے مسلمان ہوئے تھے اور مال و دولت کی لالچ میں اسلام پر اب تک باقی تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی وہ ٹھیک ویسے ہی رہے جیسے اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں رہا کرتے۔ بزرگان اسلام پیغمبر کے جلیل القدر اصحاب جو ارباب حل وعقد تھے وہ دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکے گئے انہیں ذلیل وخوار کیا گیا۔[۱]

وہ کسی شمار وقطار میں نہیں رکھے گئے۔ ہاں ایسے صحابیوں کو ضرور سر پر چڑھایا جنہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی تباہی اور بنی امیہ کی حکومت مضبوط بنانے میں ان لوگوں کی مساعدت ومعاونت کی ان لوگوں نے عوام کو امویوں کا مطیع وفرمانبردار بنانے کے لئے مسلمانوں کے بیت المال کی کنجی اور حکومت کی تلوار ان امویوں کے حوالے کر دی۔ عوام الناس بھی دو گروہوں میں بٹ گئے تھے ایک جماعت ایماندار معاشرہ کے خیر خواہ اور حق کے طرفداروں کی تھی جن کی واحد تمنا یہ تھی کہ عدل گستر حاکم ہمیں نصیب ہو چاہے وہ ہمیں زر ومال سے مالا مال نہ کرے بیت المال کو ہم پر لٹائے نہیں، دوسرا گروہ حق سے برگشتہ افراد کا

۱۔ حضرت عثمان کی انتہائی کوشش اور دلی تمنا تھی کہ تمام اسلامی شہروں میں بنی امیہ کی قاہر وجابر حکومت کی بنیادیں مستحکم ہو جائیں انھوں نے اس کے لئے کوئی دقیقہ نہیں رکھا۔ ابوسفیان جب حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے دوسرے یا تیسرے دن خلافت کی مبارک باد دینے آیا تھا اور اس نے فرط مسرت کی بنا پر حضرت عثمان کی مشہور خاندان پرستی کی وجہ سے دل کی بات زبان سے کہہ دی تھی کہ اس خلافت سے مثل گیند کے کھیلو اور اس کے ارکان بنی امیہ کو بناؤ اس وقت حضرت عثمان نے ابوسفیان کو جھڑک دیا تھا اسی دن سے انہوں نے ابوسفیان کے مشورہ کو اپنا نصب العین بنا لیا اور ہر بڑے شہر کی گورنری وحکومت بنی امیہ کے نوخیز اکھڑ لڑکوں ہی کو دی اور انہیں جوانوں کو حاکم بنایا جنہیں کچھ نہ آتا تھا نہ تجربہ تھا نہ تعلیم وتہذیب سے آراستہ تھے انہیں مسلط کر کے فتنہ وفساد کے دروازے پاٹوں پاٹ کھول دیئے اور امت اسلامیہ کی تباہی وبربادی کے ساتھ اپنی ہلاکت کا سامان خود فراہم کیا اور غریب مسلمانوں کے ساتھ حضرت عثمان کو بھی لے ڈوبے علامہ ابوعمرو صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کی خدمت میں جب صرف بنی امیہ کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے شبل بن خالد آیا اس نے کہا اے قریش والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا تمہارے اندر کوئی کمسن بچہ بھی باقی نہیں رہا جس کی عزت افزائی تم کر سکو یا کوئی محتاج ونادار نہیں جس کی دولت مندی تمہیں مقصود یا کوئی گمنام نہیں جس کے نام کو اونچا کر سکو یہ کس وجہ سے تم نے ابوموسیٰ اشعری کو عراق کا حاکم بنا رکھا ہے۔ عراق اس کو جاگیر میں دے دیا ہے جسے وہ خوب اچھی طرح کھا رہا ہے حضرت عثمان نے پوچھا تو پھر ان کی جگہ کسے حاکم بنایا جائے۔

لوگوں نے مشورہ دیا کہ عبداللہ بن عامر حضرت عثمان کا پھوپھی زاد خالہ زاد بھائی موجود ہے حضرت عثمان نے ابوموسیٰ کو معزول کر کے اسی کو حاکم بنا دیا۔ درآں حالیکہ اس کی عمر سولہ ۱۶ سال کی تھی۔ بنی امیہ کے نوخیز لڑکے نہ تو اس کی پروا کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں نہ اس کی پروا کرتے کہ ہم کیا کہہ رہے اور اگر کوئی شکایت کرتا تو حضرت عثمان کان نہ دھرتے نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں لاتے انہیں نوخیز لڑکوں میں سے کوفہ کا گورنر سعید بن العاص تھا وہ خود سر دلدادہ عیش نوجوان جس کا یہ مقولہ مشہور ہے جو اس نے بر سر منبر بھرے مجمع میں کہا:

ان العماد بستانی لاغیامة من قریش عراق کی یہ سرزمین قریش کے چھوکروں کیلئے باغات ہیں۔

یہ وہی نوخیز لڑکے تھے جن کے متعلق پیغمبر ﷺ کہہ چکے تھے ان فساد امتی علی یدی غلمة سفهاء من قریش میری امت کی تباہی قریش کے نادان چھوکروں کے ہاتھوں میں ہوگی۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن پارہ ۱۵ صفحہ ۱۴۶، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۰۰)

تھا جو اس توقع میں تھے کہ ستم پیشہ حکام منہ مانگا دام دے کر ہمارے دین خرید یں گے اگر اتنی قیمت ادا کر دیں جو ہماری خواہشوں کے مطابق ہو تو ہم اپنا دین ان کے ہاتھ فروخت کر ڈالیں گے اور اگر ہماری خواہشوں کے مطابق قیمت انہوں نے لگائی تو ہم ٹال مٹول سے کام لیں گے تاوقتیکہ ہماری خواہش کے مطابق قیمت ہمیں مل جائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

جب خلافت امیر المومنینؑ تک پہنچی تو یہ ناگفتہ بہ صورت حالات تھی اور عوام الناس دو طبقوں میں منقسم تھے ایک طبقہ وہ تھا جو عدل گستر اور مجسمۂ انصاف امام کی نصرت وحمایت میں جان دینے پر کمربستہ تھا۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جو امویوں کا حلقہ بگوش اور ان کی حکومت و بادشاہت کو پائیدار بنانے کیلئے کوشاں تھا۔ خود بنی امیہ بھی اپنی سیادت وریاست کے استقلال کیلئے عرصہ سے سرگرم عمل تھے وہ طے کر چکے تھے کہ اگرچہ کامیابی بہت دشوار ہے مگر بہر حال ہم کامیابی حاصل کر کے رہیں گے اور جو ہماری راہ میں مزاحم ہوگا خواہ دینی حیثیت سے کتنا ہی جلیل القدر عظیم المرتبت کیوں نہ ہو قربان کر دیا جائے کہ علیؑ کو خلافت کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ابوبکر وعمر کے زمانے میں ان کے ہر آڑے وقت کام آئے۔(۱)

(۱): یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امیر المومنینؑ کو دنیاوی حکومت کی کوئی رغبت نہ تھی اگر آپ خلافت کے خواہش مند تھے تو محض اس لئے کہ پیغمبر ﷺ کے اسلام کی صحیح اشاعت وتبلیغ آپ ہی سے ممکن تھی کیونکہ آپ پیغمبر ﷺ کی آغوش کے پلے بڑھے اور آپ کے علوم ومعارف کے حقیقی خزینہ دار تھے پیغمبر نے آپ کو علم اس طرح بھرایا تھا کہ جس طرح طائر اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ اپنی پیدائش کے دن سے لے کر وفات پیغمبر ﷺ تک ایک لمحہ کے لئے پیغمبر ﷺ سے جدا نہ ہوئے ہر لمحہ آپ کا خدمت رسول ﷺ میں گزرتا تھا سنت نبوی کا جاننے والا آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہ تھا آپ پیغمبر ﷺ کے اخلاق وعادات کی ہو بہو تصویر اور آپ کے تمام علوم و کمالات کے وارث تھے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف دوستوں ہی کو نہیں آپ کے شدید مخالفین بلکہ خود قابضان خلافت کو بھی تھا خدا کی مرضی بھی یہی تھی اور پیغمبر ﷺ کی تمنا وخواہش بھی یہی کہ میرے بعد شریعت اسلامیہ کی باگ ڈور علیؑ کے ہاتھوں میں آئے کہ انہیں میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ پیغمبر ﷺ کے دین کو اسی حیثیت سے ترویج وترقی دیں جس حیثیت سے خدا اور رسول کو منظور ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ آپ خلافت دوسروں کے ہتھیا لینے پر حرف شکایت زبان پر لائے یا نہیں، تو اس کے لئے نہج البلاغہ کے صفحات گواہ ہیں تاریخیں شاہد ہیں آپ نے ہر موقع ومحل پر احتجاج کیا اپنی حقیقت کی دلیلیں پیش کیں اور دوسروں کے غضب وتظلم کا یہ بانگ دہل اعلان کیا:

"بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا تم کو چاہئے کہ مجھ سے بیعت کرو تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خدا سے قرابت ہے جو ان کو حاصل نہیں تھی اور اب ہم اہل بیتؑ سے یہ امر خلافت تم غصب کئے لیتے ہو کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان کی سبب سے زیادہ مستحق ہو کہ محمد تم میں سے تھے اس دلیل کو مان کر انہوں نے یہ امر تمہارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دیدی اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو تم انے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسول خدا ﷺ کے ان کی حیات وممات میں ولی و وارث ہیں اگر تم محمدؐ واسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ تم ہم پر جان بوجھ کر ظلم کر رہے ہو"۔

ہم ان تمام باتوں کو پوری وضاحت کے ساتھ حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ میں لکھ چکے ہیں یہاں ان کی تکرار عبث ہوگی۔ امیر المومنینؑ کا خلفائے ثلاثہ کے آڑے وقتوں میں کام آنا یہ آپ کی شرافت نفسی اور کمال اخلاق کی بین دلیل ہے۔

"انسان کی بلند ترین صفت یہ ہے کہ جب مفاد شخصی اور مفاد عوامی واجتماعی میں تصادم ہو تو مفاد نوعی کو مقدم رکھا جائے انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ فرض شناسی کو ہر

مقام پر مقدم رکھے اگر چہ وہ اس کے کسی نفسانی جذبہ کے خلاف ہو۔

انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت کو ہر موقع پر ملحوظ رکھے چاہے وہ اپنے دشمن کے ساتھ ہو۔

ہر امر میں ذاتیات کا مدنظر ہونا اور اپنی نفسانی محبت یا عداوت کو ہر بات میں دخل دینا تو پست فطرت اور پست طبیعت افراد کا کام ہے جن میں حیوانیت کا عنصر انسانیت سے زیادہ کارفرما ہوتا ہے اگر چہ انسان کی اکثریت ہمیشہ اسی مسلک پر قدم زن ہے لیکن اکثریت کو معیار قرار دے لیا جائے تو ہر بد اخلاقی پست فطرتی اور مفسدہ پردازی کا تہذیب وتمدن اور کمال شرافت اور ہر کمال و شرف علم و ہنر کا انسان کے لئے نقص وعیب بن جانا ضروری ہے۔

لیکن یہ افسوس ہے کہ دنیا بلند افراد کے طرز عمل کو ہمیشہ اپنی ذہنیت کے تحت میں دیکھتی ہے اور اس سے غلط نتیجہ نکالتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ذات دنیائے اسلام میں اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ اور انسانی اوصاف وکمالات کا بہترین مجسمہ تھی۔ حضرتؑ کی سیرت ان تمام خصوصیات سے مملو ہے جو ایک انسان کی کامل انسانیت کے جوہر سمجھے جاسکتے ہیں اس لئے حضرتؑ کی سیرت میں یہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے کہ حضرتؑ نے کبھی اسلامی و اجتماعی معاملات میں اپنی ذاتی مخالفت ونفسانیت دشمنی وعداوت کو دخل نہیں دیا اور نہ امانت و دیانت کے خیال کو ذاتی اغراض ومقاصد اور خیالات وجذبات پر مقدم کیا۔

”دنیا جو اپنے اور اپنے مزعومہ پیشواؤں کے طرز عمل کی بنا پر اس بات کی عادی ہوگئی ہے کہ وہ ہر بات میں شخصی اغراض کا پہلو مدنظر رکھے حضرتؑ کے اس طرز عمل سے نتیجہ نکالتی ہے کہ حضرتؑ کو کوئی ذاتی اختلاف کسی سے تھا ہی نہیں اور آپ انتہائی ربط ومحبت اور دوستی ومودت رکھتے تھے۔

حالانکہ اگر تھوڑی سی بلند نظری کو صرف کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ذاتی اختلاف کے ساتھ مصالح عامہ کی طرف صحیح رہنمائی کرنا وہ صفت ہے کہ انسانی اوصاف کا جوہر امتیاز ہے اور وہی امیر المومنینؑ کے طرز عمل میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

یہ وہ خصوصیت ہے کہ جس سے امیر المومنینؑ کے واقعات زندگی میں تاریخ کے اوراق مملو ہیں اور جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ کارفرمایان سلطنت یعنی وہ کہ جنہوں نے امیر المومنینؑ کے تمام اوصاف وکمالات اور استحقاق واختصاص سے چشم پوشی کرکے خلافت کے تخت کو حاصل کیا اور ملت اسلامیہ کے تاجدار اور صاحب اقتدار بن کر اصلاح قوم و ملت کے واحد دعویدار ہوئے انہوں نے مشکلات کے موقع پر آپ سے مشورے لئے اور آپ نے وہ مشورے دیئے جو مفاد اسلامی کے لئے حقیقتاً صحیح اور مناسب وقت تھے اور جن کے خلاف ہونا مفاد اسلامی کے لئے انتہائی مضرت رساں تھا“۔

جب بھی خلافت اسلامیہ کسی پیچیدگی سے دو چار ہوئی علیؑ نے اس پیچیدگی کو دور کیا۔ عثمان کی خیر خواہی میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ انہیں اس کی شکایت نہ ہوئی کہ خلافت ہم تک پہونچنے کے بجائے ان تک پہونچ گئی انہیں بس لے دے کے اگر کوئی فکر تھی تو بس یہی کہ حق قائم ہو لوگ منتیں کرتے تھے خوشامدیں ہوتی تھیں چھوٹے بڑے سب ہی مل کر التجا کرتے تھے کہ آپ خلافت قبول کیجئے مگر آپ نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی ہر مرتبہ اس خلافت سے اپنی بے نیازی کا اظہار فرمایا تاریخ شاہد ہے خود آپ کے اقوال موجود ہیں کہ بعد قتل عثمان جب لوگ ہجوم کرکے آپ کے پاس آتے ہیں اور درخواست کی ہے کہ اس بار خلافت کو آپ ہی سنبھالئے تو آپ نے فرمایا:

دعونی والتمسوا غیری وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم و انا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً

مجھے چھوڑو اور میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈو اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تمہارے ہی جیسا ایک فرد ہوں گا اور تم جس کو خلیفہ بناؤ گے تم سے زیادہ اس کی بات سننے والا۔ اور اس کی اطاعت کرنے والا ہوں گا خلافت کی بہ نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے

لئے زیادہ بہتر ہوگا۔

علیؑ اس دن خلافت پر راضی نہ تھے اس لئے کہ ان کی دوررس نگاہیں حال کے پردوں کو چاک کرتی مستقبل کے آخری سرے تک پہونچ رہی تھیں۔کل جو وہ دعویدار خلافت تھے تو وہ اس لئے نہیں کہ ان کے دل میں حکومت کی تمنا تھی بلکہ ان کی غرض محض یہ تھی کہ مسلمانوں میں وہ اخلاق وکمالات ترقی پائیں ان میں وہ کردار پیدا ہو جو پیغمبر اسلامؐ ان میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔اور آج انکار اس لئے تھا کہ سابقہ حکومتوں کے رویہ کی بدولت مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہو چکی تھی۔

اسلامی حکومت کے نام سے جس سلطنت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا وہ دنیاوی اقتدار کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی اور قصریت وکسرائیت کے آثار نمودار تھے۔علیؑ کا مطمح نظر کچھ اور تھا اور مسلمانوں کی تمنائیں کچھ اور نہ علیؑ ان کی تمنائیں پوری کر سکتے تھے اور وہ عوام الناس علیؑ کے مقاصد سے سازگاری کر سکتے تھے،خود آپ اس دور کی تصویر کشی فرماتے ہیں:

انا قد اصبحنا فی دھر عنود وزمن کنؤد یعد فیہ المحسن مسیئا و یزداد الظالم لم عتوا

وقت انتہائی ناسازگار اور زمانہ انتہائی مخالف ہے اس زمانہ میں نیکوکار بدکار تصور کیا جاتا ہے۔اور ظالم کی سرکشی بڑھتی جاتی ہے اور اس لئے کہ:

و ان الافاق قد اغامت والمحجة قد تنکرت۔ والناس یعملون فی الشبھات و یسیرون فی الشھوات۔ صم ذوو اسماع وبکم ذو وکلام و عمی ذو و ابصار لا احرار صدق عند اللقاء ولا اخوان ثقة عند البلاء

آسمان تاریک گھٹاؤں سے ڈھکا ہوا ہے راستوں کے نشانات مٹ چکے ہیں لوگ شک وشبہ میں مبتلا اور ہوا وہوس نفسانی میں گرفتار ہیں کان رکھتے ہوئے بہرے،زبان رکھتے ہوئے گونگے،اور آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہیں،نہ میدان میں ثابت قدم و مصیبت میں بھروسہ کے قابل۔

آپ یہ بھی خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر میں ان کی درخواست قبول کرنے اور خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر آمادہ ہو جاتا ہوں تو جس طرح میں اس کار خلافت کو سرانجام دینا چاہوں گا یہ لوگ برداشت نہ کر سکیں گے اور جب تک ان کے ساتھ سختی ودرشتی نہ برتی جائے گی یہ کسی بات پر ہماری کان نہ دھریں گے۔

یہ حالات تھے جن سے امیر المومنینؑ کو حضرت عثمان کی ہلاکت کے بعد فوراً ہی گزرنا پڑا جبکہ عوام الناس شرفاء ومعززین آپ کے دروازے پر بار بار ہجوم کر کے آتے آپ کی بیعت کرنے پر اصرار کرتے اور آپ باوجود ان لوگوں کے لئے نیک خواہشیں اور بہترین تمنائیں رکھنے کے ان کی بیعت قبول کرنے میں تردد کا اظہار کرتے البتہ ایک بات ایسی تھی جو علیؑ کو مجبور

کررہی تھی کہ ان کی درخواست قبول کرلیں اور خلافت کا کانٹوں بھرا تاج سر پر رکھنا منظور فرمائیں۔ مسلمانوں کا اصرار انتہائی حد کو پہونچا ہوا تھا اور وہ اتمام حجت کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ یعنی آپ پر یہ ذمہ داری عائد کی جارہی تھی کہ دنیا آپ سے ہدایت و اصلاح کی طالب ہے آپ کو خلافت قبول کر لینی چاہئے پھر یہ کہ اس وقت حق و انصاف اور عدالت اجتماعی خطرہ میں تھی ارباب دولت واقتدار غریبوں کے حقوق پر ہاتھ صاف کر رہے تھے غریبوں کی جان ومال اور ان کی عزت وآبرو کی کوئی قیمت نہ تھی۔ بیشتر افراد دنیا کے بندے اور ہوا و ہوس نفسانی کے غلام بنے ہوئے تھے۔ غریبوں کا گلا گھونٹ کر اپنا گھر بھرنے میں انہیں کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی۔ علیؑ کو ہرگز یہ بات گوارا نہ تھی کہ غریب مسلمانوں کو یوں لٹتے تباہ و برباد ہوتے دیکھیں اور گھر میں چپکے بیٹھے رہیں۔ اسلامی ممالک قریش کے چھوکروں کی جائیداد ہو جائیں وہ جس طرح چاہیں لوٹ کھسوٹ کریں عوام الناس کو ذلیل وخوار کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہو، علیؑ ایسا قوت قلب اور ثبات قدم والا انسان جس کی زندگی اور موت اور حکومت وہدایت کی داستان بہادروں کی تاریخ کی زینت ہے کیا ممکن تھا کہ اس کڑی آزمائش کے وقت گھر میں بیٹھ رہتا اور مسلمانوں کو بنی امیہ کے خونخوار بھیڑیوں کے چنگل میں چھوڑ دیتا کہ وہ جیسا سلوک ان کے ساتھ چاہیں کریں اگر علیؑ اس وقت اپنے انکار ہی پر مصر رہتے اور مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو گرداب مصیبت میں چھوڑ دیتے تو وہ پست ہمت اور عاجز کمزور وضعیف ہوتے بہادری وشجاعت سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

ولكن اسفا يعتريني و جزعاً يريبني من ان يلي هٰذه الامة سفهاءها و فجارها فيتخذون مال الله دولا و عباد الله خولا و الصالحين حربا و الفاسطين جزباً

مجھے یہ رنج واندوہ لاحق اور مجھ پر یہ ہراس طاری تھا کہ کہیں اس امت کے حاکم سفید و بدکار انسان نہ بن بیٹھیں جس کے نتیجہ میں وہ خدا کے مال کو کھلونا اور بندگان خدا کو غلام بنالیں نیکو کار افراد سے برسر پیکار ہوں اور ظالموں کو اپنا مددگار بنالیں۔

اسی بنا پر آپ نے بیعت قبول کر لینے کو واجب سمجھا اگرچہ بڑے سے بڑے نیکوکار افراد اس بار خلافت کو اٹھانے سے عاجز تھے۔

علی طبعی طور پر گوشہ نشینی سے نفرت کرتے تھے ہاں اگر گوشہ نشین ہی رہ کر خدمت خلق ممکن ہو تو دوسری بات ہے ورنہ ان کا گھر میں خاموش بیٹھے رہنا ناممکن تھا۔ وہ شخص جو خلق خدا کو فائدہ پہونچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود کوتاہی کرے وہ اپنا دین بھی برباد کرتا ہے اور اپنی دنیا بھی کوئی شک نہیں کہ علیؑ نے بڑے عزم وارادہ سے خلافت کو قبول کیا اور مسلمانوں کی بھلائی اسی میں سمجھی کہ ان کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

علیؑ کی حکومت کیا تھی اور ان کی اقتصادی والی سیاست کا مفہوم کیا تھا یہ سمجھنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خود علیؑ نے خلافت وولایت کی تشریح وتفسیر کیا کی ہے ان کے نزدیک خلافت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ کن کن فوائد ومنافع کو

اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے؟۔

ولایت وحکومت علی ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں کسی خاص انسان کی جاگیر یا ذاتی ملکیت نہ تھی جب تک اس کا جی چاہتا یا اس کے حوالی موالی اور اس کے عزیز رشتہ دار چاہتے وہ تخت حکومت پر قابض رہتا جیسا کہ بعد میں عہد اموی وعباسی میں اس حکومت کی یہی حالت ہوگئی تھی یا قرون وسطیٰ میں یورپ کی سلطنتوں کی کیفیت تھی اس زمانہ میں عوام الناس حاکم یا بادشاہ کو جہاں پناہ اور ظل سبحانی کے لقب سے یاد کرتے تھے بادشاہ کی مشیت عین خدا کی مشیت ہوتی تھی اور اس کی زبان کا نکلا ہوا ہر لفظ خدائی قانون ہوتا تھا جس میں چون وچرا کی گنجائش نہ ہوتی۔

بلکہ حکومت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں عوام کا حق تھا۔ عوام الناس ا جسے چاہتے خلیفہ بناتے جسے چاہتے اس سے معزول کرتے امامؑ کا تقرر اس کی نیکیوں کا صلہ ہے اور اس کی معزولی اس کی ریاکاریوں کی سزا ہر حاکم کی قوت اور اس کا اقتدار اسی لئے ہوتا ہے کہ اجتماعی قوانین کو نفاذ میں لائے اور لوگوں سے ان کی پابندی کرائے۔ حضرت علیؑ نے اپنی بیعت کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا:

ایھا الناس انما انا رجل منکم لی ما علیکم و علی ما علیکم والحق لا یبطلہ شئ

امولف کا یہ فقرہ واقعیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا نہ تاریخ عالم اس کی موید ہے جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہوسکتا بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص خلیفہ رسولؐ ہوسکتا ہے اور نہ امام۔ انبیاء ومرسلین ایک مذہب قائم کرتے ہیں یا کوئی دین لاتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت واصلاح کی راہ نکالتے ہیں اور جو لوگ ان کے خلیفہ ہوتے ہیں وہ ان کے بعد ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں ان کے دین کو پھیلاتے ہیں اور ان کی راہ کو برقرار رکھتے ہیں پس اگر خدا کے لئے انبیاء ومرسلین کا بھیجنا ضروری ہے تو اُن کے خلیفہ کا انتظام کرنا بھی اسی کا فرض ہے۔ خلافت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جانشینی یا قائم مقامی کے ہیں لیکن جانشینی کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ جانشینی بہ حیثیت عہدہ بہ حیثیت فرائض بہ حیثیت اخلاق و اعمال اور بہ حیثیت مراتب وکمال ہوتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر طبیب کا جانشین طبیب قاضی کا جانشین قاضی اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے۔ ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے نہیں پُر ہوسکتی بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہوجاتی ہے یعنی خود شعرا میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں سمجھا جاسکتا۔ چہ جائیکہ شاعر کی جگہ لوہار اور قاضی کی جگہ، معمار جانشین سمجھا جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ حقیقتاً وہی ہے جو اپنے کمالات اور خصوصیات میں اپنے پیش رو کے کمالات وخصوصیات کا زیادہ شریک وحقہ دار ہو اور انبیاء ومرسلین کے کمالات وخصوصیات میں سب سے اہم جز وہی ہے کہ وہ خاص خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں انسانی انتخاب وتجویز کی اس میں ذرہ برابر بھی شرکت نہیں ہوتی پنچایت سے کبھی کوئی شخص نبی یا پیغمبر نہیں ہوا تو خلیفہ میں بھی سب سے اہم جز وہی ماننا پڑے گا کہ وہ خاص خدا کا مقرر کیا ہوا ہوتا ہے اور آدمیوں کی رائے مشورہ یا پنچایت یا استخلاف یا تجویز کی اس میں ذرہ برابر شرکت نہیں ہوسکتی۔

لوگو! میں تم ہی لوگوں میں کا ایک شخص ہوں مجھے بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو تمہیں حاصل ہیں میرے اوپر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو تمہارے اوپر ذمہ داریاں ہیں حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی یعنی حاکم یا خلیفہ کے چاہنے سے احکام الٰہی میں تغیر نہیں ہوسکتا۔

دوسرے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ایها الناس انی واللہ لا احثکم علیٰ طاعة الا اسبقکم الیها و لا انها کم عن معصیة الا انتهی قبلکم عنها

لوگو! خدا کی قسم میں خداوند عالم کی جس اطاعت پر تمہیں ترغیب دلاتا ہوں تم سب سے پہلے خود اسے بجالاتا ہوں اور جس نافرمانی سے تمہیں روکتا ہوں سب سے پہلے اس سے باز رہتا ہوں۔

اس بنا پر حاکم وخلیفہ ذاتی حیثیت سے کوئی واجب الاطاعت ہستی نہیں بلکہ اس کی اطاعت اس حیثیت سے واجب ہوتی ہے کہ وہ عدل وانصاف کی ترویج اور قوانین شریعت کا نفاذ عمل میں لاتا ہے۔ خلافت اس لئے نہیں ہوتی کہ حاکم وخلیفہ مسلمانوں کے بیت المال میں جس طرح چاہے تصرف کرے جتنا چاہے خود لے لے اور جتنا چاہے اپنے دوست واحباب وعزیز رشتہ دار حوالی موالی کو اٹھا کر دے دیں بلکہ خلافت اس لئے ہوتی ہے کہ عدل وانصاف کی ترویج ہو حاکم ہر ایک کو ایک نظر سے دیکھے اور جو شخص دین خدا کی تبلیغ وعوام الناس کی خدمت میں صعوبتیں اٹھائے اس کی محنت کے لحاظ سے صلہ دے لوگوں کو ذخیرہ اندوزی سے منع کرے، زوروز بردستی کی روک تھام کرے، حق سے ایک لحہ کے لئے جدا نہ ہو۔ ستم کیش وجفا پیشہ افراد چاہے اس کی عادلانہ روش کو کتنا ہی ناپسند کریں اور اس کی جان لینے کے درپے ہوں وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز نہ رہے۔ حاکم کا فریضہ ہے کہ عوام کو عدل وانصاف کے قواعد سے آگاہ کرے اور ان کو اس راہ سے منحرف نہ ہونے دے۔

حضرت علیؑ نے اپنے ایک والی کو خط میں لکھا تھا:

اما بعد فلا یکن حظك فی ولایتك مالا تستفیدہ ولا غیظاً قشفیه لکن اماته باطل واحیاء حق۔

اس حکومت کی وجہ سے تمہیں یہ حق نہیں کہ مال ودولت خوب جمع کرلو یا کسی سے اپنا کینہ وعداوت نکالو، بس تمہارا فریضہ منصبی اتنا ہی ہے کہ باطل کو مردہ کرو اور حق کو زندہ۔

حضرت علیؑ کی نظروں میں ولایت وحکومت اس لئے تھی کہ ستم دیدہ وبے بس افراد کو جفا پیشہ ستم کش ظالموں کے شر سے نجات دلائی جائے یہ خلافت نہ تو صحابیت کی وجہ سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ پیغمبرؐ کی قرابت کی وجہ سے حضرت علیؑ خلافت کے متعلق اس منطق کا بڑا مضحکہ اڑایا کرتے اور جو لوگ اس قسم کا عقیدہ رکھتے اور ایسی بات زبان سے نکالتے ان پر انتہائی حیرت کا اظہار کیا

کرتے۔ کتنا جامع اور مختصر حضرت کا یہ فقرہ ہے جو اپنے دامن میں مطالب کا دفتر رکھتا ہے کہ:

واعجباه اتكون الخلافة بالصحابة والقرابة

بڑے تعجب کی بات ہے کہ خلافت صحابیت یا پیغمبرؐ کی رشتہ داری کی وجہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے [1]۔

حکومت وخلافت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں اس لئے نہ تھی کہ حاکم مسند عزو وقار پر جلوہ افراز ہو کر فضیلت کی بنیادیں مستحکم کرے اور تخت حکومت کو ذریعہ بنائے خلائق کو غلام بنانے کا۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

الكرم اعطف من الرحم لا حسب كالتواضع ولا شرف كالعلم

کرم و بخشش قرابت و رشتہ داری سے بڑھ کر موجب مہر و محبت ہے نہ تواضع جیسی کوئی بندگی ہے۔ نہ علم جیسی کوئی فضیلت۔

خلافت یہ نہیں کہ لوگوں کو تلوار و آتش سے اور خونریزی و زور زبردستی سے مطیع و فرمانبردار بنایا جائے یا یہ کہ لوگ ڈر سے یا لالچ سے خلیفہ کی مرضی کے تابع ہوں۔ آپ تو وہ تھے کہ آپ نے خدا کی عبادت بھی نہ تو اس وجہ سے کی کہ اس کی بخشش میں آپ کو رغبت تھی اور نہ اس وجہ سے کی کہ اس عقاب سے ڈرتے تھے بلکہ اس لئے کرتے تھے کہ خداوند عالم اس لائق ہی ہے کہ اس کی پرستش کی جائے۔ آپ کی تمنا تھی کہ عوام الناس خلیفہ کی اس حیثیت سے اطاعت کریں کہ وہ سزاوار طاعت ہے نہ کہ تلوار کے خوف سے یا مال و منصب کی لالچ سے۔

ولایت وحکومت یہ ہے کہ حاکم، عوام کی بہبودی اور بھلائی اپنا فریضہ سمجھے اسے یہ احساس رہے کہ عوام اس کے ہر فعل و عمل ہر نقل و حرکت کے نگراں ہیں وہ اپنے کسی عمل کو ان سے پوشیدہ نہ رکھے بلکہ جو کچھ کرے یا کرنا چاہے وہ ان کے سامنے رکھ دے عوام کو اختیار ہے کہ اس کے کام کو صحیح قرار دیں یا غلط کہہ کر ٹھکرا دیں۔

والی کو یہ حق نہیں کہ حکومت پر فائز ہونے کے بعد خود سر دار اور مختار ہو جائے کہ جو جی میں آئے کرے اس پر لازم ہے کہ لوگوں سے رائے مشورہ لیتا رہے کوئی راز عوام سے مخفی نہ رکھے۔ اور نہ انہیں بغیر خبر کیئے کسی کام کا تہیہ کرے ہاں خاص خاص صورتوں میں جبکہ عوام کو راز

---

[1] فرقہ حقہ امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ امام وہی ہو سکتا ہے جسے خدا بنائے اور جس کی امامت کی رسولؐ تصریح فرما دیں۔ امام کیلئے معصوم ہونا ضروری ہے پیغمبرؐ کے صحابی ہونے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے کوئی امام نہیں ہو سکتا جیسے بنی امیہ و بنی عباس نہ عوام الناس کے رائے مشورہ اور انتخاب کر لینے سے کوئی امام ہو سکتا ہے یہ ضرور ہے کہ امام پیغمبرؐ ہی کے خاندان سے ہوگا۔ کیونکہ پیغمبرؐ کی مسلم الثبوت حدیث ہے کہ الائمۃ من قریش امام قریش ہی سے ہوں گے مگر صرف قرابت و رشتہ داری پیغمبرؐ امامت کے استحقاق کے لئے کافی نہیں بلکہ جو خصوصیات و کمالات پیغمبرؐ میں تھے وہی امامؑ میں بھی ضروری ہیں اس لئے کہ امام آئینہ ہوتا ہے کمالات نبوی کا اور بعد پیغمبرؐ شریعت و دین نبوی کا وہی نقطہ مرکزی ہوتا ہے پیغمبرؐ کی یہ مشہور حدیث ہے جو شیعہ سنی سبھی کے صحاح وسنن میں موجود ہے کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی۔ ۱۲

کی باتوں سے بے خبر رکھنا ہی بہتر ہو اسے اختیار ہے۔

عوام الناس کو حق ہے اور پورا حق ہے اس بات کا کہ اپنی فلاح و بہبود جن باتوں میں دیکھیں اپنے حاکم کو ان کا مشورہ دیں اور حاکم پر فرض ہے کہ وہ ان کی رایوں کا پورا احترام کرے، ان کے مشوروں پر توجہ دے۔ بہت ممکن ہے کہ ان کی بعض رائیں ایسی ہوں جن تک اس کی نظر نہ پہونچ سکی ہو اس کے دل میں ان کا خطور نہ ہوا ہو اس کا علم ان تک نہ پہونچ سکا ہو۔ یہ اس لئے کہ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

من استقبل وجوه الاراء عرف مواقع الخطاء

جو شخص مختلف رایوں کا سامنا کرتا ہے وہ خطا و لغزش کے مقامات کو پہچان لیتا ہے۔

اور جس شخص کو غلطیوں کا احساس ہو گا وہ درستی و صواب تک جا پہونچے گا۔ عوام کی رائیں ایسی ضروری چیزیں ہیں جن سے والی کو اپنی حکومت میں فائدہ ہی پہونچے گا اور عوام بھی فائدہ ہی میں رہیں گے۔ عوام کے مشورے ہر حال میں معاملات کو اس طرح سر انجام دلائیں گے کہ ندامت و شرمندگی کی نوبت نہ آئے گی۔ علیؑ ان حقائق کا کتنے واضح لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا صواب مع ترك المشورة

"مشورہ ترک کر کے صحت و درستی نصیب نہ ہوگی"۔

والی کی تعریف یہ نہیں کہ وہ اپنے کاموں کو ڈھکا چھپا رکھے اور اپنے کسی مقصد کو خلق سے پوشیدہ رکھ کر حاصل کرنے کے لئے کوشش کرے امیر المومنینؑ اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

واستصبحوا من شعلة مصباح واضح

روشن چراغ سے روشنی حاصل کرو۔

امیر المومنینؑ کے مذہب میں خلافت یہ نہیں کہ بندگان خدا سے دوری اختیار کی جائے اور رعیت سے روگردانی ہو تکبر کیا جائے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا جائے عوام الناس کی ضروریات پر توجہ نہ کی جائے بلکہ یہ خلافت تو ذریعہ ہے حاکم کا عوام الناس سے مرہون رہنے کا ان پر شفقت و مہربانی کرنے کا ان کے ساتھ خاکساری و فروتنی سے پیش آنے کا۔ والی اگر خلق خدا سے دور رہے تو اس کا کوئی عذر قابل قبول ہو سکتا ہے نہ اس کی کوئی دلیل و حجت لائق توجہ ہوگی۔

اگر عوام الناس ان باتوں میں سے کسی بات کی وجہ سے والی سے ناراض ہوں تو عوام الناس اس پر اسی طرح بار ہوں گے جس طرح اس والی کی حکومت ان عوام پر بار ہوگی اس لئے کہ اس کا برتاؤ جیسا عوام کے ساتھ ہو گا لازمی ہے کہ عوام کا برتاؤ بھی اس

کے ساتھ ویسا ہی ہو اسی کے متعلق امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

قلوب الرعیة خزائن راعیھا فما اودعھا من عدل اوجور وجدہ فیھا

رعایا کے دل راعی کا خزانہ ہیں عدل و انصاف یا ظلم و ستم جو اپنے خزانہ میں رکھے گا وہی پائے گا۔

ولایت و حکومت امیر المومنینؑ کی نظروں میں عصبیت اور خاندان پرستی پر مبنی نہیں تھی اس لئے کہ تعصب انتہائی مذموم و قبیح ہے بلکہ خلافت نیک خصلتوں افعال خیر، ظلم و ستم سے پرہیز خلائق کی دادرسی اور فتنہ و فساد سے اجتناب پر مبنی ہے۔

ولایت بہر حال علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نظروں میں ان لوگوں کے لئے نہ تھی جن کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

اوولوا علیکم لعملوا فیکم باعمال قیصر و کسریٰ

اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن جائیں تو تمہارے ساتھ قیصر و کسریٰ کا برتاؤ کریں۔

نہ ایسے لوگوں کے لئے سزاوار تھی جو اہل مکر و غدر اور صاحبان جور و ظلم تھے۔

انہیں سب باتوں کی وجہ سے خلافت کو علیؑ نے اس عزم مصمم اور مستحکم ارادہ کے ساتھ قبول کیا کہ ہم حق کو قائم اور باطل کو نیست و نابود کر کے دم لیں گے ورنہ اپنی جان دے دیں گے۔

اسی وجہ سے آپ لوگوں کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ اپنے والیوں کے حرکات و سکنات کے نگراں رہیں ان کی ہر نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھیں اور کسی ایسے والی کو قبول نہ کریں جو ان کا خادم نہ ہو جب چاہیں حاکم سے اپنی ناراضی کا اظہار کریں یا اپنی رضامندی ظاہر کریں۔ آپ ان سے ارشاد فرماتے:

''کیا تم اس بات پر ناراض و غضبناک نہیں ہوتے کہ تم پر نادان افراد حاکم ہو جائیں جس کی وجہ سے تم سبھی کو ذلت نصیب ہو تم سبھی تباہی سے دوچار ہو اور تمہارا نصیب گھاٹا ہی گھاٹا ہو''۔

بلکہ آپ کی نظروں میں ظلم و جور پر برہمی و غضبناکی کا وہی درجہ تھا۔ جو عدل و انصاف کی پذیرائی کا۔

انہیں سب وجوہ و اسباب سے علیؑ نے اپنے بعد کسی کے لئے خلافت کی وصیت نہ کی اس لئے کہ خلافت کا معاملہ عوام الناس کی اختیاری چیز ہے وہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ چنانچہ جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا اور آپ کے اصحاب نے آپ سے درخواست کی کہ اپنے بعد کے لئے حسنؑ کو خلیفہ بنایا جائے تو آپ نے انکار کیا۔ آپ نے عوام کی خود مختاری اور خلیفہ کے انتخاب میں ان کی مکمل آزادی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا

میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں تم زیادہ سمجھدار ہو۔ ۱

اگر عوام حسنؑ کو پسند نہ کرتے تو آپ کیوں حسنؑ کی خلافت کا حکم دیتے اور اگر عوام حسنؑ کی خلافت پر راضی تھے تو منع کیوں کرتے۔ عوام اپنے حالات کو خود زیادہ بہتر سمجھتے ہیں وہ جسے پسند کریں قوم وملت کی نگرانی اس کے حوالے کریں، انہیں حق ہے کہ اپنی پسند سے جسے چاہیں اپنے لئے منتخب کریں حریت وآزادی کی انتہائی حد یہی ہے اور قومی حکومت اسی کا نام ہے۔ امیر المومنینؑ کو لوگوں کی آزادی کا اتنا خیال تھا کہ آپ نے خود اپنی بیعت پر کسی کو مجبور نہ کیا۔ جس نے چاہا اس نے بیعت کی جس نے نہ چاہا بیعت نہ کی۔ امیر المومنینؑ نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ مسلمان کی بہت بڑی اکثریت نے آپ کی بیعت کر لی تھی گنتے چنے افراد نے بیعت سے تخلف کیا۔ امیر المومنینؑ اس وقت ہر طرح کی قدرت واختیار کے مالک تھے مگر آپ نے کسی پر زور زبردستی نہیں کی۔ امیر المومنینؑ اس سے غافل نہ تھے کہ ان گنتی کے لوگوں کا بیعت سے تخلف کرنا عوام کی برہمی اور کسی وقت ان کے اشتعال کا باعث ہوگا لیکن اسی کے ساتھ آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر شخص کو آزادی فکر وضمیر حاصل ہے۔

آپ نے ان کی شخصی آزادی کا لحاظ بھی کیا اور قوم وملت کے حقوق بھی پیش نظر رکھے آپ نے فرمایا کہ یہ بیعت سے تخلف کرنے والے بیعت نہیں کرتے نہ کریں مگر ملت کے کاموں میں کوئی دخل نہ دیں وہ اپنے گھر میں اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہیں۔

سعد بن ابی وقاص جو ممبران شوریٰ کی ایک فرد تھے اور بغیر کسی معقول سبب کے انہوں نے امیر المومنینؑ کی بیعت نہ کی

اشیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کیلئے امام حسنؑ کو اس امت کی زمام قیادت سپرد کی اور اپنا خلیفہ نامزد کیا ثقۃ الاسلام کلینیؒ لکھتے ہیں:

امیر المومنینؑ نے وقت وفات امام حسنؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور امام حسینؑ، محمد بن حنفیہ اور اپنے تمام فرزندوں کو گواہ قرار دیا اور اپنی کتاب اور اسلحے ان کے حوالے کر کے ارشاد فرمایا: "پارۂ جگر رسول اللہؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہیں اپنا قائم مقام مقرر کروں اور اپنی کتابیں اور اسلحے تمہارے حوالے کروں جس طرح پیغمبرؐ نے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے تمام لوازم میرے حوالہ کئے (اصول کافی ۱۵۱)

عقد فرید، روضۃ الاحباب، حبیب السیر، وسیلۃ النجات، نزول الابرار اور سر الجلیل مولوی عبد العزیز دہلوی میں بھی یہی ہے کہ حضرت علیؑ نے وقت وفات امام حسنؑ کو اپنا جانشین کیا تھا۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

بعض علمائے اہل سنت کا خیال ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کے لئے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ ان لوگوں نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ سے جب پوچھا گیا کہ ہم آپ کے بعد امام حسینؑ کی بیعت کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں تم خود سمجھدار ہو۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۹۲) تاریخ العرب ص ۷۷، تاریخ ابی الفداء وغیرہ)

یہ قول حقیقت سے انتہائی دور ہے کیونکہ امیر المومنینؑ امام حسنؑ کی عظمت وجلالت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے وہ سید شباب اہل الجنۃ تھے، پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے چاہے حکومت کیلئے کھڑا ہو یا بیٹھ رہے۔ وہ ہر نقص وخرابی سے پاک وصاف تھے جیسا کہ آیت تطہیر بتاتی ہے۔ اس وقت عالم اسلامی میں وجاہت وعلوئے منزلت میں امام حسنؑ سے بڑھ کر کوئی تھا بھی نہیں۔ خلافت کیلئے جن باتوں کی شرط ہے خلیفہ میں جن باتوں کا ہونا ضروری ہے جیسے علم وتقویٰ سیاست و تدبر وغیرہ یہ تمام باتیں بہ تمام وکمال امام حسنؑ میں موجود تھیں لہٰذا کیونکر ممکن تھا کہ امیر المومنینؑ لوگوں کو ان کی بیعت اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید نہ کرتے۔ امیر المومنینؑ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ آپ حق کے قائم کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے لہٰذا اب آپ اپنے بعد ملت اسلامیہ کو بغیر قائد ونگراں کے کیسے چھوڑ سکتے تھے کہ وہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں کوئی ان کی رہبری کرنے والا نہ ہو۔

تھی۔امیر المومنینؑ نے انہیں مجبور نہیں کیا۔اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

سعد نے کہا تھا آپ کو مجھ سے کسی قسم کا خوف نہ کرنا چاہئے نہ میں آپ کے خلاف کبھی اٹھوں گا

اسی طرح عبداللہ بن عمر نے بھی آپ کی بیعت نہ کی آپ نے ان سے ضامن طلب کیا جو اس بات کی ضمانت لے کہ عبداللہ کوئی فتنہ نہ کھڑا کریں گے۔عبداللہ نے ضامن لانے سے بھی انکار کیا۔آپ نے فرمایا:

"تم بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک بداخلاق ہی رہے میں پہلے ہی دن سے تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں"۔

آپ نے لوگوں سے کہا انہیں جانے دو میں انکا ضامن ہوں کہ یہ کوئی فتنہ برپا نہ کریں گے۔ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جو گھر میں چھپے بیٹھے رہے اور بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے آپ نے فرمایا:

لا حاجة لنا فی من لا حاجة له فینا

جسے ہماری ضرورت نہیں اس کے ہم بھی خواہش مند نہیں۔

آپ نے ان سب کو آزاد چھوڑ دیا اس شرط پر کہ وہ فتنہ وفساد برپا نہ کریں نہ عامۃ الناس کی ایذا رسانی کے درپے ہوں بہت سے انقلابیوں نے چاہا بھی کہ جن لوگوں نے بیعت سے تخلف کیا ہے ان سے زبردستی بیعت لی جائے۔مگر امیر المومنینؑ نے انتہائی سختی سے انکار کیا۔بیعت کے معاملہ میں آپ کا عام دستور یہ تھا کہ:

فمن بائع طائعاً قبلت منه و من ابی ترکته

جو خوشی خاطر بیعت کرے گا اس کی بیعت قبول کروں گا جو انکار کرے گا اسے چھوڑ دوں گا۔

افراد کی آزادی علیؑ کی حکومت میں ہر طرح محفوظ تھی اس پر کسی قسم کی آنچ آنی ممکن نہ تھی سوا اس کے کہ کوئی عوام کی ایذا رسانی کے درپے ہو۔ایسی صورت میں علیؑ کے لئے ممکن نہ تھا کہ اسے آزاد چھوڑ دیں۔

اسی وجہ سے آپ نے طلحہ وزبیر اور معاویہ کو ان کے حال پر اس طرح چھوڑ دینا گوارا نہ کیا جس طرح آپ نے سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر کو چھوڑ دیا تھا۔یہ تینوں اشخاص خود اپنی خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے مال و دولت اور ریاست و حکومت ہتھیانے کی فکر میں تھے۔یہ فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتے تھے تاکہ علیؑ کو ہٹا کر مال و دولت کو جو تمام مسلمانوں کا مال ہے خاص اپنی ملکیت بنالیں۔انہوں نے مال و دولت بے حساب جمع کر رکھی تھی اور اپنا لشکر بھی تیار کر رکھا تھا جس کے ذریعہ وہ علیؑ کی حکومت سے ٹکر لے سکیں۔اسی وجہ سے علیؑ نے ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑنا گوارا نہ کیا۔یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنینؑ کا نظریہ ان تینوں کے متعلق بالکل صحیح و درست تھا۔آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ امیر المومنینؑ کے خلاف ان

تینوں کے گٹھ جوڑ نے کیسے کیسے فتنے برپا کئے۔

غرض کہ حکومت وخلافت عوام کا حق ہے اور کسی شخص کو بیعت پر مجبور کرنا جائز نہیں، ہاں عوام کی مصلحت کے پیش نظر تو کسی کو بیعت پر مجبور بھی کیا جاسکتا ہے مگر حاکم کی ذاتی مصلحت کی بنا پر نہیں، فرمان روا اور رعایا میں بہترین تعلقات تبھی ہو سکتے ہیں جبکہ عوام اپنی پسند سے کسی کو اپنا حاکم مقرر کریں اور خوشی خاطر اس کی بیعت کریں۔

فطری بات تھی کہ جب علیؑ خود اپنے طور پر عوام سے اس طرح وابستہ و پیوستہ رہنا پسند کرتے تھے تو اپنے عمال و ولاۃ کے متعلق بھی آپ کی یہی خواہش رہتی کہ وہ بھی ہماری طرح عوام سے گھل مل کر رہیں۔ انہیں میں کی ایک فرد ہو کر جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی تفصیل پیش کریں گے۔ علیؑ حکام کو عوام الناس کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھنے کی سختی کے ساتھ تاکید کرتے۔ علیؑ نے حکام کے عوام کے ساتھ گھل مل کر رہنے کے بہترین دستور کو رواج دیا یہ دستور آج کل کے متمدن اقوام کے دستور کے بھی پوری طرح موافق ہے۔ افراد رعیت کو حاکم کے افعال و اعمال کا نگراں قرار دیا تاکہ حاکم مجبوراً وہی کریں جو عوام کی مرضی ہو اور اس کے سارے احکام عوام کی خواہش کے مطابق ہوں۔

امیر المومنینؑ نے جب بھی کسی کو کسی صوبہ یا ملک کی حکومت سونپی کا کسی شہر کا حاکم مقرر کیا۔ تو آپ نے اس کو ایک عہد نامہ لکھ کر دیا کہ وہاں کے عوام کو پڑھ کر سنائے۔ جب وہاں کے عوام اس عہد نامہ کو منظور کرلیں تو وہ تحریر وہاں کے عوام اور اس حاکم کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت کی ہوگی۔ نہ وہاں کے عوام کے لئے اس معاہدہ کے خلاف ورزی جائز ہوگی نہ اس حاکم کو یہ اختیار ہوگا کہ اس معاہدہ سے تجاوز کرے اگر حاکم سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی تو امام پر لازم ہوگا کہ اسے قرار واقعہ سزا دیں اور اسے جلد سے جلد برطرف کردیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

آزادی اور اُس کے سر چشمے

غیر کے بندے نہ بنو در اں حالیکہ خداوند عالم نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔

میں نے تمہیں اجازت دی کہ اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو، کرو۔

ان دونوں (طلحہ وزبیر) نے خوشی خاطر میری بیعت کی اگر یہ دونوں بیعت کرنے سے انکار کرتے تو میں کبھی ان کو مجبور نہ کرتا جیسا کہ میں نے دوسرے کسی کو مجبور نہیں کیا۔

(الامام علیؑ)

سیاست وفرمانروائی اور انتظام مملکت میں امیر المومنینؑ کا طرز عمل عوام الناس کی حریت و آزادی[1] پر مبنی تھا۔ آپ کو ایسا ایمان راسخ اس حریت و آزادی پر تھا کہ آپ کے تمام کاموں میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جو بات بھی زبان سے کہی، جس بات کا حکم دیا جس بات سے ممانعت کی صلح کے موقع پر جنگ کے موقع پر کسی کو حاکم مقرر کرتے وقت لوگوں کے ساتھ میل ملت، اولاد کے ساتھ برتاؤ، خداوند عالم کی عبادت، غرض آپ کی ہر بات کی بنیاد اسی حریت و آزادی پر تھی۔ عوام الناس کو کیوں خود مختار ہونا چاہئے اپنے کاموں کو کیوں اپنی مرضی وارادہ کے مطابق انجام دیں یہ آزادی کہاں سے نصیب ہوئی اس کے حدود وشرائط کیا ہیں؟ امیر المومنینؑ کی نظروں میں اس آزادی و حریت کا اصل سبب اور اس کی واحد علت معاشرۂ انسانی ہے جسے نیک بختی و سعادت کی راہ پر رواں دواں ہونا چاہئے۔

آزادی و حریت عوام کے باہمی تعلقات و روابط، اور ان کے جذبات ومیلانات کا ثمرہ ہے۔ یہ آزادی چند باتوں سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور یہ باتیں آزادی و حریت میں بہت اثر رکھتی ہیں۔

---

[1] مولف کتاب نے اس فصل میں ثابت کیا ہے کہ جو سیاسی آزادی آج کل کے متمدن اقوام میں رائج ہے وہی آزادی عہد خلافت امیر المومنینؑ میں رائج تھی۔ امیر المومنینؑ سے پہلے کسی حکومت وسلطنت میں ایسی آزادی کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔

عقل وتجربہ سے بھی یہ چیز ثابت ہے خود امیر المومنینؑ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے کہ سماج ومعاشرہ کے افراد ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہیں، ان کی وابستگی شخصی وانفرادی مصالح کی بنا پر بھی ہے اور قومی وملی مصالح کی بنا پر بھی۔

امیر المومنینؑ کی سیاست یہی تھی کہ آپ ان تعلقات وروابط کی اصلاح فرمائیں اس طرح کہ ہر شخص بہتر طریقہ سے زندگی بسر کرسکے۔ آپ نے عوام الناس کو مواقع عنایت فرمائے کہ وہ بہترین عنوان سے اپنی آزادی کو کام میں لاسکیں اور انسانی فرائض جن کی ادائیگی بغیر آزادی ممکن نہیں اپنی آزادی سے کام لے کر انجام دیں۔

سب سے پہلے تو امیر المومنینؑ نے عوام الناس میں یہ بیداری پیدا کی کہ حق کا قائم کرنا اور باطل کو مٹانا خود عوام کا فریضہ ہے انہیں چاہئے کہ اپنی آزادی کو اپنے ہاتھ میں لیں امراء کے احکام کے تابع نہ ہوں معاشرہ کے ساتھ غداری اور اپنے نفس پر ظلم کرنے سے باز رہیں۔

اس امر کی وضاحت کہ حق کا قائم کرنا اور باطل کو مٹانا خود عوام کا فریضہ ہے اور عوام پر اس کی پوری پوری ذمہ داری ہے۔ علیؑ اپنی زندگی کے ہر لحہ میں کیا کئے۔ خلافت سے پہلے بھی اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی۔

سب ہی لوگ جانتے تھے کہ علیؑ اگر ایک طرف عوام الناس کی سعادت اور ان کی نیک بختی کے اسباب وسائل کی فراہمی میں سرگرمی سے کوشاں ہیں تو دوسری طرف ان کے تشدد کا یہ عالم تھا کہ مجرموں کو ان کے جرم کی پاداش خطا کاروں کی عقوبت اور گنہ گاروں پر حدود وتعزیرات جاری کرنے میں انہیں نہ دوست کی پرواتھی نہ دشمن کی۔ اس معاملہ میں دوست، دشمن، عزیز، رشتہ دار سب برابر تھے آپ کسی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے والے نہیں۔

علیؑ کو اس بات کا اطمینان تھا کہ ہماری پارسائی و پاکدامنی بھی پر واضح ہے سب ہی جانتے ہیں کہ ورع وتقویٰ میں علیؑ کا کوئی ہمسر نہیں دنیا سے بس اتنا ہی لیتے ہیں جتنا زندہ رہنے کے لئے کافی ہو۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی ہے حق وصداقت کی رعایت۔ بے بس ومجبور افراد کی ظلم وزیادتی سے نجات۔ بس اس کے علاوہ ان کی زندگی کا اور کچھ مقصد ہی نہیں۔ یہ باتیں وہ اپنا فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں نہ احسان ومہربانی کی حیثیت سے۔ انہیں شہد خالص نوش کرنا محض اس لئے گوارا نہیں کہ ہوسکتا ہے ان کی رعایا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جسے جو کی روٹی بھی میسر نہ ہو۔ انہوں نے کبھی لباسہائے فاخرہ زیب تن نہیں کیا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی رعایا میں کسی کو

امغرب کے فلاسفہ کی اصطلاح میں آزادی کا وہی مفہوم ہے جو مسلمانوں کا اس جملہ سے مفہوم ہے الناس مسلطون علی اموالھم وانفسھم یعنی کسی شخص کو اجازت نہیں کہ دوسرے کسی کو کام پر مجبور کرے یا اس کے مال کو بغیر اس کی اجازت کے ہتھیالے۔ ان فلاسفہ کے عقیدہ کی بنا پر ہر ظلم وستم کا اصل سبب آزادی سے محروم کردینا ہے۔ قتل وغارت ڈکیتی اور اسی قسم کے دیگر جرائم اسی آزادی کے حق سے محروم کردینے ہی کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ آزادی اور خودداریت انسان کے لوازم ذاتی سے ہے جس طرح حرارت آتش کے لوازم ذاتی سے ہے۔

سوتی کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی تن ڈھانکنے کو نصیب نہ ہو آپ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ تو آپ کو امیر المومنین کہیں اور آپ ان کے مصائب و تکالیف میں ان کے شریک نہ ہوں۔

علیؑ نے اپنے کو اس زمانہ کے حکام و ولاۃ کی تمام آلودگیوں سے پاک رکھا اپنی عالی نسبی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ملک و مال اور جاہ و ثروت کی کبھی بھی طمع نہ کی۔ تکبر سے ہمیشہ پاک رہے۔ تمام خلاف عقل اور غیر مفید باتوں سے کنارہ کش رہے۔ اپنے عزیز اقارب دوست احباب کو دوسروں پر فوقیت نہیں دی۔ دشمنوں اور کینہ پروروں سے نہ کینہ رکھا نہ ان سے کبھی انتقام لیا۔ کوئی کام ایسا نہ کیا جس کی عمدگی و بہترائی کی طرف سے غیر مطمئن رہے ہوں۔ جو بات پسند خاطر نہ ہوئی زبان سے نہ نکالی بلکہ اپنے ذہن میں اس کام کا خطور بھی نہیں لائے۔ اپنے جسم کو کھانے، پینے، پہننے اور مکان کی خواہشوں سے بے نیاز رکھا اور بقدر ضرورت ہی پر اکتفا کیا اپنے ضروری مصارف بھی بیت المال سے کبھی نہیں لئے حالانکہ کم سے کم اتنا لے ہی سکتے تھے جتنا خود آپ کے عمال و ولاۃ لیتے تھے۔ صحیح روایتیں بتاتی ہیں کہ بارہا شمشیر، زرہ اور گھر کا سامان آپ کو اپنے اور اپنے بال بچوں کی بھوک مٹانے کی خاطر فروخت کرنا پڑا۔ مگر آپ اپنے عاملوں اور والیوں کو اتنی تنخواہ دیتے کہ انہیں خیانت یا رشوت یا ناجائز ذرائع سے پیسہ کی فراہمی پر مجبور نہ ہونا پڑے۔

علیؑ نے اپنے کو ان تمام امور سے آزاد رکھا تاکہ وہ ہر ایسی قید سے آزاد رہیں جو دوست دشمن کے درمیان عدل و انصاف کرنے میں حائل ہو۔

کتنے مختصر لفظوں میں انہوں نے خود اپنی حالت بیان کردی ہے کہ من ترك الشهوات كان حرا جس نے خواہشیں ترک کردیں وہ آزاد رہا۔

آپ کی پارسائی و پرہیزگاری شریفوں کی پرہیزگاری تھی جس میں کسی طمع کا شائبہ نہ تھا خدا پر ایمان کامل رکھتے تھے اور ایمان کے مطابق عمل کرتے تھے ان کے عمل میں ظاہر داری ہوتی نہ ریاکاری نہ دوزخ کا خوف نہ بہشت کی لالچ۔

رہ گئی عوام کی آزادی تو پہلا درجہ اس آزادی کا عمل میں آزادی ہے امیر المومنینؑ نے کام کرنے والے کے جسم کو روئے زمین پر وہی درجہ دیا ہے جو نیکوکاروں کے دل کا درجہ بہشت میں ہے یعنی جس طرح بہشت نیکوکاروں کو خوش آمدید کہنے پر تیار رہتی ہے۔ اسی طرح یہ دنیا کام کرنے والوں کے کام کو خوش آمدید کہتی ہے پاکباز انسانوں کے متعلق آپ کا ارشاد ہے:

قلوبهم في الجنان و اجسادهم في العمل

ان کے دل بہشت میں ہیں اور ان کے اجسام مصروف کار[1]۔

منزلت حریت کو آپ نے بلندی بخشی اور آزادی کے عمل کو عظیم سمجھا۔ آپ نے یہی دستور بنالیا تھا کہ کسی کو کسی کام پر مجبور نہ کیا جائے جو کام خوشی خاطر اور بہ رضا و رغبت انجام نہ دیا جائے یہ آزادی میں بھی خیانت ہے اور کام میں بھی خیانت ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں:

لست اریٰ ان اجبر احداعلیٰ عمل یکرھهه

میری یہ رائے ہر گز نہیں کہ کسی کو زبردستی کسی کام پر مجبور کروں۔

لوگوں کو مفید کام کرنے اور شخصی آزادی برقرار رکھنے پر صلہ مقرر کیا اور مجبور کرنے والے کو صلہ سے محروم رکھا چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

والنھر لمن عمل دون من کرھه

نہر اس کی ہے جس نے یہ نہر کھود کر نکالی نہ کہ اس کی جس نے کھودنے پر مجبور کیا[2]۔

یہاں ایک بہت اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حریت اور آزادی کا لفظ جو اس زمانہ میں بولا جاتا تھا اس کا مفہوم اتنا عام اور وسیع نہ تھا جتنا حضرت علیؑ کے یہاں عام تھا۔ آپ جو مفہوم مراد لیتے تھے وہ دوسرے لوگ نہیں مراد لیتے تھے اس زمانہ میں لفظ حریت ضد سمجھی جاتی تھی غلامی کی جو ضد ہوا کرتا تھا بندے اور غلام کا حضرت عمر کا ایک فقرہ ہے:

متیٰ استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا

کیسے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔

جب ہم اس عبارت پر غور کرتے ہیں۔ اس زمانہ کو دیکھتے ہیں جس میں یہ فقرے کہے گئے تھے ان اسباب پر نظر کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ فقرہ حضرت عمر کی زبان سے نکلا تو یہ سب باتیں متفقہ طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت عمر نے آزاد بول کر غلام کی ضد مراد لیا ہے۔ یعنی وہ جو خریدا و بیچا نہ جاسکے۔ لیکن آج کل کے زمانہ میں طالبان آزادی کی اصطلاح میں آزاد اور آزادی کے وہ معنی نہیں جو حضرت عمر کی عبارت میں آزادی کے معنی ہیں۔ ہم اس کا ایک اور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے اس فقرہ میں ان لوگوں پر غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے جو کمزوروں کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو سرزنش کی کہ تم ان کو اپنا غلام

---

[1] مولف کتاب نے اس حدیث کے معنی غلط سمجھے ہیں امیر المومنینؑ کے اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ بندگان خدا دنیا میں عبادت میں مشغول ہیں لیکن انہوں نے دنیا سے دل نہیں لگایا بلکہ ان کا دل کہیں اور لگا ہوا ہے۔

[2] مولف نے اس حدیث کی غلط توجیہ و تشریح کی ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اختیار سے نہر کھودے اس نہر کا پانی اس کا حق ہے نہ کہ اس کا جس نے نہ کوئی محنت کی نہ کوئی مشقت۔

نہ سمجھو کیونکہ ان کی ماں نے انہیں آزاد جنم دیا ہے۔ حضرت عمر نے خود ان غلاموں سے خطاب کر کے نہ کہا کہ تم آزاد ہو تم ان لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو تمہارے مالک ہونے کے دعویدار ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت عمر نے اپنے اس فقرہ میں آقاؤں کو نصیحت کی ہے کہ ان زیردستوں اور کمزوروں کو آزادی دو۔

حضرت علیؑ کے نزدیک حریت کے اور معنی تھے ان کے یہاں حریت کی لفظ بہت عام اور وسیع ہے۔ ہم اس کے ثبوت میں پہلے حضرت علیؑ کا ایک صریحی ارشاد پیش کرتے ہیں پھر ہم آپ کے اقوال وعود و وصایا اور فرامین سے اپنے مقصود پر شواہد پیش کریں گے۔ حضرت عمر کے قول کے برخلاف حضرت علیؑ فرماتے ہیں لا تکن عبد غیرك و جعلك الله حراً۔ اپنے غیر کے بندے نہ بنو درآنحالیکہ خدا نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے۔

حضرت عمر نے وہاں آقاؤں کو خطاب کیا تھا کہ تم اپنے زیردستوں کو آزادی دو۔ زیردستوں کو تحریک نہ کی تھی کہ تم اپنے آقاؤں کی اطاعت کا اپنے کاندھے سے اتار پھینکو یہاں حضرت خود زیردستوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اپنے اوپر بھروسہ رکھو۔ اور آزادی کا شعور وادراک کرو۔ آپ انہیں بیدار کرتے ہیں کہ اپنے بنیادی حق کو پہچانو جو تمہارے وجود کا جواہر اصلی ہے۔ خدا نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے پس جو کام کرو یا جو کام نہ کرو تمہارا ہر قول ہر فعل اسی فطری حق پر مبنی ہونا چاہئے۔

حضرت علیؑ نے یہ فقرہ ارشاد فرما کر ان زیردستوں کے دل میں انقلاب کی تخم ریزی کی ہر اس چیز کے خلاف جو ان زیردستوں کی آزادی میں حائل ہو انہیں کشاکش میں مبتلا کرے اور آزادی کا حق سلب کرلے۔

پڑھنے والوں کو شاید خیال ہو کہ حضرت عمر اور حضرت علیؑ کے کلام میں زیادہ فرق نہیں کیونکہ حضرت عمر کا خطاب مخصوص لوگوں سے ہے انھوں نے آقاؤں کو مخاطب کر کے کہا کہ کسی کو غلام نہ بنائیں اور حضرت علیؑ کا خطاب تمام افراد سے ہے آپ نے تمام افراد کو آگاہی دی کہ وہ آزاد ہیں آپ نے ان کی حریت کو خود ان کے ارادوں پر محمول فرمایا نہ کہ ان کے آقاؤں کے ارادے پر کہ جب تک جی چاہے غلام بنائے رہیں اور جب جی چاہے آزاد کریں۔

مگر دونوں کلاموں میں بہت بڑا فرق ہے اور اصولی فرق ہے نہ کہ فروعی۔ حضرت علیؑ کے فقرہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حریت کے مفہوم پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے آپ کا فقرہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ آزادی کا سرچشمہ خود انسان کی ذات ہے وہ آزاد پیدا ہوا ہے اسے اپنی راہ عمل خود معین کرنا چاہئے نہ کہ کوئی دوسرا از راہ دل سوزی اسے آزاد کرے۔

حضرت علیؑ کے اس فقرہ سے معلوم ہوا کہ آپ آزادی و حریت کو انسان کے لوازم ذاتی و طبعی سے سمجھتے تھے اور انسان کے تمام افعال و حرکات اسی طبعی و فطری آزادی کا نتیجہ ہوتے ہیں، تمام خارجی اثرات سے پاک، یہ آزادی اسے اندرونی طور پر حاصل

ہے خارجی حیثیت سے نہیں اس کی مثال آفتاب کی روشنی جیسی ہے کہ جس طرح آفتاب سے روشنی جدا نہیں ہوسکتی اسی طرح انسان سے آزادی جدا نہیں ہوسکتی چاند کی روشنی کی طرح نہیں جو قابل زوال ہے۔

لہٰذا حضرت عمر اور حضرت علیؑ کے فقرات میں اصلی اور بنیادی فرق ہے ایک وہ آزادی اور وہ آزاد ہمیں جن کی آزادی دولت کی خواہش پر معلق ہے۔ یہ آزادی ظاہری آزادی ہے خود اپنے سرچشمہ سے نہیں پھوٹی دوسرے وہ آزاد ہیں جن کی آزادی خود ان کی طبیعت پر معلق ہے سچی اور حقیقی آزادی یہی ہے۔

اس قسم کے آزاد اپنی عقل و فکر اور اپنے مصالح کے مطابق جو پسند کرتے ہیں کرتے ہیں جو نہیں پسند کرتے نہیں کرتے لیکن وہ آزاد جن کی آزادی دوسروں کے ارادہ سے وابستہ ہے وہ اپنی فکر و نظر کے تابع نہیں ہوتے۔

حضرت علیؑ جن معنوں میں آزادی چاہتے تھے وہی آزادی بنیاد ہے انسانی روابط و تعلقات کی ایسی آزادی کے ذریعہ بنی نوع بشر راہ سعادت میں ایک دوسرے کے دوش بدوش ہو کر چل سکتے ہیں ایسی ہی آزادی سے عظیم تر تمدن جود میں آسکتا ہے۔

چونکہ امیر المومنینؑ کی نظر میں اصل آزادی یہی تھی اسی لئے تمام احوال و احکام میں آپ اسی آزادی کو پیش نظر رکھتے اور اسی معیار پر آپ نے انسانی حقوق معین کئے تھے۔ امیر المومنینؑ کے تمام دستور و قوانین میں ہم بہت واضح طریقہ سے اس امر کا پاس و لحاظ و مشاہدہ کرتے ہیں۔ امامؑ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ تمام افراد یہ حق رکھتے ہیں کہ جسے چاہیں اپنا حاکم مقرر کریں[1] اور جسے چاہیں الگ کردیں وہ قول و عمل میں آزاد ہیں[2]۔ زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اپنے لئے بہتر و نیک سمجھیں اختیار کرسکتے ہیں۔ آپ نے تمام بنی نوع بشر کو حقوق و تکالیف میں ایک دوسرے کے برابر قرار دیا اور اس آزادی کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اگر مقرر کی بھی تو عامۃ الناس کے مصالح کے لحاظ سے مقرر کی۔

ہم جب امیر المومنینؑ کی سیرت و رفتار کی چھان بین کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنے کسی حکم و قانون اور

---

[1] امامت جو بیان اصل موضوع بحث ہے ہم شیعوں کے نزدیک بندوں کی اختیاری چیز نہیں۔ امام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے اور کسی کا معصوم ہونا خدا کو معلوم ہوسکتا ہے یا رسول کو، خدا اور رسولؐ ہی کسی کی امامت کی تصریح کرسکتے ہیں۔

[2] کسی ملک میں جرم کرنے کی آزادی نہیں بلکہ اختلاف ممالک کے لحاظ سے جرائم کی حیثیت بھی جداگانہ ہے بعض باتیں کسی ملک میں جرم سمجھی جاتی ہیں کسی ملک میں نہیں۔ مثلاً شراب نوشی اسلام میں جرم ہے خود امریکہ میں ایک عرصہ دراز تک شراب نوشی جرم رہی۔ فرانس میں کبھی بھی جرم نہیں سمجھی گئی۔ چوری ڈکیتی ہر جگہ جرم ہے۔ مرتد ہوجانا، دین سے پھر جانا اسلام میں جرم ہے، گاؤکشی ہندوستان میں جرم ہے کیتھولک میں پادری کا شادی کرنا جرم ہے لہٰذا اگر اسلام میں مرتد کو سزا دی جائے یا ہندوستان میں گاؤکشی کرنے والے کو سزا ہو تو یہ آزادی کے منافی نہیں۔ مجرموں کیلئے حدود و تعزیرات کی تعیین اس بات کی دلیل نہیں کہ اسلام میں آزادی کی رعایت نہیں کی گئی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شراب خوری، قمار بازی اور دین اسلام سے برگشتہ ہوجانا مسلمانوں کے نزدیک جرم ہے اور عیسائیوں کے نزدیک نہیں جس طرح عورت کو طلاق دے دینا اور پادری کا شادی کرنا عیسائیوں کے نزدیک جرم ہے اور مسلمانوں کے نزدیک نہیں۔ ۱۲

دستور میں اس آزادی سے تخلف نہیں فرمایا۔ ہر کام میں عامۃ الناس کی بھلائی پیش نظر رکھی۔ دوست دشمن سب کے ساتھ ایک رفتار سے پیش آئے ہم شروع میں یہ کہہ چکے ہیں کہ آپ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کام پر مجبور نہیں کیا کسی بیگاری نہیں لی۔ ہم یہ بھی کہہ چکے کہ آپ نے کسی کو اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔ جن لوگوں نے آپ کی بیعت سے انکار کیا باوجودیکہ وہ خطا کار تھے مگر آپ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا زبردستی نہیں کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ ان کے بیعت نہ کرنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا نہ ان کی غلط کاریوں سے عوام کے حقوق پر ضرب آئے گی وہ لوگ عرصہ تک آپ کی بیعت سے گریزاں رہے۔ اس بیعت نہ کرنے سے اگر کچھ نقصان پہنچا تو خود انہیں لوگوں کو پہنچا۔

آپ نے اس وقت تک ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جب تک وہ عوام کے لئے باعث اذیت نہ ثابت ہوئے اور عوام کے حقوق کو انہوں نے نقصان نہیں پہونچایا آپ نے مغیرہ بن شعبہ سے خطاب کر کے فرمایا:

قد اذنت لك ان تكون امرك على ما بدالك

ہم نے تمہیں اجازت دی کہ اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو کرو۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حبیب بن مسلم فہری آپ کی خدمت میں ایک مرتبہ آیا اور کہا:

آپ حکومت سے کنارہ کشی کر لیجئے تاکہ مسلمان اس معاملۂ خلافت کو شوریٰ سے طے کر لیں۔

حضرت نے فرمایا:

"تمہیں اس معاملہ سے کیا سروکار خاموش رہو تمہیں دور کا بھی واسطہ نہیں نہ تم اس معاملہ میں بولنے کا حق رکھتے ہو۔

حبیب اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

خدا کی قسم آپ ہمیں ایسی جگہ دیکھیں گے جو آپ کو ناگوار ہوگی۔

حبیب کے اس فقرے میں جو کھلی ہوئی دھمکی تھی وہ ظاہر ہے لیکن علیؑ نے کیا کیا؟ علیؑ نے بھی اُسے ویسی ہی دھمکی دی؟ کیا اُسے قید خانہ میں ڈلوا دیا تاکہ وہ آپ کی دشمنی میں آزاد نہ رہے نہ اپنی قوم والوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر سکے۔ آخر کیا کیا علیؑ نے؟

علیؑ نے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کی بلکہ آپ نے اس دھمکی دینے والے پر ایک نظر کی اور اس شخص کی طرح جسے آپ عدالت پر پورا پورا بھروسہ ہو جسے دوسروں کے قول و فعل میں آزادی کا اقرار ہو فرمایا:

"جاؤ جتنے سوار و پیادہ اکٹھا کر سکو کر لانا خدا مجھے اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے جس دن تم مجھ پر ترس کھاؤ"

امیر المومنینؑ نے عامۃ الناس کو جو آزادی دے رکھی تھی اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ حجاز و عراق سے بہت سے لوگ بھاگ

کر معاویہ کے پاس شام چلے گئے امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کو روکا نہیں اور ان کی نگرانی کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی وہ آپ کی نظروں میں آزاد تھے جو چاہتے کرتے اور جس راہ کو پسند کرتے اس پر چلتے۔ علیؑ نے ان پر راہ حق واضح کردی تھی۔ اور انہیں آزاد چھوڑ دیا تھا۔ جس کا جی چاہے راہ راست کو اختیار کرے اور جس کا جی نہ چاہے اس کے لئے شام کی راہ کھلی تھی معاویہ اس کے چشم براہ اور خزانوں کے منہ کھولے بیٹھے تھے۔ چنانچہ جب سہل بن حنیف انصاری گورنر مدینہ نے آپ کو اطلاع دی کہ مدینہ کے کچھ لوگ معاویہ کے پاس بھاگ کر چلے گئے ہیں تو آپ نے جواب میں لکھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے یہاں کے کچھ لوگ چپکے چپکے معاویہ کی طرف کھسک رہے ہیں۔ تم اس تعداد پر کہ جو نکل گئی ہے اور اس کمک پر کہ جو جاتی رہی ہے ذرا افسوس نہ کرو۔ ان کے گمراہ ہوجانے اور تمہارے اس قلق و اندوہ سے چھٹکارہ پانے کے لئے یہی بہت ہے کہ وہ حق و ہدایت کی طرف سے بھاگ رہے اور جہالت و گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ یہ دنیادار ہیں جو دنیا کی طرف جھک رہے اور اسی کی طرف تیزی سے لپک رہے ہیں۔ انہوں نے عدل کو پہچانا دیکھا سنا اور محفوظ کیا اور اسے خوب سمجھ لیا کہ یہاں حق کے اعتبار سے سب برابر سمجھے جاتے ہیں لہٰذا وہ اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے جہاں جنبہ داری اور تخصیص برتی جاتی ہے۔"

خدا کی قسم وہ ظلم سے نہیں بھاگے اور عدل سے جا کر نہیں چمٹے اور ہم امیدوار ہیں کہ اللہ اس معاملہ کی ہر سختی کو آسان اور اس سنگلاخ زمین کو ہمارے لئے ہموار کرے گا۔ انشاء اللہ۔

دوسرا ثبوت اس بات کا کہ علیؑ عوام کی مکمل حریت و آزادی کے قائل تھے آپ کا خوارج کے ساتھ برتاؤ ہے۔ خوارج کی ایک جماعت تو وہ تھی جو علانیہ باغی ہوچکی تھی اور انہیں کی اکثریت نہروان میں تہہ تیغ ہوئی لیکن بہت سے ایسے تھے جن کے عقائد و خیالات تو وہی تھے جو خارجیوں کے تھے مگر انہوں نے ازراہ مصلحت کھلم کھلا بغاوت نہ کی بلکہ کوفے والوں میں گھلے ملے موجود تھے۔ امیر المومنینؑ ان خارجیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ اصحاب کو اجازت نہ تھی کہ ان خارجیوں سے تعرض کریں آپ جس طرح تمام مسلمانوں کو ان کے وظائف عطا کرتے اسی طرح خارجیوں کو بھی دیتے۔ ان کو آپ نے کھلی آزادی دے رکھی تھی کہ جہاں چاہیں آئیں جائیں۔

مکمل حریت و آزادی بنیاد تھی آپ کے طریقہ کار اور طرز عمل کی، تمام انسان آزاد ہیں جو چاہیں کہیں یا کریں جس سے جی چاہے محبت رکھیں جس سے جی چاہے عداوت رکھیں البتہ رعایا کو ان سے کوئی گزند نہ پہونچے وہ روئے زمین پر فتنہ و فساد نہ پھیلائیں ایسی صورت میں پھر انہیں آزاد نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ جس جرم کا ارتکاب کریں گے اس کی قرار واقعی سزا پائیں گے اور ان کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی۔

ایک مرتبہ ایک خارجی نے جس کا نام خریت بن راشد تھا آکر آپ سے کہا:

"خدا کی قسم میں نہ تو آپ کی اطاعت کروں گا نہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا"۔

امیر المومنینؑ نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا اُسے آزاد چھوڑ دیا کہ جو جی چاہے کرے تھوڑے ہی دنوں کے بعد خریت نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا کر آپ کے خلاف خروج کیا۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں پر بھی کوئی پابندی عائد نہ کی جنھوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ کر خریت کی ہمراہی اختیار کی تھی نہ تو انہیں اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا نہ خریت کے ساتھ جانے سے روکا حالانکہ اگر آپ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ ہاں جب ان لوگوں نے اس آزادی سے غلط فائدہ اٹھانا شروع کیا ڈکیتی اور رہزنی اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا تو امیر المومنینؑ نے اپنی فوج بھیج کر ان کی پوری طرح سرکوبی کرادی۔

سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علیؑ نے اپنے عہد کے خطرناک ترین مواقع پر بھی انسانی آزادی کا پورا پورا لحاظ کیا اس لئے کہ علیؑ اس آزادی کو وجود انسانی کی انتہائی لازمی چیز سمجھتے تھے کسی حال میں بھی انہوں نے اس تخلف کو جائز نہیں سمجھا۔ ناکثین وقاسطین ومارقین جو زمین کے بہت بڑے حصہ پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھے اور علیؑ کے خون کے پیاسے تھے ان سے جنگ کرنے میں بھی علیؑ نے اس آزادی کی رعایت میں کمی نہ کی۔

ان لوگوں سے ہر قانون وہر شریعت میں جنگ جائز تھی اور ان سے لڑنا ہر ذوق سلیم رکھنے والا عین انصاف قرار دے سکتا تھا۔ ایسی صورت میں علیؑ کے لئے ضروری تھا کہ اعوان وانصار فراہم کریں ان کو ساتھ لے کر دشمن کے مقابلہ کو نکلیں لیکن علیؑ نے اپنے کسی حمایتی کسی طرفدار کو ساتھ چلنے اور لڑائی لڑنے پر مجبور نہ کیا نہ عزیزوں کو نہ غیروں کو باوجودیکہ علیؑ خلیفۂ وقت تھے انہیں اقتدار حاصل تھا وہ سلطنت اور حکومت کی طاقت رکھتے تھے لیکن علیؑ نے اپنے ہمراہیوں کو نہ تو مادی حیثیت سے مجبور کیا نہ روحانی حیثیت سے

---

[1] مولف نے جس حیثیت کی آزادی امیر المومنینؑ سے نقل کی ہے اور جو اس کی تشریح وتوجیہ کی ہے یورپ والے آج بھی اس آزادی سے ناآشنا ہیں البتہ سوشل ماہرین جیسے روسو وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس آزادی کا ذکر کیا ہے اور لوگوں کو معتقد بنانے کی کوشش کی ہے۔ شاید بعض لوگوں کو یہ خیال ہو کہ اسلام میں حدود تعزیزات کی تعیین مولف کے دعوے کے مخالف ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ کوئی شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے یا خدا وانبیائے کرام کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرے۔ امیر المومنینؑ کے عہد حکومت میں بھی دیگر خلفا کے زمانہ میں شراب خواری پر حد جاری کی گئی۔ منشیات کے خرید وفروخت جرم قرار دی گئی مرتد کو قتل کیا گیا لہٰذا وہ آزادی کہاں رہی؟ جو مولف ثابت کرنا چاہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام باتیں صحیح ہیں لیکن وہ آزادی جو ممدوح ہے اور علیؑ جس آزادی کے حامی تھے وہ آزادی جرائم کے ارتکاب کی نہیں بلکہ وہ آزادی یہ ہے کہ شخص اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے جس طرح چاہے خرچ کرے کام میں آزاد ہے جو کام چاہے کرے۔ مختصر اً یہ کہ امیر المومنین سیاسی اور سماجی آزادی کے حامی تھے اور تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے اس پر کہ شراب خواری اور ارتداد جرم ہے لہٰذا جب یہ چیزیں سماجی حیثیت سے بھی جرم ہیں تو پھر ان باتوں میں آزادی کیونکر ممدوح ہو سکتی ہے اگر امیر المومنین لوگوں کو جرائم کرنے کی بھی آزادی دے دیتے تو یہ حکم خدا کی صریحی مخالفت بھی ہوتی اور عوام الناس کی آزادی کی مخالفت بھی۔ اگر ہندوستان میں گاؤکشی کی اجازت دے دی جائے تو یہ آزادی کے خلاف ہے اگر حضرت ابوبکر وعمر یا دوسرے خلفا مرتدین سے جنگ نہ کرتے تو وہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کی مخالفت کے مرتکب ہوتے۔ آج بھی بہت سے ممالک میں بعض جماعتیں خلاف قانون قرار دی جاتی ہیں کیونکہ اس لئے کہ بہت سے لوگ ان جماعتوں کے نظریات وعقائد کو جرم سمجھتے ہیں اسی طرح ارتداد بھی مسلمان کے نزدیک جرم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سماج ومعاشرہ میں خرابی پیدا ہو جانے کا یقین ہے۔

اس لئے کہ وہ جس طرح بھی مجبور کرتے یہ مجبور کرنا اس آزادی وحریت کے مخالف ہوتا جس کے آپ معتقد تھے۔

آپ نے صرف اتمام حجت ضروری سمجھی، راہ حق واضح کردی لوگوں کی عقل وفہم وفکرونظر سے اپیل کی اپنے حق پر ہونے کے شواہد پیش کر دیئے، تاکہ جس کا جی چاہے اپنی عقل وفہم سے کام لیکر علیؑ کے حق کو پہچانے اور ان کا ساتھ دے اور جس کا جی نہ چاہے وہ اتمام حجت ہوجانے کے باوجود تخلف کرے۔

جن لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہی ان کی مدح وستائش فرمائی ان کے حق میں دعائے خیر کی اور جنھوں نے لبیک نہ کہی انہیں وعظ ونصیحت کر کے ان کی غلطی پر متنبہ کیا تھا اور جو بھی تھا جہاں بھی تھا آزاد تھا علیؑ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ مجبور کرنا جائز سمجھا۔

آپ نے ہرگز یہ بات پسند نہ کی کہ کوئی شخص بے سوچ سمجھے اور بغیر ایمان ومعرفت کے آپ کے ساتھ ہوجائے کسی کو بھی آپ نے مجبور نہیں کیا کہ جنگ جمل اور صفین اور جنگ خوارج کے موقع پر آپ کی فوج میں بھرتی ہو ورنہ اگر آپ چاہتے تو کوہ و دشت کو فوجیوں سے بھر دیتے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ آزادی کیا چیز ہے۔ اس کے اصول وفروع کیا ہیں؟ آپ نے اسے اپنی تقریروں سے بھی واضح کیا اور عمل سے بھی اور عام وخاص کے ساتھ سلوک و برتاؤ میں بھی اس کی رعایت برتی معاشرہ کی خرابیوں کی اصلاح میں، اجراء قوانین شریعت میں، لشکرکشی میں، حکومت کرنے میں وعظ ونصیحت میں، غرض ہر حال میں آپ نے اصول آزادی کو پیش نظر رکھا، آپ کی زندگی کا جو دن بھی گذرا وہ تازہ ثبوت فراہم کر گیا کہ انسان کا حق آزادی واجب الاحترام ہے لیکن بس اسی حد تک کہ ایک شخص کی آزادی عوام الناس کی آزادی کو نقصان پہونچائے۔ صحیح آزادی کے معنی بھی یہی ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

قوم کے درمیان شخصی آزادی

لوگوں کے ساتھ امام علیہ السلام کا برتاؤ اور طرز عمل ان کی آزادی کی بنیاد پر مبنی تھا۔انسان ا کے ضمیر کو اپنے ارادے اور آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیئے بغیر خارجی اثرات کے اسباب بذات خود موثر ہیں۔خارجی موانع کم و بیش ان کو اپنی تاثیر سے باز رکھتے ہیں۔اجتماعی کام اس وقت صحیح و درست ہوتے ہیں جب آزاد ضمیر کے اصول اور فطری قوانین کے جو خود بھی آزاد ہیں مطابق ہوں انسان بنیادی طور پر آزاد ہے۔آزاد کے اندر احساس ہوتا ہے، وہ خود اپنی طاقت سے سوچتا ہے اپنے اختیار سے بات کرتا ہے اور اپنے ارادے سے عمل کرتا ہے اس کو مجبور بنانا درحقیقت اس کی ذات کو ختم کر دیتا ہے پس کسی شخص کی آزادی سلب کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اس کو قتل کر دینا جائز ہوگا۔

مترجم کہتا ہے کہ مصنف کتاب اس بیان سے ثابت کرتا ہے کہ اجتماعی گروہ یعنی سوشلسٹوں کا مقصد صحیح نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حکومت کو قوم کے سارے کام اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیئے اور کسی شخص کو آزاد نہ چھوڑنا چاہیئے کیونکہ لوگ جملہ امور میں صرف اپنے ذاتی فائدے کو مدنظر رکھتے ہیں اور قومی مفاد کا لحاظ نہیں کرتے۔اس طریقے کے مخالفین کہتے ہیں کہ آزادی سے بالاتر کوئی مصلحت نہیں ہے اور سلب آزادی کے بعد لوگوں کے لئے کوئی ایسی نعمت مہیا نہیں کی جا سکتی جو آزادی کے برابر قدر و قیمت رکھتی ہو نیز کہتے ہیں کہ ہر قسم کی نعمت عروج، صنعت و تجارت اور ترقی جس عنوان سے بھی ہو آزادی کے ساتھ بہتر طور پر حاصل ہوتی ہے۔جیسا کہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ دنیا کے آزاد ممالک میں نعمتیں زیادہ سے زیادہ، علماء اور ہنرمند افراد تعداد میں کثیر، آرام و آسائش کے سامان بیشتر، کاریگر پورے طور سے آسودہ حال، زندگی سے لوگوں کی دلچسپی پورے عروج پر اور جرم و گناہ کم سے کم ہیں۔یہاں تک کہ ان میں سے بعض ملکوں میں برسوں گزر جاتے ہیں اور جرم کا کوئی مقدمہ قائم نہیں ہوتا۔

ا مؤلف کتاب اس فصل میں ثابت کرتے ہیں کہ افراد کو عین آزادی میں اپنے قومی مصالح اور مراعات کا پابند سمجھنا چاہیئے اور اپنے ارادے آزادی اور اختیار سے ہر وہ عمل انجام دینا چاہیئے جو لوگوں کے لئے مفید طلب ہو نقصان دہ کاموں سے پرہیز کریں تاکہ آزادی میں محدود رہے نہ دوسروں کو مجبور و مقید بنانے میں ۱۲۔

مولف کہتا ہے کہ اگر تم آفتاب کی روشنی کو روکنا چاہو اور اس کے سامنے ایسا پردہ حائل کردو کہ وہ اپنے مقابل اجسام کو گرم و روشن نہ کرسکے تو درحقیقت تم نے اس کی روشنی کو ختم اور فنا کردیا۔ اگر تم ہوا کو چلنے سے باز رکھ سکو تو حقیقتاً تم نے ہوا کو نیست و نابود کردیا۔ اسی طرح دریا کی موجوں، صحرا کے شگوفوں، ہوا کے پرندوں اور ہر اس چیز کو جو دنیا میں آیا ہے اگر اس کے فطری تقاضوں سے منع کرو گے تو گویا تم نے اس کو تباہ و برباد کردیا۔ انسان کو آزادی سے محروم کرنا بھی فی الحقیقت تمام افراد بشر کو قتل کرنا ہے[1]۔

یہ تھا آپ کے نزدیک آزادی کا تصور، اور یہ تھی آپ کی پہونچ اس کی گہرائیوں تک۔ آپ نے اس آزادی کو جیسا سمجھا، زبان سے بھی بیان کیا اور عمل میں بھی لائے۔ آپ کا ہر کام آپ کے عقیدہ اور نظریہ کے مطابق بھی درست تھا اور دوسروں کے عقیدہ و نظریہ کے مطابق بھی۔ قوانین فطرت بھی ان کے موید ہیں اور معاشرہ اور سماج کے مصالح بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

آپ کے اقوال و افعال سے جن کا ہم نے بخوبی جائزہ لیا ہے معلوم ہوا کہ آپ کیونکر لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے تا کہ وہ ہر کام میں اپنے اختیار اور ارادے سے عمل کریں۔ یقیناً ایک ایسا نکتہ ہے جس کو علی علیہ السلام ہر وقت پیش نظر رکھتے اور وہ ہے افراد کی آزادی اس طریقہ سے کہ دوسروں کی آزادی کو نقصان نہ پہونچے قدیم یونانی حکماء کا ایک گروہ اور قرون وسطی میں یورپین فلاسفہ صرف شخصی آزادی کو ملحوظ رکھتے تھے، مصلحت عامہ اور قومی آزادی کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور دوسری جماعتیں محض اجتماعی مصالح نظر میں رکھتیں انفرادی آزادی اور افراد کے حقوق کی رعایت نہیں کی، لوگوں پر دباؤ ڈالنا اور ان سے بے گار لینا جائز سمجھا، لیکن علی ابن ابی طالبؑ نے شخصی آزادی اور اجتماعی مصالح دونوں کا لحاظ رکھا اس طریقے سے کہ ان میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ ان کو اس طرح سے ہم آہنگ بتایا کہ ایک فرد اپنے اختیار سے آزادانہ طور پر اجتماعی مصلحت کی بھی رعایت کرے اور افراد کی آزادانہ کوشش قومی مفاد کے حق میں ہو۔ افراد کو قوم کیلئے اور قوم کو افراد کیلئے قرار دیا۔ اور ہم اس کے بعد اسی گفتگو کی طرف رجوع کرتے ہیں تا کہ مطلب روشن تر ہو جائے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے آزادی افراد کو مصلحت عام کی مراعات کے ساتھ کیوں کر جمع کیا ہے؟

علیؑ جانتے تھے کہ لوگ چونکہ قوم کے اعضاء ہیں لہٰذا انہیں حریت اور آزادی کو اپنی مرضی سے ایسے امر کی جانب متوجہ کرنا چاہیے جو جماعت کو کوئی نقصان نہ پہونچائے۔ یہاں آزادی سے من مانی آزادی مراد نہیں ہے بلکہ اس کو ایمان اور ذمہ داری کے ساتھ ہونا چاہئے اور انسان کو چاہئے کہ خود مختاری کے ساتھ مصلحت عام کی رعایت کرنا اپنا فرض سمجھے۔

---

[1] مفسدہ پرداز اور نفسانی خواہشات کے پیرو بھی یہی کہتے ہیں کہ آزادی قابل احترام چیز ہے اور قوم کو چاہئے کہ ہم کو آزاد چھوڑ دے تا کہ ہم ہوس رانی کرسکیں اور بچوں اور جوانوں کو بے دینی کے ماحول میں پرورش کریں۔ اس کے جواب میں کہنا چاہئے کہ تمہاری آزادی مسلمانوں کی نظر میں جرم ہے اور اگر تم آزاد ہو گئے تو دوسرے لوگ جو تم سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔

علی علیہ السلام نے دوسرے فلاسفہ کے مانند یہ نہیں کہا کہ انسان کی آزادی محدود ہے بلکہ اس سے گہری بات کہی اور آزادی کیلئے کوئی حد معین نہیں کی۔ آپ کا بیان کہیں زیادہ قیمتی اور بلند ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ انسان کے لئے روحانی اسرار اور قواعد اجتماعی کو سمجھنے میں دوسروں سے افضل تھے۔

آپ نے آزادی وحریت کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا اس کے بعد یہ عقیدہ کہ ہر شخص کے ذمہ کچھ فرائض اور واجبات ہیں جن کی بجا آوری کا وہ ذمہ دار ہے پہلے اعتقاد کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس طریق کار کا ثبوت یہ ہے کہ جیسا ہم بتا چکے ہیں ایک گاؤں میں ایک نہر پٹ کے بیکار ہوگئی تھی کچھ لوگوں نے چاہا کہ اس کو صاف کر کے پھر جاری کریں چنانچہ امیر المومنینؑ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ وہ اپنے اختیار سے کام کریں اور مزدوری لیں۔ نہر اسی شخص کی ہے جو خود اختیاری سے کام کر کے اپنے کو اس کے انجام کا ذمہ دار سمجھے۔

علی علیہ السلام نے ایک ہزار سال سے زیادہ پہلے اس طبقے کی خود مختاری کا احترام کیا ہے اور مشہور فرانسیسی مصنف روسو گزشتہ دوصدیوں کے اندر یہ کہنے پر مائل ہوا کہ:

”نوع بشر کا احترام اور انسان دوستی ہم کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ زیر دستوں کو چاہئے کہ وہ جاہل اور غیر تربیت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں، ہوشمندوں کے مانند نوع انسانی میں شمار کریں“۔

امام علیہ السلام کے اصول اور دستور میں ضروری ہے کہ ارادے اور اختیار کو خود ارادہ اور اختیار محدود کرے اور اختیار کے ساتھ ذمہ داری کا اعتقاد وابستہ رہے پس تکلیف اور ذمہ داری اختیار اور ارادے کو نقصان نہیں پہونچاتی بلکہ اس کی تائید کرتی ہے۔[1]

تنہا ذمہ داری نیک اعمال کو انجام دینے کیلئے کافی نہیں ہے جب تک ارادہ اور اختیار بھی ذمہ دارانہ نہ ہو اور ذمہ داری کا انداز اختیار کے مطابق نہ ہو۔ اختیار اور ارادہ جتنا زیادہ ہوگا تکلیف اور ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ شدید ہوگی۔

تکلیف جس طرح عقل ووجدان سے مربوط ہے اسی طرح اختیار سے بھی مربوط ہے۔ جس شخص کی قوت فکر مفلوج ہے۔ جو نیک وبد کے ادراک پر قادر نہیں اور جس کی ذہنی صلاحیتیں بیکار ہیں اس کو کسی عمل کا مکلف اور ذمہ دار نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسی طرح جو شخص آزادی سے محروم ہو اور اس کا اختیار سلب ہو چکا ہو وہ بھی مکلف نہیں ہے۔ آزادی واختیار اور دماغی بیداری انسان کو نیک وبد کے ادراک اور تکالیف کی لازمی رعایت پر مجبور کرتی ہے۔

---

[1] اس مضمون کو متکلمین اسلام نے ایک مختصر اور فصیح فقرے میں بیان کر دیا ہے ”الامتناع بالاختیار ولا ینافی الاختیار“ اختیار رکھتے ہوئے کسی کام کو نہ کرنا اختیار کے منافی نہیں ہے۔

اسی بنا پر حضرت علیؑ نے اپنے عمال و حکام پر لازمی قرار دیا تھا کہ قید و بند اور وزنی زنجیریں لوگوں کے ہاتھوں اور پاؤں سے دور کریں تا کہ وہ اپنے اختیار سے قوم کیلئے مفید کام انجام دیں جب تک وہ خود مختار نہ ہوں گے ناتوان ہیں اور ناتوان پر تکلیف عائد نہیں ہے۔ وہ اپنے کو ذمہ دار نہیں سمجھتے اور نیک کام انجام نہیں دیتے۔ کیونکہ عمل نیک آزادی فکر کے ساتھ انجام پاسکتا ہے جو لوگ اختیار نہیں رکھتے ان کے اعمال دراصل ان کے نہیں بلکہ حکومت کے اعمال ہیں جو حاکم کے حکم اور والی کے اشارہ چشم سے ان کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ یہ اپنے عزم میں بودے اور مردانگی میں ضعیف ہیں اور ان کی طاقتیں بے محل ضائع ہوتی رہتی ہیں۔

لوگ امام علیہ السلام کے بعد اسی منزل میں آگئے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ باوجودیکہ آپ کے عہد حکومت میں وہ خود مختار اور احکام کے شکنجے اور ایذا رسانی سے مامون تھے۔ آپ نے ایسا قاعدہ معین فرمایا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اپنی ذمہ داری کا اعتراف کریں۔ اور جان لیں کہ قوم کے مقابلے میں ان پر کچھ فرائض ہیں اور قوم کا ان پر ایک حق ہے۔ آپ کے احکام و ہدایت اسی بنیاد پر تھے، آپ اسی کے مطابق امر و نہی فرماتے تھے اور سزا و جزا دیتے تھے جیسا کہ ہم نے بہت سے مواقع پر دیکھا اور آئندہ دیکھیں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا؟

بیت المال کا یہ مال ہمارا ہے، نہ تمہارا۔ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں۔

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم و زیادتی کر کے کامیابی حاصل کروں۔ خدا کی قسم جب تک ستارے اپنی چال پر چلتے رہیں گے یہ ہم سے کبھی نہ ہوگا۔ (الامام علیؑ)

طلحہ و زبیر نے کہا ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ ہم شریک کار خلافت ہوں گے

علیؑ نے کہا نہیں

علیؑ نے ذخیرہ اندوزوں کا وہ تمام مال جو انہوں نے غصب کر رکھا تھا اس طرح ان سے چھین لیا جس طرح لکڑی چھیلی جاتی ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حریت و آزادی اپنے وسیع معنوں میں علی ابن ابی طالبؑ کی حکومت کی اصل بنیاد تھی۔ یہ حریت و آزادی علیؑ کے نزدیک جس قدر عقل و وجدان سے تعلق رکھتی تھی اسی قدر خلائق کے باہمی روابط و تعلقات سے بھی مربوط تھی۔ انسان جو باہمی تعاون اور برادرانہ روابط کے ذریعہ ترقی کے منازل طے کرنا چاہتا ہے اس کے لئے منزل مقصود تک پہنچنا ممکن ہی نہیں جب تک وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے آزاد و خود مختار نہ ہو۔ وہ شخص کسی طرح آزاد نہیں ہوسکتا جس کا ضمیر ان خامیوں سے پاک و صاف نہ ہو جو انسانی قدر و قیمت خاک میں ملا دیتی ہیں اسی طرح وہ شخص بھی جس کی آزادی کے حق کو سماج اور معاشرہ زبانی طور پر تسلیم کرے مگر عملی طور پر نظر انداز کر دے، آزاد و مختار نہیں ہوسکتا۔

اس معاملہ میں علیؑ نے افراد کے ساتھ بھی اور جماعت کے ساتھ بھی دوست کے ساتھ بھی اور دشمن کے ساتھ بھی یکساں برتاؤ رکھا۔ اور اپنے اس لائحہ عمل پر پوری مضبوطی سے قائم رہے۔ نہ کوئی لالچ انہیں اپنے پیش نظر مقاصد سے ہٹا سکی نہ کسی قسم کی دھمکی یا ترغیب ان کے قدموں کو متزلزل کر سکی وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ حق بہت سے لوگوں کی طبیعتوں پر گراں گزرتا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

ان امرنا صعب مستصعب۔ ہمارا معاملہ بہت سخت و دشوار ہے۔

اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ حق خصوصیت کے ساتھ ولاۃ و حکام پر شاق ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں: ”حق والیوں پر بہت گراں ہے اور ہر حق گراں ہوتا ہے“۔

لیکن یہ حق حکام اور معززین پر خواہ گراں ہوتا یا سبک علیؑ کے نزدیک دونوں صورتیں برابر تھیں اس لئے کہ علیؑ کی عقل اور ان کا ضمیر دونوں انہیں مجبور کرتے تھے اور وہ حق سے سر مو انحراف نہ کریں۔ اور ان دونوں عقل وضمیر کے علاوہ علیؑ کے نزدیک اور کسی چیز کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ عقل وضمیر علیؑ کو مجبور کرتے تھے کہ ان لوگوں سے ہرگز بے رخی نہ برتی جائے جو عدل وانصاف کے طلبگار ہوں اور نہ حاکم ومحکوم کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ محتاجی کی ذلتیں سہیں اور وہ بھوک برداشت کریں جو ان کے حلق کو خشک اور شکم میں آگ لگا دے۔ یہ عقل وضمیر علیؑ کو حکم دیتے تھے کہ زمین کی نعمات و برکات ایسے پیٹ بھروں کے ہاتھوں میں نہ چھوڑ دی جائیں جو شکم سیر ہونے کے باوجود کھاتے اور بغیر پیاس کے پیتے ہیں جو عوام کے مال ہتھیا کر داد عیش و عشرت دیتے ہیں۔

علیؑ کا یہ اندیشہ بالکل صحیح نکلا کہ صاحبان نفوذ واقتدار اور معززین واشراف ہمارے ڈھنگ کو برداشت نہ کر پائیں گے اور عادلانہ طرز حکومت ان کی طبیعتوں پر انتہائی بار ہوگا۔ جیسا کہ بیعت سے پہلے بھی آپ کہہ چکے تھے۔ چنانچہ بیعت کے بعد ان معززین واشراف نے آکر علیؑ سے مطالبہ کیا ہمیں عامۃ الناس کے مقابلے میں زیادہ دیا جائے لیکن علیؑ نے صاف کہہ دیا کہ ہم ناحق کسی کو کچھ نہیں دینے والے۔

طلحہ اور زبیر آپ کے پاس سودا کرنے کی غرض سے آئے اور کہا:

”ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ ہم اس حکومت میں آپ کے شریک ہوں گے“۔

علیؑ نے بے تامل جواب دیا ”نہیں“

یہ جواب سن کر دونوں آپ سے جدا ہو گئے اور آپ پر لشکرکشی کی تیاریاں کرنے لگے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

علیؑ سب سے زیادہ یہ بات سمجھتے تھے کہ طلحہ وزبیر بڑا اثر واقتدار رکھتے ہیں، کوفہ وبصرہ میں ان کے ماننے والوں کی زبردست اکثریت ہے لیکن یہ عدل وانصاف تھا جو علیؑ کو ہر چیز سے بڑھ کر محبوب تھا۔ یہ علی ابن ابی طالبؑ تھے جن کا مقولہ تھا:

اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فی من ولیت علیه والله ما اطور به ما سمر سمیرا وام نجم فی السماء نجما ۔ الا ان اعطاء المال فی غیر حقه اسراف و تبذیر

”کیا تم مجھ سے چاہتے ہو کہ میں ظلم کر کے کامیابی حاصل کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہ ہوگا۔ ناحق داد و دہش اسراف وفضول خرچی ہے“۔

کھانا پیٹ بھرے کے سامنے نہیں لایا جاتا۔ دولت چاہے کم ہو یا زیادہ علیؑ کے مذہب میں اس وقت تک جائز نہیں

جب تک وہ مباح طریقوں سے حاصل نہ ہو۔ نہ احتکار کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو نہ عوام الناس کو لوٹ مار کر نہ حکومت سے فائدہ اٹھا کر۔

علی علیہ السلام مجرموں کے بہت سے جرائم معاف کر دیتے۔ ظالموں کے بہت سے مظالم سے در گزر کرتے ہیں لیکن نہ تو وہ ذخیرہ اندوزی اور عوام الناس کے مال ہتھیانے کو معاف کر سکتے تھے اور نہ ذخیرہ اندوزوں کی اس حرکت کو کہ وہ محنت کشوں، کمزوروں، ناداروں کے آب و غذا پر ظلم و زیادتی کریں۔ ظلم خواہ کسی قسم کا ہو علیؑ کے نزدیک لعنت تھا۔ مگر بدترین ظلم قوی و توانا کا کمزور پر، ذخیرہ اندوز کا عوام پر، حاکم کا محکوم پر ظلم تھا۔ علیؑ اس قسم کے ظلم کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جو سوسائٹی میں رذائل اور جرائم کو جنم دے۔

آپ نہج البلاغہ کو اٹھا کر دیکھئے آپ کو محسوس ہوگا کہ علیؑ جب دوسروں کے مال ہتھیانے، عوام کو لوٹنے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی لفظوں سے کیسی آگ برستی ہے۔ تقریباً ان کی ہر تقریر اور ہر گفتگو میں دوسروں کا مال ہتھیانے اور عوام کو لوٹنے کا ذکر ہوتا۔ ان کے اقوال بتاتے ہیں کہ انہیں پوری طرح یقین تھا کہ دوسروں کا مال ہتھیا لینا سماجی و معاشرتی جرم ہے۔ ناجائز ذریعہ سے مال جمع کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو وہ ظالم ہے اور غیر عادی طریقوں سے مال جمع کرنے کی سخت سے سخت پاداش ہے جو ایسا کرنے والے کو بہر حال اٹھانی پڑے گی۔

علیؑ اپنی ایک تقریر میں مال جمع کرنے والے کے متعلق فرماتے ہیں:

"---------- ویتذکر اموالا جمعھا واغمض فی مطالبھا واخذھا من مصر حاتھا و مشبھاتھا، قد لزمته تبعات جمعھا"

اور یاد کرے ان اموال کو جنہیں اس نے جمع کیا؟ اس کی پرواہ نہ کی کہاں کہاں سے مال حاصل ہوا (یعنی حلال و حرام میں تمیز نہ کی) اور جائز و ناجائز ذرائع سے حاصل کیا اس جمع کرنے کی پاداش اسے ضرور مل کر رہے گی۔

لیکن جائز ذرائع سے مال حاصل کرنا جس میں غضب و تظلم یا ذخیرہ اندوزی کو دخل نہ ہو ایسے شخص کے متعلق علیؑ فرماتے ہیں:

من مات من کسب الحلال مات واللہ راض منه

جو شخص حلال کمائی کرتا ہوا اور مر جائے وہ اس حال میں مرے گا کہ خدا اس سے راضی ہوگا۔

اسی لئے علیؑ نے طے کر لیا تھا کہ ان سے پہلے جو ذخیرہ اندوزی، غصب و تظلم کی عمارتیں کھڑی کی جا چکی ہیں انہیں منہدم کر کے دم لیں گے مسلمانوں کے بیت المال کو خویش و اقارب پر صرف کرنے کا دستور منسوخ ہوگا۔ دوسروں کے مال لوٹنے اثر و اقتدار سے کام لے کر عوام کا رزق ہتھیا لینے کی کسی حال میں اجازت نہیں دی جائے گی۔ علیؑ نے ایک تقریر کی جس میں صاف

صاف لفظوں میں کہا:

" والا ان کل قطیعة اقطعها عثمان، و کل ما اعطاه من مال الله، فهو مردود فی بیت المال، فان الحق لا یبطله شیء، ولو وجدته قد تزوج به النساء و فرق فی البلدان لرددته، فان فی العدل سعة و من ضاق علیه الحق فالجور علیه اضیق "۔

" دیکھو ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی، ہر وہ مال جو عثمان نے مال خدا سے لوگوں کو دیا ہے وہ بیت المال میں واپس کر دیا جائے اس لئے کہ قدیمی حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ بیت المال کے روپیوں سے عورتوں کی شادی کی گئی ہے۔ یا وہ روپے متفرق شہروں میں منتشر کر دیئے گئے ہیں تو میری انتہائی کوشش اس کی رہے گی کہ وہ سب مال وزر سابق حال پر پلٹا دیئے جائیں۔ عدل میں تو بڑی گنجائش ہے۔ جس پر عدل تنگ ہوگا اس پر ظلم زیادہ تنگ ہوگا"۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسے عدل گستر و انصاف پرور سلاطین و حکام بھی گزرے ہوں جنہوں نے کسی غیر مستحق کو بیت المال سے نہ دیا ہو نہ اپنے خویش و اقارب دوست احباب کی خواہش پر عوام کی دولت کو بے دردی سے اڑایا ہو لیکن علیؑ کے ایسا تو کوئی بھی دیکھنے میں نہیں آیا جس نے سابق حکومت کے جفا پیشہ مالداروں سے ان کی دولت کا سختی سے حساب لیا ہو اور انہیں مجبور کیا ہو کہ سابق میں وہ جس قدر مال ناجائز حاصل کر چکے ہیں وہ سب کا سب بیت المال میں پلٹا دیں۔ علیؑ کا یہ جرأت مندانہ اقدام دلیل ہے اس بات کی کہ حالات پر ان کی کتنی گہری نگاہ تھی اور عدالت اجتماعیہ پر انہیں کتنا مستحکم ایمان و اعتماد تھا۔ جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔

اگر یہ قاعدہ ٹھیک ہے کہ مزدوری، صلہ انعام اسی شخص کو دینا چاہئے جو محنت مشقت کرے عوام الناس کی کوئی خدمت انجام دے تو حارث (۱) ابن الحکم نے عوام کی کون سی ایسی خدمت انجام دی تھی کہ اس کے بدلہ میں حضرت عثمان نے اُسے دو لاکھ درہم مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی شادی کے دن دلوا دیئے؟ کیا حضرت عثمان کی دامادی اور ان کی دختر کو حبالہ زوجیت میں لے لینا عوام کی خدمت تھی معاشرہ اور سماج پر احسان تھا؟ طلحہ و زبیر (۲) نے مسلمانوں کی کون سی خدمت کی تھی جس کے بدلہ میں انہوں نے بیشمار درہم و دینار حضرت عثمان سے پائے اور اتنی جاگیریں حاصل کیں کہ اگر ان کا نصف حصہ بھی لاکھوں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تو ان کے گھر بھر جاتے اور ہر ایک کا حصہ اس کی تمنا و آرزو سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ طلحہ و زبیر کو کون سے ترجیحی حقوق ایسے حاصل تھے جن کی وجہ سے ان کے پاس ہزار ہزار غلام اور ہزار ہزار کنیزیں اکٹھا تھیں۔

(۱) حضرت عثمان نے اپنے دوسرے داماد اپنی بیٹی عائشہ کے شوہر حارث بن الحکم کو جو مروان کا بھائی تھا تین لاکھ درہم عنایت کیئے (کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۵۲)

علامہ بلاذری دوسرے جگہ لکھتے ہیں "زکوۃ میں وصول شدہ اونٹ حضرت عثمان کے پاس لائے گئے آپ نے وہ سب کے سب حارث بن حکم کو دیئے۔(کتاب الانساب جلد ۴ صفحہ ۲۸۔

علامہ ابن قتیبہ ابن عبر بہ اور ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے مھزول جو مدینہ کا بازار تھا تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا حضرت عثمان نے حارث کو اسے بطور جاگیر مرحمت فرمادیا۔(معارف صفحہ ۸۴۔ عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۳، شرح نہج البلاغہ ا ص ۲۷)

حارث پر حضرت عثمان نے تین طرح نوازشیں فرمائیں:

ا۔ حارث کو تین لاکھ درہم دیئے حالانکہ وہ حضرت عثمان کے ذاتی مال سے نہ تھے مسلمانوں کے بیت المال سے تھے۔

۲۔ زکوۃ میں وصول شدہ تمام اونٹ ایک اکیلے حارث کو دیدیئے۔

۳۔ پیغمبر جو چیز مسلمانوں کیلئے وقف کر گئے تھے حضرت عثمان نے اُسے حارث کو بطور جاگیر دے دیا۔

---

(۲): حضرت عثمان کی عنایت ونوازش سے آپ کے اعزہ ورشتہ دار حاشیہ نشین ومقربین بارگاہ خوب ہی مالا مال ہوئے اور تقسیم اموال میں آپ کے ایسے طریقہ کار کی بدولت جو کتاب وسنت اور سیرت سلف کے مغائر تھے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں، پرشکوہ محلات، عالیشان مکانات بے اندازہ بے حساب مال واسباب پیدا کئے۔

زبیر بن عوام نے اپنے مرنے کے بعد ۱۱ مکانات مدینہ میں دو مکان بصرہ میں ایک کوفہ میں ایک مصر میں چھوڑا ان کی چار بیویاں تھیں۔ بیویوں نے ان کے ترکہ سے آٹھواں حصہ پایا اور ہر بیوی کو ۱۲ لاکھ ملے اس طرح ان کا کل ترکہ ۵ کروڑ ۹۸ لاکھ تھا۔(صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۱) صحیح بخاری وغیرہ میں صرف تعداد لکھی ہے۔ درہم ودینار کی صراحت نہیں البتہ تاریخ ابن کثیر میں درہم کی تصریح ہے۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ زبیر کی مصر میں بھی جاگیریں تھیں، اسکندریہ میں بھی کوفہ میں بھی مدینہ میں بھی کئی مکانات تھے اطراف مدینہ سے ان کو آمدنی آتی تھی۔(طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۷۷ طبع لندن)

مسعودی کہتے ہیں کہ زبیر نے مرنے پر ہزار گھوڑے، ہزار غلام کنیزیں اور بہت سے محلات وجاگیریں چھوڑیں،(مروج الذہب جلد ا ص ۴۳۴)

طلحہ بن عبداللہ نے مرنے پر سو بھار چھوڑے جس میں سونا بھرا ہوا تھا بھار بیل کی کھال کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبدربہ نے خشنی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے یہ ۳۰۰ بھار سونے چاندی کے چھوڑے سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ تین سو اونٹوں کا بار سونا چھوڑا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۸، مروج الذہب جلد اول ص ۴۳۴، عقد فرید جلد ۲ ص ۱۷۲ وغیرہ)

علامہ بلاذری نے روایت کی ہے کہ حکم بن عاص زمانہ جاہلیت میں رسول اللہؐ کا پڑوسی تھا اور زمانہ اسلام میں آپ کے جانی دشمنوں اور شدید اذیت پہونچانے والوں میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا جب ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا تو حکم مدینہ آیا اس کا اسلام مشکوک تھا۔

اس کی حالت یہ تھی رسالت مآبؐ کے پیچھے پیچھے چلتا آپ کی طرف مضحکہ خیز اشارے کرتا آپ کی نقلیں اتارتا ناک منہ سکوڑتا اور جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تو یہ بھی پیچھے کھڑا ہو کر انگلیوں سے اشارے کرتا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ منہ بناتا تھا ویسا ہی ہو گیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا دماغ میں فتور بھی آ گیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنی زوجہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے حکم جھانک کر دیکھنے لگا رسول اللہ ﷺ نے پہچان لیا باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس ملعون مرد مرتعش سے مجھے کون بچاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جہاں میں رہوں نہ یہ حکم رہ سکتا ہے نہ اس کی اولاد چنانچہ آپ نے اسے اہل وعیال سمیت طائف کی طرف نکال باہر کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمان نے ابوبکر سے سفارش کی اور درخواست کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلالیا جائے مگر ابو بکر نے انکار کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ جسے نکال باہر کر چکے ہوں میں اسے پناہ نہیں دے سکتا۔ ابوبکر کے بعد جب عمر خلیفہ ہوئے تو عثمان نے ان سے بھی اسی مضمون کی درخواست کی انہوں نے بھی ابوبکر ہی کی طرح جواب دیا کہ رسول ﷺ کے نکالے ہوئے کو میں مدینہ نہیں بلا سکتا۔ جب خود خلیفہ ہوئے تو اب کون روکنے والا تھا حکم کو بال بچوں سمیت مدینہ واپس بلالیا اور مسلمانوں سے یہ کہا کہ میں نے حکم کے متعلق رسالت مآب سے سفارش کی تھی اور سوال کیا تھا کہ اسے مدینہ واپس بلا لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اسے اجازت دے دوں گا مگر قبل اس کے کہ حضرت اجازت دیں آپ کا انتقال

ہو گیا مسلمانوں نے حضرت عثمان کی باتوں کا یقین نہیں کیا اور ان کا یہ فعل ان کی انتہائی ناگواری کا باعث ہوا۔(کتاب الانساب جلد ۵ ص ۲۷)

حضرت عثمان نے نہ صرف یہ کہ اسے مدینہ بلا لیا اور اپنا مقرب خاص بنایا بلکہ قبیلہ قضاعہ سے زکوۃ و صدقات کی جتنی رقمیں اور مال و اسباب وصول ہوئے وہ سب اسے بخش دیئے حکم جس وقت مدینہ میں داخل ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ بدن پر چیتھڑے تھے تمام لوگ اس کی زبوں حالی اور اس کے ہمراہیوں کی ہلاکت و ادبار کا نظارہ کرتے تھے حکم کے آگے آگے ایک بکرا تھا جسے وہ ہنکاتا ہوا آ رہا تھا اسی حالت سے وہ دربار خلافت میں داخل ہوا جب حضرت عثمان کے پاس سے واپس پلٹا تو اس کے بدن میں انتہائی قیمتی خز کی قبا اور بیش قیمت ریشمی ردا تھی۔(تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۴۱)

علامہ بلاذری لکھتے ہیں: حضرت عثمان کی جہاں اور باتیں لوگوں کی ناراضی و برہمی کا سبب ہوئیں انہیں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے حکم بن العاص کو بنی قضاعہ سے زکوۃ وصول کرنے پر مامور کیا۔ جس کی مقدار تین لاکھ درہم تھی جب حکم بن عاص وصول کر کے حضرت عثمان کے پاس آیا تو آپ نے سب کا سب اسے بخش دیا۔(تاریخ الانساب بلاذری جلد ۵ ص ۲۸)

علامہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن خالد بن اسید سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور چھ لاکھ درہم دیئے جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ بصرہ کے بیت المال سے یہ رقم ادا کر دو۔(تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

علامہ ابن ربہ قرطبی، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ کو چار لاکھ درہم دیئے۔

(عقد فرید جلد ۲ ص ۲۶۱، معارف ص ۸۴، شرح ابن ابی الحدید جلد ا ص ۶۶)

حضرت عثمان نے افریقہ کی جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ لگا اس کا خمس پانچ لاکھ اشرفیاں ہوتی تھیں اپنے داماد اپنی بیٹی ام ابان کے شوہر مروان بن حکم کو جو آپ کا چچا زاد بھائی تھا بخش دیا۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ افریقہ کا خمس مدینہ لایا گیا اسے مروان نے ۵ لاکھ دینار میں خرید لیا حضرت عثمان نے پانچ لکھا دینار اسے معاف کر دیئے یہ فعل ان کا منجملہ ان افعال کے ہے جن کی لوگوں نے آگے چل کر گرفت کی۔(تاریخ یعقوبی جلد ۳ ص ۳۸)

علامہ بلاذری اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے مصر کی لڑائی میں جو مال خمس ہاتھ آیا وہ مروان کو لکھ دیا تھا اور اپنے قرابت داروں کو جی کھول کر مال و زر عنایت کئے اور تاویل یہ کی کہ میں نے صلۂ رحم کیا ہے۔ لوگوں نے حضرت عثمان کی ان حرکتوں کو سخت ناپسند کیا اور ان پر اعتراضات کئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۴ طبع لندن کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ ص ۲۵)

حضرت عثمان نے سعید بن العاص ۔۔۔۔۔ کو ایک لاکھ درہم عنایت کئے اس معاملہ میں حضرت علیؑ طلحہ، زبیر بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان سے گفتگو کی آپ نے کہا کہ سعید میرا رشتہ دار ہے۔ ذوی الارحام میں سے ہے۔ میں نے صلہ رحم کیا ہے۔(کتاب الانساب جلد ۵ ص ۲۸)

عقبہ بن ولید بن ابی معیط کو جو آپ کا مادری بھائی تھا بیت المال کی ایک رقم خطیر ہبہ کر دی۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں: جب ولید حاکم کوفہ ہو کر آیا تو اس وقت کوفہ کے بیت المال کے نگراں عبداللہ بن مسعود تھے ولید نے عبداللہ بن مسعود سے ایک رقم کثیر قرض کے طور پر مانگی حکام اکثر قرض لیتے اور جب وظیفے ملتے تو ادا کر دیتے ابن مسعود نے ولید کو قرض دے دیا کچھ دنوں کے بعد واپسی کا تقاضا کیا ولید نے حضرت عثمان کو شکایت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود کو لکھ بھیجا کہ تم فقط ایک خزانچی ہو ولید نے جو کچھ قرض لیا ہے اس کا تقاضا نہ کرو۔ اس سے تعرض کرنا مناسب نہیں۔(کتاب الانساب جلد ۵ ص ۱)

جس دن حضرت عثمان نے مروان کو ایک لاکھ درہم بیت المال سے دلوائے تھے اسی دن آپ نے ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم دلوائے۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۸ ص ۶۷)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ افریقہ میں جہاں لڑائی ہوئی اور ہر جگہ سے جتنا جتنا مال غنیمت ہاتھ آیا وہ سب کا سب حضرت عثمان نے اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ بن ابی سرح کو دیا کسی دوسرے مسلمان کو اس میں شریک نہیں کیا۔(شرح نہج البلاغہ جلد ا ص ۲۷)

اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حضرات سابقین اولین میں سے تھے پیغمبرؐ کے بڑے مقرب بارگاہ صحابی تھے، انہوں نے دین اسلام کی بڑی خدمت کی تھی تو یہ سب کچھ تو خدا کے لئے کیا تھا اپنے نیک اعمال کی جزا کی توقع انہیں آخرت میں خدا سے رکھنی چاہئے تھی ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین خدا نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں جانے دیتا۔ انہوں نے جو کچھ بھی اسلام کی خدمتیں انجام دی تھیں خدا کی خوشنودی کے لئے انجام دیں اور وہی بہترین جزا دینے والا ہے مسلمانوں کے اس بیت المال پر ان کا کیا حق تھا۔ جس میں سارے ہی مسلمان برابر کے حق دار تھے۔

حضرت عثمان کے خویش و اقارب نے عوام کے بھلائی کے کون سے کام کئے تھے جس کے صلہ میں حضرت عثمان نے بیت المال ان پر نچھاور کر دیا حکومت و سلطنت ان کے حوالے کر دی اور مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کا انہیں مالک و مختار بنا دیا کہ جس طرح وہ چاہیں ان سب چیزوں میں تصرف کریں انہیں خویش و اقارب میں معاویہ تھے جو رشوت ستانی میں شہرۂ آفاق تھے۔ حکم بن عاص، عبداللہ بن سعد اور بہت سے عزیز و رشتہ دار دوست احباب تھے۔

معاویہ کی کون سی ایسی خدمات تھیں جنہیں شام کے علاقہ کے ساتھ فلسطین و حمص کے علاقے بھی دے دیئے گئے اور چار لشکروں کی کمان بھی سپرد کر دی گئی تھی۔ حضرت عثمان کے اعزہ واحباب کو کہاں سے بے حد و حساب دولت ہاتھ آئی اور کیسے انہوں نے ہر شہر اور ہر دیہات میں اونچے اور پکے محلات اور سر بفلک عمارتیں کھڑی کر لیں۔

جب ان لوگوں نے کوئی خدمت انجام نہ دی تھی نہ رفاہ عامہ کا کوئی کام کیا تھا تو ان قصور و محلات کے لئے سرمایہ کہاں سے فراہم ہوتا تھا۔ غصبی دولت طویل عرصہ تک قبضہ میں رکھنے کی وجہ سے کوئی انسان اس کا واقعی مالک نہیں ہو جاتا اور وہ دولت اس کی ذاتی ملکیت نہیں بن جاتی ہے۔ باطل عرصہ تک باقی رہنے کی وجہ سے حق نہیں بن جاتا۔

اسی وجہ سے علیؑ نے طے کر لیا تھا کہ ہر وہ زمین اور تمام وہ مال و زر جو حضرت عثمان نے مستحقوں کو محروم کر کے غیر مستحقوں کو دے دیئے تھے بیت المال میں پلٹا کر رہیں گے خواہ وہ زر و مال متفرق شہروں میں پھیلا کیوں نہ دیا گیا ہو۔ وہ مال و دولت عورتوں کے مہر میں کیوں نہ دے دی گئی ہو۔ عدل و انصاف خلائق کے لئے فراخی اور آسائش کا ذریعہ ہے نہ اسے محدود کیا جا سکتا ہے نہ مقید۔

ایک بات یہاں غور کے قابل ہے وہ یہ کہ جن لوگوں نے محض حضرت عثمان کے عزیز رشتہ دار یا ان کے مقرب بارگاہ ہونے کے سبب جن زمینوں کو اپنی جاگیر بنا لیا تھا علیؑ ابن ابی طالبؑ نے ان زمینوں کو بھی منجملہ اموال غصبہ سمجھتے تھے اور ان زمینوں سے حاصل منافع کو بھی۔ علیؑ حضرت عثمان کے قوم و قبیلہ والوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے انہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ زمینیں ہتھیانے کے بعد ان کو آباد کرنے کے لئے غریب عوام سے بیگار لیں گے اور ان زمینوں کی جو کچھ پیداوار ہو گی وہ اپنے قبضہ

میں کر کے ذخیرہ کرلیں گے اوراس ذخیرہ کے ذریعہ مزید جائیدادیں حاصل کریں گے اوراس طرح ان کے سرمایہ میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔ دوسرے ایک ایک چیز کے محتاج ہوتے جائیں گے اور ان کی دولت بڑھتی جائے گی۔ پھر بڑی بڑی جاگیروں والے چھوٹے چھوٹے مالکوں کی جائیدادیں خرید لیں گے نوبت یہاں تک جا پہونچے گی دو ہی طبقے باقی رہ جائیں گے ایک سرمایہ داروں کا طبقہ دوسرا ناداروں اور محتاجوں کا طبقہ جو ان سرمایہ داروں کے ہر طرح دست نگر اور ان کی غلامی و چاکری پر مجبور ہوں گے۔ حضرت علیؑ مالک اشتر کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولا يطمعن منك في اعتقاد عقدة بمن يليها من الناس في شرب او عمل مشترك يحملون مؤنته على غيرهم
دیکھو اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو جاگیر نہ دینا اور اُسے تم سے توقع نہ باندھنا چاہئے کسی ایسی زمین پر قبضہ کرنے کی جو آب پاشی یا کسی مشترکہ معاملہ میں اس کے آس پاس کے لوگوں کے لئے ضرر کی باعث ہو، یوں کہ اس کا بوجھ دوسروں پر ڈال دے۔

امیر المومنینؑ علیہ السلام کے اندیشے ان جاگیرداروں کے متعلق بالکل صحیح ثابت ہوئے۔ انہوں نے عوام الناس سے پوری طرح بیگاری لی اور کوئی ظلم و زیادتی ان پر کرنے سے باز نہ رہے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ جلد اول میں لکھتے ہیں:

''ایک طرف بڑے بڑے جاگیردار روؤسا و امراء تھے دوسری طرف نادار محتاج تھے جو ان جاگیرداروں اور رئیسوں کے غلام تھے۔ ان سے ایک نیا طبقہ اسلام میں پیدا ہوا یعنی وہ لوگ جو پہلے ہی جزیرۂ عرب کے قبائلی دستور کے مطابق رئیسانِ قوم تھے اب مال و دولت کی بہتات بے انتہا خزانے اور حاشیہ نشینوں کی کثرت سے اور سربلند و ممتاز ہوئے''۔

زر اور زمین ان دونوں سے جو کچھ منافع حاصل ہوں علیؑ کے نزدیک سب ہی ان میں برابر کے حصہ دار ہیں زیادہ پانے کا وہی حقدار ہوسکتا ہے جو زیادہ محنت بھی کرے اور زیادہ ضرورت مند بھی ہو اور جس نے اس حقیقت سے انکار کیا اس نے اپنی قوم والوں کے ساتھ خیانت کی۔

علیؑ کی نظروں میں سب سے بڑی خیانت پبلک کے ساتھ خیانت ہے اور جس نے پبلک سے خیانت کی وہ علیؑ کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے نہ علیؑ نے اُسے اعتماد کے لائق سمجھا اور نہ اُسے اپنی خدمت میں تقرب بخشا۔

علیؑ کی کوشش تھی کہ عوام الناس کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کریں اور جب علیؑ کسی کام کا ارادہ کر لیتے تھے تو کسی کے لئے ممکن نہ تھا کہ علیؑ کو ان کے ارادہ سے باز رکھ سکے علیؑ کو اس کی قطعی پرواہ نہ تھی کہ لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں اور جا کر دشمن سے مل جائیں وہ مجسمۂ حق تھے ان کی زبان سے نکلی ہوئی لفظیں عین عدل و انصاف تھیں۔

علیؑ نے پیغمبرؐ کے جاں نثار اصحاب اور آپ کے ساتھ جنگ کے معرکے جھیلے ہوئے رفقاء کو بھی دوسروں پر برتری نہیں عنایت کی۔

آپ فرماتے ہیں:

''دیکھو تم میں سے کچھ ایسے اشخاص جنہیں دنیا نے نہال کر رکھا ہے، جنہوں نے جاگیریں حاصل کیں نہریں بنوائیں، تنومند گھوڑوں پر جو سواری کرتے ہیں، غلام وکنیز کے انبوہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ کل جب میں انہیں ان باتوں سے منع کروں جن میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں ان حقوق پر مجبور کروں جنہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں تو پھر وہ ہرگز نہ کہیں گے کہ علیؑ نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کر دیا۔ دیکھو خواہ مہاجر ہوں یا انصار ان سے جو شخص بھی یہ خیال کرے کہ میں دوسروں سے افضل ہوں تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی فیصلہ کل قیامت کے دن ہوگا خدا کے نزدیک، ثواب واجر ہر ایک کا اللہ کے اوپر ہے۔ دیکھو ہر وہ شخص جس نے خدا ورسولؐ کو لبیک کہی اور اس نے ہماری ملت کی تصدیق کی ہمارے دین میں داخل ہوا ہمارے قبلہ کی طرف اس نے رخ کیا وہ اسلام کے حقوق وحدود کا مستحق وسزاوار ہے۔ تم سب بندگان خدا ہو اور مال اللہ کا مال ہے جو تم سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں نیکو کار ومتقین کو خدا کے یہاں بہتر جزا ملے گی۔

عوام الناس کے ساتھ علیؑ کے اسی مساویانہ سلوک اور برابری کے برتاؤ نے قریش کے اشراف ومعززین کو مجبور کیا کہ وہ علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ سے جا ملیں جیسا کہ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

علیؑ کے لئے ناممکن تھا کہ وہ بلند حیثیت کے لوگوں کو کم حیثیت کے لوگوں پر ترجیح دیں اس لئے کہ علیؑ کے نزدیک فضیلت و شرف کا معیار وہ نہ تھا جو ان کے زمانہ میں رائج تھا۔ علیؑ نہ قریشی کو غیر قریشی پر ترجیح دیتے نہ عربی کو عجمی پر اس لئے کہ علیؑ کے نزدیک ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے۔ علیؑ ان روساء اور اشراف کے ساتھ وہ چاپلوسی اور خوشامدانہ سلوک ہرگز نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ معاویہ کرتے تھے اور نہ مسلمانوں کے مال سے کسی کو اپنی طرف مائل کرنے کے روادار ہو سکتے تھے۔

مالک اشتر نے امیر المومنینؑ سے عرض کی:

''امیر المومنینؑ! ہم نے بصرہ اور کوفہ والوں کے ساتھ مل کر اہل بصرہ سے جہاد کیا، اس وقت لوگوں کا ایک رائے پر اجتماع تھا اس کے بعد اختلاف پیدا ہوا نیتیں ضعیف ہوگئیں اور تعداد کم ہوگئی۔ آپ سب کے ساتھ عدل کرتے ہیں اور ان کے ساتھ حق کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پس وہ آپ کے عدل وانصاف سے گھبرا اٹھے۔ (دوسری طرف) ان ترکیبوں اور حکمت عملیوں کو دیکھا جو معاویہ امیروں اور شریفوں کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ کم لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے خواہاں نہ ہوں اکثر تو ایسے ہوتے ہیں جو حق کو بیچ کر باطل خریدتے ہیں اور دنیا کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر آپ بے دریغ مال دنیا تقسیم فرمائیں (اور جتھا بند اور قابو یافتہ لوگوں کو دوسروں سے زیادہ دیں) تو پھر دیکھئے کہ لوگوں کی گردنیں کس طرح آپ کی طرف جھکتی ہیں اور ان کی زبانیں آپ کے کیسے گیت گاتی ہیں اور وہ کس طرح آپ کے خیر خواہ بن جاتے ہیں خدا آپ کے امور کو درست اور دشمنوں کی

جمعیت اور مکر وفریب کو پراگندہ اور کمزور کرے۔ بیشک خدا ان کے اعمال سے باخبر ہے۔

آپ نے جواب میں فرمایا:

"تم نے جو یہ کہا کہ ہم عدل وانصاف پر عمل کرتے ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

مَّنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ

جو عمل صالح کرتا ہے تو اپنے نفس کے فائدے کے لئے اور جو اعمال بد بجالاتا ہے اس کا وبال اسی کے سر پڑتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اگر میں اس میں تقصیر کروں تو ڈرتا ہوں کہ (اس کا وبال میری گردن پر پڑے)۔ اور تم نے یہ جو کہا کہ وہ ہم سے اس لئے جدا ہو گئے ہیں کہ حق ان پر گراں گزرتا ہے تو اللہ جانتا ہے کہ انہوں نے اس لئے ہم سے مفارقت نہیں کی کہ ہم نے ان پر ظلم وجور کیا ہو اور یہ بھی نہیں ہے کہ ہم سے جدا ہو کر وہ کسی عادل کی پناہ میں گئے ہوں۔ ہم سے جدائی کا سبب سوائے (طلب) دنیا اور کچھ نہیں اور یہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے دنیا کی خواہش کی تھی یا اللہ کے لئے عمل کیا تھا۔ اب رہا یہ امر کہ ہم مال ودولت صرف کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ مال فئے سے کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں (اب انصاف کی وجہ سے ہماری جمعیت کم ہو جائے تو بلا سے) خداوند عالم فرماتا ہے اور اس کا فرمان برحق ہے:

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

یہ بہت سے کم تعداد گروہ خدا کے حکم سے کثیر التعداد لوگوں پر غالب آجاتے ہیں خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خداوند عالم نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یکہ وتنہا مبعوث فرما کر بھیجا اور قلت کے بعد ان کو کثیر الاعوان بنا دیا اور ان کے گروہ کو ذلت کے بعد عزت بخشی اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ ہمارے امور کی اصلاح کرے تو ان سختیوں کو اللہ آسان کر دے گا اور اس کی مشقتوں کو سہل کر دے گا۔

آپ کے لائحہ عمل اور دستور حکومت کا خلاصہ وہ عہد نامہ ہے جو آپ نے مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت مالک اشتر کو تحریر فرمایا تھا:

اياك و الاستئثار بما الناس فيه اسوة

خبردار ان چیزوں کو جن میں سب ہی لوگ برابر کے حقدار ہیں اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا۔

عوام الناس کے حقوق وہی ہیں جس میں تمام لوگ ایک دوسرے کے مساوی ہیں علیؑ کی مراد انہیں حقوق سے ہے۔

حاجت براری

حق میں تم سب میرے نزدیک برابر ہو۔

اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اس لئے کہ دولت مند نے اس کا حصہ روک لیا ہے۔

میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہ دیکھیں مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔

ہر ذی حیات کے لئے غذا ہے اور ہر دانے کے لئے کھانے والا۔

بد بخت ترین راعی وہ ہے جس کی وجہ سے اس کی رعیت بد بخت ہو۔

(علیؑ ابن ابی طالبؑ)

یہ وہ عمومی حقوق ہیں جن کی علیؑ نے دوسروں کو بھی تاکید کی اور خود بھی ان کے پابند رہے ان کے نزدیک ولاۃ وعمال کا کام ہی یہ تھا کہ وہ ان حقوق کی نگہداشت اور رعایت کریں اور کسی حق پر آنچ نہ آنے دیں۔

علیؑ نے جس کسی کو بھی حاکم مقرر کیا یا جس کسی کو بھی حکومت سے معزول کیا اسی نظریہ کے تحت۔ علیؑ کے نزدیک ان حقوق کے معانی بہت وسیع تھے اور ان کی قسمیں بہت زیادہ مگر سب ہر پھر کے اسی نقطہ کی طرف راجع تھے کہ کوئی ایک شخص بھی محتاج نہ رہے اور نہ ایک متنفس بھی بھوکا رہے کہ بھوکا رہنا انسانیت کی سب سے بڑی توہین ہے۔

ایسے قوانین جو لوگوں کی ناداری نہ دور کر سکیں ان قوانین کی خلاف ورزی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں جس طرح علیؑ کے مذہب میں عبادت کی شان یہ نہیں کہ انسان قوم وملت کی زندگی سے دور ہو جائے اور جس طرح کہ دین نام ہے خلق خدا سے حُسن سلوک سے پیش آنے کا، صحیح دینی عقائد وہ ہیں جو نیک رفتاری کا باعث ہوں اسی طرح ضروری ہے کہ قوانین بھی ایسے ہوں جو عامۃ الناس کی حاجت براری کریں ان کی احتیاج وناداری کو دور کرنے کے کفیل ہوں تا کہ انسان خود اپنی نظروں میں ذلیل اور اپنی زندگی سے بیزار ہو کر نہ رہ جائے۔

ایسے قوانین بنانا جن کی وجہ سے خلائق کی احتیاج برطرف ہو انہیں ناداری کا سامنا کرنا نہ پڑے حاکم اور قانون بنانے والے کا فرض ہے نہ کہ اس کا احسان، اور عوام قانون بنانے والے سے ایسے قانون کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

علیؑ نے عوام کے حقوق کی رعایت اور نگہداشت میں اتنی سختی برتی کہ شاید ہی ان کی کوئی تقریر کوئی وصیت کوئی عہد نامہ

ایسا ڈھونڈھے سے ملے جس میں آپ نے ان حقوق کا ذکر نہ کیا ہو اور عمال وولاۃ کو ان کی طرف متوجہ نہ کیا ہو۔

بلاشبہ عوام کی احتیاج دور کرنا ان کی حاجت برآری کرنا علیؑ کے دستور میں حاکم اور قانون بنانے والے کا فریضہ اور عوام کا بزرگ ترین حق تھا۔

وہ علیؑ ہی تھے جو کسریٰ اور قیصر کا سب سے بڑا گناہ (حالانکہ ان کے گناہوں کی فہرست کافی طویل ہے) یہ قرار دیتے تھے کہ انہوں نے رعیت کو ذلیل وخوار کیا ان کے حقوق کا خیال نہ کیا انہیں زمین کی نعمتوں اور زندگی کی راحتوں سے محروم کیا اور انہیں فقیر وحقیر بنانے کی کوشش کی۔

آپ فرماتے ہیں:

"تاملوا فی حال تشتتھم و تفرقھم. لیالی کانت الاسرۃ واتقیا صرۃ اربابالھم یختادونھم عن ریف الآفاق وبحر العراق وخضرۃ الدنیا الی منابت الشیخ ومھالی الریح ونکد المعاش فترکوھم عالۃ مساکین"۔

ان لوگوں کی پریشاں حالی اور خانماں بربادی پر غور کرو۔ ان دونوں میں جبکہ کسریٰ اور قیصر ان کے بادشاہ تھے اور انہوں نے ان لوگوں کو زرخیز زمینوں اور عراق کے آب وگیاہ سے باہر کر کے ایسی جگہ منتقل کر دیا تھا جہاں نہ سبزہ تھا اور نہ سوا تیز و تند ہواؤں کے کسی اور چیز کا گزر اور انہیں انتہائی فقیر ومحتاج بناڈالا تھا۔

جب بھی کوئی والی یا حاکم عوام کے مال میں کوئی چھوٹی یا بڑی خیانت کرتا علیؑ اُسے انتہائی سخت سزا دینے کی دھمکی دیتے اور ان کے حزن واندوہ، درد وتکلیف کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں رہتا جب انہیں معلوم ہوتا کہ کسی والی یا عامل نے کوئی مال ہتھیا لیا ہے یا ذخیرہ اندوزی کا مرتکب ہوا اُسے ایسی سخت سرزنش کرتے جو حق کی حمایت اور انصاف کے جوش سے لبریز ہوتی آپ نے ایک عامل کو لکھا:

بلغنی انك جزرت الارض فاخذت ما تحت قدمیك، اكلت ما تحت یدیك فارفع الی حسابك

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے (بیت المال کی) زمین ہتھیالی ہے اور جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جما لیا اور جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں تھا اسے نوش جان کرلیا ہے۔ تو تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو۔

امیرالمومنینؑ کے مکتوب میں یہ فقرہ بے حد قابل غور ہے کہ "اپنا حساب مجھے لکھ بھیجو"۔ اس مختصر فقرہ میں معانی ومطالب کا دفتر پوشیدہ ہے، عدل وانصاف کے نفاذ میں امیرالمومنینؑ کو اتنا اہتمام ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حیلے بہانے یا تساہلی کے روادار نہ تھے۔

علیؑ ایمان راسخ کے ساتھ باریک بیں عقل کے حامل، انسانی معاشرہ کے رموز کے عارف خلائق کے باہمی تعلقات سے واقف تھے، انہیں یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ کون سے حقوق پامال ہو چکے ہیں اور کون سے پامال ہونے کے قریب ہیں وہ

اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ ظلم و بیداد سوسائٹی کے لئے ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے کس قدر تباہ کن ہے اور ستم کرنے والے اور ستم اٹھانے والے دونوں کو کتنے ہی عظیم نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

آپ نے دادخواہی وفریادرسی ضروری قرار دی چاہے حکام وولاۃ کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے آپ نے انتہائی برہمی کے عالم میں تحریر فرمایا:

فارفع الی حسابك۔ اپنا حساب مجھے بھیجو

آپ کو ایک اور عامل کے متعلق پبلک کے مال میں خرد برد کرنے کی اطلاع ملی آپ نے فوراً ہی اُسے لکھا:

"فاتق الله واردوا الی هٰئولاء القوم اموالهم فانك ان لم تفعل ثم امكننی الله منك لا عذرن الله فيك. والله لو ان الحسن علیہ السلام والحسین علیہ السلام فعلا مثل الذی فعلت ما كانت لهما عندی هوادة ولا ظفر منی بارادة حتیٰ اخذ الحق منهما وازیل الباطل عن مظلمتهما"

اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کا مال انہیں واپس کرو اگر تم نے ایسا نہ کیا اور پھر اللہ نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں تمہارے بارے میں اپنے کو سرخرو کروں گا اور اپنی اس تلوار سے تمہیں ضرب لگاؤں گا جس کا وار میں نے جس کسی پر بھی لگایا وہ سیدھا دوزخ میں گیا۔ خدا کی قسم اگر حسنؑ و حسینؑ بھی وہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ وہ مجھ سے اپنی کوئی خواہش منوا سکتے یہاں تک کہ میں ان سے حق کو پلٹا لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے نتائج کو مٹا دیتا۔

امیر المومنینؑ نے ایک شخص کو جس کا نام سعد تھا زیاد بن ابیہ کے پاس بھیجا کہ اس کے پاس جو روپے جمع ہیں لے آئے۔ امیر المومنینؑ کو یہ بھی خبر مل چکی تھی کہ زیاد خوب عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے، بیواؤں، یتیموں، فقیروں کو دیتا نہیں اور اپنا گھر بھرتا ہے۔ جب سعد اس کے پاس پہونچے اور مال کی ادائیگی کا تقاضا کیا تو زیاد نے سعد کو نخوت وتکبر سے کام لیتے ہوئے جھڑک دیا۔ سعد نے واپس آکر امیر المومنینؑ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے زیادہ کو خط لکھا:

''سعد نے آکر مجھ سے ذکر کیا کہ تم نے اُسے از راہ ظلم برا بھلا کہا، اور اس سے اکڑ اور تکبر سے پیش آئے حالانکہ حضرت رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے کہ بڑائی اور بزرگی صرف اللہ کیلئے ہے۔ جو شخص تکبر کرے گا خدا اس پر ناراض ہوگا۔ سعد نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاتے ہو۔ ہر دن خوشبو لگاتے ہو۔ تمہارا کیا نقصان ہے اس میں کہ کچھ دن اللہ کیلئے روزے بھی رکھا کرو اور تمہارے پاس جو زر و مال ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ اور جتنا کھانا ایک مرتبہ کھاتے ہو کبھی مرتبہ کر کے کھاؤ یا کسی فقیر کو کھلا دو۔ تم جو نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو۔ غریب پڑوسی کمزور محتاج بیواؤں اور یتیموں کا خیال نہیں کرتے ان سب کے باوجود تمہیں اس کی طمع ہے کہ خیر خیرات کرنے والے نیکو کاروں کا اجر تمہیں ملے۔ سعد نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم باتیں تو

نیکو کاروں جیسی کرتے ہو اور کام خطا کاروں جیسے اگر واقعاً تم ایسا کرتے ہو تو اپنے نفس پر تم نے ظلم اور اپنے عمل کو ساقط کیا۔ اپنے پروردگار سے توبہ کرو اپنے عمل کی اصلاح کرو اور اپنے کاموں میں میانہ روی برتو اور تمہارے پاس جو فاضل مال ہو اس کو اس دن کیلئے آگے روانہ کرو جس دن تم اس کے محتاج ہو گے اگر واقعاً تم ایمان داروں میں سے ہو۔ اور ایک دن ناغہ کر کے خوشبو لگایا کرو اور خوشبو لگاؤ بھی تو زیادہ نہیں۔ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے: "ایک دن ناغہ کر کے خوشبو لگاؤ اور زیادتی کے ساتھ نہ لگاؤ"۔ والسلام

امیر المومنینؑ والیوں کو پے در پے فرامین واحکام بھیجتے اور انہیں رعیت کے مال میں خرد برد کرنے رشوت لینے سے سختی کے ساتھ منع کرتے ان باتوں کو آپ حکام اور رعایا کے درمیان بدترین رابطہ اور حق وحقدار کے درمیان زبردست رکاوٹ شمار کرتے آپ کو بخوبی اندازہ تھا کہ یہ بری عادت لوگوں کو کتنی خرابیوں میں مبتلا کرنے والی ہے۔ آپ کو ایک مرتبہ کسی فوجی افسر کے متعلق خبر ملی کہ اس نے رشوت لی ہے۔ آپ نے اس کا بازو پکڑ کر اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ اکھڑ جائے فرمایا:

"اما بعد فانما اهلك من كان قبلك انهم منعوا الناس بالحق فاشتروه واخذوهم بالباطل فاقتدوه"

تم سے پہلے لوگ اس بنا پر ہلاک ہوئے کہ انہوں نے لوگوں کو ان کے حق سے محروم کیا اور مجبوراً لوگوں کو رشوت دے کر اپنا حق حاصل کرنا پڑا۔ اور انہوں نے عوام الناس کو باطل کاموں پر مجبور کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باطل رواج پا گیا۔

ایک مرتبہ کسی والی کو دعوت میں مدعو کیا گیا، والی نے دعوت قبول کر کے شرکت کی۔ امیر المومنینؑ کو جب ان کی خبر ملی تو آپ نے والی کو سخت سرزنش اور زجر و توبیخ کی کہ والی کی ضیافت رشوت ہے اور یہ رشوت والی کو کیوں دی گئی؟ اگر کسی حق کو قائم کرنے کے لئے دی گئی تو والی کا یہ فریضہ ہے کہ حق دار کو ان کا حق بغیر رشوت کے دے یا کسی باطل کو حق بنانے کے لئے رشوت دی گئی اگر ایسا کیا گیا تو والی کو ایسا کرنا ہرگز روا نہیں چاہے اسے رشوت میں ساری زمین ہی کیوں نہ دے دی جائے۔

دوسری بات یہ کہ والی ایسے ولیمہ میں شریک ہی کیوں ہوا جس میں دولت مندوں کو تو بلایا گیا تھا مگر فقیروں کو پوچھا نہ گیا اور یوں بندگان خدا میں تفریق برتی گئی۔ اس امتیازی سلوک سے بہت سے لوگوں کے دل کو تکلیف پہونچائی گئی اور علیؑ کے قلب کو بھی آزردہ کیا گیا ہاں اگر معاشرہ ٹھیک ہو سب لوگ خوشحال ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ دعوت میں کچھ لوگ بلائے جائیں کچھ لوگ نہ بلائے جائیں، لیکن جب عوام کی حالت یکساں نہیں، کوئی امیر ہے کوئی غریب تو ایسی حالت میں حاکم کو دعوت دینا رشوت نہیں تو اور کیا ہے؟

شاید بعض لوگ خیال کریں کہ ولاۃ وعمال پر امیر المومنینؑ کی اتنی سختی مناسب نہ تھی اور ولاۃ وعمال ایسی زجر و توبیخ کے سزاوار نہ تھے۔ لیکن ایسا سوچنے والوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ امیر المومنینؑ نے ہر والی کو اس کی ضرورت کے لائق اتنی آسائشیں

اور وسائل معاش مہیا کر رکھے تھے کہ اسے رشوت لینے یا بیت المال میں غبن کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی تو انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ ولاۃ پر امیر المومنینؑ کی سختی قطعی نامناسب نہ تھی۔

ایک دوراندیش انسان جو حقائق پر گہری نگاہ رکھتا ہے وہ مجبور ہے کہ سختی سے کام لے اور ہلکے خطرہ کی ابتداہی میں روک تھام کر کے اس کو بڑا خطرہ نہ بننے دے۔ ولاۃ کی اس روک تھام کا سلسلہ علیؑ کے زمانہ سے شروع ہوا نہ کہ عثمان کے زمانہ سے علیؑ والیوں کو اتنی تنخواہیں دیتے تھے جو ان کی ضروریات کے لئے ہر طرح کافی ہو اور انہیں رشوت لینا نہ پڑے پھر والی کیوں رشوت لیں۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ علیؑ والیوں کے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اپنی حکومت کی وجہ سے لوگوں سے فائدہ اٹھائیں چاہے یہ فائدہ ایک وقت کی ضیافت ہی کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس قسم کا فائدہ حکومت کے سبب اٹھایا گیا تو یہ ایک قسم کی چوری یا رشوت ہے اور علیؑ کو جب یہ تک گوارا نہ تھا کہ کوئی حاکم رشوت میں ایک وقت ہی کی ضیافت قبول کرے تو وہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ وہ کوئی شہر ہتھیا لے یا عوام کی کمائی رشوت میں لے لے۔

علیؑ اگر ایک طرف زبوں کارروالیوں پر سختی کرتے تو دوسری طرف نیکو کار والیوں کی دل دہی بھی کرتے ان کے حق کا اعتراف کرتے اپنے امام سے خلوص برتنے اور مسلمانوں کی بہبودی میں ان کی خدمات اور کوششوں پر ان کی ہمت افزائی فرماتے۔

آپ وہ خط پڑھئے جو آپ نے بحرین کے عامل عمر ابن ابی سلمہ کو لکھا تھا جس میں انہیں حکومت معزول کر کے شام چلنے کے لئے اپنے پاس بلایا تھا۔

"میں نے نعمان بن عجلان زرقی کو بحرین کی حکومت دی ہے اور تمہیں اس سے بے دخل کر دیا ہے مگر یہ اس لئے نہیں کہ تمہیں نااہل سمجھا گیا ہو اور تم پر کوئی الزام عائد ہوتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے حکومت کو بڑے اچھے اسلوب سے چلایا اور امانت کو پورا پورا ادا کیا لہٰذا تم میرے پاس چلے آؤ نہ تم سے کوئی بدگمانی ہے نہ ملامت کی جا سکتی ہے اور نہ تمہیں خطاکار سمجھا جا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے شام کے ستم گاروں کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ کیا ہے اور چاہا ہے کہ تم میرے ساتھ رہو کیوں کہ تم ان لوگوں سے ہو جن سے دشمن سے لڑنے اور دین کا ستون گاڑنے میں مدد لے سکتا ہوں انشاء اللہ۔

یہی محکم روش آپ کی اپنے عمال کے ساتھ رہی جو ان میں نیکو کار ہوتے ان کی ہمت افزائی کرتے جو غلط کار ہوتے ان پر سختی کرتے، کبھی آپ کو اس کی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی نہ کبھی لگی لپٹی رکھی اور نہ کبھی چشم پوشی سے کام لیا نہ دغا و فریب سے۔ آپ کا اصل مطمح نظر مسلمانوں کی خیر خواہی اور رعیت کے ساتھ عدل اور حق کا قائم کرنا تھا رعایا میں بھی اور عمال میں بھی۔

پس وہ حکام جو عوام کے مال میں خیانت نہیں کرتے رشوت نہیں لیتے وہ بیت المال سے اپنی ضرورت کے لائق تنخواہ پاتے تھے اور امیر المومنینؑ ان کی مدح وستائش اور ہمت افزائی بھی کرتے لیکن خیانت کرنے والے حاکموں پر آپ پہلے تو سختی و

عتاب فرماتے پھر معزول کرتے اور اگر ان کا جرم زیادہ ہوتا تو مقید بھی کر دیتے۔

والیوں کے علاوہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جنہوں نے دوسروں کا مال لوٹ رکھا تھا ذخیرے جمع کر رکھے تھے اور ناجائز ذریعوں سے بے شمار دولت بے انتہا جائیداد و املاک حاصل کر رکھی تھی چونکہ ان کا سارا مال و متاع ناجائز ذریعوں سے حاصل کیا ہوا تھا اس لئے امیر المومنینؑ نے ان سے سخت محاسبہ کیا۔ ذرا بھی نرمی نہیں برتی۔ ان کی عیاشی، پرخوری ریکمانہ لہو ولعب اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی لالچ کی سختی کے ساتھ مخالفت کی اور کوشش کہ ان کے ان اموال کے درمیان اس کو بڑھانے کے وہ درپے تھے دیوار بن جائیں دوسروں کے مال غضب کرنے کو آپ نے قولاً وعملاً ہر طرح منع کیا ذخیرہ اندوزی سے بھی سختی سے روکا جیسا کہ آپ نے مالک اشترؓ کے عہد نامہ میں تحریر فرمایا تھا:

"واعلم ان فی کثیر منهم احتکار اللمنافع و تحکماً فی البیاعات و ذالك باب مضرة للعامة و عیب علی الاولاة فامنع من الاحتکار"

یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی سنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے نفع کمانے کیلئے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکم کرتے ہیں یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں۔ یہ امر عامۃ الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام کیلئے عیب ہے پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو۔

پھر فرماتے ہیں:

ومن فارق حکرة بعد نهیك. فنکل به وعاقبة فی غیر اسراف

جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہوا سے تعزیر اور سزا دو مگر دیکھنا اس میں بھی ظلم وزیادتی نہ ہو۔

جاگیر اور علاقے پر قابض ہونے کے متعلق امیر المومنینؑ کا وہ نظریہ تھا جو عقل کے مطابق بھی تھا اور باعث فضیلت بھی اس کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔

بیگاری لینا دوسروں کی کمائی ہتھیا کر مال جمع کرنا یہ بھی ذخیرہ اندوزی کی ایک قسم ہے، امیر المومنینؑ نے اس میں بھی ذرا ڈھیل دینا گوارا نہ کیا۔ نہج البلاغہ میں اس کے متعلق جابجا آپ کے اقوال وارشادات ملتے ہیں، اپنے زمانہ کے لوگوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

فرب دائب مضیع ، ورب کادح خاسر، و قد اصبحتم فی زمن لایزداد الخیر فیه الاادبار والشر فیه الا اقبالاً والشیطان فی هلاك الناس الا طمعاً ، اضرب بطونك حیث شئت من الناس هل

تبصر الا فقیرا یکابه فقراً و غنیا ببدل نعمة الله کفراً. او بخیلا اتخذ البخل بحق الله وفراً. این خیارکم وصلحا کم و احرارکم و سمحاؤکم؟ و این المتورعون فی منکاسبهم؟ والمتزهون فی مذاهبهم

کتنے آدمی ایسے ہیں جن کی کوششیں رائیگاں گئیں، مشقتیں برباد ہوئیں، تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو جس میں خیر تو روز بروز دور ہوتا جاتا ہے اور شر برابر قریب آتا جاتا ہے اور شیطان کی لالچ لوگوں کو ہلاک و برباد کرنے کی بڑھتی جاتی ہے لوگوں میں جدھر دیکھو یا فقیر و نادار کو دیکھو گے جو ناداری کی اذیتیں جھیل رہا ہے۔ یا مالدار و دولت مند کو دیکھو گے جو کفران نعمت خداوندی کر رہا ہے یا بخیل کو دیکھو گے جو خدا کا حق ادا نہیں کرتا اور اپنے مال کی فراوانی کا خواہش مند ہے، تمہارے نیکو کار اور صالح افراد کیا ہوئے اور شریف و دریادل افراد کدھر گئے وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنی کمائی میں بڑے پرہیزگار اور رفتار و کردار میں پاکیزہ تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنی صائب فکر پاکیزہ فطرت اور عظیم خلق کے سبب اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہر وہ نظام حکومت جو عامۃ الناس کی ناداری و احتیاج دور نہ کر سکے اس کی کوئی قیمت نہیں، ہر قانون بیکار و ناپسندیدہ ہے اگر وہ رعایا میں طبقاتی تفاوت دور کرنے سے قاصر ہو۔

وہ اجتماعی قوانین جو ایسے معاشرہ کو جنم دیں، جس معاشرہ میں عوام الناس مختلف طبقات میں بٹے ہوں، وہ گنتی کے ان چند لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا ہے جنہوں نے اپنا نام اشراف اور معززین رکھ چھوڑا ہے جو انتہائی شرمناک طریقوں سے عوام کے حقوق اور ان کے اموال لوٹتے رہتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علیؑ ابن ابی طالبؑ نے عوام الناس کی احتیاج و ناداری دور کرنے کے لئے اثباتی اقدامات کئے ان کے اقدامات دو بنیادوں پر قائم تھے۔

ایک یہ کہ بیت المال کی دولت، آراضی، جائیدادیں اور حصول دولت کے تمام ذرائع پوری قوم کی ملکیت ہیں اور ضروری ہے کہ ان چیزوں کو استحقاق اور احتیاج کے لحاظ سے پوری قوم پر تقسیم کیا جائے ہر شخص کام کرے اور اپنی محنت کے لحاظ سے ان سے فائدہ اٹھائے کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنی ذاتی خواہش سے جو چاہے لے لے اور مال عام کو اپنا خاص قرار دے، افراد کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ وہ سوسائٹی اور سماج سے تعاون کریں اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہونچائیں اور خود دوسروں کے ذریعہ مستفید ہوں وہ سوسائٹی اور سماج سے جتنے فائدے اٹھائیں گے وہ ان فوائد سے ہزار گنا زیادہ ہوں گے جو ان افراد کی ذات سے سوسائٹی اور سماج کو پہونچیں گے۔ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

من یقبض یده عن عشیرته فانما تقبض منه عنهم ید واحدة تقبض منه اید کثیرة

جس شخص نے اپنا ہاتھ قوم وقبیلہ کی ایذا رسانی سے روکا اس نے یوں تو اکیلا اپنا ہاتھ روکا مگر ہزاروں ہاتھ اپنے سے دور کر دیئے۔

حکومت کو چاہئے کہ اس عادلانہ سیاست کو مکمل حیثیت سے برتے اس لئے کہ عوام بمنزلہ ایک جسم کے ہیں اور حکومت پر لازم ہے کہ اس جسم کے تمام اعضا کے ساتھ ان کی ضرورتوں کے مطابق برتاؤ کرے نہ کسی کو نظر انداز کرے نہ کسی کے حق میں کوتاہی کرے۔ نہ ان کے درمیان تفریق و امتیاز کو روا رکھے اسی صورت سے حکومت کے لئے ممکن ہے کہ وہ قوم سے خراج اور بیت المال کے حقوق حاصل کرنے اور رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرے۔

دوسری چیز جس پر علیؑ نے اپنے عمل کی بنیاد رکھی زمین کی آبادکاری کی کوشش تھی کہ خلائق کی زندگی اور ان کے فلاح و بہبود کا اسی زمین پر انحصار ہے۔ ولاۃ و عمال کو چاہئے کہ وہ جتنا خراج اور سرکاری محصولات حاصل کرنے کے لئے سرگرمی سے کام لیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ زمین کو آباد کرنے کی کوشش کریں کہ جب زمین ہی آباد نہ ہوگی تو خراج کہاں سے ملے گا۔ ہر وہ حاکم جو زمین کو تو آباد نہ کرے اور پبلک سے خراج کا خواہاں ہو وہ نادان اور ظالم ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شہر ویران ہو جائیں۔ خلائق تباہ ہوں اور خود اپنی وقعت و عزت خاک میں ملا دے۔ زمین اپنے آپ آباد نہیں ہو جاتی اور نہ حکام کی نہ سطوت حاکمانہ سے آباد ہو جاتی ہے نہ زمین کی۔ آبادی اسی کا نام ہے کہ اس پر اونچے اونچے محلات ہوں جس میں بڑے بڑے دولت مند فارغ البال افراد مقیم ہوں، زمین محنت کشوں کی کوششوں سے دیہات کے باشندوں کی خوشحالی سے آباد ہوتی ہے۔ امیر المومنینؑ کی سخت ممانعت تھی کہ اگر رعایا۔۔۔۔ خستہ حال ہوں اور اپنے حکام سے خوش نہ ہوں تو ان سے ہرگز خراج نہ لیا جائے۔

اصول رعیت پروری انسان دوستی اور اخلاقی قدروں کا تقاضا ہے کہ رعایا خراج خوشی خاطر عنایت کریں نہ تنگی و پریشاں حالی کی حالت میں۔ والیوں کا فریضہ ہے کہ وہ پہلے رعایا کو خوشحال بنانے کی کوشش کریں، پھر خراج اور محصولات وصول کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ امیر المومنین علیہ السلام اپنے خراج کے کارندوں سے فرماتے ہیں:

"لوگوں سے خراج وصول کرنے کے لئے ان کے جاڑے یا گرمی کے کپڑے اور مویشیوں کو جن سے وہ کام لیتے ہیں فروخت نہ کرو۔ اور کسی کو پیسے کی خاطر کوڑے نہ لگاؤ اور نہ انہیں پیسے کیلئے پیروں پر کھڑا رکھو اور نہ ان کے سامان میں سے کوئی چیز خراج کے لئے فروخت کرو اس لئے کہ خدا نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ضرورت سے جو فاضل ہو وہ لیں۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

مالگذاری کے معاملہ میں مالگذاری ادا کرنے والوں کا مفاد پیش نظر رکھنا کیونکہ باج اور باجگذاری کی بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کئے جاسکتے ہیں۔

زمین اور اس کی آبادی کے متعلق امیر المومنینؑ کے یہ کلمات اور آپ کا اندازہ کہ حکومت کی فلاح و بہبود پر موقوف ہے رعیت کی فلاح و بہبود یہ اتنا صحیح و درست ہے کہ صدیاں گزر گئیں مگر ان کی صداقت میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، آج جتنے بھی اقتصادی اور معاشرتی علوم رائج ہیں، اس کی تائید کرتے ہیں۔

رعایا زمین کو آباد کرنے میں کس طرح کوشش کریں کیونکر زمین کا سینہ چیر کر اس کی نعمتوں کو برآمد کریں تا کہ افراد اور عوام کی آسائش کا سامان ہو، علیؑ نے اس کے لئے ایسا عام قاعدہ مقرر کیا جو آج کے اجتماعی علوم میں بھی ثابت و مسلم ہے۔

زمانہ جاہلیت کے لوگوں اور گزشتہ زمانہ کے بت پرستوں کا قاعدہ یہ تھا کہ زمین کو آباد کرنے کا کام غلاموں قیدیوں اور کمزوروں سے زبردستی لیتے اور اگر ان کے حال پر کچھ ترس آتا تھوڑی مزدوری بھی دے دیتے لیکن زمین کی پیداوار کا اکثر و بیشتر حصہ وہ لوگ اٹھالے جاتے جو زمین کے مالک تھے اور بغیر محنت کے ساری پیداوار ہتھیا لیتے یہ طبقہ معززین و اشراف دولت مند اور جاگیرداروں کا طبقہ تھا۔

ان لوگوں کے قانون میں نہ انسان کی کوئی وقعت تھی نہ ان کی محنتوں کا کوئی صلہ۔ سلاطین و حکام خلائق کو اپنا بندہ سمجھتے اور ان سے ہر طرح کی بیگار لیتے ان کی شریعت کی بنیاد ہی لوگوں کو اپنا غلام بنانے بلکہ یوں کہئے کہ بدبختوں اور بیچاروں کے قتل و ہلاکت پر مبنی تھی۔ لوگوں کی فکریں پست تھیں حکام ان کی نادانی کو غنیمت سمجھتے اور ان کو اپنا غلام بنا لیتے، بت پرست کاہنوں نے بھی جو اس زمانہ کے مذہبی پیشوا ہوا کرتے غلام بنانے کو مذہبی طور پر جائز قرار دے کر حکام کا ہاتھ مضبوط کر دیا تھا۔ ان کاہنوں نے عوام کو ایسا فریب دے رکھا تھا کہ وہ حکام کی آسائش کے لئے سر کاٹ کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دیتے اپنے کو ہولناک مہلکوں میں ڈال دیتے اپنی جانیں گنوا بیٹھتے تا کہ حکام بیشمار دولت کے مالک ہو جائیں اور اپنے قلمرو میں ایک اور ملک شامل کر لیں یہ سب کچھ وطن کے نام پر ہوتا کبھی اس معبود کے نام پر جس کی وہ لوگ پرستش کرتے۔

مشہور انگریزی مورخ ویلس لکھتا ہے:

''بت پرست کاہن لوگوں کو سکھاتے تھے کہ زمین جس کو تم جوتتے بوتے ہو تمہاری ملکیت نہیں بلکہ ان خداؤں کی ملکیت ہے جن کے بت مندروں میں آویزاں ہیں، اور خداؤں ہی نے یہ زمینیں حکام کو دے رکھی ہیں اب یہ حکام کی مرضی پر موقوف ہے وہ اپنے جس خادم کو چاہیں دے دیں۔

کسان خود بھی یہ یقین کرنے لگے تھے کہ ہم جس زمین کو جوتتے بوتے ہیں وہ ہماری نہیں اس کا مالک معبود (بت) ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم زمین کی پیداوار کا ایک حصہ بت کے نائب کے حوالہ کر دیں یا یہ کہ معبود نے یہ زمین حاکم کو عنایت کر رکھی ہے اور حاکم کو حق ہے کہ جس جس قسم کے ٹیکس چاہے لگائے یا یہ کہ حاکم نے یہ زمین ایک زمیندار کو دے رکھی ہے اور وہ

زمینداری ہمارا آقا ہے۔ بعض اوقات بت یا حاکم یا زمیندار کا کوئی کام پڑ جاتا اس وقت کسان کا فریضہ تھا کہ زمین چھوڑ کر اپنے مالک کے کام میں لگ جائے کسان کے ذہن و دماغ میں یہ خطور تک نہ ہوتا کہ جس زمین کو ہم جوتتے بوتے ہیں اس پر ہمارا کوئی حق ہے۔ غرض کہ کسان کو نہ تو کوئی اختیار ہی حاصل تھا نہ زمین پر کوئی حق ہی تھا"۔ (منقول از کتاب من تحنا مصنفہ خالد محمد خالد صفحہ ۶۶)

عرب کی تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت علیؑ کے بعد جن لوگوں کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی انہوں نے زمین، اس کی پیداوار اور حکومت کے خزانے کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کرلیا ان لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ تمام مال خدا کا ہے اور ہم زمین پر خدا کے نائب اور نمائندے ہیں جس کو ہم چاہیں دیں جس کو چاہیں نہ دیں کسی کو ہم پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ [1]

لیکن علی ابن ابی طالبؑ کو حقیقت امر کا پورا پورا علم تھا وہ بہت دور اندیش اور گہری نگاہ رکھنے والے انسان تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کو زمین اور مال کی کوئی حاجت نہیں اور یہ زمین ان لوگوں کی ہے جو اس پر محنت کریں۔ علیؑ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کسان اور کاشتکار تہی دست ہو گئے تو زمینیں ویران ہو جائیں گی اور محصول ملنا مشکل ہوگا۔ زمینوں کی آبادی انہیں لوگوں کے ہاتھوں ہو سکتی ہے جو اس کے مالک ہوں اور اس کے پیداوار سے فائدہ اٹھائیں اگر کاشتکاروں کو یہ یقین ہو جائے کہ ہماری محنتوں کا ثمرہ ہمیں حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ فضول خرچ حاکموں کے پاس پہونچ جائے گا اور ان کے خزانے بھریں گے تو

---

[1] اس کی شروعات حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ ہی سے ہو چکی تھیں۔ عہد پیغمبر اور خلافت شیخین تک تو ہر چیز مسلمانوں کی ملکیت۔ اور سب ہی مسلمان برابر کے حقدار سمجھے اور کہے جاتے تھے لیکن حضرت عثمان کے رجحانات میں کافی تبدیلی آگئی تھی وہ ہر مال کو مال اللہ اور اپنے کو مسلمانوں کا ملک و مختار جانتے بس مال کو جہاں چاہتے صرف کرتے جس کو چاہتے دیتے جس کو چاہتے محروم رکھتے۔ کیا خوب نقشہ کھینچا ہے امیر المومنینؑ نے اس دور کا فرماتے ہیں:

الیٰ ان قام ثالث القوم نافجا حضنیہ بین نثیلہ و معتلفہ و قام معہ بنوا بیہ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع

قوم کا تیسرا آدمی متکبرانہ انداز میں پیٹ پھلائے اپنے چارہ اور لید کی جھچھالیدر میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کے باپ کی اولاد (بنو امیہ) کھڑے ہوئے اور خدا کا مال خوب چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع میں گھاس کھاتا ہے۔

وہ مال جس میں تمام مسلمانوں کا حق ہوتا اور جس سے کسی کو بھی محروم کرنا جائز نہ تھا حضرت عثمان جائز مستحقین اور حقیقی حصہ داروں کو محروم کر کے اپنے خاص الخاص عزیزوں رشتہ داروں کو دے دیتے۔ بسا اوقات حضرت عثمان کی زبان سے ایسے فقرے بھی نکل جاتے جو اسی دور جاہلیت کے عقائد کی غمازی کرتے کہ زمین اس کی پیداوار سلطنت کے خزانے حاکم کی خاص ملکیت ہیں اور حاکم جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے ان کا فقرہ تاریخ کی سب ہی کتابوں میں موجود ہے کہ:

ھذا مال اللہ اعطیتہ من شئت وامنعہ من شئت فارغم اللہ انف من رغم

یہ خدا کا مال ہے جسے میں چاہوں گا دوں گا اور جسے نہ چاہوں گا محروم رکھوں گا کوئی خفا ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ امیر معاویہ اور دیگر خلفائے بنی امیہ حضرت عثمان ہی کے عزیز رشتہ دار اور ان کے قوم و قبیلہ کے تھے انہوں نے اپنے وقت میں جو کچھ کیا حضرت عثمان ہی کی تقلید میں کیا۔

سستی اور بے دلی سے کام کریں گے اور زمین کی آبادی میں سعی و کوشش نہ کریں گے۔ اخود بھی پریشان حال ہوں گے اور دوسرے بھی ان کی ریاضتوں کے پھل سے محروم رہیں گے۔ لیکن اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم جتنی زیادہ محنت کر کے زیادہ غلہ پیدا کریں گے اتنا ہی زیادہ فائدہ ہمیں ہوگا ہماری اولاد کو فائدہ ہوگا اور حکومت بھی زراعتی ٹیکس لیکر اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو بانٹ نہ دے گی بلکہ رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرے گی تو وہ جی جان سے محنت کریں گے وہ بھی خوش حال ہوں گے اور حکومت کا غرور بھی افزوں ہوگا۔

رعیت کی خوشنودی و رضامندی امیر المومنینؑ کی نظروں میں عوام کی فلاح و بہبود اور حاکم کی حالت کی بہتری دونوں ہی کا واحد ذریعہ تھی زور زبردستی بدترین تدبیر ہے۔ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

وان افضل قرة عين الولاة استقامة العدل فی البلاد ، و ظهور مودة الرعية و انه لا تظهو مودتهم الا بسلامة صدورو لا نصح نصيحتهم الا بقلة استثقال و دهم

حکمرانوں کیلئے بہترین خنکی چشم اور مسرت قلب کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف قائم ہو اور رعیت کی محبت اور مودت ظاہر ہونے لگے اور جب تک ان کے دل سالم اور صاف نہ ہوں ان کی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی اور ان کا اخلاص اس وقت تک درست و قابل اعتبار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں، اس کے عہد گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑیں کہ اس کی مدت حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی۔

علیؑ نے کاشتکاری اور ہر دوسرے کام کو باعزت پیشہ سمجھا، معطل و بیکار رہنے سے روکا، ہر شخص کو اس کی محنت کے لحاظ سے مزدوری دینا واجب قرار دیا، ان باتوں میں علیؑ نے بڑی سختی برتی تا کہ ہر شخص یہ سمجھ لے کہ جب تک کوئی شخص محنت مشقت نہ کرے علیؑ اس کو دیتے دلاتے نہیں اپنے حقیقی بھائی عقیل ابن ابی طالبؑ کے ساتھ علیؑ کا برتاؤ دنیا جانتی ہے انہوں نے بغیر کسی محنت و خدمت کے علیؑ سے روپے پیسے چاہے تھے علیؑ نے انہیں مایوس و ناکام واپس کر دیا۔

علیؑ کی نظروں میں اس سے بدتر کوئی ظلم نہ تھا کہ کام کرنے والے کو اس کی مزدوری نہ دی جائے اور سوئی کی نوک کے برابر بھی اس کی حق تلفی کی جائے اگر کوئی کام معززین و اشراف سے عمل میں آئے تو اسے بہت اہمیت دی جائے اور اگر معمولی

ا اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب کاشتکار اور کسان زمین کی پیداوار میں مالک زمین کے حصہ دار ہوں گے تو زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی توقع میں زمین کو آباد کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے لیکن اگر ان کی حیثیت ایک مزدور کی ہوگی جیسا کہ سوشلزم کے حامی کہتے ہیں تو زمین کو آباد کرنے کی زیادہ کوشش ہی نہ کریں گے کیونکہ جب انہیں یہ یقین ہوگا کہ اگر ہم محنت کر کے پیداوار سوگنی بھی بڑھا دیں تب بھی ہمیں اتنی ہی مزدوری ملے گی جتنی پہلے ملتی تھی تو بیکار کیوں اپنی محنت برباد کریں گے۔

نیز سوشلسٹ حکومت رعیت کے لئے بہت سنگین بار ہیں وہ رعایا کے ہر کام میں مداخلت کرتی ہیں رعایا ان کی کسی طرح خیر خواہ نہیں ہوتی کیونکہ انہیں حکومت پر پورا بھروسہ نہیں ہوتا۔

لوگ کوئی کام کریں تو اسے حقیر سمجھا جائے۔ ضروری ہے کہ کام کو دیکھا جائے نہ کہ کام کرنے والے کو اگر کام بڑا ہے تو کام کو بڑا سمجھا جائے اس کو انجام دینے والا معمولی شخص ہی کیوں نہ ہو معمولی کام ہو تو اسے معمولی سمجھا جائے چاہے اس کام کا کرنے والا بڑا ہو یا چھوٹا۔ آپ کے زمانہ میں بہت سے کارگذار اور محنت کرنے والے ایسے تھے جنہوں نے اپنی مزدوری نہ پائی مشقتیں اٹھائیں مگر وہ مشقتیں رائیگاں گئیں امیر المومنین کو یہ بات انتہائی ناگوار تھی۔ جب تک زمین پر انسان کے قدم رہیں گے۔ امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد سماجی و اخلاقی دستور کالازوال سرمایہ بنا رہے گا:

ثم اعرف لکل امری منهم ما ابلی ولا تضیفن بلاء امری الی غیره ۔ ولا تقصرن به دون غایة بلائه ولا یدعونك شرف امری الی ان تعظم من بلائه ما کان صغیراً ولا ضعة امری الی ان لستصغر من بلائه ما کان عظیماً

ہر شخص جس کارنامے کو انجام دے اسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کر دینا اور اس کارنامے کی وجہ سے وہ جس انعام و اکرام کا مستحق ہو اس میں کمی نہ کرنا اور کبھی ایسا نہ کرنا کہ کسی شخص کی بلندی و رفعت کی وجہ سے اس کے معمولی کام کو بڑا سمجھ لو اور کسی بڑے کام کو اس کے خود پست ہونے کی وجہ سے معمولی قرار دے لو۔

زمین کی آبادی اور کام کے لحاظ سے پوری پوری اجرت یہ دونوں مضبوط ستون تھے جن پر علیؑ بہتر و صالح معاشرہ کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے تھے۔ ایک علاقہ کے لوگ امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک نہر ہے جو اب پٹ چکی ہے اگر وہ پھر کھد جائے تو اس سے ہم لوگوں کو بہت فائدہ پہونچے گا ان لوگوں نے خواہش کی کہ آپ حاکم کو لکھ دیں کہ اس نہر کی کھدائی میں شرکت ہر شخص پر لازم کر دے۔ امیر المومنینؑ نے یہ تو منظور کیا کہ وہ نہر کھد جائے لیکن یہ درخواست منظور نہ کی کہ لوگوں کو اس کے لئے مجبور بھی کیا جائے۔ آپ نے اس علاقہ کے حاکم قرظہ بن کعب کو لکھا:

اما بعد: تمہارے علاقہ کے لوگ میرے پاس آئے انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کے علاقہ میں ایک نہر تھی جو اب پٹ چکی ہے اگر وہ نہر یہ لوگ پھر کھود لیں تو اس کے ذریعہ ان کا علاقہ آباد ہوگا۔ اور ہر قسم کا خراج دینے پر انہیں قدرت ہوگی۔ اور ان کے یہاں سے مسلمانوں کے محاصل میں اضافہ ہوگا۔ ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی میں تمہیں اس مضمون کا خط لکھوں کہ تم وہاں کے لوگوں کو اس نہر کی کھدائی کے لئے اکٹھا کرو۔ لوگوں کو بلاؤ جو شخص خوشی خاطر کام کرنے پر تیار ہو اس سے کام لو اور جب وہ نہر بن کر تیار ہو جائے تو اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھانے کے حقدار ہوں گے جنہوں نے اس کی کھدائی میں حصہ لیا ہوگا۔ جو لوگ حصہ نہ لیں گے ان کو اس کے استعمال کا حق نہ ہوگا اگر وہ لوگ اپنے علاقہ کو آباد کریں اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو تو کہیں اچھا ہے بہ نسبت ان کے کمزور ہونے کے۔

کسی سے بیگار لینا امیر المومنینؑ کے نزدیک جائز نہ تھا۔ اگرچہ ایک جماعت لوگوں کی اس کی خواہش مند تھی۔ اصل چیز عمل ہے۔ علیؑ فرماتے ہیں تم کو عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے رہ گئی نہر تو اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے جو اس کی کھدائی میں ہاتھ بٹائیں گے۔ لیکن جو لوگ ہاتھ نہیں بٹانا چاہتے انہیں مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کام خوشی خاطر جبر و اکراہ سے نہیں یہ ایسا نظریہ تھا علیؑ ابن ابی طالبؑ کا جس کے وہ سختی سے پابند تھے۔

آج سے صدیوں پہلے کام اور کام کرنے والے کے متعلق امیر المومنینؑ یہ دستور بنا کر آج کل کے مفکرین و مغرب سے سبقت لے گئے تیرہ سو برس پہلے جو بات علیؑ کہہ چکے تھے وہی آج مغرب کے مفکرین بڑے شدومد سے پیش کر رہے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے عدل و انصاف کی ایسی بنیاد قائم کی ہے کہ اس بنیاد سے زیادہ مضبوط اور دانش مندانہ بنیاد تصور بھی نہیں کی جاسکتی[1]۔ اور وہ بنیاد یہ ہے کہ کسی سے زبردستی کام نہ لیا جائے چاہے وہ کام کتنا ہی نفع بخش کیوں نہ ہو اس لئے کہ زبردستی کام لینا انسانیت کی توہین ہے انسان کی قیمت گھٹا دینا ہے اور اس کی مخصوص آزادی پر ظلم ہے۔ مزید برآں وہ کام بھی بے وقعت ہو جاتا ہے جو زور زبردستی سے ہو کیونکہ جس پر زبردستی کی جائے گی وہ کبھی جی لگا کر نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کی طبیعت اس سے گریزاں ہی رہے گی البتہ آپ نے دوسری طرح انہیں ترغیب دلائی وہ یوں کہ آپ نے صراحت فرمادی کہ جو شخص نہر کھودنے میں ہاتھ بٹائے گا وہی اس کے پانی سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہوگا۔ دوسرا نہیں۔ آپ نے فرمایا[2]۔

والنهر لمن عمل دون من كرهه

نہر ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس کی کھدائی میں کام کیا نہ کہ ان لوگوں کی جنہوں نے ہاتھ بٹانے سے گریز کیا۔

علیؑ کا یہی وہ دستور وہ ستون ہے جس پر بیسویں صدی کے مفکرین کے عظیم ترین عقائد و نظریات قائم ہیں اس بنا پر ہر شخص کے لئے کام کرنا ضروری ہے، کوئی شخص چھوٹا یا بڑا نہیں مگر اپنے کام کے لحاظ سے جو شخص کام کرے گا اپنے کام کی جزا پائے گا۔

---

[1] اہل مغرب اس بارے میں دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک جماعت زبردستی کام لینے کو ظلم اور ناجائز سمجھتی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا دوسری جماعت لوگوں نے زبردستی کام لینے کو ضروری قرار دیتی ہے۔ سوشلزم کا یہی دستور ہے۔

[2] امیر المومنینؑ نے مکتوب کے آغاز میں تحریر فرمایا تھا کہ والی لوگوں کو نہر کی کھدائی اور اس کے مصارف برداشت کرنے کی طرف رغبت دلائیں جو خود کام کر سکے وہ کام کرے جو کام نہ کر سکے وہ اپنی طرف سے مزدور کو اجرت دے کر رکھے نہر کے مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے نہر کی کھدائی میں جسمانی یا مالی حیثیت سے شرکت کی ہے۔ وہ اس نہر کے مالک ہیں جب تک ان کی ضرورتیں پوری نہیں ہو جاتیں دوسرا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ انہیں حق ہے کہ وہ دوسرے کو نہر سے پانی نہ لینے دیں یا قیمت لے کر پانی دیں۔ یہی مطلب ہے کہ اس حدیث کا جو گزشتہ صفحات میں بیان کی جاچکی ہے کہ وہ والنحر لمن عمل دون من کرهه نہر ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس کی کھدائی میں کام کیا ہے نہ کہ ان لوگوں کی جنہوں نے ہاتھ بٹانے سے گریز کیا۔ ۱۲

معززین اور اشراف کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسروں کی محنت کا ثمرہ خود ہتھیالیں اور ان کے حق کا پاس ولحاظ نہ کریں۔ اگر خدا کسی کو محبوب رکھتا ہے تو بقول حضرت علیؑ امانت دار پیشہ ور کو دوست رکھتا ہے اگر کوئی شخص اپنی محنت ومشقت سے مال حاصل کرتا ہے تو طبعی طور پر اس کا مخصوص مال ہے کیونکہ اس نے اپنے دست و بازو سے کمایا ہے۔ البتہ قوم وملت کے مصالح کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔ یہ مال اس کا ذاتی مال اسی وقت تک رہے گا جب تک کہ مصالح عامہ کو نقصان نہ پہنچے اگر مصلحت عامہ مقتضی ہوئی کہ افراد کے مال کا ایک حصہ لے کر ایسے کاموں میں صرف کیا جائے جو تمام خلائق کے فلاح و بہبود کے ہوں تو بے شک اتنا مال صرف کر دیا جائے گا۔ یہ مال جس طرح افراد کے فائدہ کے لئے ہوتا ہے اسی طرح جامعہ یعنی قوم وملت کے فائدہ کے لئے بھی (اسی بنا پر صاحبان مہر سے بیت المال کے لئے خراج وصول کیا جاتا تھا) جب ملکیت کے حدود یہ قرار پائیں گے تو نہ دولت کی بہتات ہوگی اور نہ قوم میں ناداروں کا وجود ہوگا۔

اگر قوم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو کام کرنے سے مجبور وناتواں ہوں جیسے چھوٹے یتیم بچے تو کیا علیؑ نے عربی ممالک کے لوگوں کی طرح انہیں فراموش کر دیا ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی یا ان کا پاس ولحاظ بھی کیا اور عدل وانصاف کے موافق اور اخلاق کے تقاضوں کے مطابق ان کا خیال کیا۔

بلاشبہ قوم وملت کا افراد پر حق ہے اور افراد کا قوم وملت پر۔ قوم مثل ایک جسم کے ہے جو مختلف اعضاء سے مرکب ہوتا ہے۔ ہر عضو کیلئے ضروری ہے کہ دوسرے عضو کی مدد کرے ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے کام کا فائدہ اٹھائے خداوند عالم نے ضروریات زندگی میں سب کو حصہ دیا ہے۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں ہے کہ ضروریات زندگی کو اپنے لئے مخصوص کرے دوسرے کو محروم کرے لیکن وہ لوگ جو کام کرنے سے عاجز ولاچار ہوں جیسے کمسن بچہ یا بوڑھا ضعیف تو قوم کا فریضہ ہے کہ ان کی ضروریات کی کفیل ہو اور وہ لاچاروں کے ساتھ اسی طرح انصاف کرے جس طرح دوسرے لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لیتی ہے۔ یہ واجبی حق ہے کوئی نیکی واحسان نہیں اور اس حق کی ادائیگی کے ذمہ دار اور جواب دہ حکومت اور حکومت کے افراد ہیں حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

فان هٰؤلاء من بین الرعیة احوج الی الانصاف من غیرهم. وتعهد اهل الیتیم وذی وی الریة فی السن ممن لاحیلة لهم

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں لہٰذا ہر ایک کا حق اس کو ادا کر کے خدا کے سامنے پیش

ا شریعت اسلامیہ میں زکوٰۃ اسی لئے واجب کی گئی ہے۔ کافی میں عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے مالداروں کے مال میں ناداروں کا وہ حق مقرر کیا جوان کی کفالت کرے اگر خداوند عالم کو معلوم ہوتا کہ یہ کفالت نہ کرے گا تو اس سے زیادہ کا حکم دیتا۔

کرنے کے لئے عذر مہیا کرلو اوران یتیموں اورسن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو جو نہ خود اپنی معاش کے لئے کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دست سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں"

علیؑ اس معاملہ میں ہزاروں مفکرین اوردانشمندان مغرب پر سبقت لے گئے انہوں نے اس ضروری بات کا احساس کیا اوران عاجز و ناتواں افراد کے حقوق کا پاس ولحاظ حکومت کے فرائض سے قرار دیا نیکو کاروں کے تفضل واحسان پر نہیں چھوڑا تاکہ ریاکار منافقین کو فتنہ وفساد پھیلانے کا موقع باقی نہ رہے۔[1]

علیؑ کا ضمیر اوران کی عقل دونوں اس حقیقت کے اچھی طرح معترف تھے کہ تمام انسان زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ حق اجتماعی زندگی کی ضروریات سے ہے اورحریت وآزادی اس وقت تک کسی کام کی نہیں جب تک روزی میسر نہ ہو نہ بغیر اس کے بہتر معاشرہ وجود میں آسکتا ہے، آپ نے قانون بنادیا کہ تمام انسانوں کے یکساں حقوق ہیں سب حقوق میں ایک دوسرے کے برابر ہیں پھر آپ نے اسی قانون کی روشنی میں یہ طے کیا کہ بیت المال کی دولت کے حاجت مند افراد زیادہ مستحق ہیں نہ کہ دولت مند حضرات خواہ وہ دولتمند حضرات اسلام میں سابقیت ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

محنت وکوشش ہی مستحق بناتی ہے مزدوری کا اور محنت ہی کرکے کوئی مال حاصل کرسکتا ہے یا زمین کا مالک بن سکتا ہے۔

امیرالمومنینؑ کے فرامین، حکام وولاۃ کو مسلسل پہونچتے رہتے ان پر سخت تاکیدیں ہوتی رہتیں کہ عوام کو ستائیں نہیں، جو کاشتکار تہی دست ہوں ان سے خراج کا تقاضا نہ کریں بلکہ ان کی مدد واعانت کریں تاکہ وہ محبت کرکے زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کریں خراج مالدار سے لیا جائے تاکہ بیت المال آباد ہو اورناداروں کی احتیاج دور کرنے میں کام آئے۔

کتنی شرمناک بات ہے کہ ہم آج کل کے زمانہ میں جبکہ انسانی حقوق کا بڑے شدومد سے اعلان کیا جاتا ہے بہت سے مشرقی ممالک کو دیکھتے ہیں کہ وہ غریبوں پر ٹیکسوں کے بوجھ لادتے چلے جاتے ہیں اور جو چیزیں ان کی ضروریات کی ہیں ان سے چھین کر اپنا خزانہ بھرتے ہیں، ڈرادھمکا کر قرقی کے ذریعہ ان کے معمولی اورحقیر سامان فروخت کرکے ٹیکس وصول کرتے ہیں اوران پر وہ تمام حربے آزمائے جاتے ہیں جو کسی زمانہ میں نیرو اور چنگیز اور نمرود وفرعون آزمایا کرتے تھے۔

---

[1] ناداروں کی حاجت روائی اوران کی ضروریات پوری کرنا صرف حکومت کا فریضہ نہیں جیسا کہ مولف نے کہا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں حکومت پر بھی فرض کیا گیا ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت کرے اور افراد واشخاص پر بھی۔ اگر زکوۃ کی وصولی اورناداروں میں اس کی تقسیم صرف حکومت کا فریضہ ہوتی تو خرابی کے امکانات زیادہ تھے کیونکہ جو لوگ حکومت سے قریب ہوتے جن کی پہونچ زیادہ ہوتی وہ بہرہ مند ہوتے اور جو دور ہوتے جن کی رسائی دشوار ہوتی وہ محروم رہتے۔ اسی لئے خداوند عالم نے افراد کو حکم دیا ہے کہ اپنے عزیزوں نزدیک کے لوگوں ہمسایوں اپنے ہی شہر کے غریبوں کو نیز جس کی جس کی ناداری سے وہ بخوبی آگاہ ہوں حق زکوۃ پہونچائیں جب اپنے رشتہ دار اہل شہر ہمسایہ اورواقف کاروں میں کوئی مستحق نہ ہو تب حکومت کے حوالے کریں۔ ۱۲

مشرقی حکومتیں اپنی رعایا کو نہ پہچانتی ہیں نہ ان کے حقوق تسلیم کرتی ہیں نہ ان کی ناداری و احتیاج دور کرنے کی کوئی کوشش کرتی ہیں تاکہ رعیت بھی ان رفاہی کوششوں کا پورا بدلہ دے سکے۔

ہماری نگاہوں میں علیؑ کتنے عظیم نظر آتے ہیں ان کی قدر و منزلت کتنی محیر العقول نظر آتی ہے جب ہم سنتے ہیں کہ آج سے ۱۴سو برس پہلے علیؑ اپنے عاملوں کو تاکیدی حکم دیتے تھے کہ:

ولا یبیعن للناس فی الخراج کسوۃ شتاء ولا صیف ولا رزقاً یاکلونہ ولا دابۃ یعتملون علیھا ولا تضربن احداً منھم سوطاً لمکان درھم ولا تقمہ علی رجلہ فی طلب درھم، ولا تبع لاحد منھم عرضاً فی شیء من الخراج فانما امرنا ان ناخذ منھم بالعفو ولیکن نظرک فی عمارۃ الارض ابلغ من نظرک فی استجلابا الخراج

اور لوگوں سے خراج وصول کرنے کے لئے ان کے جاڑے یا گرمی کے کپڑوں، ان کے کھانے پینے کے سامان کو اور مویشیوں کو جن سے وہ کام لیتے ہوں فروخت نہ کرنا اور کسی کو پیسہ کی خاطر کوڑے نہ لگانا نہ پیسہ کی تلاش میں پیروں پر کھڑا رکھنا نہ خراج کے لئے کسی کا کوئی سامان بیچ ڈالنا۔۔۔۔۔اور خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رکھنا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

امیر المومنینؑ نے اپنے زمانہ کے ناداروں کی خستہ حالی اور پریشاں خاطری کے اسباب چند مختصر فقروں میں بیان کر دیئے ہیں اور ان فقروں کی شرح و تفصیل اپنے بے شمار عہد ناموں اور وصیتوں میں فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں:

ما جاع فقیراً الا بما متع بہ غنی

اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اس لئے کہ وہ دولت مند نے اسکا حصہ روک لیا ہے۔

یہ وہ بزرگ ترین حقیقت ہے جو بنیاد ہے آج کل کے عادلانہ نظام کی یہ علیؑ نے چودہ سو برس پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور اسی وقت انھوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے اس کے اصول و قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے تھے۔ میرا ایک لبنانی مصنف دوست بیان کرتا ہے کہ جن دنوں میں یورپ کے ایک بڑے شہر میں مقیم تھا اور وہاں فقر و ناداری کو ختم کرنے کی تحریک چل رہی تھی میں نے وہاں کے وزیر تعلیم سے کہا:

ہم عرب کے رہنے والے آپ لوگوں سے صدیوں پہلے اس طبقاتی تفاوت اور اس کے مضرات کو سمجھ چکے ہیں جس کے دور کرنے کے لئے آپ کوشاں ہیں۔

وزیر تعلیم نے پوچھا وہ کیسے؟

میں نے کہا چودہ سو برس پہلے علیؑ ابن ابی طالبؑ کہہ چکے ہیں ما رایت نعمة موفورة الا والی جانبها حق مضیع میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہیں دیکھی مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔

وزیر تعلیم نے کہا ہم تم سے کہیں بہتر ہیں۔

میں نے کہا وہ کیسے؟

وزیر تعلیم نے کہا وہ یوں کہ ایک عربی شخص نے باوجو دیکہ آج سے چودہ سو برس پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا لیکن آج تک تم نے اس ناداری کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی اسی فقر و ناداری کی مصیبت میں آج تک مبتلا ہو اور ہم تم سے پہلے ہی فقر و ناداری سے نجات پانے کی تدبیروں میں لگ گئے لہذا تم ہم لوگوں سے چودہ سو برس پیچھے ہو یعنی اگر ہم حضرت علیؑ کا فقرہ اسی وقت سن لئے ہوتے تو اسی وقت سے مصروف عمل ہو جاتے۔

قبل اس کے کہ ہم اس فصل کو ختم کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب تک جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس کا مختصر لفظوں میں خلاصہ بیان کر دیں اور ناظرین کو توجہ دلائیں کہ یورپ کے جدید مفکرین کے افکار و نظریات کو علی ابن ابی طالبؑ کے ان افکار و نظریات سے ملا کر دیکھیں جو انہوں نے سوشل اور معاشرتی مسائل کے متعلق بیان فرمائے ہیں اور ان پر سنجیدگی سے غور کریں۔

ہم حضرت علیؑ کے معاشرتی اصول و نظریات کو ۹ جملوں میں بیان کر سکتے ہیں۔ یہ اصول و نظریات دولتمندی اور ناداری اور لوگوں کے طبقاتی تفاوت کے اسباب و علل ہیں یا یوں کہا جائے کہ یہ ناداری و احتیاج کو زائل کرنے اور لوگوں کے درمیان حقوق مساوات قائم کرنے کے بہترین ضوابط و دستور ہیں:

(۱) ذخیرہ اندوزی سے روکو۔

(۲) کوئی نادار بھوکا نہیں رہا مگر اس لئے کہ دولت مند نے اس کا حصہ ہتھیا لیا۔

(۳) میں نے کسی کے پاس وافر نعمتیں نہیں دیکھیں مگر یہ کہ ان نعمتوں کے پہلو بہ پہلو کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔

(۴) خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رہے۔

(۵) میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کسی کو ایسے کام پر مجبور کیا جائے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

(۶) پرہیزگار لوگوں کے دل جنت میں ہیں اور ان کے جسم دنیا میں مصروف عمل۔

(۷) مہر اس کی ہے جس نے اس کی کھدائی میں ہاتھ بٹایا نہ اس کی جس نے نہ ہاتھ بٹایا نہ پیسے سے مدد کی۔

(۸) جو شخص جس کارنامے کو انجام دے اسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کرنا۔

(۹) خبرداران چیزوں کو اپنی خاص ملک نہ بنالینا جس میں تمام لوگ برابر کے حصہ دار ہیں۔

اگر امیر المومنینؑ کے ان فقروں کو گہری نظر سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انہیں اصول پر عمل کر کے انسانی معاشرہ میں انسان کے حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں اور انسانی حریت و آزادی کی پوری رعایت ممکن ہے یہ وہ اصول ہیں جن پر آج کل کے کمیونزم کے نظریات قائم ہیں اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو کمیونزم کے مخالف ہو۔

نہ تعصب اور نہ عصبیت[1]

ہر انسان خلقت میں تمہارے جیسا ہے (حضرت علیؑ)

علیؑ نے اپنے لئے جو شاہراہ عمل متعین کی تھی اس پر بڑی ثابت قدمی سے گامزن رہے، ان کی نگاہ ہمیشہ بلندی کی طرف رہی، انہوں نے انسان کے معاشی حقوق مقرر کئے ساتھ ہی ایسے دوسرے حقوق بھی جن کے بغیر معاشی حقوق پورے نہیں ہوسکتے علیؑ نے تو کسی خاص مذہب کی پاسداری کی نہ کسی خاص عقیدہ کی نہ کسی خاص نسل و رنگت کی سبھی انسان ایک دوسرے جیسے ہیں سبھی کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور زندگی کے لوازم میں سبھی برابر کے حقدار ہیں، خواہ عقائد و نظریات میں فرق ہو مذہب میں اختلاف ہو نسل اور رنگت مختلف ہو علیؑ نے تمام بنی نوع بشر کا پاس و لحاظ کیا، ان کے نزدیک معاشی حقوق اور زندگی کے لوازم میں گورے، کالے، عرب غیر عرب، مسلمان اور کافر کی کوئی تفریق نہ تھی۔[2]

وہ باوجودیکہ جانشین پیغمبر اسلام ﷺ کا قلعہ اور مسلمانوں کے امیر تھے لیکن انہیں ہرگز یہ بات گوارا نہ تھی کہ کسی کو زبردستی وہی عقائد رکھنے پر مجبور کریں جو مسلمانوں کے مذہبی عقائد تھے لوگ مختار ہیں جس طرح چاہیں خدا کی عبادت کریں اور جن عقائد کو چاہیں اختیار کریں بیں شرف سے کہ دوسروں کو ان کی ذات سے نقصان نہ پہونچے۔ تمام انسان خدا کے بندے ہیں اور دین و مذہب پر رفیق کے درمیان رابطہ ہے۔

حضرت علیؑ کی نظر میں انسان کا انسان ہونا اس بات کے لئے کافی تھا کہ اُسے محترم سمجھا جائے دوست رکھا جائے اس سے

---

[1] مولف کتاب نے اس فصل ثابت کیا ہے کہ دین اسلام میں تعصب نہیں جس طرح کہ قرون وسطیٰ میں یورپ والے تعصب کے عادی تھے کسی شخص کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہم حقیقت تک پہونچ گئے ہیں اور خطا سے مبرا ہیں اور جو شخص ہمارے جیسے عقائد نہیں رکھتا وہ باطل پر ہے۔

[2] دین اسلام میں یہود و نصاری اور مجوسی اپنے مذہب میں آزاد تھے انہیں ذمی کہا جاتا تھا۔ ذمی انہیں کہتے ہیں جو مسلمان بادشاہوں کی رعایا ہوں۔

عطوفت وشفقت برتی جائے اور اس کے حقوق کو تباہ و برباد نہ ہونے دیا جائے۔ آپ نے مالک اشتر گورنر مصر کو جو عہد نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں:

ولا تکن علیهم سبعاً ضادعا تفتنهم اکلهم فانهم صنفان اما اخ لك فی الدین او نظیر لك فی الخلق فاعطهم من عفوك و صفحك مثل الذی تحب ان یعطیك الله من عفوة و صفحه ولا تندمن علی عفو ولا تبحجن بعقوبة

ان کے لئے ایک پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھتے ہو اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہاری جیسی مخلوق خدا۔ تم ان سے اسی طرح عفو و درگزر سے کام لینا جس طرح اللہ سے اپنے لئے عفو و درگزر پسند کرتے ہو تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر اترانا نہ چاہئے۔[1]

اس بنا پر ہر شخص وہی حقوق رکھ سکتا ہے جو تم رکھتے ہو خواہ اس کے بعض عقائد یا سبھی عقائد تمہارے عقائد کے مخالف ہوں۔ دین و مذہب کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ تم کو دوسروں سے برادرانہ رشتہ میں منسلک کر دے، جیسے تم انسان ہو ویسے ہی دوسرے لوگ انسان ہیں خلقت و پیدائش کی ہم رنگی و مشابہت تمہارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان گہرا رابطہ ہے تم کو چاہئے کہ سب ہی انسانوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ اگر تمہارا بھائی کسی خطا و گناہ کا مرتکب ہو تو اس کی خطا سے درگزر کر کے اس کو بخش دو اور ایسا کرنے میں قطعی شرمندگی محسوس نہ کرو، دوسروں کے سینے سے کینہ و عناد دور کرو اس طرح کہ پہلے اپنے سینہ کو کینہ و عناد سے پاک کرو۔

فرزند آدمؑ خواہ وہ کسی دین و مذہب کا پیرو ہو اس کا فریضہ ہے کہ ہمجنسوں کا ہمدرد اور بہی خواہ ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جو اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کیلئے بھی نہ پسند کرے۔ دوسروں سے اتنا ہی توقع رکھے جتنا خود دوسروں کی توقعات پوری کرتا ہو۔ واقعی وہ مومن ہے جو ہر نیک کام بجالانے کی کوشش کرے عمدہ ترین عمل بہترین عدل و انصاف ہے وہ یہ کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھو اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ کرو جو شخص زندگی بسر کرنے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور طریق اختیار کرے وہ اس شخص سے مختلف نہیں جو حضرت مسیحؑ یا دوسرے مجموعہ کمالات انسانوں کی روش پر چلتا ہے۔ انسان کی خلقت کی غرض یہ ہے کہ وہ فضائل و کمالات حاصل کرے خوبیوں کا حامل بنے اب یہ چاہے جس طرح سے بھی ہو اس میں انسان آزاد ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

---

[1] مصر کے رہنے والے جن کے متعلق امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو یہ ہدایات دی تھیں عیسائی تھے۔ ۱۲

"تمہیں چاہئے کہ حضرت سرورکائنات ؐ کی پیروی اور متابعت کرو۔ جبکہ دنیا آپ کے قدموں کے نیچے سے سمیٹ لی گئی اور اس کی لذتوں سے آپ دور اور اس کی زیب و زینت اور آرائش سے آپ علاحدہ رکھے گئے اور اگر چاہو تو حضرت عیسیٰؑ کو دیکھو جو پتھر کا تکیہ لگاتے، موٹا کھردرا لباس پہنتے اور روکھی پھیکی غذائیں نوش کرتے آپ **ناخورش گرسنگی تھی** آپ کا چراغ چاند تھا آپ کا سائبان مشرق و مغرب تھا۔ آپ کا میوہ اور خوشبو گھاس پات تھے کوئی زوجہ نہ تھی جو آپ کو اپنی زلفوں کا اسیر بناتے نہ کوئی اولاد تھی جس کے لئے آپ فکرمند ہوں نہ کوئی مال و دولت تھی جس پر آپ کی توجہ مبذول ہو نہ کوئی طمع تھی جو آپ کو ذلیل کرے آپ کی سواری آپ کے دونوں پیر تھے آپ کے خادم آپ کے دونوں ہاتھ تھے"

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

اولئك قوم اتخذوا الارض بساطاً وترابها فراشاً وماء ها طيبا ثم قرضوا الدنيا قرضاً على منهاج المسيح

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے زمین کو اپنا فرش اور اس کو خاک کو اپنا بستر بنایا۔ عطر کی جگہ پانی پر قناعت کی اور دنیا سے گزر گئے جس طرح عیسیٰؑ گزرے۔

وہ درحقیقت جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیش نظر تھی یہ کہتے وقت کہ:

الانبياء اخوة وامهاتهم شتیٰ ودينهم واحد

انبیاء بھائی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف مگر ان سب کا دین ایک ہے وہی حقیقت علیؑ کے پیش نظر تھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق یہ فقرے کہتے وقت کہ:

ومضیٰ ما مضیٰ عليه الرسل الاولون

اسی روش پر آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی گزار دی جس روش پر پہلے کے انبیاء و مرسلین گزار گئے۔

ان دونوں اقوال میں صریحی اعتراف و اقرار ہے اس بات کا کہ فضیلت ہی وہ چیز ہے جو لوگوں کو ایک نقطہ پر متحد کر دیتی ہے جس طرح انسانیت بنیادی حیثیت سے نقطۂ اتحاد ہے۔

ان سطور بالا سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح انسان کے اور بہت سے حقوق ہیں اسی طرح حضرت علیؑ کے دستور میں ایک حق انسان کا بھی ہے کہ اپنے عقائد میں آزاد ہو جس طرح کے عقائد چاہے رکھے اس کی پابندی نہیں ہو سکتی آزادی کی ۔۔۔ نہیں ہو سکتی نہیں ہو سکتا کہ انسان بعض حیثیتوں سے آزاد ہو بعض ۔۔۔۔۔ مقید مسلمان عیسائی کا بھائی

ہے چاہے پسند کرے چاہے ناپسند اس لئے کہ انسان انسان کا بھائی ہے چاہے مانے چاہے نہ مانے۔ اگر حضرت علیؑ کی نظروں میں انسان کو آزاد پیدا کرنے کی غرض اصلی یہ نہ ہوتی کہ انسان تحصیل فضائل کی جدو جہد کرے اور اگر آزادی آپکے نزدیک ایک مقدس حق نہ ہوتا تو آپ حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کی اس طرح ہرگز مدح وستائش نہ کرتے جس طرح آپ نے پیروان محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح وستائش کی۔

گزشتہ صفحات میں ہم علیؑ اور اس نصرانی کا جس نے علیؑ کی زرہ چرائی تھی اور دعویٰ کیا تھا کہ میں نے اس کو خریدا ہے واقعہ ذکر کر چکے ہیں کہ کس طرح حضرت علیؑ نے اس کے ساتھ اپنے ایسے انسان جیسا برتاؤ کیا بلکہ وہ سلوک کیا جو باپ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے اور کس طرح آپ نے اس کا مقدمہ شریح کی عدالت میں دائر کیا اور کیا انجام ہوا اور کس طرح نصرانی، امام کے مخلص فدائیوں میں داخل ہوا اور آپ کی نصرت و یاوری میں کتنی سرگرمی اس نے دکھلائی۔ عراق وحجاز میں اکثر ایسا ہوا کہ کسی مسلمان نے کسی عیسائی کو زبردستی مسلمان بنانا چاہا اس پر ظلم وزیادتی کی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ سبز رنگ کا عمامہ پہنے کھلے لفظوں میں صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے مدینہ کی مسجد میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر فرمایا:

من آذی انجیلیاً فقد آذانی

جس نے کسی عیسائی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

عرب کی تاریخ فخر کرتی ہے علیؑ کے اس فقرہ پر جو اس کے صفحات کی زینت اور مایہ صد افتخار ہیں کہ:

لو ثنیت لی وسادۃ فجلست علیھا لحکمت فی اھل التوراۃ بتوراتھم و فی اھل الانجیل بانجیلھم و فی اھل القرآن بقرانھم حتیٰ ترکت کل کتاب ینطق من نفسہ لقد صدق علی علیہ السلام

اگر میرے لئے مسند بچھادی جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو میں اہل تورات کے مقدمات کا فیصلہ ان کی کتاب تورات سے اہل انجیل کا فیصلہ ان کی انجیل سے اور اہل قرآن کا فیصلہ ان کے قرآن سے کروں اس طرح کہ ہر کتاب پکار اٹھے کہ سچ کہا علیؑ نے۔

حضرت علیؑ معقل بن قیس کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اتق اللہ یا معقل ما لستطعت، لا تبغ علیٰ اھل القبلۃ ولا تظلم اھل المدینۃ ولا تکبر فان اللہ لا یحب المتکبرین۔

معقل جہاں تک کہ ہوسکے اللہ سے ڈرو مسلمانوں پر زیادتی اور کافروں پر ظلم نہ کرنا اور تکبر نہ کرنا کہ خداوند عالم تکبر کرنے

والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

ملاحظہ فرمائیے علیؑ ابن ابی طالب تقوائے الٰہی کی تعریف ہی یہ قرار دے رہے ہیں کہ انسان اپنے بھائی انسان پر ظلم نہ کرے۔ نہ کم یا زیادہ زیادتی کرے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ علی مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو ایک ہی درجہ میں قرار دے رہے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں نہ کسی ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز و تفوق حاصل ہے۔

مسلم و غیر مسلم کے درمیان یہی مساوات و برابری علیؑ کے ہر حکم میں نظر آتی ہے۔ جس حکم کو بھی دیکھیں دیگر اسلامی فضیلتوں سے متصف ہونے کے بہ نسبت عوام الناس کو ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنا علیؑ کے نزدیک زیادہ ضروری و لازم تھا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"ولو سلکتم الحق... واضاء لکم الاسلام، لما ظلم منکم مسلم ولا معاهد"

اگر تم لوگ راہ حق اختیار کرو اور اسلام تم پر اچھی طرح واضح و روشن ہو جائے تو تم میں سے نہ کسی مسلمان پر ظلم ہو اور نہ کسی کافر ذمی پر۔

آپ نے مسلمانوں کو سخت سرزنش کی تھی اس بات پر کہ جب معاویہ کے افسر فوجی سفیان بن عوف اسدی نے شہر انبار پر غارت گری کی اور وہاں کے باشندوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے تو انہوں نے حق کی مدد نہ کی نہ ظلم دور کرنے کی کوشش کی آپ نے سلسلہ تقریر میں فرمایا:

"لقد بلغني ان الرجل منهم كان يدخل على المرأة المسلمة الاخرى المعاهدة فينزع حجلها... فلو ان امرءاً مسلماً مات من بعد هذا اسفاً ما كان به ملوماً"

مجھے تو اطلاعات ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھر میں گھس جاتا تھا اور ان کے پیروں سے کڑے ہاتھوں سے کنگن اور گلوبند اور گوشوارے اتار لیتا تھا اور ان کے پاس اس حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا سوائے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے صبر سے کام لیں۔۔۔۔۔۔اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہئے۔

حضرت علیؑ نے یہ زجر و توبیخ اور ملامت و سرزنش اس وجہ سے کی کہ ان لوگوں نے شہر کے رہنے والے اپنے بھائیوں اور بہنوں سے ظلم کو دور نہیں کیا خواہ وہ مسلمان رہے ہوں یا کافر ذمی۔

آپ نے جب محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تو انہیں ہدایت کی کہ:

اوصیک بالعدل علیٰ اھل الذمۃ و بانصاف المظلوم و بالشدۃ علی الظالم و بالعفو عن الناس ولاحسان ما استطعت، ولیکن القریب والبعید عندك فی الحق سواءً

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کفار ذمی سے عدل کرنا مظلوم سے انصاف کرنا ظالم پر سختی کرنا لوگوں سے حتی الامکان درگزر اور ان پر احسان کرنا اور چاہئے کہ حق میں قریب و بعید دونوں تمہارے نزدیک برابر ہوں"۔

آپ نے نصارائے نجران کو جو عہد نامہ لکھا تھا اس میں آپ کا یہ فقرہ بھی تھا:

"....لا یضاموا ولا یظلموا ولا ینقص حق من حقوقھم

نہ ان پر کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی ظلم ہوگا نہ ان کے حقوق میں سے کوئی حق کم کیا جائے گا۔

آپ نے نصرانی شخص کی دیت بھی وہی قرار دی تھی جو مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔

علیؑ کے نزدیک ہر انسان کی عزت تھی، یہی وجہ تھی کہ باوجودیکہ گزشتہ زمانہ کے ہر دین ومذہب کے غبی و جاہل افراد میں بلا کا تعصب ہوا کرتا ہر مذہب کے نادان افراد دوسرے مذہب والوں سے نفرت کیا کرتے تھے لیکن علیؑ اپنی اسی انصاف اور عدل گستری کی بنا پر اپنے زمانہ میں بھی اور اپنے زمانہ کے بعد بھی یا مغفرت عیسائیوں کے انتہائی محبوب رہے سبھی آپ کا دم بھرتے اور آپ کا کلمہ پڑھتے تھے علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ لکھتے ہیں:

ما اقول فی رجل تحبہ اھل الذمۃ علیٰ تکذیبھم بالنبوۃ

میں اس شخص (علیؑ) کے متعلق کیا کہوں جسے کفار ذمی جی جان سے چاہتے تھے حالانکہ وہ نبوت کے منکر تھے غیر مسلموں کے ساتھ علیؑ نے اپنے سلوک و برتاؤ کی بنیاد ہی اسی پر رکھی تھی کہ:

اموالھم کاموالنا ودماءھم کدمائنا

ان کے اموال ہمارے اموال جیسے ہیں اور ان کی جانیں ہماری جانیں جیسی۔

ان مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کی نگاہوں میں مذہبی تعصب انتہائی مذموم و قبیح تھا وہ حریت و آزادی جس کے آپ وسیع معنوں میں پیمانے سے ناپتے تھے تعصب کے بالکل مغائر تھی۔ جب ہم اس سلوک اور برتاؤ پر نظر کرتے ہیں جو علیؑ غیر مسلموں سے کرتے تھے اور اس سلوک کا مقابلہ اس سلوک سے کرتے ہیں جو قرون وسطیٰ کے یورپین مذہبی پیشوا کرتے تھے خصوصیت کے ساتھ وہ مذہبی پیشوا جو محکمہ تفتیش کے ذمہ دار تھے پھر ہم علیؑ کے عفو و رحم

چشم پوشی و درگزر کا ان یورپین مذہبی پیشواؤں کی سختی و تشدد سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علیؑ کتنے بلند تھے اور وہ لوگ کتنے پست تھے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علیؑ کا ایمان انسانیت و آزادی اور حریت و اختیار کی جڑوں سے پھوٹا تھا اور اس نظریہ وعقیدہ کے مطابق تھا جو علیؑ زندگی وحیات کے متعلق رکھتے تھے۔ علیؑ کے ایمان کی بنیاد حریت و آزادی پر تھی اور وہ آزادی کو محترم سمجھتے تھے جبکہ یورپ کے مذہبی پیشواؤں کے ایمان کی بنیاد عادت اور باپ دادا کی تقلید پر قائم تھی آزادی وحریت کو کوئی دخل نہ تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ہم آج کے دن مذہبی تعصب کے خلاف برسرپیکار ہیں، اسے قبیح و مذموم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مذہبی تعصب دیگر تعصبات کے مقابلہ میں اتنا خطرناک نہیں بہت سے لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جن میں مذہبی تعصب تو بالکل نہیں لیکن وہ اس مذہبی عصبیت سے بھی زیادہ مذموم و خطرناک تعصب کے حامل ہیں۔ جیسے رنگ و نسل کا تعصب قومیت کا تعصب، سیاسی عقائد کا تعصب، مذہبی تعصب میں تو عفو و درگزر ممکن بھی ہے لیکن ان دوسرے تعصبات میں عفو و درگزر کی گنجائش نہیں، ان تعصبات کی بنیاد خودستائی، جہالت اور منفعت پرستی پر ہے۔ اس قسم کا تعصب رکھنے والے کہتے ہیں کہ فقط ہمارا نظریہ ہی صحیح ہے ہم نے جو کچھ سمجھا اور جانا ہے وہی حق ہے اور انسان اور زندگی کے متعلق ہماری رائے ناقابل تردید ہے وہ کسی کی بھی رائے کو اپنی رائے کے برابر نہیں سمجھتے۔

جب سے انسان کے قدم زمین پر آئے اور یہ دنیا آباد ہوئی تب ہی سے ہر قسم کا تعصب انسان کی فطرت و سرشت میں داخل رہا کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جبکہ انسان نے اس تعصب کے مظاہرے نہ کئے ہوں اس بزرگ ترین رہنمائے عالم علیؑ ابن ابی طالبؑ نے صرف مذہبی تعصب ہی سے جنگ نہیں کی بلکہ ہر قسم کے تعصب سے جنگ کی آپ لونی اور نسلی تعصب کو بغاوت و فساد، اور دلکش، دل آویز زندگی کے چہرے کو جھلس دینے کے مرادف سمجھتے تھے۔

باپ دادا پر فخر کرنا یہ بھی آپ کے نزدیک ایک قسم کا تعصب تھا آپ نے اس کی شدید مخالفت کی دیکھئے آپ اپنے زمانہ کے صاحبان عصبیت کو کن لفظوں سے خطاب کرتے ہیں:

الا وقد معنتم فی البغی و افسدتم فی الارض اللہ اللہ فی کبر الحمیة و فخر الجاهلیة فانه ملاقح البغضاو منافخ الشیطان التی جذع بها الامم الماضیة والقرون الخالیه

الا فالحذر الحذر من طاعة ساداتکم و کبرائکم الذین تکبروا عن حسبهم و ترفعوا فوق نسبهم، وجاهدو اللہ علی ما صنع فانهم قواعد احساس العصبة ودعائم ارکان الفتنة

دیکھوتم نے اللہ سے کھلم کھلا دشمنی پر اتر کر ظلم وتعدی کی انتہا کر دی اور زمین میں فساد برپا کر دیا۔تم زمانہ جاہلیت والی خود بینی کی بنا پر فخر وغرور کرنے سے اللہ کا خوف کھاؤ کیونکہ یہ دشمنی وعناد کا سرچشمہ اور شیطان کی فسوں کاری کا مرکز ہے جس سے اس نے گزشتہ امتوں اور قوموں کو ورغلایا۔دیکھو اپنے سرداروں اور بڑوں کا اتباع کرنے سے ڈرو یا جاہ وحشمت پر اکڑتے اور اپنے نسب کی بلندیوں پر غرور کرتے ہیں (یعنی جنہوں نے اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھا اور ان سے تعصب رکھا اور اس کی قضاوقدر سے ٹکر لینے اور اس کی نعمتوں پر غلبہ پانے کے لئے اس کے احسانات سے یکسر انکار کر دیا۔یہی لوگ تو عصبیت کی گہری بنیاد فتنہ کے ایوان کے ستون ہیں"۔

آپ نے پہلے تو خاندانی ونسلی تعصب کو بغاوت اور زندگی کے چہرے کو بگاڑنے سے تعبیر کیا پھر اپنے اس نظریہ میں مزید عمومیت پیدا کرتے ہوئے ہر قسم کے تعصب کو خواہ وہ لونی یا نسلی تعصب ہو یا سیاسی و مذہبی یا کسی بھی قسم کا تعصب ہو سبھی کو آپ نے بغاوت وفساد اور فتنہ انگیزی کے مرادف قرار دیا ہے اور ایسا کلیہ قائم کر دیا کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اس کی صداقت اور مسلم ہوتی جائے گی فرماتے ہیں:

ولقد نظرت فما وجدت احداً من العالمین یتعصب لشیءٍ من الاشیاء الا علۃ تحتمل تمویۃ الاجھلاء او حجۃ تلیط بعقول السفہاء

میں نے نگاہ دوڑائی تو دنیا بھر میں ایک فرد کو بھی ایسا نہ پایا کہ کسی چیز کی پاسداری کرتا ہو مگر یہ کہ اس کی نظروں میں اس کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے کہ جو جاہلوں کے اشتباہ کا باعث بن جاتی ہے یا کوئی ایسی دلیل ہوتی ہے جو بے وقوفوں کی عقلوں سے چپک جاتی ہے"۔

تعصب کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اور جتنی توضیحات وتشریحات اس کی کی گئی سب کو دیکھ جائیے علیؑ ابن ابی طالبؑ جو کچھ کہہ گئے ہیں اس سے زیادہ کسی نے نہیں کہا ہوگا۔تعصب کرنے والے یا تو جہالت کی بنا پر تعصب کرتے ہیں یا سفاہت و نادانی کی بنا پر اور یہ دونوں چیزیں جہل بھی ہیں اور سفاہت و نادانی بھی زندگی کے خلاف بغاوت وفساد کی حامل ہیں اور اسی کی علیؑ نے اپنے مذکورہ بالا دونوں اقوال میں تصویر کشی کی ہے۔

غرضکہ ہر قسم کا تعصب علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نزدیک مذموم وقبیح ہے ہاں اگر تعصب و پاسداری ہی کرنی ہے تو فضیلت و عدالت اور حقوق عامہ کی پاسداری کرنی چاہئے۔مظلوم لوگوں کی جانبداری کرنی چاہئے ان ظالموں کے خلاف جو ان کی کمائی لوٹ لیتے ہیں اور ان کے حقوق ہتھیا لیتے ہیں، بامردی، صدق وراستی سلامتی ضمیر کی جانبداری کرنی چاہئے، آزادی واحترام بنی نوع

انسان کے لئے تعصب کرنا چاہئے لوگوں کی دادخواہی متعصب افراد کی ایذا رسانی سے ان کو بچانے کے لئے تعصب کرنا چاہئے۔
امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

فان کان لا بد من العصبیة فلیکن تعصبکم لمکارم الخصال ومحاسن الامور والاخلاق الرغیبة والاحلام العظیمة والآثار المحمودة والاخذ بالفضل والکف عن البغی والانصاف للحق واجتناب لمفاسد فی الارض

اگر تمہیں تعصب وجانبداری ہی کرنا ہے تو پاکیزگی اخلاق، حسن سیرت، قابل ستائش خصلتوں کی طرفداری کرنا چاہئے جیسے ہمسایہ کے حقوق کی حفاظت کرنا، عہدو پیمان کو نبھانا نیکوں کی اطاعت سرکشوں کی مخالفت کرنا حسن سلوک کا پابند اور ظلم وتعدی سے کنارہ کش رہنا خونریزی سے پناہ مانگنا خلق خدا سے عدل وانصاف برتنا زمین میں شرانگیزی نہ کرنا۔

تعصب سے آپ کو کتنی بیزاری تھی اس کا اندازہ آپ کی اس وصیت سے ہوسکتا ہے جو آپ نے خوارج کے متعلق فرمائی باوجودیکہ یہ خوارج آپ کے دشمن تھے انہوں نے آپ سے اپنی پوری طاقت سے جنگ کی لیکن آپ فرماتے ہیں:

لا تقاتلوا الخوارج من بعد فلیس من طلب الحق فاخطاہ لمن طلب الباطل فادرکہ

میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا اس لئے کہ وہ شخص جو حق کا طلب گار ہو اور بھٹک جائے اس شخص جیسا نہیں جو باطل کو طلب کرے اور اسے پا بھی لے۔

امیرالمومنینؑ نے لوگوں کو ذہن نشین کرایا کہ چونکہ ان کے افکار وعقائد میں غلطی ممکن ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنے نظریہ وعقیدہ کی پاسداری نہ کریں نہ دوسروں کو اپنے نظریات ماننے پر مجبور کریں آپ نے ان سے فرمایا کہ رائے مشورہ سے گریز نہ کرنا اور حق بات قبول کرنے میں تامل نہ کرنا۔

جنگ وصلح

جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہلاک ہوا افترا پردازی کرنے والا ناکام رہا۔
جس نے ظلم وجور کرکے فتح یابی حاصل کی حقیقتاً وہ ناکام رہا۔
بدترین دشمنی بندگان خدا کے ساتھ دشمنی ہے۔
صلح کے دنوں میں شہر میں امن وامان رہتا ہے اور باشندگان شہر بے خوف وہراس ہوتے ہیں۔

اپنے کئے ہوئے وعدوں کے پابند رہو۔ پیماں شکنی کے مرتکب نہ ہو ناحق خون بہا کر اپنی حکومت کو مضبوط نہ کرو۔

یہ جتنے حقوق بیان کئے گئے ان کے علاوہ لوگوں کے ایک دوسرے پر اور بھی بہت سے حقوق ہیں سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ آپس میں محبت والفت کا رشتہ مضبوط کیا جائے۔ یہ رشتہ محبت افراد کے درمیان بھی قائم ہو قبائل کے درمیان اور ملکوں کے عوام کے درمیان بھی کیونکہ سب بھائی بھائی ہیں ایک باپ کی اولاد ہیں، ان کی اصل ایک ہے راستے مشترک ہیں اور اغراض و مقاصد بھی جداگانہ نہیں۔

حریت وآزادی، خوشحالی وفارغ البالی، مقرر قوانین، جدید کوششیں غرض کہ وہ تمام چیزیں جو بنی انسان سے تعلق رکھتی ہیں بے معنی وفضول ہیں نظروں میں ان کی کوئی قیمت نہیں اس جنگ و پیکار اور کشت وخون کی موجودگی میں جو انسان کو نیست و نابود کرے انسان ہی کے لئے یہ ساری چیزیں ہیں اور جب اسی کی جان کو امان نہیں تو پھر ان چیزوں کی وقعت ہی کیا؟۔

ہر وہ قول جو انسان کی خدمت کی دعوت دے تو لیکن صلح کی دعوت نہ دے وہ جھوٹا قول اور مذموم عادت ہے۔

ہر وہ عمل جو زندگی کی خدمت کا تو مدعی ہو مگر زندوں کو موت کی طرف ڈھکیل دے گھوڑے کی ٹاپوں اور تلوار کی آنچ میں جھونک دے وہ کھوٹا عمل اور بے نتیجہ کام ہے۔

انسان اور اس کی زندگی کی بہتری کے تمام تصورات بیکار ہیں جب تک وہ انسان، انسان میں بھائی چارے کے محرم نہ ہوں۔

وہ قول وعمل اور انسان کی بہتری کے تصورات اس وقت کتنے مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں جبکہ نہریں خون کی ندیاں بن جاتی ہیں باغ ویران ہو جاتے ہین اور محلوں میں اُلو بولنے لگتے ہیں۔

یہ قول وعمل اور انسان کی بہتری کے تصورات اس گھڑی کتنے عاجز نظر آتے ہیں جب انسان خشک گھاس کے مانند لڑائی کے منہ میں جھونک دیا جائے۔ انسان کا نام ونشان باقی نہ رہے زندگی کی خوبصورتی اس کی تمنائیں خاک میں مل جائیں۔

جب لڑائی ہلاکت و بربادی کا باعث ہے تو صلح اس ہلاکت و بربادی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے یہ وہ غرض وغایت ہے جو بہت سی غایتوں تک پہونچانے والی ہے۔ صلح کے دنوں ہی میں ممکن ہے کہ فرزندان آدمؑ اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں سے کام لے سکیں اپنی مشترکہ کوششوں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں تا کہ وہ آرزوئیں پوری ہوں جو سب کی مشترکہ آرزوئیں ہیں۔

علی ابن ابی طالبؑ جن کے اصول وطریقے ہر میدان پر اس طرح حاوی ہیں جس طرح ایک جڑ سے نکلی ہوئی بہت سی

شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ صلح انسان اور زندگی کے گرد اگرد بلند و بالا چہار دیواری ہے جو دونوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھتی ہے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان اللہ لم یخلقکم عبثاً

خداوند عالم نے تمہیں فضول و بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔

علیؑ کے خیال میں کس لئے خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا اس کا خود جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ان اللہ خلقکم حرماً فی ارضہ۔ امنا بین خلقہ ... جمع الفتکم فنشرت النعمۃ علیکم جناح کرامتھا واسالت لکم جداول نعیمھا

خداوند عالم نے تمہیں اپنی زمین میں محترم اور اپنی مخلوقات کے درمیان محفوظ و مامون پیدا کیا نعمتوں نے تم پر اپنی مہربانیوں کے پر پھیلا دیئے ہیں اور پانی آسائشوں کی نہریں تمہارے لئے بہائی ہیں۔

تو الفت و محبت علیؑ بن ابی طالبؑ کے نزدیک بنی نوع انسان کے لئے بزرگ ترین نعمت ہے چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

و عقد اللہ بینھم حبل الالفۃ التی ینتقلون فی ظلھا و یأوون الی کسفھا بنعمۃ لا لعرف احد من المخلوقین لھا قیمۃ. الانھا ارجح من کل ثمن واجل من کل خطرٍ

خداوند عالم نے انسانوں کے درمیان محبت و الفت کا رشتہ مضبوط کیا، وہ محبت جس کے سایہ میں لوگ چلتے پھرتے اور جس کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں۔ یہ محبت وہ نعمت ہے جس کی قیمت سے کوئی آگاہ نہیں کیونکہ اس کی بھی قیمت لگائی جائے۔ یہ اس سے مہنگی ہی ہوگی اور ہر عظیم چیز سے عظیم تر ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ دوستی و محبت کرے تاکہ صلح و آشتی برقرار رہے کیونکہ صلح و آشتی کے دنوں میں شہر میں اطمینان کی فضا رہتی ہے لوگ بے خوف و ہراس ہوتے ہیں جنگ سے پرہیز کرے اس لئے کہ جنگ ظلم ہے اور بندگان خدا پر ظلم انتہائی مذموم و قبیح ہے۔ جنگ کا نتیجہ خواہ فتح یابی ہو یا پسپائی۔ دونوں صورتوں میں یہ جنگ نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔ یہ جنگ ایک تباہی و بربادی ہے جیتنے والے کے لئے بھی اور ہارنے والے کیلئے بھی۔ جنگ میں عزت انسانی خاک میں مل جاتی ہے جیتنے والا عقل و ضمیر کا مخالف، محبت کا دشمن اور انسانی زندگی کو بے قیمت سمجھنے والا ٹھہرتا ہے اور

ہارنے والا ذلیل وخوار بھی ہوتا ہے اس کی جان ومال بھی تباہ برباد ہوتے ہیں۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

الغالب بالشر مغلوب

جو شخص بدی کے ذریعہ فتح یاب ہو حقیقتاً وہ مغلوب ہے۔

جنگ وخونریزی سے بڑھ کر کوئی چیز بری نہیں۔

حضرت علیؑ نے غارت گری وتاراجی کو جو اسلام سے پہلے جاہلی قبائل میں مقدمہ جنگ تھیں انتہائی ہولناک ومذموم افعال میں شمار کیا ہے۔غارت گری لوٹ مار بتوں کی پرستش لڑکیوں کو زندہ دفن کردینا حضرت علیؑ کی نظروں میں ایک ہی جیسے قبیح افعال تھے ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ اپنی قدر وقیمت سے آگاہ ہے اور نہ زندگی کی قدر وقیمت سے آگاہ اس سے بڑھ کر جہالت اور کیا ہوسکتی ہے آپ فرماتے ہیں:

واطباق جھل من نبات موءودۃ واصنام محبودۃ وغارات مشنونۃ

وہ جہالت کی گہرائیوں تک پہونچے ہوئے تھے لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے بتوں کی پرستش کرتے اور دوسرے پر غارت گری کیا کرتے۔

لڑائی سے اتنی آپ کو نفرت وبیزاری تھی کہ آپ سخت سے سخت وقتوں میں بھی اس لڑائی سے منع کرتے یعنی اس کی بھی اجازت نہ دیتے کہ کوئی دعوت مبارزت دے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ولاتدعون الی مبارزۃ

دعوت نبرد ہرگز نہ دو۔

علیؑ کی سیرت اوران کی زندگی کا جائزہ لینے پر یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ لوگوں کی بہت سی خصلتوں کی مذمت کرتے اور دنیا کی بہت سی چیزوں کو مذموم سمجھتے۔خصلتوں میں سب سے پہلے آپ فتنہ کی طرف مائل ہونے کشت وخون کی رغبت رکھنے کی مذمت کرتے اور دنیا کی مذموم چیزوں میں جنگ سے بڑھ کر آپ کے نزدیک کوئی چیز مذموم وقبیح نہ تھی، آپ کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ:

فانھا دار الحرب وسلب وھب

یہ دنیا گھر ہے لڑائی، لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا۔

لڑائی حق کو اتنا ہی ضائع وبرباد کرنے والی ہے جتنی باطل کے لئے وجہ امان اور جائے پناہ ہے۔حق ہی کے ذریعہ

انسان بلند ہوتا ہے معاشرہ اور سماج استوار ہوتا ہے اور دنیا نیک بخت ہوتی ہے باطل ذلتوں اور رسوائیوں کا مجموعہ ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جنگ سے بری کوئی چیز نہیں ہو سکتی یہ تمام بے ہودگیوں کا گہوارہ ہے۔ کیونکہ جنگ کے دنوں میں اشتباہی کیفیت ہوتی ہے یعنی باطل سر بلند ہوتا ہے اور حق کی آواز پست ہو جاتی ہے اور جبکہ صلح عین حق ہے تو جو شخص حق سے تجاوز کرے گا گم کردہ راہ ہو جائے گا۔

یہ تھی بنیاد اس عقیدہ ونظریہ کی جو علیؑ لڑائی کے متعلق رکھتے تھے یہ کوئی تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ ان کے نزدیک آزادی کا جو تصور تھا حریت کے متعلق وہ جو نظریہ رکھتے تھے عام انسانوں پر انہیں جو وثوق واعتماد تھا زندگی اور زندوں کی ان کے دل میں جو حرمت تھی ان سبھی چیزوں کے مطابق ہے اسی لئے وہ بعض اوقات اپنے ساتھیوں کو فتنہ سے روکنے اور صلح کی طرف مائل کرنے کے لئے فرماتے:

وحسب عدو کم خروجھم من الھدیٰ الی الضلال

تمہارے دشمنوں کے لئے یہی خرابی بہت ہے کہ وہ ہدایت سے نکل کر گمراہی میں جا پڑے ہیں۔

اسی لئے آپ خطا کار اور زیادتی کرنے والے کو اپنی حرکتوں پر ندامت وافسوس ظاہر کرنے کا حکم دیتے تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور جس پر زیادتی ہوتی اس سے کہتے کہ تم زیادتی کرنے والے کی معذرت وندامت قبول کرلو چاہے اس کی خطا کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو فرماتے ہیں:

اقبل عذر من اعتذر الیك

جو شخص تم سے معذرت کرے اس کی معذرت قبول کرو۔

وقاتل ھواك بعقلك تسلم لك المودة

اپنی عقل کے ذریعہ اپنی ہوا وہوس سے جنگ کرو اس طرح تمہارے لئے محبت لوگوں کے دل میں باقی رہے گی۔

اسی لئے آپ اپنے پیروؤں کے لئے سب سے اچھی صفت یہ قرار دیتے تھے کہ وہ صلح کے خواہشمند لڑائی سے بیزار اور اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی عافیت کے طلبگار ہوں۔ شیعوں کو کیسا ہونا چاہئے اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"شیعتنا ان غضبوا لم یظلموا، برکة علی من جاور واسلم لمن خالطوا"

ہمارے پیرو جب غضبناک ہوتے ہیں تو ظلم نہیں کرتے اپنے پڑوسیوں کے لئے برکت اور میل جول والوں کے لئے وجہ سلامتی ہوتے ہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

لیکن جنگ سے انتہائی نفرت اور صلح کی طرف غیر معمولی رجحان کے معنی یہ نہ تھے کہ علیؑ کسی موقع پر جھک جاتے ہار مان لیتے جنگ سے نفرت اور صلح کی طرف میلان کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کی جائے اور مفسدین کو آزاد چھوڑ دیا جائے کیونکہ لڑائی بذات خود ناپسندیدہ چیز نہیں بلکہ اپنی اذیت ناکیوں اور تباہ کاریوں کی وجہ سے بری ہے اور صلح بذات خود اچھی چیز نہیں بلکہ اس لئے اچھی ہے کہ وہ لوگوں کو امن و اطمینان بخشتی ہے، معاشرہ کو بہتر بنانے کی مہلت دیتی اور زندوں کے سامنے زندگی کی راہیں کشادہ کرتی ہے۔

غرض کہ جنگ ہو یا صلح کوئی بھی ان میں نہ ذاتی حیثیت سے اچھی ہے نہ ذاتی حیثیت سے بری ان کی اچھائی یا برائی جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لحاظ سے اگر جنگ و صلح ذاتی حیثیت سے کوئی قیمت رکھتی ہوتیں تو وہ انقلابی کوششیں جو دنیا کی مظلوم قوموں نے ظالم جابر سلاطین اور استعمار پسندوں کے خلاف کیں وہ شر اور گناہ ہوتیں اور ان ظالم بادشاہوں کی اطاعت و فرمانبرداری خیر و برکت ہوتی لیکن واقعاً ایسا نہیں اصل چیز عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی بھلائی ہے اگر عزت و آبرو سے زندگی گزر رہی ہو آرام و چین میسر ہو تو عوام کے لئے صلح بہتر ہے اور اگر زندگی مصیبت و کلفت کی زندگی ہو نکبت و بدحالی کی زندگی ہو ان کے حقوق لٹ رہے ہو وہ ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں تو ایسی صورت میں لڑائی نعمت ہے اس وقت تک جب تک حقیقی صلح کی فضا پیدا نہ ہو جائے جو انسانی شرافت کی بنیادوں پر قائم ہو جس میں ذلت و بے چارگی ہو نہ ظلم و جور کی اطاعت و فرمانبرداری یہی چیز علیؑ ابن ابی طالبؑ کے پیش نظر تھی علیؑ جس جنگ کو ناپسند کرتے تھے وہ ابوسفیان و ابولہب کی جنگ تھی محمد مصطفیؐ کے خلاف نہ کہ محمد مصطفیؐ ﷺ کی جنگ ابوسفیان و ابولہب کے خلاف۔ علیؑ اس جنگ کو ناپسند کرتے تھے جو ظالم و فاسق غازیوں نے اہل خیر و طالبان حق کے خلاف لڑی اس جنگ کو ناپسند نہیں کرتے تھے جو اہل خیر و طالبان حق نے ان قاسطین و منافقین سے لڑی۔

علیؑ چاہتے تھے کہ تم چنگیز خاں ہلاکو اور ہٹلر و مسولینی نہ بنو لیکن علیؑ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ تم ان لوگوں کی طرح ہو جنہیں چنگیز و ہلاکو اور ہٹلر و مسولینی نے غلام بنالیا تھا۔

اگر جنگ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے چھینے ہوئے حق کو حاصل کرنے لوٹے ہوئے حق کو واپس کرنے تاراج شدہ عزت و آبرو کو بحال کرنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں یہ تو سماجی و معاشرتی ضرورت ہے اور انسانیت کا تقاضا ہے بس شرط یہی ہے کہ پہلے صلح و مصالحت کی تمام کوششیں آزمالی جائیں۔

صفین میں حضرتؑ کے اصحاب نے جب اذن جہاد دینے میں تاخیر پر بے چینی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا:

اما قولکم اکل ذالك کراهیة الموت فوالله ما ابالی ادخلت الی الموت اوخرج الموت الی و اما قولکم اشکاً فی اهل الشام ؛ فوا الله ما دفعت الحرب یوماً الا و انا اطمع ان تلحق بی طائفة فتهتدی بی و العشو الی ضوئی۔ ذالك احب الی من ان اقاتلها علی ضلالها ان کانت تبوء باثمها۔

تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس وپیش کیا اس لئے ہے کہ میں موت کو ناگوار جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں تو خدا کی قسم مجھے ذرا پروا نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے اور اسی طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ کیا مجھے اہل شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ شبہ ہے تو خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی التوا میں نہیں ڈالا مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چوندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے"۔

دوسری شرط جنگ کی یہ ہے کہ جنگ سے غرض محض فتح یابی حاصل کرنا نہ ہو نیز یہ کہ جیتنے والا انتقام کی آگ نہ بجھائے حریف کو عذاب نہ دے تکلیف نہ پہونچائے، قیدیوں اور جنگ میں تباہ ہونے والوں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرے نہ بوڑھوں عورتوں اور بچوں کے درپے ایذا ہو۔ اگر لڑائی لڑنے والا اپنے کو حق پر سمجھتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ میں یہ جنگ حق کے لئے لڑ رہا ہوں اور میرا حریف ظالم ہے اس سے بدلہ لینا ضروری ہے تو بس اسے اتنے ہی پر اکتفا کرنا چاہئے کہ حق کو اس کی جگہ پلٹا دے اگر تھوڑی سی لڑائی سے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو فوراً ہاتھ روک لینا ہوگا۔ امیر المومنینؑ کی تمام لڑائیوں کا بنیادی دستور یہ تھا کہ اس وقت تک خون ریزی سے ہاتھ آلودہ نہ کرنا چاہئے جب تک اس کی شدید ضرورت نہ ہو لڑائی کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ امیر المومنینؑ دشمن کو سمجھانے بجھانے نصیحت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے آپ کا مقولہ ہی یہ تھا:

والم الله لا نصفن للمظلوم ولا نصحن الظالم

قسم بخدا میں مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظالم کو نصیحت ضرور کروں گا۔

جب سمجھانے بجھانے اور صلح و مصالحت کی ترغیب سے کام نہ چلتا تب آپ ڈرانے دھمکانے سے کام نکالتے اس لئے کہ اصل غرض یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے ایک قطرہ خون بہنے نہ پائے۔ اہل نہروان کو آپ دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں:

فانا نذیر کم ان تصبحوا صرعی باثناء هذا النهر و باهضام هذا الغائط علی غیر بینة من ربکم ولا سلطان مبین معکم قد طوحت بکم الدّار واحتیلکم المقدار و قد کنت نهیتکم

عن هٰذه الحكومة فابيتم علىٰ اباء المخالفين المنابذين حتىٰ صرفت رائى الىٰ هوا كم ، و انتم معاشر أخفاء الهام سفهاء الاحلال ولم آت لا ابالكم بحراً اردت لكم ضراً

''میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ تم لوگ نہر کے موڑوں اور اس کے نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہوئے ہو گے۔ اس عالم میں کہ تمہارے پاس اللہ کے سامنے (عذر کرنے کے لئے) کوئی واضح دلیل ہوگی نہ کوئی روشن ثبوت اس طرح کہ تم اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے اور پھر قضائے الٰہی نے تمہیں اپنے پھندوں میں جکڑ لیا ہے تو تمہیں پہلے ہی اس تحکیم سے روکا لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے مخالف، پیماں شکنوں کی طرح انکار کر دیا یہاں تک کہ مجبوراً مجھے بھی اپنی رائے کو ادھر موڑنا پڑا جو تم چاہتے تھے کہ تم ایک ایسا گروہ ہو جس کے افراد کے سر عقلوں سے خالی اور فہم و دانش سے عاری ہیں، خدا تمہارا برا کرے۔ میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے نہ تمہارا برا چاہا ہے''۔

پھر حضرت کی یہ حیرت انگیز دعا ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ حضرت اخلاق کی کتنی بلند منزل پر فائز تھے اور خون کے پیاسے دشمنوں کے لئے بھی آپ کے دل میں کتنا درد تھا۔ جب صفین میں دشمن کی فوجیں جنگ پر تل گئیں اور صلح کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں تو آپ نے خداوند عالم سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

اللهم رب هٰذه الارض التى جعلتها قراراً للانام و مدرجاً للهوام الانعام وما لا يحصىٰ و مما يرىٰ، و مقالا ورب الجبال الرواسى التى جعلتها للارض اوتاداً للخلق اعتماداً. ان اظهرتنا علىٰ عدونا فجنبنا البغى وسددنا بالحق، وان اظهرتهم علينا فارزقنا الشهادة واعصمنا من الفتنة

بارالٰہا اے اس زمین کے پروردگار جسے تو نے انسانوں کی قیام گاہ اور حشرات الارض اور چوپایوں اور لا تعداد دیکھی اور ان دیکھی مخلوق کے چلنے پھرنے کا مقام قرار دیا ہے اے مضبوط پہاڑوں کے پروردگار جنہیں تو نے زمین کے لئے میخ اور مخلوقات کیلئے (زندگی کا) سہارا بنایا ہے (خداوندا!) اگر تو نے ہمیں دشمنوں پر غلبہ دیا تو ظلم سے ہمارا دامن بچانا اور حق کے سیدھے راستے پر برقرار رکھنا اور اگر دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیا تو ہمیں شہادت نصیب کرنا اور فریب حیات سے بچائے رکھنا۔

امیر المومنینؑ کی صلح طلبی اور اس کے لئے آپ کی جی جان سے کوششیں حتیٰ کہ لڑائی شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے تک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کے دوست دشمن سب ہی قائل ہیں آپ کی پوری زندگی صلح کی محبت اور جنگ سے بیزاری کے مظاہروں سے بھرپور ہے، آپ کی زندگی کا جو ورق بھی اٹھا کر دیکھئے گا، آپ کو یہی نظر آئے گا کہ آپ نے اپنے امکان بھر کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے بلکہ میل ملت ہو جائے۔ جنگ جمل کے موقع پر جب حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر اپنی

فوجوں کے ہمراہ آپ سے آمادۂ پیکار ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب کو ان کے مقابل صف آرا کیا تو فرمایا:

لا ترموا بهم ولا تطعنوا برمح ولا تضربوا بسيف واعذرنا

تیر نہ پھینکنا نیزہ نہ چلانا نہ تلوار کا وار کرنا تا کہ تمہاری حجت قائم ہو جائے۔

اور اس وقت تک آپ نے جنگ کا آغاز نہ کیا جب تک دشمنوں نے آپ کے تین ساتھیوں کو تیروں سے چھلنی نہ کر دیا اور آپ نے تین مرتبہ خدا کو گواہ نہ بنالیا۔

بیسیوں مرتبہ آپ بغیر اسلحہ لگائے بے زرہ پہنے خالی ہاتھ دشمن کے سامنے پہونچ گئے حالانکہ آپ کے دشمن فولاد و آہن میں ڈوبے ہوئے تھے آپ نے ان کی سخت کلامی ہٹ دھرمی سخت و درشت لب ولہجہ کے برخلاف انتہائی نرمی ومحبت سے اور دوستانہ انداز میں وعظ ونصیحت کی شفقت ومہربانی سے پیش آئے آپ کے سامنے دشمن زرہ وسپر میں ڈوبے ہوئے مثل شب تاریک کے معلوم ہوتے لیکن علیؑ کی زرہ نوع بشر کا احترام تھا، آپ کی سپر اپنے حق پر ہونے اور اپنے طرز عمل کے درست ہونے کا یقین تھا اور آپ کی تلوار عقل ووجدان کے احکام کی پیروی تھی بلکہ ضعیفوں پر آپ کی مہربانی حق کی پاسداری اور آپ کی صلح جوئی آپ کے لئے بمنزلہ ہزاروں سپر کے تھی۔ آپ ہی کا یہ فقرہ تھا:

من آمنت اذيته فارغب في اخوته

جس کی اذیت رسانی کی طرف سے تمہیں اطمینان ہو اس کو بھائی بنانے کی کوشش کرو۔

آپ وہ تھے جو خصومت وعداوت کو حد سے زیادہ ناپسند کرتے تھے اس لئے کہ خصومت اور نزاع شخصی اخلاق کو تباہ اور ملی خوبیوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں نفاق کو جنم دینے والی ہیں۔

اياكم والمراء والخصومة فانهما يمرضان القلب وينبت عليهما النفاق

خبردار نزاع وخصومت سے پرہیز کرنا کیونکہ یہ دونوں چیزیں دل کو بیمار کر دیتی ہیں۔ اور انہیں کے سبب نفاق جنم لیتا ہے۔

آپ بارہا اسی طرح بے زرہ وسپر اور خالی ہاتھ دشمن کے مقابل پہونچ گئے انہیں یہ احساس دلانے کے لئے کہ آپ جنگ سے بیزار ہیں اور پیچیدگیوں کو دوستانہ برادرانہ طریقے سے حل کرنے کے انتہائی خواہش مند ہیں اور اپنے اس حکیمانہ اسلوب سے معاملہ کو نپٹانا چاہتے ہیں کہ:

خذ عدوك بالفضل فانه احلى الظفرين

اپنے دشمن کے ساتھ نیکی کرو کہ یہ فتح یابی زیادہ خوشگوار اور شیریں ہے۔

نیز یہ واضح کرنے کے لئے کہ جنگ بہت بری چیز ہے اور اس کے ذریعہ جیتنے والے کو جو بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ ایسی بھلائی ہے جو برائی سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ماخیر خیر لا یاتی الا بشر و ماقیمة یسر لا یاتی الا العسر

اس اچھی چیز کی اچھائی بے حقیقت ہے جو برائی سے حاصل ہو اس فراخی کی کوئی قیمت نہیں جو ناداری و بدحالی کا نتیجہ ہو۔

علیؑ نے ہر ممکن وسیلے سے اس شر (لڑائی) کو دور کیا، بغیر کشت وخون اور بے جنگ و جدال خلائق کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی یہاں تک کہ جب دشمن مرنے مارنے ہی پر مصر تھے انہیں آپ کا اور آپ کے نیکوکار ساتھیوں کا خون بہانے کے علاوہ کوئی چیز منظور نہ ہوئی اس وقت بھی آپ نے انہیں پھر سے نصیحت سمجھانے بجھانے جنگ سے باز رکھنے کی امکانی کوشش کی جب یہ کوشش بھی ناکام رہی دشمن اپنی دشمنی ہی پر تلے رہے اور لڑائی کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا۔ اس وقت بھی آپ نے لڑائی میں پہل نہیں کی جنگ کی ابتدا دشمنوں کی طرف سے ہوئی آپ نے صرف ان کے حملوں کا جواب دیا اور جب آپ نے تلوار ہاتھ میں لے لی تو آپ علیؑ بن ابی طالب تھے اگر موت آپ کی طرف نہ بڑھتی تو خود آپ موت کی طرف پیش قدمی کرتے بہادروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے اور بڑے بڑے جواں مردوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ علیؑ حق وانصاف کے خواہاں تھے آپ کے دشمن ظلم وجور کے طالب آپ انسان کی بھلائی و نیک بختی کے متمنی تھے، وہ شر کے لئے کوشاں، آپ خلائق کی آزادی و آسائش چاہتے وہ غلامی کی ذلت و بے چارگی۔ آپ چاہتے تھے کہ بندگان خدا طاقتور اور ذی عزت ہوں اور آپ کے دشمن بندگان خدا کو غلامی و چاکری کی زنجیروں میں جکڑنا اور انہیں ذلیل وخوار بنانا چاہتے تھے۔

وہ چیزیں جن کا انسانی معاشرہ اور سماج میں ہونا ضروری ہے اور عقل کی شریعت بھی جنہیں لازم قرار دیتی ہے وہ چیزیں خطرہ میں تھیں ایسی حالت میں خاموش بیٹھنا سستی و کاہلی اور کفر کے مرادف تھا اور ان کی حفاظت شیوۂ مردانگی و بہادری۔

معاویہ سے جنگ کرنے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

ولقد ضربت الف ھذا الامر و قلبت ظھرہ و بطنہ فلم ارلی الا القتال او الکفر

میں نے اس معاملہ کو خوب جانچا اور پرکھا اور اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا مجھے اپنے لئے دو ہی راہیں کھلی ہوئی نظر آئیں یا تو میں معاویہ سے جنگ کروں یا پھر کافر ہو جاؤں۔

دیکھئے کتنے اختصار اور جامعیت کے ساتھ جنگ جمل کی تصویر کشی اور اپنی پوزیشن کی وضاحت کی ہے:

وکان طلحه الزبیر اول من بایعنی ثم نقضا بیعتی علی غیر حدیث و اخرجا ام المومنین الی البصرة فصربت الیهما فی المهاجرین والانصار فدعوتهما الی ان یرجعا الی ما خرجا منه فابیا. فبالغت فی الدعاء واحسنت فی اللقاء

طلحہ وزبیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی پھر بے سبب بے وجہ انہوں نے میری بیعت توڑ ڈالی اور ام المومنین عائشہ کو بصرہ لے کر گئے مجبوراً میں بھی مہاجرین وانصار کو لے کران کی طرف روانہ ہوا میں نے انتہائی کوشش کی کہ جس بیعت سے وہ باہر ہوگئے ہیں پھراس میں داخل ہوجائیں مگر انہوں نے انکار کیا میں نے سمجھانے بجھانے کی حد کردی اوران سے اچھی طرح پیش آیا"۔

آپؑ نے ان کے مقابل پہونچنے کے پہلے ہی جبکہ آپ ابھی راستہ ہی میں تھے اپنے فرزند امام حسنؑ اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس، عمار یاسر اور قیس بن سعد بن عبادہ کو طلحہ وزبیر کے سمجھانے بجھانے کے لئے روانہ کیا اس امید میں کہ شاید وہ اب بھی باز آجائیں اور فتنہ وفساد سے پرہیز کریں مگر وہ اپنی ضد ہی پر اڑے رہے۔امیرالمومنینؑ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

وسرت بهم حتیٰ نزلت بظهر البصرة فاعذرت فی الدعاء واقلت العثرة و ناشدت عقد بیعتهم فابو الاقتال فاستعنت الله علیهم فقتل من قتل وولوا مدبرین فسالونی ما کنت دعوتهم الیه قبل اللقاء فقبلت العافیه ورفعت عنهم السیف واستعملت علیهم عبد الله بن عباس زبعثت الیهم زفر بن قیس فاساله عنا وعنهم

میں مہاجرین وانصار کو لے کر روانہ ہوا بصرہ کے قریب جا کر ٹھہر گیا میں نے انہیں صلح ومصالحت کی دعوت دی ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کی اس بیعت کا واسطہ دیا جو وہ کر چکے تھے مگر وہ مجھ سے جنگ کرنے ہی پر مصر رہے میں نے خدا سے مدد چاہی اور مجبوراً میں بھی ان کے حملوں کا دفاع کرنے پر تیار ہوگیا نتیجہ میں جن کو قتل ہونا تھا قتل ہوئے باقی بھاگ نکلے انہوں نے اسی صلح ومصالحت کی مجھ سے درخواست کی جس کی خود میں جنگ سے پہلے ان سے خواہش کرتا رہا تھا۔میں نے عافیت قبول کی اوران سے تلوار اٹھالی ان پر عبداللہ بن عباس کو عامل مقرر کیا اور زفر بن قیس کو ان کی طرف قاصد بنا کر بھیجا اب جو کچھ پوچھنا ہو ان دونوں سے ہمارے اوران کے بارے میں پوچھو۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ اپنی غیر معمولی شجاعت اور کامل وعمیق ایمان کے سبب فتح یاب ہوئے مگر وہ اپنی فتح یابی وکامرانی

پر انتہائی اندوہ گیں ہوئے۔ اتنی ہی انہیں قلبی اور روحانی تکلیف پہونچی جتنی دشمن کو اپنی ہزیمت و پسپائی پر اذیت و تکلیف ہوئی تھی وہ انتہائی رنجیدہ وملول ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اتنا غم منایا جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہر باپ اپنی اولاد سے انتہائی محبت کرتا ہے ذرا بھی اس کی اذیت و تکلیف باپ سے دیکھی نہیں جاتی مگر وہی اولاد نالائقی پر اتر آئے تو باپ مجبور ہو کر اس کی سزا اور تادیب بھی کرتا ہے اور اس کی سزا کی تکلیف پر بے حد کڑھتا بھی ہے۔

یہی حالت علیؑ کی تھی، مسلمان بمنزلہ اولاد کے تھے انہیں اپنی اولاد سے انتہائی محبت تھی ان کی ظلم و زیادتی پر مجبور ہو کر آپؑ نے ان کی تادیر کی لیکن ان کی تکلیف واذیت دیکھ کر آپ کا کلیجہ خون بھی ہوا۔

آپ کو خوں ریزی سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسند نہ تھی چونکہ آپ ولاۃ وعمال کی طرف سے مطمئن نہ تھے آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ آپ کے عمال جنگ میں ناحق خوں ریزی سے پرہیز نہ کرسکیں گے، اس لئے مسلسل تاکید کرتے رہتے کہ جہاں تک ہوسکے خوں ریزی سے پرہیز کرنا آپ اخلاقی حیثیت سے بھی اس کا خیال رکھتے اور سیاسی وانتظام ملکی کے لحاظ سے بھی کہ ناحق خوں ریزی نہ ہونے پائے۔ آپ نے دونوں حیثیتوں سے ممانعت فرمائی کیونکہ جان بوجھ کر خون ریزی امیرالمومنینؑ کی نظروں میں حکومت کا تختہ الٹ جانے کا باعث بھی تھی اور مفہوم حکومت کے برخلاف بھی آپ اس معاملہ میں کسی عامل کو بھی قابل معافی نہیں سمجھتے تھے اپنے ایک عامل کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا تقوین سلطانك بسفك دم حرام فان ذالك مما يضعفه ويوهنه بل يزيل و ينقله ولا عذر لك عند الله ولا عندی قتل العمد

ناحق خون بہا کر اپنی حکومت کو مضبوط نہ بنانا کیونکہ ایسا کرنے سے تمہاری حکومت اور کمزور ہوگی بلکہ یہ حکومت تمہارے ہاتھ سے چھن کر دوسرے ہاتھ میں پہونچ جائے گی۔ عمداً خوزیزی میں خدا بھی تمہیں قابل معافی نہ سمجھے گا اور میں بھی نہیں سمجھوں گا۔

اس سلسلہ میں ناظرین کے سامنے ایک عجیب وغریب چیز پیش کرتا ہوں۔ سچ بتائیے علیؑ کے علاوہ دنیا میں کوئی فرمانروا ایسا بھی گذرا ہے جس کی اپنے عمال وولاۃ کو انتہائی سخت تاکید رہتی ہو کہ فوج کا افسر ہمیشہ ایسے شخص کو بنانا جو حلیم وبردبار ہو، قتل وغارت اور خوں ریزی سے جسے نفرت ہو سمجھا بجھا کر معاملہ کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو ناحق خون بہانے سے اس کا دامن داغدار نہ ہو، شفیق ومہربان وپاک دل ہو سختی کام سے کام نکالنا گوارا نہ کرتا ہو نہ جبر وتشدد کا عادی ہو۔ ملاحظہ فرمائیے حضرت علیؑ کی وہ وصیت جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت فرمائی تھی:

وول من جنودك انقاهم جيباً ، افضلهم حلماً، ممن يبطي عن الغضب ويستريح الى الغدر ويراف بالضعفاء وينبو عن الاقوياء وممكن لا يثيره الغنف الخ....".

اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو تمہارے خیال میں سب سے زیادہ صاف باطن ہو بہ لحاظ حلم و بردباری سب سے افضل ہو اس کو دیر میں غصہ آتا ہو اور عذر قبول کر لیتا ہو۔ ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو قساوت کی وجہ سے تند مزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو۔

تو علیؑ ابن ابی طالب صلح کو دوست رکھنے والے انسان تھے آپ نے برابر صلح کی تاکید کی جنگ سے آپ کو انتہائی نفرت تھی آپ نے ہمیشہ اس سے ممانعت کی۔ آپ نے کبھی جنگ کی طرف قدم نہیں اٹھایا جب تک خود وہ جنگ آپ کی طرف بڑھ نہ آئی اور قدم اٹھایا بھی تو اس وقت جبکہ دوستی و محبت نیکی و احسان کے ذریعہ اس کو روکنے کی تمام کوششیں نہ کر ڈالیں۔ اگر آپ کبھی جنگ پر مجبور ہوئے تو آپ کی انتہائی کوشش رہی کہ کم سے کم لوگ مارے جائیں گے اور جب آپ دشمن پر غالب آجاتے اسکی خطا کو بخش دیتے تھے۔ بیسوں مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ دشمن پر فتحیاب ہوئے اور آپ نے اس کی جاں بخشی کی پھر آپ جیتنے اور ہارنے دونوں ہی پر بیک وقت محزون و غمگین بھی ہوئے۔ جب بھی دشمن نے آپ سے صلح کی درخواست کی آپ نے انتہائی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے اس کی درخواست قبول کی آپ کا مقولہ تھا:

فان في الصلح دعة للجنود وراحة من الهموم وامناً للبلاد۔

صلح میں سپاہی آسودہ حال ہوتے ہیں، ملوگوں کی پریشانیاں کم ہوتی ہیں اور شہروں میں امن و امان کی فضا طاری رہتی ہے۔

آپ نے اپنے سرداران لشکر اور عمال و ولاۃ کو بے شمار فرامین لکھے جن میں منجملہ دیگر ہدایات کے اس بات کی بھی شدید تاکید رہتی کہ ہمارے طرز عمل کی پابندی اختیار کرو جہالت کی جنگ نہ کرنا اور نہ بات بات میں تلوار کھینچ لینا جیسا کہ پرانے زمانے کے لوگوں کی عادت تھی۔ آپ کا ارشاد ہے:

ولا تحركوا بايديكم و سيوفكم في هوئ السنتكم

دست و شمشیر کو زبان کی طرح معمولی معمولی بات میں حرکت میں نہ لاؤ

نیز آپ کا قول ہے:

ولا اعاقب على ظنة

میں تہمت پر کسی کو سزا نہیں دیتا۔

ولست مقاتله حتیٰ ادعوه واعذر له فان تاب و رجع قبلنا منه و ان ابی الا الاء تزام علیٰ حرینا استعنا الله علیه و ناجزناه

میں اس وقت تک جنگ نہ کروں گا یہاں تک کہ صلح وسلامتی کی دعوت نہ دے لوں اور حجت نہ تمام کرلوں اگر اس نے توبہ کی تو اس کی توبہ ہم قبول کرلیں گے اور اگر انکار کیا ہم سے جنگ ہی پر اڑا رہا تو ہم اس کے خلاف خدا سے مدد چاہیں گے اور اس سے جنگ کریں گے"۔

ظالم دشمنوں کے ساتھ علیؑ کس کس طرح پیش آئے اس کو ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ہر انسان کا فریضہ ہے کہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے اور کئے ہوئے وعدوں کو نبھائے اس سے افراد اور جماعت کے درمیان صلح برقرار رہتی ہے اور جنگ کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ خواہ عہد و پیمان ایک مذہب والوں سے ہو یا مختلف مذاہب والوں سے، ایک نسل کے لوگوں سے ہو یا مختلف نسل کے لوگوں سے دوست میں ہو یا دشمن میں۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا یہی دستور تھا اور وہ ہمیشہ اسی طریقہ پر کاربند رہے۔

عہد و پیمان کی پابندی اور وعدوں کا ایفا صلح کا سبب ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا اور صلح شہر میں امن و امان کی فضا قائم رہنے لوگوں کے آسودہ حال ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور سماج و سوسائٹی کی بہت بڑی خدمت ہے اس لئے کہ یہی عہد و پیمان اور قوانین، ملی ارتباط اور قومی رشتہ اتحاد ہیں۔ وفاء عہد شیوۂ مردانگی، وجدان کی تسکین اور ان مکارم اخلاق کی تحصیل کا ذریعہ ہے جس کے لئے امیر المومنینؑ ہمیشہ کوشاں رہے یہ وفاداری اپنے تمام حالات میں رفاقت و محبت کی دلیل اور نوع انسانی کے احترام کا مظہر ہے۔ وفاداری کی وجہ سے دونوں طرف اطمینان رہتا ہے اور جب دونوں طرف اطمینانی کیفیت رہے تو ہر فریق اطمینان سے سمجھ سکے گا کہ ہم اپنے امور کو کس طریقے سے انجام دیں کس کام کو کریں کس کام کو نہ کریں اور جب کوئی فریق مطمئن ہی نہ ہوگا تو وہ اپنے کام میں آزاد ہی نہ ہوگا۔

ایفاء عہد امیر المومنینؑ کے زمانہ خلافت میں ایسا قانون تھا جس کی پابندی انتہائی ضروری ولازمی تھی جس شخص نے عہد و پیمان کر رکھا تھا اس پر واجب ولازم قرار دے دیا گیا تھا کہ وہ جی جان سے اس کی پابندی کرے یا تو اپنے عہد و پیمان پورے کرے یا پھر اپنی جان دے دے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ کو جس قدر جھوٹ سے نفرت تھی اتنا ہی آپ پیماں شکنی سے بھی نفرت کرتے تھے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان الوفاء توام الصدق ولا اعلم جنة اوقی منه ولا یعذر من علم کیف المرجع ولقد اصبحنا فی زمان قد اتخذ اکثر اهله العذر کیساً ولسبهم اهل الجهل فیه الی احسن الحیلة. مالهم قاتلهم الله قد یری الحول القلب وجه الحیلة ودونه مانع من امر الله ونهیه فیدعها رای عین بعد القدرة علیها ینتهز فرصتها من لا جریحة له فی الدین۔

وفائے (عہد) اور سچائی دونوں کا ہمیشہ کا ساتھ ہے اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کی اور کوئی سپر نہیں جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت جان لیتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے جس میں اکثر لوگوں نے غدر فریب کو عقل وفراست سمجھ لیا ہے اور جاہلوں نے ان کی چالوں کو حسن تدبیر سے منسوب کر دیا ہے۔ اللہ انہیں غارت کرے انہیں کیا ہو گیا ہے وہ شخص جو زمانہ کی اونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ادھیر پھیر سے آگاہ ہے وہ کبھی کوئی تدبیر اپنے لئے دیکھتا ہے مگر اللہ کے اوامر ونواہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے اور جسے کوئی دینی احساس سد راہ نہیں ہے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا لے جاتا ہے"۔

مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت آپ نے انہیں جو عہد نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں:

وان عقدت بینك و بین عدوك عقدة والبسته منك ذمة فحط عهدك بالوفاء وارع ذمتك بالامانة۔ واجعل نفس جنة دون ما اعطیت ولا تغدرون بذمتك و تخیس بعهدك، ولا تختلن عدوك۔

اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے کر و یا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کرکے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اس کا امانتداری کے ساتھ لحاظ کرو اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اس کی حفاظت کے لئے اپنے نفس کو سپر بناؤ پس جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑ و اور جو عہد کر لو اس میں خیانت نہ کرو دشمن کو فریب نہ دو"۔

پھر اتنی ہی تاکید کرنے پر اکتفا نہ کی کہ دشمن کو فریب نہ دینا بلکہ آپ نے سختی کے ساتھ اس کی بھی ممانعت کی کہ دشمن سے ایسے مبہم وعدے نہ کرنا جس میں تاویل اور غلط معنی پہنانے کی گنجائش ہوتا کہ موقع ملنے پر اس وعدہ کی غلط توجیہ و تاویل کرکے توڑ دینے کی گنجائش ہو اور اس عہدنامہ کی تائید و توثیق کے بعد اس کے خلاف عمل درآمد کرنے کے لئے کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہو۔

علیؑ جب بھی کوئی رائے قائم کرتے یا اپنے کسی حکم کو نفاذ میں لاتے تو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کر اور اس کے تمام پہلوؤں کو دیکھ بھال کرکے، وفاء عہد پر چونکہ آپ کا مستحکم عقیدہ تھا لہٰذا بڑی بڑی رکاوٹ کا بھی آپ کے اور وفائے عہد کے درمیان حائل ہونا ناممکن تھا چاہے اس وفائے عہد میں ہزاروں صعوبتیں ہی کیوں نہ جھیلنا پڑیں منجملہ ان مواقع کے جہاں آپ نے انتہائی جاں گسل حالات میں عہد کی پابندی کی ہے صفین کا واقعہ ہے صفین کی جنگ میں جب تحکیم کی ٹھہری اور امیرالمومنینؑ و

معاویہ کے درمیان معاہدہ ہوا کہ جب تک حکمین اکٹھا ہو کر فیصلہ نہ کریں دونوں طرف سے جنگ بند رہے گی اور جنگ بند ہونے اور عہدنامہ لکھے جانے کے بعد امیر المومنینؑ کے ساتھیوں کو احساس ہوا کہ ہم زبردست فریب کا شکار ہو گئے تو ایک شخص محمد بن حریش نے امیر المومنینؑ سے عرض کی "حضور! کیا اس معاہدہ کو نظر انداز کر کے ہم لوگ پھر جنگ نہیں شروع کر سکتے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ معاہدہ بہت بڑی ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا"۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

ابعد ان کتبناه تنقضه ان هذا الا یحل

کیا عہدنامہ لکھنے کے بعد ہم اس کی خلاف ورزی کریں یہ جائز نہیں۔

پھر علیؑ ہی کا یہ فقرہ تھا۔

واعتصموا بالذمم و ذمتی بما اقوال رهینة

جو ذمہ داریاں تم نے لے رکھی ہیں ان پر مضبوطی سے قائم رہو میں اپنے قول کا ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ان مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ علیؑ کی صلح کی کوششیں اپنے دوررس نتائج کے لحاظ سے عوام الناس کی تمناؤں کے عین مطابق تھیں۔ ہر ہی شخص عدل و مساوات اور آزادی کی تمنا رکھتا ہے علیؑ کی یہ کوشش صلح ان کے تمناؤں کی تعبیر تھی بلکہ علیؑ کے دل کی تمنا تھی کہ جس کا وہ اپنے احکام و فرامین میں بھی اظہار و اعلان کیا کرتے۔

علیؑ اپنی اس سعی و کوشش میں کہ ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے سابق کے انبیاء و مرسلین اور محسنین انسانیت کے ہم سر و ہم پلہ ہیں۔ علیؑ کی کوشش صلح محمد مصطفیٰؐ کی اس شفقت بھری آواز سے کتنی ملتی جلتی ہے کہ:

کونوا عباد الله اخواناً

بندگان خدا بھائی بھائی ہو جاؤ

نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے کتنی ملتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول الله ما افضل الاعمال سب سے افضل عمل کون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

افضل الاعمال بذل السلام للعالم

بہترین عمل یہ ہے کہ عالم کی سلامتی کی کوشش کی جائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نہ ظالم بنو نہ مظلوم

کمزور وحقیر میرے نزدیک طاقتور و باعزت ہے تاوقتیکہ میں اس کا حق اس کو دلوا نہ دوں، طاقتور و باعزت میرے نزدیک ذلیل وحقیر ہے جب تک اس سے میں حق وصول نہ کرلوں جس قدر حسن وخوبصورتی انسان کو پسند ہوتی ہے اتنی ہی بدصورتی ناپسند جتنا انسان عدل کا خواہاں ہوتا ہے اتنا ہی ظلم و جور سے بیزار جس قدر گرمی وجود کا مشتاق ہوتا ہے اتنا ہی عدم کی برودت سے ہراساں

جو شخص بندگان خدا سے دشمنی کرے گا خدا اس کے ساتھ دشمنی کرے گا۔کمزور پر ظلم بدترین ظلم ہے۔

(امام علیؑ)

امیر المومنینؑ کی زندگی عام مسائل و معاملات میں انتہائی مسلسل و مربوط زندگی تھی۔آپ کے پاکیزہ اخلاق انتظام مملکت اور لشکر کی قیادت میں آپ کا غیر معمولی تدبر اور تمام ذاتی خصوصیات وکمالات سب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ تھے۔سود خواری، ذخیرہ اندوزی اور جور وستم سے آپ کو بے حد نفرت تھی ارباب دولت واقتدار جو اپنی طاقت کے ذریعہ خلائق پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے وہ مجسمہ جہالت افراد جو اپنے کو دوسروں سے افضل و برتر سمجھتے اور جاہلانہ ہٹ دھرمیوں سے کام لیتے علی علیہ السلام ان سب کے سخت دشمن تھے،کمزور وغریب افراد کی دستگیری ان کی نصرت واعانت آپ کو حد سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ تھی اس بنا پر کہ وہ بھی انسان ہیں اور انہیں حقیر و ذلیل سمجھنا ہرگز مناسب نہیں، بندگان خدا کی آزادی آپ کی دلی تمنا تھی۔کیونکہ خداوند عالم نے انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے۔ذلت وخواری کی زندگی بسر کرنا ان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں، ان کی ذلت وخواری انسانیت کی ذلت وخواری ہے جو شخص بھی انسانیت کی ذلت واہانت کا مرتکب ہو وہ دشمن رکھے جانے کے لائق ہے۔

ہم اب تک جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ علیؑ حاجت مندوں کے کتنے ہمدرد و غمگسار اور مظلوم اور ستائے ہوئے لوگوں کے کتنے زبردست حمایتی تھے، محاسن وفضائل کے دشمنوں سے آپ نے کیسی کیسی لڑائیاں لڑیں اور ان لوگوں پر کتنا غیظ وغضب کا اظہار کیا جو عقل و وجدان کے برعکس عمل کرتے تھے۔

لیکن ہم جتنا لکھ چکے ہیں وہ کافی نہیں ۔ستم پیشہ افراد کے ساتھ علی کس طرح پیش آئے اور ظلم و جور کے بارے میں آپ کے خیالات کیا تھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کو ایک مستقل باب قرار دے کر تفصیل سے لکھیں کیونکہ ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک ظلم یہ کہ کسی کا مال غصب کر لیا جائے ایک ظلم یہ کہ کسی کی عزت و آبرو کو نقصان پہونچایا جائے ایک ظلم مخفی ظلم ہوتا ہے ایک علانیہ ظلم ہے ہم سب کو الگ الگ ذکر کریں گے۔

امیر المومنینؑ کا کوئی خطبہ کوئی وصیت کوئی عہدنامہ ڈھونڈھے سے ایسا نہیں ملے گا جس میں آپ نے ظلم کا تذکرہ نہ کیا ہو اور انتہائی شد و مد سے اس کی مذمت نہ کی ہو۔آپ کی پوری زندگی ہی ظلم وستم اور ظالم پیشہ افراد سے جنگ کرنے میں گزری، یہ جنگ آپ نے ہاتھ سے بھی لڑی زبان سے بھی احکام وفرامین کے ذریعہ بھی اور تلوار کے ذریعہ بھی۔

ظلم وستم کے ساتھ جنگ اس وقت سے جاری ہے جب سے کہ انسان کے قدم زمین پر آئے ۔لیکن یہ جنگ گوناگوں طریقوں اور مختلف صورتوں سے لڑی جاتی رہی جن لوگوں نے قاہر و جابر ستم گاروں کے زمانہ میں اس جنگ کا بار اپنی دوش پر لیا وہ لاکھوں ہی تھے جس قدر ظالموں کے وجود نے بنی آدم کی تاریخ کو داغدار بنایا ہے اسی قدر ان لوگوں کا وجود انسان کی نازش و افتخار اور سر بلندی کا سبب تھا۔تاریخ کے یہ مشہور سورما یکے بعد دیگرے میدان میں آئے ایک جب اپنی طاقت آزما چکا تو دوسرے نے اس کی جگہ سنبھالی اور اس طرح میراث کی طرح ایک دوسرے سے اس جنگ کو جاری رکھنے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لیتے رہے۔

بنی آدم کے مقدس ترین بزرگوں میں بعض ہستیاں ایسی بھی گزریں جن کی پوری زندگی ظلم کے خلاف جنگ کرتے ہی گزری جناب عیسیٰ کی تاریخ تمام تر جنگ تھی روم کے استعمار پسند ظالموں ملک کے سودخواروں قیصر روم کے کارپردازوں اور سماجی بت پرستوں کے خلاف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ بھی تتمہ تھی حضرت عیسیٰ کی تاریخ کا اور تکمیل تھی مجاہدات عیسوی کی، آپ نے ظلم وستم کو اس کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے سخت ترین انقلابی تحریک چلائی اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک مظلوموں نے داد نہ پالی اور ان کی حالت میں خوشگوار تبدیلی نہ آگئی۔

یہی بات جو ہم نے حضرت مسیح اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہی سقراط اور دیگر بزرگان ابنی نوع بشر کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔[1]

جس طرح ظلم وستم بعض انسانوں کی سرشت وطینت کا جزبن جاتا ہے ان کی شقاوت کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ وہ ظلم وجور بالکل اسی طرح کرنے لگتے ہیں جس طرح فطری حرکتیں کرتے ہیں، کھاتے، پیتے پہنتے اور سانس لیتے ہیں، جیسے نیرو چنگیز قرون وسطی کے یورپین افسران محکمہ تفتیش اور اسی طرح کے بے شمار جابر وقاہر سلاطین و روم وعجم ومصر اور حجاج بن یوسف، زیاد بن ابیہ، عبید اللہ بن زیاد ومسلم بن عقبہ، وغیرہ وغیرہ تو جس طرح ظلم وستم ان اشخاص کی فطرت و ماہیت بن چکا تھا اسی طرح تاریخ میں ایسے بھی بے شمار افراد گزرے ہیں کہ ظلم کی دشمنی ان کی فطرت میں داخل تھی اور ان کی سرشت وطینت کا جزبن چکی تھی۔

گزشتہ زمانہ کے ظالموں کے ظلم وستم اور ان کے بد سے بدتر کام کرنے سے نہ شرمانے کی وجہ یہ تھی کہ ظلم وستم کر کے انہیں کوئی دکھ نہیں پہونچتا تھا وہ کوئی کام اپنی رغبت اور طبیعت کے خلاف انجام نہیں دیتے۔ ظلم وستم وہ کسی غرض وغایت کے تحت نہیں کرتے بلکہ محض اس لئے کرتے کہ ان کی عادت تھی ظلم کرنے کی۔

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ دسترخوان پر اپنے چند دوست احباب کے ساتھ بیٹھا کھانے میں مشغول تھا سامنے ایک مرد ضعیف وکہن سال بے قصور و بے خطا کھڑا تھر تھرا رہا تھا حجاج نے ایک مرتبہ گردن اٹھائی خادم سے کہا اس بڈھے کی گردن مار دے اس بڈھے کی گردن اڑادی گئی اور حجاج اسی طرح کھانے میں مشغول رہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ اس نے غلام سے پکار کر کہا ٹھنڈا پانی لاؤ نیرو نے روم میں آگ لگوادی روم جل رہا تھا اور اس کے شراب وکباب اور رقص وسرور میں کوئی فرق نہ آیا۔

یہی توجیہ ان لوگوں کی پامردی اور ثبات و استقلال کی کی جاسکتی ہے جو ہمیشہ ظلم وجور سے برسرپیکار رہے۔ جس طرح مذکورہ بالا ستم کیش وظالم افراد ظلم اس لئے کرتے تھے کہ ظلم ان کی فطرت میں داخل تھا۔ اسی طرح نوع بشر کے یہ محسن اور بزرگ افراد ظلم سے برسرپیکار اس لئے رہتے کہ مظلوم کی حمایت خدمت خلق ان کی طینت میں داخل تھی وہ جو کچھ کرتے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کرتے تھے۔

---

[1] اس جگہ مصنف نے یورپ وایشیا کے بہت سے رہنماؤں کے نام گنائے ہم حضرت عیسیٰؑ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا نام لینا سوء ادب سمجھتے ہیں، ہاں سقراط اگر چہ پیغمبر نہ تھے لیکن پیغمبروں کے بعد ان کی ذات بزرگترین ذات تھی چونکہ انہوں نے خود غور وفکر کر کے اپنی عقل سے کام لے کر آخرت کو پہچانا لوگوں کو اس آخرت کی طرف دعوت دی اور مادی وطبیعی علوم سے ہٹا کر علم الٰہی کی طرف متوجہ کیا اور اس راہ میں اپنی جان بھی دے دی اور حکیموں فلسفیوں کے درمیان انہوں نے پیغمبر کا کام انجام دیا۔

سقراط نے زہر کا پیالہ دوا کی طرح اس لئے پی لیا کہ ان کا پینا باطل کے مقابلہ میں ثبات قدم اور پامردی تھی۔[1] والٹیر نے اپنے زمانہ کے رؤساونوابین یورپ سے جنگ کی، جس طرح پیاسا پانی کی طرف بھوکا روٹی کی طرف بڑھنے پر مجبور ہوتا ہے اسی طرح وہ یورپ کے اکابر سے لڑائی لڑنے پر مجبور ہوا۔ رفقاوانصار حسینی نے حسینؑ کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کر دیں جبکہ ایک طرف حسینؑ تھے۔ اور ان کے مقابل بنی امیہ کی حکومت صف آرا تھی۔

یہ تھے محسنین نوع بشر اور بزرگان بنی آدم جن کے افسر و سرتاج علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے، علیؑ اسی لئے دنیا میں آئے تھے کہ حق کو قائم کریں اور باطل کو نیست و نابود کریں، وہ اسی لئے اٹھے اور اسی لئے انہوں نے خلافت قبول کی تھی۔ مگر دنیا باوجود اپنے اس طول وعرض کے علی بن ابی طالبؑ کے دستور وقوانین کو کہاں قبول کر سکتی تھی، ظالم وستم کیش افراد تعداد میں بھی بے شمار تھے اور طاقت میں بھی زیادہ۔ علیؑ جس کام کو انجام دینا چاہتے تھے۔ وہ دشوار پر خطر تھا

علیؑ کا کہنا تھا کہ نہ ظالم بنو نہ مظلوم وہ چاہتے تھے کہ نہ کوئی کسی پر ظلم کرے نہ کوئی کسی کا ظلم سہے۔ مگر زمانہ علیؑ کے اس نظریہ کو ماننے پر تیار نہ تھا وہ علیؑ کے اس ارادے کا ساتھ نہ دے سکا حتیٰ کہ خود مظلوم افراد علیؑ کا ساتھ نہ دے سکے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ظالموں کا خوف راسخ تھا وہ ظالموں کی عداوت وعناد اور کینہ جوئی سے خوفزدہ تھے۔ ان کی نادانی کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے علیؑ کے دشمنوں سے رشوت لے کر علیؑ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا ہاں گنتی کے چند افراد جنہیں خدا نے بڑے دل گردے کا پیدا کیا تھا انہوں نے کسی قیمت پر علیؑ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

لیکن کیا علیؑ کمزور اور سست پڑ جاتے؟ جبکہ دشمن اپنے سرغنہ افراد کی قیادت میں آپ کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے تھے۔

کیا غمگین ومحزون غریب وتنہا بہادر مصائب وآفات سے بھرپور زمین میں درندوں کے درمیان ہمت چھوڑ کر بیٹھ رہ سکتا ہے؟ جبکہ ہر انسان موت سے بے حد گھبراتا بھی ہے۔

کیا علیؑ تھک کر بیٹھ رہتے؟ جبکہ ظالم روز بروز سرکش ہوئے جارہے ہوں ارباب اقتدار عقل وخرد کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوں دین کو دنیا کے عوض بیچ رہے ہوں۔ مال ودولت اور جاہ ومنصب کے حصول کیلئے عقل ووجدان کی بازی لگا رہے

---

[1] والٹیر VOLTAIRE ۱۶۹۴ء میں پیرس میں پیدا ہوا اور ۱۷۷۸ء میں مرا۔ فرانس کا مشہور مصنف ہے اور اپنے زمانہ کے نامی گرامی لوگوں میں تھا انگلینڈ۔ روس سوئٹزرلینڈ میں مدتوں قیام رہا اس نے اپنی بے پناہ قوت نظم ونثر اور آتش افشاں تحریروں کے ذریعہ یورپ میں آگ سی لگادی اور اس کے زمانہ کے ارباب اقتدار اور مذہبی پیشواؤں پر کڑی تنقیدیں کیں۔ ۱۷۸۹ء کے مشہور انقلاب وفرانس کی راہ اسی نے ہموار کی تھی۔ بہت سی گراں قدر کتابوں کا مصنف ہے۔ (مترجم ۱۲)

ہوں، شہروں میں انہوں نے فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہو ظلم و جور پر مصر، کبر و غرور میں ڈوبے اور خودنمائی خودستائی میں اپنے آپے سے باہر ہوں۔ نت نئے رنگ اختیار کرتے اور ہر حق کے مقابلہ میں باطل کو کھڑا کرتے ہوں۔ ایک دوسرے کی باطل پرستی اور زبوں کاریوں کی تعریف و ستائش کرتے ہوں۔ اور اس پر اچھے صلہ کے امیدوار بھی ہوں، حق و انصاف کا گلا گھونٹ رکھا ہو، بغاوت وسرکشی پر مائل ہوں، زمین پر تباہی مچا رہی ہو ان کے جور و تشدد کا ٹھکانہ نہ ہو۔

کیا علی سست وضعیف ہوسکتے تھے جبکہ آپ کے اصحاب کی یہ حالت تھی کہ:

ماغرت دعوة من دعاهم ولا استراح قلب من ماساهم و من فاز بهم فقد فاز بالسهم الاحيب صم ذووا اسماع بكم ذوو كلام لا احرار صدق عند اللقاء ولا اخوان تقية عند البلاء

جو شخص ان کو مدد کے لئے پکارتا وہ کبھی کامیاب نہ ہوتا جس کا ان جیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا اس کے دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوتا جو ان جیسے لوگوں کو لے کر میدان میں آتا گھاٹا ہی گھاٹا اٹھاتا جو کان رکھتے ہوئے بہرے تھے قوت گویائی رکھتے ہوئے گونگے تھے۔ جنگ میں نہ شریف و باغیرت انسانوں کی طرح ثابت قدمی دکھلاتے نہ سختی اور مصیبت میں ان کی ہمدردی و غمگساری بھروسہ کے قابل تھے۔

بے شک ایسے حالات وکیفیات میں ہر شخص کو کمزور اور ضعیف ہوناہی چاہئے اسے تھک ہار کر بیٹھ رہنا ہی ناگزیر ہے۔

بشرطیکہ وہ علی ابن ابی طالبؑ نہ ہو۔

وہ گہری شفقت ومحبت جو ہر ہی انسان کیلئے علیؑ کے دل میں تھی وہ انہیں مجبور کرتی تھی کہ وہ اس شخص کے ساتھ ذرا بھی نرمی نہ برتیں جو لوگوں کی ایذا رسانی کا مرتکب ہو چاہے اس کے لئے انہیں اپنی جان سے ہاتھ ہی دھونا کیوں نہ پڑے۔

وہ شخص جو ظالموں کے مقابلہ میں خاموش رہنے کو محبت وشفقت سے تعبیر کرے اور نرمی و مہربانی کی علامت قرار دے وہ جھوٹا ہے باطل طبیعتوں کے حال سے ناواقف ہے۔

ایسا نہیں ہے! خلائق کے ساتھ سچی محبت و مہربانی یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان کو کچلنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے تاکہ وہ خلائق کو قید و بند سے آزاد کریں۔ عطوفت وشفقت نرمی و مہربانی بعض حالات میں انسانوں کو انتہائی تشدد پر مجبور کر دیتی ہے۔

لہٰذا جتنا انسان حسن و جمال کو پسند کرتا ہے اتنی ہی بدصورتی اسے ناپسند ہوتی ہے، جس قدر انسان عدل کا خواہاں ہوتا ہے اسی قدر ظلم و جور سے اسے نفرت ہوتی ہے جس قدر انسان گرمی وجود کا مشتاق ہوتا ہے اتنا ہی عدل کی برودت سے اسے ہول آتا

ہے۔ سرکشوں اور ظالموں کی گردن پر کوئی شخص تلوار چلا ہی نہیں سکتا جب تک زندگی کو نعمت نہ سمجھتا ہو مختصر یہ کہ جو شخص نفرت نہیں کرتا وہ محبت بھی نہیں کر سکتا۔

اس کا بہترین ثبوت کہ علیؑ کے مزاج میں جتنی نرمی و مہربانی تھی انتاہی ظالم کے خلاف ان کے مزاج میں سختی وخشونت تھی۔ ظلم کو دور کرنے کے لئے وہ انتہائی تشدد سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ سودہ بنت عمارہ ہمدانیہ والا واقعہ ہے۔

سودہ بیان کرتی ہیں کہ میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں آپ کے ایک عامل کی شکایت لے کر پہونچی جیسے آپ نے صدقات کی وصولی پر مامور کیا تھا۔ میں جب آپ کے سامنے کھڑی ہوئی تو آپ نے انتہائی محبت وشفقت سے فرمایا۔ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے؟ میں نے آپ سے اس عامل کی شکایت بیان کی آپ سن کر رونے لگے پھر بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

”خداوندا میں نے ان عاملوں کو یہ ہرگز حکم نہیں دیا کہ وہ تیری مخلوق پر ظلم کریں، نہ ان سے یہی کہا ہے کہ تیرا حق چھوڑ دیں“۔

پھر آپ نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر لکھا:

”فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ و اذا اتاك كتابي هٰذا فاحتفظ بما في يديك حتىٰ ياتي من يقبضه منك“

”ناپ تول پوری کرو اور لوگوں کو ان کے سوئے کم نہ دو نہ زمین میں فساد پھیلاؤ جب یہ خط تمہیں ملے تو تمہاری تحویل میں جتنی چیزیں ہیں انہیں روک رکھو تاکہ دوسرا شخص پہونچ کر تم سے چارج لے لے۔“

دیکھئے اس مظلوم عورت کے ساتھ آپ کی شفقت و مہربانی اس حد کی تھی کہ آپ اس کی شکایت سن کر رونے لگے۔ پھر دیکھئے کہ اسی شفقت و مہربانی نے پلٹ کر عامل کے حق میں کسی قدر سختی و درشتی اور غیظ وغضب کی صورت اختیار کرلی، مظلوم کے ساتھ انتہائی محبت اور ظالم کے ساتھ انتہائی تشدد۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ سرکشی وزیادتی کے خلاف جنگ کرنے سے کبھی باز نہ رہے جب بھی انہوں نے کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ میں گرفتار دیکھا انہوں نے ذرہ برابر بھی کمزوری نہ دکھلائی۔ وہ کمزوری و سستی دکھلاتے بھی کیونکر جبکہ نرمی و مہربانی نے انہیں بلا کی پامردی وثابت قدمی دے رکھی تھی اور باطل سے جنگ کرنے اور حق کو قائم کرنے کا انتہائی شیدائی بنا رکھا تھا۔

علیؑ کا یہ محکم عقیدہ تھا کہ:

لابدّ من امام یوخذ به للضعیف من القویٰ وللمظلوم من الظالم حتیٰ یستریح برٌّ و یستراح من فاجرٍ

ایک ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جس کے ذریعہ کمزور کا حق طاقتور سے مظلوم کا ظالم سے وصول کیا جاسکے تاکہ نیکوکار راحت اٹھائیں اور بدکاروں کی طرف سے اطمینان نصیب ہو۔

ان الله قد اعاذ الناس من ان یجور علیهم

خداوند عالم نے لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے اس بات سے کہ ان پر ظلم ہو۔

اور جب خدا ہی نے امان دے رکھی ہو تو ظلم کرنے والے ان پر کیسے ظلم کر سکتے ہیں۔

انه امتحن الامراء بالجور

خداوند عالم نے حکام کا امتحان لیا ہے ظلم کے ذریعہ۔

لہٰذا جب وہ ظلم کریں گے تو ان کی حکومت ختم ہو جائے گی کیونکہ۔

ان امهل الظالم فلن یفوت اخذه فهو لهه بامر صاد علی مجاز طریقه

اور اگر ظالم کو مہلت مل بھی گئی تو وہ خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتا خود خداوند عالم اس شخص کی گھات میں ہے اور اس کی گھات بڑی سخت ہوگی۔

یوم العدل علی الظالم اشد من یوم الجور علی المظلوم

انصاف کا دن ظالم کے لئے اس دن سے کہیں زیادہ سخت ہوگا جس دن اس نے مظلوم پر ظلم کیا تھا مظلوم کو اتنی تکلیف نہ پہونچی ہوگی جتنی ظالم کو قیامت کے دن پہونچے گی۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ کے منجملہ ان کا احکام کے جو ہمیشہ واجب التعمیل ہیں یہ احکام بھی ہیں:

امرتکم باشدة علی الظالم وخذوا علی ید الظالم السفیه

میرا حکم ہے کہ ظالم کے ساتھ سختی سے پیش آؤ نادان ظالم کا ہاتھ پکڑلو اسے ظلم کرنے سے روک دو۔

بے شک علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دل میں جو شفقت وعطوفت تھی وہ ضامن تھی اس بات کی کہ آپ حق و باطل کے معرکہ میں پوری طرح ثابت قدم رہیں۔ وہ جب اس حق و باطل کی طرف متوجہ ہوئے تو فرماتے:

لنظهر الاصلاح فی بلادك فیامن المظلوم من عبادك

خداوندا! ہماری کوشش محض یہ ہے کہ تیرے شہروں میں امن وامان قائم ہوتا کہ تیرے بندے محفوظ رہیں اور جب اس معرکہ میں کودتے تو فرماتے:

وایم اللہ لا نصفن المظلوم من ظالمه ولا خذن الظالم بخزامته حتیٰ اوردہ منهل الحق وان کان کارھاً

خدا کی قسم ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر کے رہوں گا۔ ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر کشاں کشاں حق کے چشمہ تک لاؤں گا چاہے اسے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ یا یہ فرماتے:

الکف عن البغی والانصاف للخلق واجتناب المفاسد فی الارض

ضروری ہے کہ ظالم ظلم سے باز رہے خلق کے ساتھ انصاف سے کام لے اور زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے سے باز رہے۔ اگر ہولناک جنگ ہوتی گھمسان کا رن پڑتا اور آپ اپنے ساتھیوں کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کا اندازہ اور اپنی حالت کا دوسروں کی حالت سے موازنہ کرتے تو فرماتے:

ماضعفتُ ولا جبنتُ فلا تقبن الباطل حتیٰ یخرج الحق منه جنبه

میں نے نہ کمزوری دکھلائی نہ سستی۔ باطل سے میں اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک اس کے پہلو سے حق کو برآمد نہ کرلوں۔

آپ اپنی آنکھوں کے سامنے موت کو کھڑا دیکھتے مگر آپ کے ہاتھ لڑائی سے تھکتے نہ تھے، نہ آپ کے دل کو ذرہ برابر ہراس لاحق ہوتا۔ خواہ سارا عرب ہی سمٹ کر آپ کے مقابل کیوں نہ آ کھڑا ہوتا اور ہر طرف سے آپ کی ناکہ بندی کر لیتا۔

آپ کو اپنے عدل وانصاف پر پورا بھروسہ اور اس بات کا محکم یقین ہوتا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ عدل وانصاف کے مطابق کر رہے ہیں فرمایا کرتے:

"ذلیل عندی عزیز حتیٰ آخذ الحق له والعزیز عندی ذلیل حتیٰ اخذ الحق منه ، فوا للہ ما ابالی ادخلت علی الموت او خرج الموت الیٰ"

"مرد کمزور وضعیف میرے نزدیک طاقتور ہے وتوانا میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک اس سے حق نہ وصول کرلوں" خدا کی قسم مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آپڑے۔

جس وقت آپ ظالموں کی کسی جماعت سے جنگ کر کے انہیں مغلوب کر لیتے لیکن ان ظالموں میں کچھ دم خم باقی رہ جاتا

تو آپ فرماتے:

وبقیت بقیة من اهل البغی لئن اذن الله فی الکرة لادیلن منهم الا ما یتشذر فی اطراف البلاد تشذرا

ظالموں میں ابھی کچھ جان رہ گئی ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم انہیں جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکیں گے ہاں کچھ لوگ متفرق شہروں میں بھاگ نکلیں تو دوسری بات ہے۔

صاحبان علم حضرت علیؑ کے نزدیک پیشوایان امت ہیں۔ اسی وجہ سے ان پر بہت سی اہم ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں سب سے بڑی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ ظالم کا مقابلہ اور مظلوم کی نصرت وحمایت کریں، آپ ارشاد فرماتے ہیں:

وقف اخذ الله علی العلماء ان لا یقار وا علی کظة ظالم لا شغب مظلمه

خداوند عالم نے علماء پر فرض کیا ہے کہ وہ ظالم کے زور زبردستی اور مظلوم کی بے چارگی وا ندوہناکی پر خاموش نہ بیٹھے رہیں۔

اس غرض سے کہ قوم وملت میں ظالموں کا وجود نہ رہے نہ ایسے لوگ ہوں جو ظلم میں معین ہوں یا ظلم پر راضی رہیں علیؑ نے لوگوں کے گناہوں کے مختلف درجات قرار دیئے ہیں بعض گناہ ایسے ہیں جو معاف کر دیئے جاسکتے ہیں سوا ظلم کے کہ یہ کسی حال میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں:

"واما الذنب لا یغفر فظلم العباد بعضهم لبعض"

لیکن وہ گناہ جو بخشا نہ جائے گا وہ بعض انسان کا دوسرے انسان پر ظلم کرنا ہے" آپ کا نظریہ تھا کہ:

ظلم الضعیف افحش الظلم

کمزور پر ظلم کرنا بدترین ظلم ہے۔

اس طرح علیؑ نے ہر صورت وہر طریقہ سے دور کرنے کی کوشش کی اور رعیت کے ساتھ آپ کا یہ دستور وطرز عمل رہا۔ ظالموں سے آپ نے زبان کے ذریعہ بھی جنگ کی اور تلوار کے ذریعہ بھی وہ اپنے اس عہد پر انتہائی مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ جب تک زندہ رہے ظالموں کے خلاف لڑائی لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور اپنی جان، جہاں آفریں کو سپرد کر دی۔

اگر زمانہ کی نیرنگیاں نہ ہوتیں حالات ناموافق نہ ہوتے تو بہت سی چیزوں کو آپ بدل کر رہتے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

امیر المومنینؑ کا نظام حکومت ولاۃ وعمال کو ہدایت

خبردار ایسی چیزوں میں ترجیحی حقوق کی خواہش نہ کرنا جن چیزوں میں سبھی لوگ برابر کے حق دار ہیں۔ (امام علیؑ)

یہ جاننے کے بعد کہ انسانی سماج اور معاشرہ کے ساتھ امیر المومنینؑ کا ایسا محیر العقول عادلانہ برتاؤ تھا اور بنی آدم کے باہمی تعلقات و روابط کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار بنانے کیلئے آپ کی ایسی پاکیزہ روش تھی یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عہدنامہ کے کچھ حصے بھی یہاں پیش کر دیں جو امیر المومنینؑ نے مالک اشترؒ کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت تحریر فرمایا تھا۔ یہ عہدنامہ آپ کے تمام عہدناموں میں سب سے زیادہ مبسوط اور عظمت وشان کے لحاظ سے انتہائی اہم ہے۔

ہم نے امیر المومنینؑ کی سیرت پر روشنی ڈالتے وقت امیر المومنینؑ کے اکثر خطوط اور عہدناموں سے کام لیا ہے کیونکہ آپ نے اپنے سب ہی خطوط و فرامین میں افراد اور جماعت کے حقوق بیان فرمائے ہیں لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ ہم اس موقع پر مالک اشتر کے نام آپ کا وہ عہدنامہ[۱] نہ درج کریں جو آپ کا منتخب اور جامع ترین عہدنامہ ہے اور انسانی معاشرہ کے متعلق آپ کے جملہ عقائد ونظریات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہے۔

اس عظیم الشان عہدنامہ میں ولاۃ و عمال کے لئے آپ کا مکمل نظام حکومت مذکور ہے دو چار اصول و قواعد اور دوسری ضروری باتیں دیگر خطوط و فرامین میں بھی ملتی ہیں جنہیں موقع ملا تو ہم کتاب کے آخری حصے میں ذکر کریں گے۔

یہاں موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس بہترین ونفیس دستور حکومت کے چند اجزا پیش کرتے ہیں جو عقل وضمیر کی پیداوار اور انسانوں کے درمیان ملی وقومی روابط پیدا کرنے میں اپنی آپ نظیر ہے۔

امیر المومنینؑ مالک اشتر کے نام اپنے عہدنامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اے مالک! یہ سمجھ لو کہ میں تم کو ان شہروں کی طرف بھیج رہا ہوں جہاں تم سے پہلے صاحب عدل اور صاحب جور حکومتیں

---

[۱] ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ رابعہ میں مالک اشتر کے نام حضرتؑ کے اس عہدنامہ کا ترجمہ جناب علامہ ابن حسن صاحب رضوی جارچوی کے ''علیؑ اور ان کا طرز جہانبانی'' سے مکمل نقل کر چکے ہیں اس جگہ ہم پھر اسی رسالہ سے اس عہدنامہ کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ یہ چیز ہی ایسی ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور پڑھنے کے بعد دعا مانگی جائے کہ کاش آج کل کی حکومتیں اس دستور کا سواں ۱۰۰ ا۔ حصہ بھی اپنالیں اگر ایسا ہو تو یہ زمین ہمارے لئے بہشت بن جائے۔

گزر چکی ہیں (یاد رکھو) کہ لوگ تمہارے امور کو بھی اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم اپنے پیش رو والیان ملک کے امور کو دیکھتے رہے اور تمہاری بابت بھی وہی باتیں کہیں گے جو تم (گزشتہ حکام) کی بابت کہتے رہے۔

اور صالحین (کی صلاحیت) پر اسی (ذکر جمیل) سے استدلال کیا جاتا ہے جو اللہ زبان خلق پر جاری کر دیتا ہے پس چاہئے کہ عمل صالح کا ذخیرہ تمہارے نزدیک محبوب ترین ذخیرہ ہو۔ اپنی خواہشات نفسانی پر قابو رکھو اور ان چیزوں سے جو تمہارے لئے حلال نہ ہوں اپنے نفس کو باز رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس جن امور کو پسند کرتا ہو اور جن سے اس کو نفرت ہو ان کی نسبت اس کو انصاف پر مائل کرو اور اپنے دل میں رعیت پر لطف و محبت اور مہربانی کرنے کا جذبہ و احساس پیدا کرو اور ان کے ساتھ ضرر رساں درندہ کا سا سلوک نہ کرو جو ان کو کھالینا ہی غنیمت سمجھتا ہے کیونکہ ان میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا تو تمہارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چہرے مہرے ہاتھ پاؤں اور جسم کی (بناوٹ کے لحاظ سے تم ہی جیسے انسان ہیں (تمہاری طرح) ان سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں اور ان کو بھی (خطا و نسیان اور سہو) کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور ان سے عمداً و سہواً برائیاں سرزد ہو جاتی ہیں پس تم ان کو اسی طرح معاف کر دیا کرو اور درگزر کرتے رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو معاف کر دے اور تمہاری برائیوں کو درگزر کرے۔ (اس دنیا میں ایک کے اوپر دوسرا نگراں موجود ہے) تم ان لوگوں پر (حاکم) ہو تمہارا امیر تم پر (نگراں) ہے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ہے جس نے تم کو والی بنایا ہے، ان کے امور کا متکفل کیا ہے اور ان کے ذریعہ سے تمہاری آزمائش کرنی چاہی ہے۔

اور (قوانین فطرت) خدا سے جنگ مول لے کر اپنے نفس کو تعب میں نہ ڈالو کیونکہ تمہارے (اندر نہ اس کے عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے) نہ اس کے عفو و رحمت سے مستغنی ہونے کی قوت (کسی کو معاف کر کے نادم و شرمندہ نہ ہو، (کسی کو) سزا دے کر خوش نہ ہو اور (غصہ میں کوئی ایسی بات یا کام کرنے میں جلدی نہ کرو، جس کے ترک کی گنجائش ہو اور یہ نہ کہتے پھرو کہ میں امیر ہوں، حاکم ہوں، میری اطاعت لازم ہے، کیونکہ اس سے قلب فاسد اور دین کمزور ہوتا ہے، اور تغیرات دنیا قریب آجاتے ہیں اور جب کبھی ریاست و امارت تمہارے دل میں تکبر اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمہارے اوپر اللہ کی حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمہارے نفس کی ان باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہیں رکھتے، اور اس سے تمہارا جوش نخوت کم اور عزت شعور دب جائے اور گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی"۔

دیکھنا! عظمت و اقتدار میں خدا کے مقابل اور سطوت و جبروت میں اس سے مشابہ بننے سے بچتے رہنا وہ ہر جبار کو ذلیل اور ہر متکبر کو خوار کر دیتا ہے۔

اپنے نفس، اپنے خاص اعزا و اقارب اور ان افراد رعیت کے مقابلہ میں جن کی طرف تم کو خاص میلان طبع ہو خدا اور عامۃ الناس کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو۔[۱]

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظالم ٹھہرو گے اور جو شخص بندوں پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے بندوں کی طرف سے اس کا مخالف بن جاتا ہے اور جس سے وہ مخالفت و مخاصمت کرے اس کی حجت کو وہ باطل کر دیتا ہے اور جب تک وہ باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے وہ اس سے برسر جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اس کی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب کر دینے والی نہیں ہے کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے۔

جمہوریت کی رضامندی

اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہئے جو بلحاظ حق سب سے زیادہ وسط میں واقع ہو، بلحاظ عدل سب سے زیادہ عمومیت رکھتا ہو اور رعایا کی رضامندی کا سب سے زیادہ جامع ہو، کیونکہ عامۃ الناس[۲] کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر و بے سود بنا دیتی ہے اور عامۃ الناس کی رضامندی کے ساتھ خواص کی ناراضگی ناقابل التفات ہو جاتی ہے، تمام رعایا میں طبقہ خواص سے زیادہ (حسب ذیل برائیاں) رکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

(۱) خوش حالی کے وقت والی کے لئے سب سے زیادہ بار خاطر۔

(۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا۔

(۳) انصاف و عدل سے نفرت کرنے والا۔

(۴) سوال میں بے حد اصرار کرنے والا۔

(۵) اگر عطیات ملیں تو سب سے کم شکر گزار۔

(۶) نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست۔

(۷) حوادث زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا۔

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں اور منظور نظر افراد رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بحر دنیا میں بھی تین چٹانیں ہیں جن سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں۔

[۲] مطلب یہ ہے کہ تمہارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے تا کہ تم کو وہ محبوب سمجھنے لگیں کہ اصل میں حکومت کی بقا عامۃ الناس کی خوشنودی پر مبنی ہے۔

(طبقۂ خاص کا تو یہ حال ہے، برخلاف اس کے) عامۃ الناس ستون دین اور نظام مسلمین ہوتے ہیں دشمنوں کے مقابلے میں تیار فوج کا کام دیتے ہیں، پس تمہارا رجحان خاطر اور میلان طبع انہی کی طرف ہونا چاہیئے۔

چغل خور سے بچو

تم کو چاہیئے کہ رعیت کا جو آدمی لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ مشغول رہتا ہے اس کو اپنے پاس سے بہت دور رکھو، کیونکہ لوگوں میں عیب تو ضرور ہوتے ہیں اور والی سے زیادہ ان کی پردہ پوشی کا حق کس کو ہوسکتا ہے۔ پس جو عیوب تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں ان کی تلاش نہ کرو، کیونکہ تم پر تو انہیں عیوب کا ازالہ فرض ہے جو ظاہر ہوں اور جو تمہاری نظر سے پوشیدہ ہوں ان کا فیصلہ خداوند عالم کرے گا پس حتی الامکان لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو تا کہ خدا بھی تمہارے وہ عیوب چھپائے جن کو تم رعیب سے مخفی رکھنا چاہتے ہو۔

(لوگوں کے دلوں سے) ہر قسم کے حسد اور کینہ کی گرہ کو کھولتے اور ہر طرح کی عداوت کے سبب کو دفع کرتے رہو اور جو امور تمہارے لئے مناسب نہیں ان کو نظر انداز ہی کرتے رہو اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ہوتا ہے اگر چہ وہ ناصح (مشفق) ہی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

مشیر کیسا ہونا چاہئے

اپنے مشورہ میں بخیل کو ہرگز داخل نہ کرو جو تم کو (رعایا پر) تفضل کرنے سے اور فقیر ہو جانے کا خوف دلائے۔ اور نہ اس بز دل کو (شریک کرو) جو تم کو انصرام امور میں کمزور بنائے اور نہ اس حریص کو (شریک کرو) جو حرص وطمع کو تمہاری نگاہ میں زینت دے۔ بات یہ ہے کہ بخل، جبن اور حرص ہیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع اور قدر مشترک) اللہ کی طرف سوءظن[۱] ہے۔

انتخاب وزراء

تمہارا سب سے برا وزیر وہ شخص ہوگا جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر اور معاصی میں ان کا شریک رہ چکا ہو، پس لازم ہے کہ وہ تمہارے خواص میں داخل نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے بھائی ہوتے ہیں، تم کو ان کے برخلاف وہ لوگ مل سکتے ہیں جو انہیں کی طرح صائب الرائے اور صاحب نفوذ واثر ہوں اور ان کی طرح گناہوں کا بار بھی اپنی گردن پر نہ رکھتے ہوں (یہ ایسے لوگ ہوں گے) کہ انہوں نے کسی ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی گنہگار کی تائید اس کے گناہ میں نہ

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے فضل و کرم اور اس کی قدرت کاملہ کا یقین نہیں رکھتا وہی ان بری عادتوں کا شکار ہوتا ہے۔

کی ہوگی، وہ لوگ تمہارے لئے نہایت سبک بار، اچھے مددگار اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہوں گے، ان کو تمہارے اغیار سے بہت کم الفت ہوگی، پس تم انہیں لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہم نشین بناؤ اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمہاری مساعدت سب سے کم کرنے والا ہو جن کو خداوند عالم اپنے دوستوں کے لئے پسند نہیں کرتا خواہ وہ تمہاری خواہش دل کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔

خوشامد پسند نہ بنو:

اہل ورع اور صدق سے ملو اور ان کو اس کا عادی بنالو کہ تمہاری زیادہ تعریف نہ کیا کریں اور کسی ایسے کام کو جو تم نے کیا نہ ہو جھوٹ موٹ، تمہاری طرف منسوب کر کے تمہارا دل خوش نہ کریں، کیونکہ مدح وثنا کی کثرت عجب ونخوت پیدا کرتی ہے۔ اور کبر و غرور سے قریب کر دیتی ہے۔

اچھے اور برے کا فرق:

نیک عمل اور بدکار دونوں تمہارے نزدیک برابر نہ ہوں اس لئے کہ ایسا کرنا نیکوں کو اچھے کام سے روگردان اور بدکاروں کو برے کام کا خوگر بنادیتا ہے اسی لئے ہر شخص کو اسی (چیز) کا مستحق قرار دو جس کو اس نے اپنے نفس کے لئے لازم کرلیا ہے۔

حُسنِ ظن کیونکر پیدا ہو سکتا ہے:

یہ جان لو کہ اس سے زیادہ کوئی شے حاکم کے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کرنے والی نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کے بار کو ہلکا کرتا رہے، اور ایسے امور پر ان کو مجبور کرنا چھوڑ دے جو ان کے بس کے نہیں ہیں پس تم سے وہی بات ظاہر ہو جو تمہارے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کر سکے یہ حسن ظن تمہارے، بہت سے تعب کو دور کر دے گا اور درحقیقت وہی شخص تمہارے حسن ظن کا زیادہ حقدار ہے، جس کے ساتھ تم نے نیک سلوک کیا ہے اور سوء ظن کا حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے برا سلوک کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ تم ہمدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے ہو جس سے تم نیک سلوک کیا ہے، جس کے ساتھ برائی کی ہے، اس سے سوائے برائی کے تم کو اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

[۲] مطلب یہ ہے کہ اچھے عمل والوں کو انعام واکرام کا مستحق ٹھہراؤ کہ دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب ہو اور بداعمال کو سزا دو کہ اس کو دیکھ کر، اور لوگ عبرت حاصل کریں۔

قدامت پسندی اور تجدد

اور تم اس اچھی سنت (طریقہ و قاعدہ) کو نہ توڑو جس پر اس امت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں جس سے امت کے درمیان رشتہ الفت قائم رہے اور جس پر رعیت کی صلح وصفائی کا مدار ہے، اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو ان اچھی) سنن کا قدیمہ میں کسی کو نقصان پہونچائے کیونکہ اجر تو اس کو ملے گا جس نے یہ سنت جاری کی تھی اور اس کے توڑ دینے کا سارا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

اور ان امور کے ثابت وقائم رکھنے کے لئے جن کی وجہ سے تم سے پہلے (اس ملک کے) شہروں کے معاملات رو بہ اصلاح رہے اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشحالی قائم رہی علماء حکماء سے بکثرت مشورے کرتے رہا کرو۔

اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو سب سے زیادہ صاف باطن ہو اور بلحاظ علم وعقل سب سے افضل ہو، اس کو دیر میں غصہ آتا ہو اور عذر قبول کر لیتا ہو، ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو، قساوت کی وجہ سے تند مزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو۔

.... ان لوگوں کے امور کی ایسی دیکھ بھال کرتے رہو جیسے والد اپنی اولاد کی (نگہداشت) کرتے ہیں اور تم اپنے دل میں کسی ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے ان کو قوت پہنچائی ہے بڑا نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہیں) اور کسی مہربانی کو جو تم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو اگرچہ (واقعاً) وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ بھی ان کے دل میں تمہاری طرف سے خلوص وحسن ظن پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

اور ان کے چھوٹے چھوٹے امور کی خبر گیری کرنا اس بھروسہ پر نہ چھوڑ دو کہ تم نے ان کے بڑے امور کی دیکھ بھال کر لی ہے۔ کیونکہ تمہاری تھوڑی مہربانی بھی برمحل ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع ہوتے ہیں اور بڑی عنایت بھی باموقع ہوتی ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے اور فوج کے افسروں میں سے اسی کو تمہارے حضور میں ترجیح ہونی چاہئے جو (فوجیوں کی غمخواری کرتا ہو، اور اپنے مال ودولت سے ان کو اتنا فیض پہونچاتا ہو کہ ان کے لئے اور ان کے اہل وعیال کے لئے جن کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں کافی ہو سکے یہاں تک کہ ان کو ایک ہی فکر باقی رہ جائے یعنی دشمن سے جہاد اور بس ان کے حال پر تمہاری یہ توجہ ان کے قلوب کو تمہاری طرف مائل کرے گی۔

اور والیان ریاست کے لئے بہترین خنکی چشم (اور مسرت قلب) کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل وانصاف قائم ہو اور رعیت کی محبت ومودت ظاہر ہونے لگے، اور جب تک ان کے دل سالم اور صاف نہ ہوں ان کی طرف سے محبت ظاہر

نہیں ہوتی۔اوران کا اخلاص اس وقت تک درست (وقابل اعتبار نہیں) ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں، اس کے عہد دولت کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی مدت حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی پس تم ان کی امیدوں کو پورا کرنے میں وسعت سے کام لو اور برابر ان کی مدح وثنا کرتے رہو، اوران کے بہادروں نے جو بڑے بڑے کام انجام دیئے ہوں ان کا ایک ایک کر کے شمار و اظہار کرتے رہو، کیونکہ اچھے کاموں کا کثرت سے ذکر کرنا شجاع کو حرکت میں لائے گا پست ہمت کو جرأت دلائے گا انشاء اللہ۔

پھر یہ واقفیت حاصل کرتے رہو کہ کس نے کون سا بڑا کام، انجام دیا ہے۔ اور ایک کے کارنامے کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو۔ اوراس کارنامے کی وجہ سے وہ جس انعام واکرام کا مستحق ہو اس میں کمی نہ کرو (اور دیکھنا ایسا نہ ہو کہ) کسی آدمی کی وجاہت وشرافت تم کو اس طرف مایل کر دے کہ تم اس کے چھوٹے کاموں کو برا سمجھنے لگو اور کسی کی کم حیثیتی اس بات کی ترغیب نہ دلائے کہ تم اس کے بڑے کاموں کو بھی حقیر جاننے لگو۔

محکمۂ قضا

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے خیال میں تمہاری ساری رعیت میں افضل ہو معاملات کی پیچیدگی اس کو تنگی میں نہ ڈالتی ہو جھگڑا کرنے والوں کی (ردوقدح) اس کو غضبناک نہ کرتی ہو اور وہ خطا پر (اس کے ظاہر ہونے کے بعد) خاموش نہ رہتا ہو اور حق پر مطلع ہو جانے کے بعد اس کی طرف بازگشت کر لینے سے تنگ نہ ہوتا ہو، اور اپنے نفس کو طمع (کے غار) میں نہ گرا دیتا ہو، اور معاملات میں انتہائے فہم سے کام لینے کے بجائے (سرسری نظر اور) معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا ہو، مواقع شبہات میں جہاں کوئی نص صریح نہ مل سکے اٹکل پچو حکم صادر کرنے والا نہ ہو، (بلکہ) سب سے زیادہ توقف وتامل کرنے والا ہو اور اپنے (فیصلوں میں) (دلائل شریعہ) و براہین (قطعیہ) سے تمسک کرنے والا ہو، مقدمہ لڑنے والے کی جوابدہی سے بہت کم تنگ دل اور حقائق امور کو منکشف کر لینے کی (زحمت) پر صبر کرنے والا، اور حکم صحیح ظاہر ہو جانے کے بعد (نزاع وخصومت) کو قطع کرنے والا ہو وہ ان لوگوں میں سے ہو جو دوسروں کی مدح وثنا (اور خوشامد) کرنے بھول نہ جاتے ہوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نہ ہوتے ہوں (دنیا میں) ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، (پھر تم اس کی طرف سے غافل نہ رہو بلکہ) اس کے فیصلوں کی اکثر دیکھ بھال کرتے رہو اور اس کے ساتھ بذل وعطا میں اتنی وسعت دو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور اس کو لوگوں کی احتیاج باقی نہ رہے (اور طبیعت رشوت ستانی پر مائل نہ ہو) اپنے نزدیک اس کو وہ قرب ومنزلت عطا کرو جس کی تمہارے خواص میں سے کوئی دوسرا طمع نہ کرسکتا ہو، تا کہ وہ

تمہارے پاس لوگوں کی بدگوئی سے محفوظ رہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خوب غور وفکر کرو کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، ہوائے نفس کے مطابق اس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور اس کو مطلب دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

عُمّال سلطنت

اب اپنے عالموں کے امور پر غور کرو (دیکھنا) ان کا تقرر جانچنے پرکھنے کے بعد کرنا، (ایسا نہ ہو کہ) اپنے استبداد اور خود رائی سے محض بطور پرورش و اعانت کسی کو حاکم مقرر کرو کیونکہ کسی خصوصیت کی بنا پر یا بطور پرورش اپنی رائے سے (حاکم مقرر کردینا) طرح طرح کی خیانت اور ظلم و جور کو جمع کردیتا ہے۔ تم ان کو پورا پورا رزق عطا کرو کیونکہ اس کی بدولت انہیں اپنے نفس کیلئے طلب اصلاح کی قوت اور اپنے قبضہ میں رہنے والے اموال پر تصرف کرنے سے استغنا حاصل ہو جائے گا۔ اور (اس کے باوجود) اگر وہ تمہارے حکم کی مخالفت کریں اور تمہاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو ان پر ایک حجت ہاتھ آجائے گی اور یہ نہ ہو کہ تم ان کا تقرر کرکے بالکل غافل ہو جاؤ بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تحقیق و تفتیش بھی کرتے رہو۔ اور ایسے (جاسوس اور) نگراں ان پر مقرر کردو جو صاحب صدق و وفا ہوں، ان کے امور کی جانچ کے لئے خفیہ پولیس کا مقرر کردینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارا کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا۔

صیغۂ مال گزاری

پھر معاملات خراج کی چھان اس طریقہ سے کرو جو اہل خراج کی بہبودی کا باعث ہو سکے کیونکہ خراج اور اہل خراج کی بہبودی کے ساتھ دوسروں کی بہبودی وابستہ ہے۔ اور انہیں کے ذریعہ سے دوسروں کی حالت درست ہو سکتی ہے کیونکہ کل آدمیوں کی معیشت اور بسر کا دارومدار خراج اور اہل خراج پر ہے اور (دیکھنا) خراج کی وصولی سے زیادہ تمہاری نظر میں زمین کی آبادی یعنی کاشت وغیرہ ہونی چاہئے اس لئے کہ خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور جس نے زمین کو آباد کئے بغیر خراج طلب کیا اس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو برباد کیا۔ اور اس کی حکومت چند دن سے زیادہ نہ چل سکے گی اگر (کاشتکار) مقدار خراج کے بھاری ہونے یا کسی آفت ناگہانی اور زراعتی بیماری (ٹڈی دل کا گزرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ) یا آبپاشی کے بند ہو جانے بارش نہ ہونے، زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے سے بوئے ہوئے بیج کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو (ان کے خراج) سے اتنی مقدار جس سے ان کی اصلاح حال کی توقع کو کم کردو، یہ تخفیف تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ یہ ایک ذخیرہ (INVESTMENT) ہے جس کو وہ تمہارے ملک کی آبادی اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کردیں گے، اس کے ساتھ ہی ساتھ تم کو ان کی مدح وثنا بھی حاصل ہوگی اور ان میں عدل و انصاف جاری کرنے سے تم کو

مسرت وشادمانی بھی نصیب ہوگی، ان کو راحت پہونچا کر جو کچھ تم نے ان کے پاس ذخیرہ (INVEST) کیا ہے وہ خوشحالی اور فراوانی کے (زمانہ میں) ان کی بچی ہوئی روزی سے وصول کر کے عند الضرورت سہارا بنا سکو گے۔ ان کے ساتھ نرمی کرکے اوران کو اپنے عدل وانصاف کا عادی بنا کر ان کا اعتماد بھی حاصل کرلو گے اس کے بعد اگر ناگہانی امور پیش آئینگے اور تم ان سے مدد طلب کرو گے تو وہ بخوشی اس کا بار اٹھا سکیں گے، کیونکہ (ملک کی آبادی) خوشحالی ہر بار اٹھا سکتی ہے اور زمین والوں کا افلاس ہی زمین کی بتاہی کا باعث ہوتا ہے اور افلاس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کے نفوس (مال ودولت جمع کرنے پر مائل ہوجاتے ہیں اوران کو اپنے عہدوں پر باقی رہنے کا اطمینان نہیں رہتا اور (زمانے کے عبرتناک (واقعات) سے وہ بہت کم نفع حاصل کرتے ہیں۔

سکریٹری ایٹ

پھر تم اپنے کاتبوں (دبیروں، سکریٹریوں) کے حالات پر نظر کرو ان میں سے بہتر شخص کو اپنے (خاص) امور پر معین کرو، کیونکہ جو اپنے نفس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے وہ دوسرے کی قدر سے کیا واقف ہوگا (تم کو چاہئے کہ) محض عقل و فراست، اعتماد اور حسن ظن کی بنا پر ان کا انتخاب نہ کرو کیونکہ (بسا اوقات) لوگ محض تصنع اور حسن خدمت (چاپلوسی) ہی کو حکام کی نظر فراست میں تعارف درد شناسی کا ذریعہ بناتے ہیں حالانکہ باطن میں اخلاص و دیانت کا بھی پتہ نہیں ہوتا، پس ان کا انتخاب ان خدمات کی بنا پر کرو جوانہوں نے تم سے پہلے گزرے ہوئے صالح (حکام) کے لئے انجام دی ہیں، اس شخص کو (مقرر) کرنے کا قصد کرو جو عامۃ الناس میں سب سے زیادہ با اثر اور امانت داری میں مشہور ہو، پس جب تمہارے کاتبوں میں نقص ہوگا اور تم اس سے تغافل کرو گے تو اس کا الزام تمہارے ذمہ عائد ہوگا۔

تجار صنّاع

پھر تم سوداگروں کی بابت عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں یا مال لے کر شہروں میں پھرنے والے ہوں نیز اہل صنعت و حرفت کی بابت (جو اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر روزی کماتے ہیں) سفارش قبول کرو اور اپنے (عمال) کو ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرو کیونکہ (تجار و صناع) یہی لوگ منافع کے مواد اور فوائد کے اسباب ہیں، ان کو وہ دور دست مقامات، بحر و بر، دشت وکوہ سے کھینچ کرلاتے ہیں، تم ان کے امور کی تفتیش ونگرانی اپنے سامنے اور اطراف و بلاد میں کرتے رہو مگر اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی تنگدلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے نفع کمانے کے لئے احتکار[1]

---

[1] احتکار، مال کو اس امید میں روکے رکھنا کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کریں گے۔

کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں) یہ امر عامۃ الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام کے لئے عیب ہے، پس ان کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ رسولؐ خدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور چاہئے کہ خرید و فروخت سہل اور موازین عدل[1] کے مطابق ہو اور ایسے نرخ پر ہو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ میں نہ رکھے۔ جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہو اس کو تعزیر اور سزا دو مگر دیکھنا اس میں بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔

سماج کا سب سے پست طبقہ

پھر خدا سے اس طبقہ ادنیٰ کی بابت ڈرو جو بیچارہ لوگوں، مسکینوں فقیروں، بیماروں، اور اپاہجوں پر مشتمل ہے۔ ان کے لئے اللہ کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی حفاظت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے۔ (ان کی امداد و مدد ان سے کرو) ایک تو اپنے بیت المال سے اور ایک ہر خطہ کی ان زمینوں کے غلوں سے جو غنیمت میں حاصل ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں دور رہنے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے، جیسا کہ قریب رہنے والوں کا، اور تم ہر ایک سے حق کے نگراں و محافظ بنائے گئے ہو، پس (نعمت اور دولت کا) غرور تم کو غافل نہ کرے، کیونکہ صرف اس وجہ سے تم اہم امور کو محکم طور پر سر انجام دے چکے ہو قلیل و حقیر امور کو ضائع کر دینے پر معذور نہیں سمجھے جاسکتے، پس تم ان کی جانب سے اپنی توجہ کو نہ ہٹاؤ، اور اپنا چہرہ ان کی طرف سے نہ موڑو اور ان میں سے جو تم تک نہ پہونچ سکتے ہوں ان کے امور کا تجس کرو۔

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ اناف کے محتاج ہیں اور ان میں یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو جو نہ خود (اپنی معاش کے لئے) کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دست سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔

دربارِ عام

اور (اپنے اوقات کا) ایک حصہ اہل حاجت کے لئے مخصوص کرو جس میں تم اپنی ذات کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کرلو ایک مجلس عام میں آبیٹھو اور اس خدا کی خوشنودی کے لئے جس نے تم کو خلق کیا ہے، اس مجلس عام میں متواضع اور منکسر المزاج رہو، اپنی فوج، پولیس اور چوکیداروں کو اہل حاجت کے ساتھ تعرض کرنے سے باز رکھو تاکہ بولنے والے بے خوف و دہشت تم سے کلام کرسکیں، میں نے بہت سے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ امت جس میں بے خوف و خطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا وہ خدا کی تقدیس نہیں کرتی'' ان کی سخت کلامی و بدزبانی کو برداشت کرو اور تنگ دلی اور اشکبار کو ان کی طرف سے دور کرو۔

---

[1] یعنی ترازو ٹھیک اور باٹ پورے ہوں۔

تمہارے معاملات میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو تمہیں بذات خود انجام دینا پڑے گا (مثلاً) عمال کے (ایسے مراسلوں کا) جواب دینا جس کے جواب سے تمہارے سکریٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ہوں، یا عامۃ الناس کی دن کے دن حاجت روائی کر دینا (کہ اکثر اس امر سے تمہارا معین و مددگار عملہ تنگ ہوتا ہے) اور اپنی اغراض کی بنا پر اس کو ٹال دینا چاہتا ہے)۔

ہر دن کے لئے مخصوص کام ہوتے ہیں، اس لئے ہر روز کا کام اسی روز تمام کر دیا کرو۔

گوشہ نشینی

ان تمام باتوں کے علاوہ یہ خیال رکھو کہ بہت طویل مدت تک رعیت سے چھپے نہ رہا کرو کیونکہ والی کا رعیت سے مخفی رہنا (امور متعلقہ میں) تنگی اور قلت اطلاع کا باعث ہوتا ہے، ان سے حجاب میں رہنا باہر کی باتوں کے علم کو قطع کر دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بڑی باتیں چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی ہو جاتی ہیں، اچھے کام برے اور بری باتیں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں اور حق باطل سے مخلوط اور مشتبہ ہو جاتا ہے آخر والی بھی بشر ہی ہے اور وہ ان امور کو نہیں جان سکتا جن کو لوگ اس کی نظروں سے چھپائے رہتے ہیں اور حق کی پیشانی پر ایسی کھلی ہوئی کوئی علامت بھی نمودار نہیں ہوتی جس کی وجہ سے صدق کی اقسام کو کذب سے علیحدہ پہچان لیا جائے، ظاہر ہے کہ تم دو میں سے ایک ہی قسم کے آدمی ہو یا تو ایسے شخص ہو جس کا نفس عطا کرنے میں سخی ہو تو پھر چھپنے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اس حق واجب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رہے ہو یا اس اچھے عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کئے ہوئے ہو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ہو، (اگر ایسا ہے) تو لوگ (دو چار ہی دن آئیں گے، پھر مایوس ہو کر جلد ہی سوال سے باز آجائیں[1] گے۔ اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا تم پر کوئی بار نہیں پڑتا، جیسے کسی ظالم کی شکایت یا کسی معاملہ میں انصاف چاہنا۔

اپنے خواص واقارب کو دوسروں پر مسلط ہونے کا موقع نہ دو

پھر (یہ واضح رہے) کہ والی کے بعض خاص لوگ اور اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو دوسرے کی ہانڈی اتار کر اپنی ہانڈی چڑھانے، لوگوں کے (اموال پر) دست درازی کرنے اور معاملات میں ناانصافی برتنے کی عادت ہوتی ہے، پس ان تمام (خرابیوں کے اسباب کو دفع کر کے ان کے مادہ (شر ہی کو ختم کر دو (یعنی ان کو وہ اختیارات ہی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ

---

[1] ''امراء و حکام اسی خوف سے گوشہ نشین رہتے ہیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کریں گے، پس اگر تم سخی ہو تو تم کو روپوشی کی ضرورت نہیں، اور اگر بخیل ہو تو مایوس ہو کر لوگ خود ہی آنا چھوڑ دیں گے''

زیادتیاں کرسکیں) اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کے لئے کوئی جاگیر نہ مقرر کرو اور ان کو اپنی طرف سے کسی ایسی جائیداد کی طمع نہ دلاؤ جس سے اس پاس کے لوگوں کو آبپاشی یا کسی اور مشترک کام میں ضرر پہنچنے کا امکان ہو کہ وہ نقصان کا بار دوسروں کے سر پر ڈالیں گے اس طرح خوشگوار فائدہ تو ان کو ہوگا اور دینا و آخرت میں تم پر مفت میں اس کا الزام رہے گا۔

اور ہر اس شخص کے لئے جس پر واجب ہو حق کو لازم کرو عام اس سے کہ یہ شخص تم سے قریب ہو یا بعید، اور تم مستقل مزاج رہو، خواہ اس حق (کا اثر) تمہارے خواص و اقارب ہی پر کیوں نہ پڑے) عافیت کی بہتری کا قصد کرو اس وقت تو یہ امر تم پر گراں ہوگا مگر انجام اس کا بہتر ہے۔

رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو

اور اگر رعیت کو تمہاری طرف سے کسی ظلم کا سوء ظن پیدا ہو جائے تو تم اپنا عذر اس کے سامنے ظاہر کرو اور اس کے شبہات کو دور کرو اس عذر طلبی سے تمہارے نفس کی ریاضت ہوگی، اور رعیت پر مہربانی اور شفقت اور تمہارا یہ مقصود بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ (راہ) حق پر قائم ہو جائے۔

دعوت صلح

اور تم کسی ایسی (دعوت) صلح کو رد نہ کرو جو دشمن کی طرف سے پیش ہو اور خدا کی مرضی اور خوشنودی بھی اس میں ہو، اس لئے کہ صلح سے فوج کو آرام ملے گا تم کو فکروں سے راحت ہوگی اور بلاد (ملک) کو امن نصیب ہوگا۔

اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے یا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کر کے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اس کا امانتداری کے ساتھ لحاظ کرو اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اس کی حفاظت کے لئے اپنے نفس کو سپر بناؤ تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو جو عہد کر لو اس میں خیانت نہ کرو دشمن کو فریب نہ دو۔

عہد شکنی

اور تم کوئی ایسا معاہدہ نہ کرو جس میں تاویل کر کے توڑ دینے کی گنجائش ہو، اور اس (عہدنامہ) کی تائید و توثیق کے بعد (اس کے عمل درآمد کرنے کیلئے) کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہو اور اس عہد کی وجہ سے اگر کسی امر میں کوئی تنگی پیش آئے تو وہ تم کو اس عہد کے ناحق فسخ کرنے پر مائل نہ کرے۔

فساد اور خونریزی

ناجائز خونریزی سے اپنی سلطنت کو قوت دینا نہ چاہو کیونکہ وہ ضعف و خلل پیدا کرتی ہے، بلکہ اس کو فنا اور (دوسرے کی طرف

)منتقل کردیتی ہے،اگرتم عمداً قتل کروگے تو میرے اور خدا کے نزدیک کوئی عذر پیش نہ کرسکو گے۔

احسان نہ جتاؤ، وعدہ خلافی نہ کرو

اورتم رعیت پر احسان جتانے یا اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے پرہیز کرو، اور خبردار ایسا نہ کرو کہ ان سے کوئی وعدہ کرو اور پھر خلاف وعدہ کر بیٹھو، کیونکہ احساس جتانا احسان کو ملیا میٹ کر دیتا ہے، اور اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا سچائی کی روشنی زائل کرتا ہے۔ اور وعدہ خلافی خدا اور عامۃ الناس دونوں کے نزدیک ملامت اور سرزنش کا مستحق بنا دیتی ہے۔

وقت پر کام کرو

خبردار جلد بازی کر کے کاموں کو ان کے وقت (وموقع) سے پہلے نہ کر ڈالو، اور جب ان کے ہونے کا امکان ہو اور موقع آجائے تو ان کے کرنے میں تساہلی نہ کرو، اور جب ان کی خرابی معلوم ہو جائے تو ان کے کرنے میں سستی کرو، ہر امر کو اس کے مقام پر رکھو اور ہر کام اس کے موقع پر انجام دو۔

تخصیص اور ضبط نفس

اورتم کسی ایسی چیز کو اپنے لئے مخصوص نہ کرو جس میں سب لوگوں کے حقوق برابر ہوں اور (لوگوں کے) ان مہتم بالشان امور میں تغافل کرنے سے پرہیز کرو جو نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں کیونکہ ان امور کا تمہارے غیر کے لئے تم سے مواخذہ کیا جائے گا اور تھوڑی سی دیر میں جملہ امور کے اوپر سے پردے ہٹ جائیں گے، اور مظلوم کا انتقام تم سے لے لیا جائے گا۔ اپنے جوش تکبر، ہیجان غضب، ہاتھوں کی سطوت، اور زبان کی تیزی کو قابو میں رکھو اور ان سب کے (شر) سے اپنی ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار صادر ہونے والے امور کی روک تھام کرو اور حملہ آوری میں تاخیر کرو یہاں تک تمہارا غصہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پا جاؤ۔

ماضی سے سبق لو

تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو یاد رکھو جو تم سے پہلے لوگوں پر گزریں خواہ وہ حکومت عادلہ سے متعلق ہوں یا کسی طریقہ فاضلہ سے، احادیث رسولؐ ہوں یا کتاب خدا میں بیان کیا ہوا فریضہ اور اس کی اسی طرح پیروی کرو جیسے تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے، اس عہد نامہ میں جو کچھ احکام میں نے تمہارے ذمہ عائد کئے ہیں ان کی اور اپنے نفس کی (برأت) کے جو حجتیں میں نے تم پر مسلط و مستحکم کر دیں ان کی پیروی کرنے میں جدوجہد کرنا تاکہ جب تمہارا نفس ہوا و ہوس کی طرف سبقت کرے تو

تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور میں خدا سے اس کی رحمت کی وسعت اور ہر مرغوب چیز عطا کرنے پر اس کی عظیم قدرت کا واسطہ دے کر اس امر کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تم کو اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق کے نزدیک اس عذر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے جس میں اس کی رضا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے بندوں (کی زبان پر بھی) ہماری مدح وثنا رہے اور اقطارِ زمین پر ہمارا نقش قائم ہو"۔ (علی اور ان کا طرز جہانبانی)

منشور اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کا اعلان

علی علیہ السلام کا دستور اس سے بلند و بہتر نظر آتا ہے۔

ناظرین! حقوق انسانی کو جنہیں علی علیہ السلام نے بیان فرمایا اور لوگوں کو ان کی تعلیم دی بخوبی سمجھ چکے اور اپنے ذہن نشین کر چکے۔ اس فصل میں دوبارہ ان کی طرف توجہ کرانے کی ضرورت ہے لہٰذا اگر چاہیں تو ان کا ایک اجمالی جائزہ لے سکتے ہیں اور ان کا خلاصہ پیش نظر رکھ کے ان کے مختلف پہلوؤں پر غور کر سکتے ہیں۔

ہم نے آپ کے ان عہدناموں، مکتوبوں، وصیتوں فرمانوں کو جو آپ نے اپنے ولاۃ وعمال کے نام صادر فرمائے اور حقوق عامہ وخاصہ کے بارے میں آپ کے خیالات ونظریات کو اچھی طرح سمجھ کے ہر ایک کو ایک جداگانہ فصل میں درج کیا ہے اور ہر ایک کی تشریح وتفصیل میں کافی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا مطالعہ کرنے والے کے لئے بآسانی ممکن ہے کہ پھر ان فصلوں کی طرف رجوع کر کے بغیر زحمت کے حقوق انسانی کے بارے میں علی علیہ السلام کے منشور سے پوری آگاہی حاصل کرے اور فصل فصل کر کے اس کو مرتب کر لے۔

ہم نے اس مقصد سے کہ ان حضرات کے عقائد وتصورات کو نمایاں کر سکیں اور بہتر وواضح تر طریقے سے معلوم کر سکیں کہ کس قوت قدسیہ کے ساتھ یہ ہدایتیں صادر ہوئی ہیں، مناسب سمجھا کہ اقوام متحدہ کے منشور اور حقوق انسانی کے اعلانیہ میں سے ان اہم اصول کا اس مقام پر ذکر کر دیں جن کا تمام قوموں کے نمائندوں نے اعتراف کیا ہے۔ اگر علی علیہ السلام کے دستور اور اس منشور کے درمیان کوئی فرق ہوگا تو اس کو ناظرین خود سمجھ لیں گے اور اس کا سبب معلوم کر لیں گے۔

ہم اجمال واختصار کے ساتھ کہتے ہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے امام علیہ السلام کے دستور اور حقوق انسانی کے بارے میں منشور اقوام متحدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اگر فروعی اور ظاہری فرق نظر بھی آئے تو وہ اصطلاحات زمانہ میں تغیر واقع

ہوجانے کی وجہ سے مجبوراً ہے نہ کہ بنیادی اور اصولی حیثیت سے۔

اس منشور میں کوئی فصل ایسی نہیں ہے جس کی نظیر علی علیہ السلام کے دستور میں نہ پائی جاتی ہو، بلکہ حضرت علیؑ کے دستور میں اس سے بہتر اور بالا تر چیزیں موجود ہیں۔

دونوں دستوروں کے درمیان جو کچھ فرق ہے وہ میرے نزدیک چار وجھوں سے ہے۔

اول:

یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور کو دنیا کے ہزاروں عقلمندوں نے مرتب کیا ہے جو اکثر ممالک بلکہ تمام ملکوں سے اکٹھا ہوئے تھے۔ لیکن دستور علوی کو صرف ایک ذات نے نافذ کیا ہے اور وہ ہیں علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

دوسری:

یہ کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس سے چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے۔

تیسری:

یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور کے وضع کرنے یا درحقیقت اس کا مواد اکٹھا کرنے والوں نے بے ہودہ لاف وگزاف اور اس قدر خودستائی سے کام لیا کہ لوگ سنتے سنتے تھک گئے اور پھر ان کے کاندھوں پر اپنے ہزاروں احسانات کا بارگران بھی لادا۔

لیکن علی علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں خضوع وخشوع اور لوگوں کے سامنے فروتنی احتیاط کی نہ آپ نے اپنی برتری چاہی نہ بزرگی تلاش کی۔ آپ خدائے تعالیٰ اور نوع انسانی سے یہی خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی کردہ اور ناکردہ باتوں کے مقابلے میں درگزر کریں۔

چوتھی:

وجہ جو ان تینوں سے اہم ہے یہ کہ ان اقوام متحدہ میں سے جنہوں نے حقوق انسانی کے منشور مرتب کرنے میں شرکت کی اور اس کو تسلیم کیا اکثر نے خود ہی اس کو توڑ دیا اور اس عہد نامہ کو پارہ پارہ کرنے اور ان حقوق کو باطل کرنے کے لئے لڑائی کے میدانوں میں فوجیں اتار دیں لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جس مقام پر قدم رکھا اور جس موقع پر بات کہی اور جس وقت تلوار بے نیام کی ہمیشہ جور واستبداد کا پردہ چاک کیا، ظلم وستم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور زمین کو ہموار کیا تاکہ اس پر آسانی سے قدم بڑھائے جاسکیں یہاں تک کہ انسانی حقوق کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے باوجودیکہ ایک اپنی

زندگی میں ہزاروں بار شہید ہو چکے تھے۔

اب ہم منشور اقوام متحدہ کی سب سے بڑی فصل کو کتاب "تاریخ اعلان حقوق انسان" سے جو ایک فرانسیسی اہل قلم بیر بابیہ کی تالیف ہے، جس کا محمد مندور نے عربی میں ترجمہ کیا ہے اور جس کو متحدہ عرب جمہوریہ نے شائع کیا ہے نقل کرتے ہیں۔

(۱) افراد بشر ذاتی شرافت اور حقوق میں ایک دوسرے کے برابر ہیں، سب قوت غور و فکر اور تشخیص خیر و شر کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں، لہٰذا سب کو آپس میں بھائی چارے کا برتاؤ رکھنا چاہئے۔

(۲) ہر انسان کو تمام حقوق اور اس منشور میں درج کی ہوئی آزادیوں سے بہرہ اندوز ہونا چاہئے ان کے درمیان نسل ورنگ یا زبان، مذہب سیاسی، عقائد، وطن اجتماعی اصول، دولت مندی، فقیری، نسب اور خاندان کے اختلاف کی وجہ سے کوئی فرق نہیں۔

(۳) یہ حقوق جو اس منشور میں ذکر کئے گئے ہیں ان ممالک کے لوگوں کے لئے بھی مسلم ہیں جو دوسرے ممالک کے ماتحت ہیں اور ان ممالک میں بسنے والوں کے لئے بھی جن کی حکومتیں دوسری حکومتوں کی تابع ہیں۔ بس ان خطوں کے باشندے آزاد ملکوں میں رہنے والوں کے برابر ہیں۔

(۴) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وسیلۂ معاش رکھتا ہو اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

(۵) غلامی انسان کے لئے جائز نہیں ہے، غلامی اور بردہ فروشی بہرصورت ممنوع ہے۔

(۶) افراد انسانی کو ایذا رسانی اور بے جا دباؤ جائز نہیں ہے۔ جو بات کسی کی آبروریزی اور ہتک حرمت کا باعث ہو وہ ممنوع ہے۔

(۷) ہر انسان حق رکھتا ہے کہ وہ جس ملک میں بھی ہو اس کی قانونی حیثیت تسلیم کی جائے۔

(۸) تمام انسان قانون کے سامنے برابر ہیں۔ ہر شخص حق رکھتا ہے کہ قانون کی حمایت کا سہارا لے۔ افراد و بشر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر انسان کو حق ہے کہ ہر اس فرق و امتیاز کی مخالفت کرے جو اس منشور کے برخلاف ہو۔

(۹) ہر شخص کو اس کا حق ہے کہ اس باقاعدہ عدالت میں اپنی شکایت پیش کرے جو حقوق اور مقررہ قوانین میں دست اندازی کا فیصلہ کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔

(۱۰) کسی شخص کو گرفتار قید اور شہر بدر نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۱) یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص حق کے برخلاف کسی دوسرے کی ذاتی، خاندانی یا گھریلو زندگی یا اس کی خط و کتاب میں

مداخلت کرے۔کوئی شخص کسی کی آبرو اور شرافت پر حملہ نہیں کرسکتا،اور ہر شخص حق رکھتا ہے کہ زیادتی اور مداخلت کے موقع پر قانونی محکموں سے چارہ جوئی کرے۔[1]

(۱۲) ہر شخص حق رکھتا ہے کہ اپنے ملک میں آزادی سے سفر کرے اور جہاں چاہے سکونت اختیار کرے اور ہر شخص جس شہر سے چاہے ہجرت کرسکتا ہے پھر وہاں واپس آسکتا ہے۔

(۱۳) ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ جب اس پر ظلم و تعدی ہو تو دوسرے ملک میں جا کر پناہ لے۔

(۱۴) ہر شخص ذاتی یا اشتراکی حیثیت سے مالکانہ حق رکھتا ہے اور کسی کو زورزبردستی کے ساتھ اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۵) ہر شخص آزادی کے ساتھ سوچنے کا حق رکھتا ہے اور حکومتوں کو لوگوں کے مذہبی عقائد و اعمال میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

(۱۶) ہر شخص آزاد رائے رکھنے اور اس کو ظاہر کرنے کا حقدار ہے اور ضمنی طور پر کوئی شخص رائے کی بنا پر اس کو تکلیف نہیں پہونچا سکتا۔

(۱۷) ہر شخص حق رکھتا ہے کہ ملک کے محکمۂ امور عامہ میں مداخلت کرے،خواہ براہ راست خواہ اس طریقے سے کہ آزادی کے ساتھ اپنا نمائندہ منتخب کرے۔ہر شخص عام مشاغل میں مساوی شرائط کے ساتھ حصہ لے سکتا ہے اور لوگوں کی خود ارادیت اقتدار حکومت کی اصل و بنیاد ہے۔

(۱۸) ہر شخص مستحق ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں افراد جماعت کی فطری ذمہ داریوں سے فائدہ اٹھائے۔ہر شخص کی مناسبت سے اقتصادی،اجتماعی،تربیتی اور علمی حقوق جس حد تک اس کی پرورش کے لئے ضروری ہوں اس کے لئے مسلم ہیں۔اور ساری قوم نیز حکومت کا تعاون ان حقوق کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔

(۱۹) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس کام کا چاہے انتخاب کرے اور اس کام کے لئے کافی اور مبنی برانصاف شرائط کا مطالبہ کرے نیز وہ حقدار ہے کہ بیکاری سے چھٹکارا دلانے میں اس کی مدد کی جائے۔تمام اشخاص بلا امتیاز،اس کے مستحق ہیں کہ اپنی محنت کے عوض مناسب اجرت کا مطالبہ کریں ہر کام کرنے والا اتنی مزدوری طلب کرنے کا حق رکھتا ہے وہ اس کے اور اس

---

[1] اس منشور کا زیادہ تر مواد سوشلزم کے مقصد سے مطابقت نہیں رکھتا۔کیونکہ وہاں افراد بشر کی مکمل آزادی مصالح جو رائیں امن وسکون میں خلل ڈالنے والی فتنہ و فساد برپا کرنے والی اور سلطنت کی خود مختاری وسلامتی کے لئے مضر ہوں وہ قانوناً جرم ہیں اور ہر ملک کے قوانین میں اس قسم کے جرم ثابت ہیں۔

کے گھروالوں کے لئے کافی ہو اور جس سے وہ انسانی شرافت کے لحاظ سے اپنی زندگی کی تعمیر ہو سکے۔ اگر کسی وقت ایسی ضرورت پیش آجائے کہ معمولی مزدوری اس کے لئے کفایت نہ کرے تو کسی اجتماعی وسیلے سے اس کی تلافی ہونا چاہئے۔[۱]

(۲۰) ہر فرد اس کا حق رکھتی ہے کہ وہ خود وہ اور اس کا خاندان فلاح و بہبود اور سلامتی کے وسائل کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ خصوصاً خوراک، لباس، مکان، صحت، اور اجتماعی امور ہیں۔ نیز یہ کہ بیکاری ناتوانی، ضعیفی، بیوگی اور ہر اس حالت میں جب کام اور کسب معاش کے وسائل بے اختیاری اور ناچاری کی بنا پر ہاتھ سے جاتے رہیں اس کی حمایت کی جائے۔

(۲۱) ہر شخص کو حق ہے کہ علم حاصل کرے۔ تعلیم مفت اور ابتدائی تعلیم جبری ہونا چاہئے تعلیم کی غرض انسانی شخصیت کی تربیت نیز حقوق اور سیاسی آزادی کا احترام ہونا چاہئے۔ اور ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان باہمی مفاہمت، درگزر اور دوستی کو تقویت پہونچائے۔ اور صلح و آشتی کے لئے اقوام متحدہ کی کوشش میں مدد دے۔

(۲۲) افراد ہیئت اجتماعی کے بارے میں کچھ ذمہ داریاں رکھتے ہیں جو ان کو پورا کرنا چاہئے کیونکہ افراد کی شخصیت ہیئت اجتماعی میں پرورش پاتی ہیں۔

(۲۳) افراد بشر کو اپنے حقوق کے مطالبے اور آزادی سے بہرہ اندوز ہونے سے کوئی مانع باز نہیں رکھتا، سوا ان چیزوں کے جو دوسروں کے حقوق کی حفاظت، ان کی آزادی اور ان کے احترام کے لئے قانون کی رو سے وضع ہوئی ہیں یا محاسن، اخلاق کے تحفظ، نظم حکومت اور آسائش عامہ کے لئے جمہوری قوم نے مقرر کی ہیں۔

ان حقوق آزادیوں کو کسی حالت میں اقوام متحدہ کے اغراض و مقاصد کے اندر مخل نہ ہونا چاہئے۔

(۲۴) اس منشور کے جملوں اور عبارتوں کی تشریح اس طریقے سے نہ ہونا چاہئے کہ اس سے کسی حکومت یا جماعت یا فرد کو ردعمل انجام دینے کا حق ملتا ہو جس سے مندرجہ منشور بالا آزادیاں عملی طور پر لغو قرار پائیں۔

یہ وہ اہم ترین مطالب ہیں جو منشور اقوام متحدہ کے اندر انسان کے حقوق اور اس کی آزادی کے بارے میں درج ہیں۔ یہی وہ حقوق ہیں جن کو متحدہ حکومتیں ان کی حمایت اور اجرا کی مدعی ہونے کے باوجود برابر توڑتی رہتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ناظرین نے امام علیہ السلام کے دستور سے ان ہدایات کی مناسبت کا اندازہ کر لیا ہوگا اور ان کی مشابہت کو سمجھ لیا ہوگا، علاوہ ان اصطلاحات کے جو مرور زمانہ کی وجہ سے بدل چکے ہیں اور ان نظریات کے جو اس دور ترقی کی

---

[۱] آزادی عمل، اشتراک کام کرنے والے کی شکایت اور اس قسم کی دوسری چیزیں سوشلزم کے نظریے میں ممنوع ہیں کیونکہ جو کچھ عمل اور اقتصادیات سے متعلق جو حکومت جابر کے تصرف میں ہے اور حکومت کی مخالفت بغاوت سمجھی جاتی ہے۔

مناسبت سے رونما ہوئے ہیں پھر بھی بنی نوع انسان کیلئے جو عطوفت و مہربانی امام علیہ السلام کے دستور میں نظر آتی ہے وہ اقوام متحدہ کے منشور میں ناپید ہے۔

ہم آئندہ فصل میں علی علیہ السلام کے مکارم اخلاق اور فضائل نفسانی کو بیان کریں گے اور ثابت کریں گے کہ آپ نے اس رابطۂ حیات کو جو زندہ موجودات کے درمیان قائم ہے کیونکر پیش نظر رکھا اور اپنی گفتار کردار کے اندر کس طرح سے اس کا لحاظ فرمایا۔

اس کے بعد ایک فصل میں بنی امیہ، بنی عباس اور ان کے بعد آنے والے دیگر فرمانرواؤں کے عہد حکومت میں دنیائے عرب کے حالات تشریح کے ساتھ بیان کریں گے اور پھر بتائیں گے کہ ان لوگوں نے کیونکر اس دستور سے روگردانی کی، تا کہ ان نااہل اخلاف کے طرز عمل سے موازنہ کرنے کے بعد دستور علوی کی قدر و قیمت بہتر طریقے سے معلوم ہو سکے، جیسا کہ گزشتہ فصلوں میں اسی خیال سے ہم نے حضرت کے دستور کی تفصیل پیش کرتے ہوئے فی نفسہ اس کی قدر و منزلت ظاہر کی ہے۔ اور ان دو فصلوں میں ہم علی علیہ السلام اور حقوق انسان کے بارے میں اپنی گفتگو کو انجام تک پہونچاتے ہیں تا کہ دوسرے مطالب کی جانب توجہ کر سکیں۔

زندگی کے روابط

تمہارے درمیان میری مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے میں چراغ، تاکہ جو شخص اندھیرے میں آئے اس چراغ سے روشنی حاصل کرے۔

اگر کسی پیمانے میں کوئی چیز رکھی جائے تو اس کی گنجائش کم ہو جاتی ہے، سوا پیمانہ علم کے کہ اس میں جس قدر علم بھرا جائے اس کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔

خدا نے جاہل کو علم حاصل کرنے کا مکلف نہیں بنایا جب تک علماء پر تعلیم دینے کا فرض عائد نہیں کر دیا۔

اپنی اولاد کو اپنی عادت سیکھنے کا پابند نہ کرو! کیونکہ وہ دوسرے زمانے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

دوسروں کے لئے بھی وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور جو کچھ اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔

جب تم اپنے بھائی پر عتاب کرنا چاہو تو اس کے ساتھ نیکی کرو، اور اس پر انعام و اکرام کا دروازہ کھول دو۔

نیک اور پرہیزگار لوگوں کو گناہگاروں سے عفو و بخشش کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ (حضرت علی علیہ السلام)

ہم نے جان لیا کہ علی علیہ السلام مظلوموں کی محرومیوں پر رنجیدہ ہوتے تھے، اپنے حقوق کو ثابت کرنے میں ان کی مدد فرماتے تھے، ان کو ان کا حق پہنچواتے تھے اور زمانے کی سختیوں میں اپنے کو بھوکے پیاسے اور محروم کے ساتھ شریک رکھتے تھے تاکہ عدل و انصاف کی قدر معلوم ہو اور نشان عدالت بلند ہو۔ ہم نے ظلم کو دفع کرنے میں آپ کا طریقۂ کار پہچانا، ہم نے فرمانروائی میں آپ کا دستور سمجھا اور معلوم ہو گیا کہ مشرق و مغرب کے تمام بڑے بڑے صاحبان عقل و فہم کے اصول و قوانین کے درمیان حضرت کا دستور کس قدر بلند و بالا شان و مرتبہ رکھتا ہے۔ اس سے قبل بھی اس زمانہ کی عرب زندگی سے متعلق مختلف لغوی فلسفی اور عقلی مطالب میں آپ کی نکتہ سنج طبیعت کا کچھ تذکرہ کیا جا چکا ہے، ہم نے بتایا ہے کہ حضرتؑ ان کے علوم کی بنیاد اور سر چشمہ تھے، ہم نے امامؑ کی اس مافوق العادت قدرت کی طرف اشارہ ہی کیا ہے کہ آپ لوگوں کے فطری رجحانات اور ان کے

یقیناً اس سے اخلاقی فضائل مقصود نہیں ہیں کیونکہ اولاد کو نیک خصلت کا پابند بنانا ضروری ہے چاہے آئندہ زمانے والوں کی اکثریت بدکردار ہی کیوں نہ ہو۔

اخلاق وطبیعت کو روشن کرنے میں دوسرے افراد بشر پر فوقیت رکھتے تھے اور ایک عجیب وغریب فصاحت کے ساتھ ان کے اخلاق ورجحانات کی تصویر کشی فرماتے تھے کی وہبی قوتیں اور نفسیاتی فضائل سب ایک دوسرے سے شیر وشکر تھے اور آپ ہر مقام پر ان کے باہمی تعاون سے ایک فکر جدید کا درخت دلوں میں نصب کرتے تھے اور اس میں تروتازہ برگ و بار پیدا کرتے تھے تاکہ معرفت بشر کے دفتر کو مکمل فرمائیں، آپ نے اپنے مجموعہ کلام اور ان قواعد سے جن پر عربی فقہی اور اجتماعی علوم کی بنیاد رکھی ایک ایسی نئی بنیاد قائم کی کہ دوسروں کے علوم اسی کی پیداوار ہیں۔

یہ ضخیم کتاب معرفت بشر کی تدوین، بغیر اس کے نہیں کرسکتی کہ مولف انسانوں کی سرشت اور خصلت کی پوری تصویر کشی کرے، ان کے اخلاق و اعدات میں انقلابات زمانہ کے اثرات کا پتہ لگائے اور اپنے ہوش وخرد اور فطری احساسات کو انسان کی خیر مطلق اور ان کے کشف سعادت کی طرف متوجہ کرے اس کے بعد انفرادی اور اجتماعی سرشت کے موافق اور تاثیر زمانہ کی مناسبت سے حکم لگائے۔

امام علیہ السلام نے اپنے حکم وامثال میں اسی طریقے کو اختیار فرمایا۔ اور حسن وخوبی میں سوا پیغمبرؐ کے حکم وامثال کے ان حکمتوں کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔

علی علیہ السلام کے بعض حکم وامثال میں عقل نظری سے خطاب ہے، بعض میں عقل عملی سے، اور بیشتر ایسے جن کا رخ دونوں کی طرف ہے جن میں عقل نظری سے خطاب ہے اور ان کا مطلب یہ ہے کہ واقعہ کو کیونکر دریافت کرنا چاہئے اور جو عقل عملی سے متعلق ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ حصول سعادت کے لئے کون سا عمل ضروری ہے۔

پہلی قسم کے بارے میں کہنا چاہئے کہ آپ نے اصل حقیقت اور رواقع کی صحیح نوعیت معلوم کی آپ کی باریک بیں عقل ونظر نے زمانے کے نیک و بد کا جائزہ لیا، اس کی آزمائش کرکے درست اور قطعی نتیجہ برآمد کیا اور اپنے تجربات سے سارے حقائق کو دریافت کرکے ان کو بیان فرمایا[1]۔

آپ کے مطالب اس قدر سنجیدہ اور مطابق واقع ہیں کہ گویا مقادیر وحدود کے ساتھ علم ہندسہ کے قواعد سے استخراج کئے گئے ہیں اور حسن تدبیر کے لحاظ سے ایسی دلآویز صورت میں جلوہ گر ہیں کہ معنوی حیثیت سے بھی اور تعبیر کی جہت سے بھی عربی زبان میں ادب کی اصل و بنیاد ہیں۔ حضرتؑ کے تمام افکار وخیالات جو نہج البلاغہ کے اندر جمع ہیں اسی مرتبہ پر فائز ہیں۔

اس قسم میں جہاں امیر المومنینؑ عقل نظری سے مخاطب ہوئے ہیں لوگوں کو ان کی عقل ونظر میں آزاد رکھا ہے کہ جو کچھ

[1] ہمارے عقیدے میں حضرت کا کلام الہام اور قوت قدسیہ یعنی روح امامت وولایت کے ذریعے تھا، اور یہ تمام معارف تنہا عقل اور تجربے سے ممکن نہیں ہیں۔

صورت واقعہ ہے اس کو دریافت کریں اور اپنی فہم وفراست کے مطابق عمل کریں۔

اس قسم کے اندر امر وطلب کا صیغہ نہیں پایا جاتا، بلکہ ایسے مطالب ہیں جو امر ونہی کی صورت سے خالی اور لفظ خبر کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ایسی حکمتیں ہیں جن میں دوست و دشمن، نیکوکار، مجرم، احمق، خردمند، سخی و بخیل، راست گو و منافق، ظالم ومظلوم دور اندیش، وتوانگر، اہل حق و باطل، پاک سرشت و بدخو، عالم و جاہل سخن گو وخاموش، سفیہ وعاقل، اور حریص وقانع کی سرشت وخصلت کو پوری تشریح وتوضیح سے پیش کیا گیا ہے۔ معیشت کی آسانی و دشواری کے اسباب اور انقلاب زمانہ نیز لوگوں کے اخلاق میں اس کی تاثیر کو بیان فرمایا ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن کی فصل یا باب میں گنجائش نہیں اور وہ سب کے سب اصل حقیقت و واقع کا اظہار اور مطابق عقل ہیں، ان کو دیگر علمی قواعد کے مانند جن پر زبان ومکان کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا منطقی استدلال کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ان کا کچھ حصہ آپ اس کی دوسری فصل میں دیکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان مطالب کے بارے میں جو عقل عملی سے متعلق ہیں یا عقل نظری وعملی دونوں سے وابستہ ہیں ہم کہتے ہیں۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف حکومت کے اصول وقوانین اور نظام حکومت اور امور رعیت کی تدبیر کے لئے کافی ہے وہ غلطی پر ہیں، اس لئے کہ ان اصول وقوانین کو انسانی حقوق کی وضاحت کر کے ان کی رعایت ومحافظت کی ذمہ داری لینا چاہئے، جس طرح ان کے وضع کرنے والے کو ایک عقل مند آزمودہ کار پاک طینت اور مکارم اخلاق کا حامل انسان ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ان صفات کا ہونا چاہئے کہ ان کو رائج کرے اور ان سے مطلوبہ نتیجہ برآمد کرے۔ اس لئے کہ آدمیوں کی یہ دنیا قوانین کو نافذ کرنے والوں کے نیک یا بد اخلاق وصفات کی پابند ہے۔ نیز ان لوگوں کی عقل وتوجہ سے وابستہ ہے جن کے لئے یہ نظام قانون وضع ہوا ہے۔ باوجود ان تمام چیزوں کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ معاملات خلق کو درست کرنے کے لئے جو نئے نئے اصول وقوانین بنائے گئے ہیں وہ زیادہ تر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان سارے قوانین کو نافذ کرنا ملکوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے بغیر جبر و قہر کے ممکن نہیں اور نافذ کرنے والوں کو اجازت دے دی جاتی ہے کہ ایک حد تک ان کے نفاذ میں پہلوتہی کریں۔ قدیم حکومتوں کے اصول وقوانین بھی زیادہ تر نافذ کرنے والوں کے اخلاق وعادات سے مناسبت رکھتے تھے ان اسباب کی بنا پر جو اس وقت میرے موضوع بحث سے خارج ہیں۔

(مولف کتاب نے اس مقام پر ثابت کیا ہے کہ لوگوں کا فریضہ ہے کہ قانون کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھیں، دل سے اس کے معتقد رہیں اور اپنے کو اس پر عمل پیرا ہونے کا ذمہ دار جانیں۔ نہ یہ کہ حکومت اس پر عمل درآمد کرانے کی ذمہ دار ہو اور لوگ حکومت کی سختی اور سزا کے خوف سے اس پر کاربند ہوں۔

اس مطلب کو حکماء و متکلمین اہل اسلام نے اپنی کتابوں میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور تمام مسلمان جانتے ہیں کہ بشری قوانین انسانی سعادت حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

الٰہی قانون کے لئے لازمی ہے کہ پیغمبرؐ وحی کے ذریعہ اس کو نافذ کرے اور لوگ عقیدے کی رو سے اس پر عمل پیرا ہوں۔

لیکن مولف چونکہ عیسائی ہے اور عیسائی لوگ اس قسم کے مطالب بیان کرنے میں مہارت نہیں رکھتے لہٰذا لمبی چوڑی گفتگو اور فضول عبارت آرائی کے ساتھ ایک ناقص چیز پیش کی ہے، اور ہم متن کتاب کو محفوظ کرنے کے لئے مجبوراً اس کے ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ اس کا مکمل بیان ہماری قدیم کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے)۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ انسانی دستور و قوانین لوگوں کیلئے سودمند اصول وضع کریں اور ان کو اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں، لیکن اگر فرائض کی انجام دہی وجدان اور عقیدے کے رو سے نہ ہو تو انسان کیلئے اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ہمارے عقیدہ میں ہر وہ عمل جو انسانی عقل عملی کی تصدیق، نفسانی شوق اور مستقل ارادے کے ساتھ بغیر جبر و اکراہ کے صادر نہ ہو اس کو کوئی انسانی عمل نہیں سمجھا جاسکتا۔ سب سے زیادہ قیمتی اور بزرگ ترین انسانی عمل وہ ہے جو انسان کے وجدان سے صادر ہو۔

کسی حکومت کے اصول و قوانین کسی صورت سے بشری روابط کو بہتر بنانے کے لئے کافی نہیں ہیں سوا اس کے کہ عقل نظری و عملی بشر کو اس کے نفاذ پر قانع کردے۔

ایسی صورت میں لوگوں کا ارادہ اور عمل خیر دونوں ایک دوسرے کے موافق ہو کر افراد اور جماعتوں کو تمدن کے راستے میں منزل مقصود تک پہونچا دیں گے، کیونکہ ایسے اشخاص سوا عمل خیر کے اور کچھ نہیں چاہتے۔

یہ جو کچھ افراد و جماعت کے بارے میں ہم نے کہا ہے عقلاء و حکماء سابق علماء اور محققین علوم کیلئے بخوبی ثابت ہے، اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وجدان اور ایمان نے ان کو خدمت پر مجبور کیا۔

جن لوگوں نے انسان اور تمدن کی خدمت کی ہے جب ہم ان کی تاریخ کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے واضح ہوتا ہے کہ تنہا عقل باوجودیکہ ہر مطلب کو سمجھنے میں ان کی رہنما تھی لیکن ان کی تاریخ زندگی میں تنہا نہیں تھی۔ عقل، نظری کی قوت جامد اور خشک ہے۔ یہ مقادیر و دارقام اور انواع و اقسام کے ساتھ ایک رفیق و ہمدم رکھتی ہے، تم کو راستے کی نشاندہی کرتی ہے لیکن رفتار کی نہیں، اور تم کو راہ روی پر مجبور نہیں کرتی۔ جو چیز تم کو عمل کی منزل پر لاتی ہے وہ شوق اور میلان ہے۔

مارکونی نے اپنے جذبات شوق اور میلان طبع کی وجہ سے اس کو پسند کیا کہ دنیا کی رونق اور دلچسپیوں سے بہرا اندوز نہ ہو اور انسان تمدن کی خدمت کے لئے گوشہ تنہائی اختیار کرے ورنہ گوشہ نشینی کیوں اختیار کی اور وحشت تنہائی پر کیوں قناعت کی اگر عقل عملی اس کو انسان کی خدمت پر مجبور نہیں کر رہی تھی اور حرارت جذبات اس میں ۔۔۔۔۔۔ گرمی نہیں پیدا کر رہی تھی؟!

یہ بات جو میں نے مارکونی کے بارے میں کہی ہے یہی پاسٹور، گالیلی، کینڈی اور تہوفن وغیرہ کے ایسے بزرگان مشاہیر انسانوں کے لئے بھی صحیح ہے۔

اسی طرح نیک مردوں اور نوع بشر کے خدمت گزاروں نے پوری لگن اور دلی شوق کے ساتھ نیک کام انجام دیئے۔

شریر و بد بخت لوگ چونکہ صحیح عقل عملی اور نیک رحجانات سے عاری تھے لہٰذا عقل نظری کے باوجود ان سے کوئی خدمت انجام نہ پاسکی۔ اڈولف ہٹلر، مکیاولی، حجاج ابن یوسف ثقفی، چنگیز خان، سکندر مقدونی، ہمارے زمانے کے بڑے بڑے صاحبان علم جنھوں نے انسان کے بارے میں اپنے علمی تجربات سے کام لیا ہے۔ یہ سب کے سب قوت عقل ونظر میں ان خدمت گزاروں کے ساتھ شریک تھے۔ لیکن اس کے بعد بھی ان کا کام سوا قتل وغارت گری، حیات بشری سے بے اعتنائی، تباہکاری، تمدن انسانی کے نتائج کی بربادی، کوشش کے ثمرات کو تلف کرنے اور ہزار ہا نیک نفس افراد کو رنج وتکلیف پہونچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا محض اس لئے کہ ان کی عقل نظری اور خیالات، عقل عملی اور نیک جذبات سے متحد نہیں تھے۔ اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو عقل نظری سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان کا نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ سنائی کا قول ہے:

چو دزدی با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ انسان کی مختلف قوتیں یعنی عقل نظری، عقل عملی، اور میلان ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، کیونکہ یہ قوی ایک دوسرے پر اثر انداز ہیں۔

میرا مقصد یہ ہے کہ عقل نظری عین اشیاء کا ادراک کرتی ہے، سبب اور نتائج کو ایک دوسرے سے مربوط بناتی ہے، علت اور معلول کو ایک دوسرے سے وابستہ کرتی ہے اور ایسے ناقابل تغیر حدود وقواعد مہیا کرتی ہے جو اخلاق اور ملتوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتے۔ برخلاف عقل عملی اور جذبات کے جو لوگوں کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔

عقل نظری ہر شخص میں موجود رہتی ہے اور صحیح نوعیت کے ساتھ واقع کا ادراک کرتی ہے لازمی طور پر ضرورت ہے کہ اس کے اندر میلان بھی موجود ہو اور عقل عملی اس کو خیر وسعادت کے راستے پر گامزن کرے ورنہ وہ اپنی عقل کو ایسے انکشافات

---

[1] مارکونی اٹلی کا ایک عالم اور بے تار کے تار برقی کا موجد ہے۔

ہیں صرف کرے گا جو انسانوں کو تباہی اور اپنی بدبختی کا سبب ہوں گے یہ بات جس طرح شارع اور قانون بنانے والے کے بارے میں صحیح ہے اسی طرح ان لوگوں کے حق میں بھی نافذ ہے جن کے لئے قانون وضع ہوا ہے۔ان کے وجدان اور میلان کو مبنی پر عدل وانصاف قوانین کی اطاعت کا شائق ہونا چاہئے۔صرف اس قوانین کے حسن وخوبی کا عقلی اعتراف کافی نہیں ہے۔ انسانی سعادت کی تکمیل کے لئے ان کا دل گندگیوں سے پاک ہونا چاہئے تا کہ قوم کی سعادت کے راستے میں ولولے اور شوق کے لئے ساتھ کوشش کریں، نیز ان کا اخلاقی فضائل سے آراستہ ہونا ضروری ہے کیونکہ انسان کے فضائل ایک قلعے کے مانند غلط کاروں اور گنہ گاروں سے قوانین واحکام کی حفاظت کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے امام علیہ السلام افراد بشر کے اندر نیک رجحانات کو بیدار کرتے تھے اور اخلاق حسنہ کی تربیت کے لئے وعظ و نصیحت فرماتے تھے اپنی وصیتوں، خطبوں، عہد ناموں اور گفتگو میں برابر لوگوں کے وجدان کو مخاطب فرماتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ دنیا کی تدبیر وتنظیم اور لوگوں کے باہمی برتاؤ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان کے اخلاق آراستہ ہوں۔اپنے نفس کی پاکیزگی اور تہذیب ذات انسانی کا کمال ہے اور اسی کے ساتھ عدل وانصاف کی حامی اور اس کے حدود کی محافظ ہے، نیز لوگوں کے جذبات اور شوق کی سعادت کی جانب رہبری کرتی ہے۔

علی علیہ السلام لوگوں کی نصیحت اور تہذیب کے لئے مافوق العادت قدرت رکھتے تھے آپ کا کلام دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا، ان کی خصلت اور سیرت کو خوب پہچانتے تھے، ان کی سرشت اور اخلاق کو جانتے تھے، ان کے نیک و بد کا باہم موازنہ فرماتے تھے، ان کے حقائق کو بیان میں مجسم فرماتے تھے ان کے انواع واقسام کو بیان فرماتے تھے، اور خیر وشر کے درمیان لوگوں کے وجدان اور تمیز کے لئے پورا حسن ظن رکھتے تھے۔

انسانوں کے وجدان وتمیز کے بارے میں علی علیہ السلام کا حسن ظن دیگر بزرگان بشر کے مانند تھا جو عقل روشن اور مہربان دل کو باہم جمع رکھتے تھے اور نوع بشر کے حق میں ان کی محبت حد سے زیادہ تھی۔

انسانوں کے وجدان وعقل کے لئے علی علیہ السلام کا حسن ظن مسیح اور محمد علیہما السلام کے حسن ظن کے مانند تھا (یہاں مصنف نے دوسرے مشاہیر عالم کی ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے جن کو ایک سیاق کلام کے اندر دوالو العزم پیغمبروںؑ کے ساتھ مثال میں پیش کرنا خلاف ادب ہے) جو نور ان کے دلوں سے تاباں تھا اس کے مقابلے میں ہر روشنی خاموش۔علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے حکم وامثال کو اسی حسن ظن کی بنیاد پر بیان فرمایا ہے، اور جن مواعظ ونصائح کے ساتھ وجدان بشر کو مخاطب فرمایا ہے وہ بھی اسی حسن ظن کی بنا پر جو آپ لوگوں کی سلامتی فطرت سے رکھتے تھے۔

چونکہ علی علیہ السلام باوجود ان تمام صدمات اور مصائب وآلام کے جو آپ کو لوگوں سے پہونچتے تھے ان سے اس قدر حسن ظن رکھتے لہذا برابر یہی کوشش فرماتے تھے کہ نیک اخلاق کو ان کے دلوں میں تربیت دیں۔

آپ جانتے تھے کہ لوگوں کی سرشت میں خیر وشر دونوں پائے جاتے ہیں لیکن ایک حلیم و بردبار انسان کے شایان شان یہی ہے کہ نگاہ دل کو خیر کی طرف موڑے اور اس کی پرورش کرے۔ آپ امثال بیان کرکے اور حسن سیرت کے ذریعہ تعلیم دیتے تھے کہ اس طریقے سے ان کی تعلیم زیادہ بہتر اور سودمند تھی۔

امام علیہ السلام بار بار وصیت فرماتے تھے کہ انسان کے وجدان سے حسن ظن رکھنا چاہئے آپ کے اقوال میں سے ہے کہ ''جو شخص تم سے نیک گمان رکھے اس کے گمان کو صحیح کر دکھاؤ'' اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے ''جو بات کسی کی طرف سے سرزد ہو اس اس وقت تک برا گمان نہ کرو جب تک اس کا کوئی نیک مقصد نکالا جا سکے۔

بعض مورخین جنہوں نے علی علیہ السلام کی تاریخ زندگی کا مطالعہ کیا ہے اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت لوگوں سے بدظن اور بیزار تھے اور ان کی دلیل وہ بہت سے کلمات ہیں جن میں زمانے والوں کو سختی اور شدت کے ساتھ ملامت وسرزنش کی ہے۔ ہم ان حضرت کو اس کے برعکس سمجھتے ہیں۔ آپ نوع انسانی سے نیک گمان رکھتے تھے اور یہ ملامت ایک مخصوص میں ایک خاص گروہ کیلئے تھی۔

جو شخص لوگوں کی ایذا رسانی اور سخت برتاؤ کے مقابلے میں حضرتؑ کے صبر وتحمل کو دیکھے، خائن و بدکار دشمنوں کے پہونچائے ہوئے رنج ومصیبت، بلکہ اپنے ہی ساتھیوں کی بے وفائی میں آپ کے تاب وتواں اور قوت برداشت کا جائزہ لے اور پھر انہیں اشخاص کے ساتھ آپ کی مہربانی اور ملائمت پر غور کرے تو لا محالہ اعتراف کرے گا کہ آپ انسان کی فطرت سے حسن ظن رکھتے تھے۔ اگرچہ برے آدمیوں اور فاسد قوم کی معاشرت بھی اکثر لوگوں کو گمراہ بنا دیتی ہے۔

اگر کچھ باتیں خیانت کار اور ستم پیشہ اشخاص کی مذمت میں فرمائی بھی ہیں تو محض اس غرض سے کہ آپ تنبیہ اور نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کو ممکن سمجھتے تھے ہر چند اس میں کافی زحمت ہو اور ایک زمانہ صرف ہو جائے۔

جو شخص نیک خیالات رکھتا ہے وہی غلط کاروں کو سزا اور نیکو کاروں کو جزا دیتا ہے کیونکہ اس کو امید ہوتی ہے کہ اس طریقے سے ان کی کجی کو درست کیا جا سکے اور ان کی رفتار و کردار کی اصلاح ہو سکے گی۔

اگر امام یہ امید نہ رکھتے ہوتے تو بدکار لوگوں کی ڈھائی ہوئی ان تمام ناقابل برداشت مصیبتوں کا تحمل اور مکروہات زمانہ پر صبر نہیں کر سکتے تھے۔

آپ نے دنیا اور اہل دنیا کے بارے میں فرمایا ''دنیا دار کتوں اور درندوں کے مانند ایک دوسرے کے سامنے غراتے

ہیں، ان کا طاقتور کمزور کو کھائے جا رہا ہے اور بڑے چھوٹوں کو ذلیل کر رہے ہیں"۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ تباہ کاروں کی خیانت اور نافرمانی سے بہت زیادہ رنج اٹھا چکے تھے، اور ان کی ایذا رسانی سے تنگ آ گئے تھے۔ آپ یہ باتیں کہہ کے درندوں، ظالموں اور جابروں سے جنگ فرماتے تھے جس طرح طبیب روح جسم کی سلامتی کے لئے مرض کے جراثیم سے جنگ کرتا ہے۔ آپ زندگی کو موت پر ترجیح دیتے تھے اور انسان کی نجات کے امیدوار تھے۔

پس امام علیہ السلام حیات کا احترام فرماتے تھے۔ اس لئے کہ یہ پروردگار عالم کی بہت بڑی بخشش ہے اور زندہ افراد کو اس لئے محترم سمجھتے تھے کہ ان کے وجود میں آثار آفرینش کا ایک نمونہ قائم رہے۔ آپ انسان کے وجدان اور پاکیٔ فطرت سے مکمل حسن ظن اور انسان کی نیک بختی کے لئے بڑی امید رکھتے تھے خواہش یہ تھی کہ انسان جس طرح اس کے شایان شان ہے آزاد رہے۔

اگر یہ حسن ظن اور امیدواری نہ ہوتی تو لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرتے اور نہ یہ فرماتے کہ جو کلمہ کسی سے صادر ہو اس پر گمان بد نہ کرو جہاں تک کہ اس کا کوئی نیک مطلب نکل سکے لوگوں کے وجدان سے انبیاء جیسی شفقت و مہربانی کے ساتھ خطاب نہ فرماتے اور دلسوزی کے ساتھ ان کو مواعظ و نصائح سے انسان کی بلند غرض وغایت کی جانب ہدایت نہ فرماتے۔ آپ چاہتے تھے کہ ان وصیتوں کے ذریعہ لوگوں کے اخلاق کو فساد سے محفوظ رکھیں اور ان کے اندر انسانی امنگ کی پرورش فرمائیں تا کہ وہ کار خیر کو خود بخود اپنی عقل تشخیص سے انجام دیں۔

آپ ہر کام میں خود انسانوں ہی میں سے ان پر کچھ جاسوس معین فرماتے اور ان کے اعضائے بدن کو ان کی گھات میں قرار دیتے تھے۔ چونکہ ان کی تشخیص پر حسن ظن رکھتے تھے۔ لہٰذا فرمایا: "اے بندگان خدا تم یہ جان لو کہ تمہارا نفس تمہاری گھات میں اور تمہارے اعضائے بدن تمہارے جاسوس ہیں، جو تمہارے اعمال بلکہ تمہاری سانسوں کا شمار رکھتے ہیں"۔ وجدان بشر سے حسن ظن اور اس کی زندگی کے احترام کے سبب سے اپنے زمانے کے لوگوں کو متوجہ فرماتے تھے کہ انسانی زندگی کو مقید نہیں کیا جا سکتا، اور مدتوں تک اس کو گہوارۂ طفولیت میں باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کو بیجا قید و بند میں نہ رکھنا چاہئے جس سے یہ گندہ ہو کر فنا ہو جائے۔

زندگی حسین و محترم اور آزاد ہے، یہ خود مقررہ قوانین کی تابع ہے، اپنے کو محفوظ رکھتی ہے اور بدبینوں کے ارادے کی تابع نہیں ہے، یہ خود بخود بدلتی رہتی ہے۔ اور ایک حال پر قائم نہیں بلکہ روز بروز حرکت میں رہتی ہے۔ حضرتؑ کی خوش بینی ایسی تھی کہ فرماتے تھے، زندوں کو خود اپنی اصلاح کرنا چاہئے اور قوانین زندگی کے ساتھ ساتھ چلنا چاہئے"[1]۔ نیز اپنے زمانے کے لوگوں سے خطاب فرمایا: "اپنی اولاد کو اپنی عادت پر پرورش نہ کرو کیونکہ وہ دوسرے زمانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جو تمہارے

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام نے اکثر اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی بغیر قرآن وسنت کی ہدایت ومتابعت شریعت کے رستگار نہ ہوگا، لہٰذا مولف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔

زمانے سے مختلف ہے"[1]۔ اگر فطرت خلق سے پر امید نہ ہوتے اور لوگوں کو خیر وسعادت کے لئے اہل اور مستعد نہ جانتے تو یہ بات نہ فرماتے۔ اس کلام سے خلقت کے تغیر پذیر اور مائل بہ ترقی ہونے نیز بہتر شے کو اختیار کرنے کے لئے انسان کی استعداد کے بارے میں حضرتؑ کا اعتقاد معلوم ہوتا ہے، اور صحیح تربیت یہی ہے۔ اس فصل کو تمام کرنے سے پہلے ہم اس نکتے کی طرف بھی اشارہ کردیں کہ حضرتؑ انسانی شوق و میلان کے بارے میں ایک گہری نظر اور صائب رائے رکھتے تھے جو اس بات پر مبنی تھی کہ تمام انسانوں کو خیر وخوش حالی کے ساتھ رہنا چاہئے۔

جب ہم ان بڑے بڑے علماء کے کلمات و بیانات میں غور کرتے ہیں جنہوں نے لوگوں کے احوال و عادات کی تحقیق میں اپنا وقت صرف کیا ہے تو نظر آتا ہے کہ انہوں نے اپنے سلسلۂ کلام میں سعادت اور خوش بختی کی لفظیں کثرت سے استعمال کی ہیں،۔ انہیں تو اپنا موضوع بحث بنایا ہے اور انسان کا اصلی مقصد قرار دیا ہے لیکن علی علیہ السلام بجائے کلمۂ خوش بختی کے دوسرا لفظ لائے ہیں جو معنوی حیثیت سے کہیں زیادہ دقیق جامع اور بلند ہے۔ اور انسان کا فرض ہے کہ اس کا طلبگار بنے اور اس سے متصف ہو۔ آپ نے بجائے لفظ خوش بختی کے کلمۂ خیر استعمال فرمایا اور لوگوں کو اس لفظ سے پھیر کے اس کلمے کی طرف متوجہ فرمایا کیونکہ خوشبختی کا جو مفہوم اشخاص کے ذہن میں آتا ہے وہ اس سے ذاتی سعادت مراد لیتے ہیں، لیکن خیر کسی ایک فرد کے اندر منحصر نہیں ہے۔ پس خیر زیادہ عام ہے اور سعادت پر بھی حاوی ہے لیکن سعادت خیر پر حاوی نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ انسانوں کے ایک گروہ نے زشت و نامشروع کاموں کے ذریعہ اپنی خوش بختی فراہم کی ہے اور دوسرے کے آزار و بدبختی سے اپنے کو خوش بخت بنایا ہے یا ریاکاری، تعیش اور خوش حالی کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن خیر خوش بختی سے علاوہ ہے ہر چند لفظی حیثیت سے اس کی مشابہت رکھتی ہے۔ خیر وہ خوش بختی ہے جو تمام لوگوں کی خوش بختی سے وابستہ ہو، اس صورت سے کہ سب کے جسم، عقلیں اور وجدان سعادت و آرام و آسائش میں رہیں۔ اسی جہت سے امام علیہ السلام اپنے نصائح و مواعظ میں زیادہ یہی الفاظ استعمال فرماتے تھے اور اسی فرق کے ساتھ جو خیر وسعادت کے درمیان قائم کیا آپ نے اپنا اخلاق و دستور مکمل فرمایا۔

ہم آئندہ کسی دوسری فصل میں حضرتؑ کے چند ایسے نادر اقوال نقل کریں گے کہ جب تک صفحۂ روزگار پر نیکوکار انسان باقی ہیں وہ ارشادات زندہ و جاوید رہیں گے۔ اور ہم نے ان کو حضرتؑ کے سرچشمہ فیض نہج البلاغہ سے انتخاب کیا ہے تاکہ اس بزرگ شخصیت کا حق ادا کرسکیں۔ اور ان کلمات کے فضائل وخصوصیات میں سے جو کچھ محتاج بیان ہو وہ اس فصل میں ظاہر ہوجائے۔ وہ ارشادات اخلاق کریمہ کی تحصیل سیرت نیک اور پاکی انسان کے بارے میں ہیں۔

---

[1] اگر یہ ارشاد در حقیقت امیر المومنین علیہ السلام ہی کا ہو تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اگر آئندہ زمانہ کے لوگ بے دین، بے عفت، بے شرم، چور اور خائن ہوں تو اپنی اولاد کی تربیت بھی انہیں کے مانند کرو۔ یقیناً اپنے بچوں کو دیندار، پرہیز گار امین، با اخلاق، اور پابند شریعت بنانا چاہئے اگرچہ زمانے کے لوگ اس کے برخلاف ہی ہوں۔ اگر اس کلام کو قبول ہی کرنا ہو تو ان عادات و اخلاق کو مراد لینا ہوگا جو دین اسلام میں پسندیدہ ہیں۔

امام کے بعد

میرے بعد تمہارے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ حق سے زیادہ پوشیدہ اور باطل سے زیادہ ظاہر کوئی چیز نہ ہوگی۔(امام علیہ السلام)

زمین خدا کی ملکیت ہے اور میں بھی خدا کا خلیفہ ہوں جو کچھ میں خدا کے نام پر لے لوں وہ میری ملکیت ہے اور جو چیزیں چھوڑ دوں وہ میرے اختیار میں ہے۔(معاویہ ابن ابوسفیان)

اے لوگو میں خدا کی طرف سے روئے زمین کا بادشاہ ہوں۔(ابوجعفر منصور)

یہ مصیبتیں اور سماجی اور اخلاقی تباہیاں اس روز سے دنیائے عرب میں رونما اور مشرق میں طاقت پکڑنے لگیں جس دن کہ ابن ملجم جیسے گنہگار کا ہاتھ علیؑ ابن ابی طالب جیسے نمونہ عدالت اور مجسمۂ اخلاق کی طرف دراز ہوا۔

اب ضروری ہے کہ میں قوم عرب کی طرف تھوڑا اشارہ کروں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے دور حکومت میں اس کا حال کس نوبت کو پہنچا۔ اور ان فرماں رواؤں نے جو امام علیہ السلام کے دستور سے منحرف تھے کیا کیا۔ رعیت کیونکر مال میراث کے مانند ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ لیکن یہ مال بہت ہی ارزاں اور کم قیمت تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت زمانہ عثمان اور معاویہ و جانشینان معاویہ کی حکومت کے درمیان ایک فترت تھی۔ اس فترت میں حق اور عدالت کا مقام بہت بلند تھا لیکن اس سے قبل لوگوں کے حقوق ضائع ہو رہے تھے اور اونچے طبقے کے لوگوں پر اس حکومت کا کوئی رعب نہ تھا اور نہ وہ اس کو خاطر میں لاتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ظلم و ستم کی گرم بازاری تھی کبھی کم کبھی زیادہ۔ اس سے پہلے آپ کو معلوم ہوا کہ سرداران قوم اور حکام و والیان ریاست کیونکر عوام کے لئے بدبختی کا سبب بنے ہوئے تھے اور ان کا مال ہضم کر رہے تھے اور عثمان کے مشیر کار و مددگار کیسی مطلق العنانی سے کام لے رہے تھے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں رعایا اور بادشاہوں کی جو حالت تھی اس کی تھوڑی سی تشریح کر دی جائے تا کہ علی علیہ السلام کے دستور کی قدر و قیمت زیادہ اور بہتر طریقے سے جانی پہچانی جاسکے، اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ علی علیہ السلام عقل و فکر کے میدان میں کیسے پہلوان تھے۔ آپ کی تلوار خود غرضی کے غبار میں شگاف ڈال دیتی تھی۔ اور

آپ کا دستِ حق پرست باطل کی گردن مروڑ دیتا تھا۔

جوں ہی حضرت علی علیہ السلام غدار و ظالم ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے معاویہ ابن ابوسفیان نے اپنی خلافت کے مخالفین کے لئے جال بچھانا شروع کر دیا جو اس کو خلیفۃ اللہ نہیں کہتا تھا اس کو سخت سزا دیتا تھا، اور ابھی اپنا کام مکمل نہیں کر چکا تھا کہ اپنے رسوائے زمانہ فرزند یزید کو وارث بنانے کے لئے رعیت و مملکت کو ہموار کرنے لگا۔ اس کی بادشاہی منوانے کے لئے جتنی تدبیریں مفید ہو سکتی تھیں سبھی سے کام لیا ایک گروہ کو بلا کر خلعت و منصب عطا کیا تو ایک جماعت کو دھتکار رہا اور اس کو اس نے وقار و اقتدار سے محروم کر دیا۔ معاویہ نے لوگوں سے ان کی مرضی کے خلاف یزید کی بیعت لینے کے لئے جو ہزاروں ترکیبیں کیں ہم ان میں سے صرف ایک تدبیر کا اس مقام پر تذکرہ کرتے ہیں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یزید اور اس کے اخلاف کی خلافتیں کس بنیاد پر مستحکم ہوئی تھیں۔

معاویہ نے ایک مجمع فراہم کیا تا کہ تمام صوبوں کے لوگ اکٹھا ہو کر اس کی زندگی ہی میں بہ جبر یزید کی بیعت کریں۔

جس وقت لوگ جمع ہوئے اور معاویہ بھی مع فرزند یزید کے موجود تھا تو ایک چاپلوس منافق یزید ابن مقنع اٹھا اور کہا، امیر المومنین یہ ہیں اور معاویہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد کہا، اگر معاویہ دنیا سے اٹھ جائیں تو یہ، اور یزید کی طرف اشارہ کیا۔ پھر کہا، جو شخص مخالفت کرے اس کی سزا یہ ہے، اور اپنی تلوار کی طرف اشارہ کیا۔ معاویہ نے کہا بیٹھ جاؤ، کیوں کہ تم خطیبوں کے سردار ہو۔

اہل حجاز یزید کی بیعت پر راضی نہ تھے، وہ نہ مال پر فریفتہ ہوئے اور نہ فوجی طاقت سے خائف تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ معاویہ کے واقعات حیرت انگیز ہیں، ایک مرتبہ ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم اگر تم میں سے ایک شخص بھی اس مقام پر کوئی لفظ میرے خلاف زبان سے نکالے گا تو دوسرا لفظ کہنے سے پہلے ہی تلوار سے اس کا سر جدا ہو جائے گا پس اے لوگو! اپنی جان کی فکر کرو اور اپنی موت کی خواہش نہ کرو، حجاز کے ہر شخص کے سر پر دو نگہبان مسلط کئے اور پولیس کے افسر سے کہا کہ ان لوگوں میں سے جو شخص بھی تکذیب یا تصدیق میں لب کشائی کرے اس کی گردن ماردی جائے"۔

امر خلافت اس طریقے سے یزید ابن معاویہ تک پہونچا۔

عبد اللہ ابن حنظلہ کہتے تھے کہ "ہم لوگ اس سے ڈرے کہ اگر یزید پر خروج نہ کریں گے تو آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش ہوگی اور ہم سب قہر الٰہی سے ہلاک ہو جائیں گے، لہٰذا ہم نے اس پر خروج کیا۔

یہی وہ یزید ہے جس نے حسین ابن علی علیہما السلام کو اس جاں گداز طریقے سے شہید کیا۔ کعبہ کا محاصرہ کیا، منجنیق سے اس پر

سنگ باری کی، مدینے میں لوگوں کے خون اور مال کو مباح کیا، بدمستی اور لہو ولعب میں زندگی بسر کی، جو کتوں اور بندروں سے کھیلتا تھا، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوا پھر دوسرے بنی امیہ کا تسلط ہوا جنہوں نے بیت المال لوٹ لوٹ کے اپنے گھر والوں اور حاشیہ نشینوں کے درمیان تقسیم کیا۔ جس قصر عدالت کی بنیاد امیر المومنین علیہ السلام نے قائم کی تھی وہ ان کے ہاتھوں ویران ہوگیا اور ایک ظالم گروہ کا دور دورہ ہوگیا ایک گروہ انتہائی دولت مند ہوگیا تھا۔ اور رعیت کا مال ہضم کرکے ان کو بھوکا چھوڑ دیا، ایک جماعت نے ظلم وجور سے اپنی زندگی سنوار دی اور ہزاروں دردمندوں کو ہلاکت کے منہ میں جھونک دیا کتنے ہی انسان ایسے تھے جو ایک روٹی کو ترس رہے تھے اور اموی خلیفہ نے بارہ ہزار دینار اس لئے معبد گوئیے کو بخش دیئے کہ اس نے اپنے گانے سے خلیفہ کو مسرور کیا تھا۔ امراء میں سے ہر ایک کے پاس بے شمار زرخرید غلام اور کنیزیں تھیں۔ تنہا سلیمان ابن عبد الملک نے ستر ہزار غلام اور کنیزیں آزاد کیں۔

بنی امیہ کے عہد میں نسلی، خاندانی، اور جماعتی تعصب کا عام رواج تھا، باوجودیکہ اسلام نے اس قسم کے تعصب کو فنا کر دیا تھا اور امام نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔

اس زمانے میں یمن والوں اور بنی قیس کے حقوق میں فرق تھا، عرب والے اہل عجم پر اپنی فوقیت جتاتے تھے قریشی غیر قریشی پر ان کے درباروں میں عیش پرست لوگوں کی کثرت تھی جو بیت المال سے طرح طرح کے ناموں سے وظیفے حاصل کرتے تھے اور بغیر کسی زحمت کے خزانے جمع کرتے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے بیس ہزار سے زیادہ شاہی وظیفہ خاروں کو برطرف کیا۔

عمر ابن عبدالعزیز کے علاوہ تمام بنی امیہ کی روش یہی تھی کہ وہ ظلم وجور کے ساتھ ممالک پر مسلط ہوتے تھے اور معاویہ و یزید کا کام انجام دیتے تھے۔ عبد الملک ابن مروان اپنے حسب دلخواہ حکم جاری کرتا تھا اور لوگوں کے جان ومال کی اس کے نزدیک کوئی قیمت نہیں تھی، اس نے حکم دیا کہ بحرین کے کنویں اور چشمے پاٹ دیئے جائیں تاکہ وہاں کے لوگ فقیر ہو جائیں اور حکام کی اطاعت کریں اور حجاج ابن یوسف جیسے خونخوار ظالم کو عراق پر مسلط کیا۔

امین ریحانی بنی امیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ عدل کو جس کا پابند ہونا بادشاہ کیلئے ضروری ہے اموی تخت نشینوں نے الٹ دیا تھا یہ ایک کمینوں اور نالائقوں کا گروہ تھا اگر ایک بے وقوف تھا تو دوسرا حقیر، ایک ذلیل و بے آبرو تھا تو دوسرا شراب خوار و ظالم، کم سے کم اس مذموم قبیح طرز عمل سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی اور اس کو بغیر کہے نہیں چھوڑا جا سکتا علی علیہ السلام اور آپ کے فرزندوں کو منبروں پر گالیاں دی جاتی تھیں۔

بنی امیہ میں صرف عمر ابن عبد العزیز ایک عادل خلیفہ تھا، اس نے اپنی حکومت ظلم کو دفع کرنے سے شروع کی۔ اس نے چاہا کہ لوٹے ہوئے اموال کو بیت المال میں واپس لائے اور اپنی خلافت میں نیک روش اختیار کرے، لیکن اس کی قوم اس پر راضی نہ ہوئی اور اس کو قتل کر دیا۔

بنی امیہ نے مکر و فریب سے خلافت حاصل کی اور زور زبردستی کے ساتھ اس کو بادشاہی سے بدل دیا اور ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کی جس میں عدل و داد کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

آخر کار ان کی حکومت کا محل متزلزل ہو گیا اور انہیں کے سروں پر آپڑا۔

ان کے بعد بنی عباس کی حکومت سامنے آئی اور منصب مزاج لوگوں نے بنی امیہ کو دعائے خیر سے یاد کیا۔ امین ریحانی کہتا ہے:

"بنی عباس نے قتل و خونریزی سے ملک حاصل کیا، شام، فلسطین، اور عراق میں پے در پے قتل عام ہو رہا تھا، اور اس شدید تباہی و بربادی کے بعد دوسرے امراء نے بھی خونریزی میں ابو العباس سفاح کی تقلید کی۔

ایک شخص عمیطر شام میں لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا تھا، یمن والوں نے اس کی اطاعت کی اور بنی قیس مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، عمیطر نے ان پر شبخون مارا، ان کو قتل کیا ان کا مال لوٹا اور ان کے گھر جلا دیئے۔

ایک دوسرے شخص ابن بیہس نے عمیطر سے جنگ کی اور دمشق پر قابض ہو کر اہل دمشق کو سزائیں دیں۔

بنی عباس کے زمانے میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی تعصب کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور تکلیف صرف ظالم خونریز باغیوں ہی کو نہیں پہونچ رہی تھی بلکہ بے چاری رعیت بھی جو خراج ادا کرتی تھی اور دعوت جہاد پر لبیک کہتی، ان فتنوں کی مصیبت سے عاجز تھی۔

اس کے بعد بنی عباس کے آخری دور کی چھوٹی بڑی حکومتوں کے بارے میں امین ریحانی کہتا ہے:

"بدنصیب تھے وہ لوگ جو اس تاریک دور میں جی رہے تھے، ہر حاکم دوسرے حاکم سے ظلم و خونریزی تاخت و تاراج اور تباہکاری میں بازی لگائے ہوئے تھا اور اس کی کثرت پر فخر و مباہات کرتا تھا۔

اس شہر کو تین روز کے لئے میں نے تمہارے اوپر مباح کیا"۔

یہ تھا حکام کا وہ قول جو وہ اپنے لشکر والوں سے کہتے اور کسی شہر کی لوٹ مار اور قتل و غارت کا ان کو مختار بنا دیتے تھے۔ متنبی کا ایک شعر ہے:

للسبی ما الفوا وللقتل ما ولدوا   وللنهب ما جمعوا وللنار ما رعوا

یعنی جن عورتوں سے انہوں نے الفت اختیار کی وہ اسیری کے لئے ہیں ان کی اولاد قتل ہونے کیلئے ہے۔

جو مال انہوں نے جمع کیا وہ لٹنے کے لئے ہے۔اوران کی کھیتیاں جلائے جانے کے لئے ہیں۔

حیف ہے اس زمانہ پراوراس زمانہ کےلوگوں کے خوف و ہراس پر، خدا ان بیچاروں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان فرماں رواؤں اور فوجیوں پر لعنت بھیجے۔کیا جس انسان کو خدا نے اپنے جمال ومثال پر پیدا کیا ہو وہ ایک وقت درندے کی صورت میں مسخ ہو جاتا ہے؟ آیا یہ وحشی اس کے مستحق ہیں کہ تاریخ کے پچاس صفحے ان کے لئے سیاہ کئے جائیں؟ نہیں بلکہ ایک ہی سطر میں ان کے سارے اعمال کا خلاصہ کرنا چاہیے یہ ایک دوسرے کی جان کے خواہاں ہو گئے۔جن کو قتل کیا لوٹا پھونکا، فسق و فجور کے مرتکب ہوئے اور فساد پھیلایا۔دوسری عبارت میں یوں کہا جائے کہ انہوں نے لوگوں کے خون اور مال اور آبرو کو حلال سمجھ لیا۔

یہ ہیں وہ باتیں جو امین ریحانی نے عہد بنی عباس اور ان کے آخری دور کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے قتل و غارت کے بارے میں کہی ہیں۔یعنی اس وقت جبکہ عباسی خلیفہ کا صرف نام باقی رہ گیا تھا اور اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

اب ہم بنی عباس کے عہد کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ امیر المومنینؑ جس طرز کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اس کی مخالفت کر کے اور آپ کی عادلانہ روش ترک کر کے بنی امیہ نے حکومت کو اپنی خاندانی جائیداد قرار دے لیا تھا کسی کو بھی اس حکومت میں اپنا شریک نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسی قسطائیت برتی اور ایسا طریقہ اختیار کیا کہ جیسے یہ حکومت اور اس کے محاصل خاص ان کی ملکیت ہیں دوسروں کا اس میں کوئی حق نہیں نہ کم نہ زیادہ۔

جب بنی امیہ کے بعد بنی عباس اقتدار کے مالک ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی حکومت کی بنیاد انہیں تصورات پر رکھی، ان کا بھی یہی نظریہ رہا کہ بادشاہ روئے زمین پر خدا کا جانشین ہے اور حکومت اس کا پیدائشی حق ہے جو خدا نے اس کو دے رکھا ہے اس حکومت میں دوسرا کوئی شخص بھی تغیر یا تبدل کرنے کا مجاز نہیں اسی نظریہ وعقیدہ کی بنا پر منصور دوانیقی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

'لوگو! میں خدا کی طرف سے روئے زمین کا بادشاہ ہوں، اللہ کی توفیق وتائید سے تم پر حکومت کرتا ہوں خدا کے مال کا نگہبان ہوں خدا کی مشیت وارادہ سے بیت المال میں تصرف کرتا ہوں اور اسی کی اجازت سے کسی کو دیتا ہوں کیونکہ خداوند عالم

نے مجھے اپنے خزانہ کا قفل بنایا ہے اگر خدا چاہے تو تمہیں دینے اور تمہاری روزی پہونچانے کے لئے اس قفل کو کھولے گا اور اگر چاہے کہ مجھے بند مے رہنے دے تو بند رہنے دے گا"

یہی روش بعد میں آنے والے دیگر خلفا بنی عباس کی بھی رہی ہر ایک زمین پر خدا کا۔۔۔۔۔جانشین تھا مذکورہ بالا شواہد کی بنا پر یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ بے رحمی اور قساوت بنی عباس اور انہیں کے ذیل کے دوسرے چھوٹے بڑے امراء کی حکومت کے دو انتہائی اہم رکن تھے۔ان کے نزدیک سلطنت خداوندی عطیہ تھی اور خداوند عالم جن بندوں کو محبوب اور پسندیدہ سمجھتا انہیں عنایت کرتا جس کو دوست رکھتا اسے بادشاہ بنا دیتا اور جب اس کی مشیت کو خلائق کی عافیت و آسائش منظور ہو جاتی اسے حلیم و عاقل اور فیاض بادشاہ عنایت کرتا۔

اس انداز فکر اور اس نظریہ وعقیدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ سرگرمی سے حکومت کے وفادار رہے اور انہیں جتنی سختی یا راحت نصیحت ہوئی سب کو خدا کی طرف سے سمجھ کر صبر وشکر کرتے رہے۔

بغداد جو بنی عباس کا پایہ تخت تھا اس کے خزانے زمین کی دولت واموال سے چھلکنے لگے لیکن یہ تمام دولت واموال صرف بادشاہ وقت ان کی اولاد ان کے خاندان اور ان کے مقربین بارگاہ کے لئے مخصوص تھے دوسرے لوگ خواہ وہ کیسے ہی ہنر مند ہوں ملک وقوم کے لئے کتنے ہی مفید ہوں ان کی خدمات کتنی ہی لائق صلہ وستائش ہوں لیکن اگر وہ عباسی خلیفہ کی خوشامد و چاپلوسی نہ کریں۔ان کے آستانوں پر اپنی پیشانیاں نہ رگڑیں تو ان کا کوئی حصہ اس دولت میں نہیں تھا اور ذلت و بے چارگی ہی ان کا مقدر تھی۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں دو طرح کے طبقے پیدا ہو گئے اور ان دونوں طبقوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق تھا ایک انتہائی دولت مند طبقہ جو سونے اور چاندی سے کھیلتا اور جی کھول کر داد عیش دیتا دوسرے ناداروں کا طبقہ جو باوجود ہنر مند ہونے کے فقر وفاقہ اور موت سے بدتر زندگی گذارتا تھا۔حکومت کے محاصل اور سرکاری خزانہ عامرہ خلفاء وامراء کے مقربین اور اہلکاروں کے قصور ومحلات اور ان کی تفریح و دلبستگی کے سامانوں پر صرف ہوتا تھا یہ لوگ اپنے گھروں میں لاکھوں لاکھ اپنے حاشیہ نشینوں، جی حضوریوں پر لٹاتے تھے اور کنیزوں اور خواجہ سراؤں پر صرف کرتے۔

تو خلفاء امراء اور سرکاری کارندوں کا طبقہ عباسی عہد کے معاشرہ میں بہ لحاظ دولت وثروت سب سے اونچا طبقہ تھا دوسرے نمبر پر تجارت پیشہ افراد تھے اگر چہ ان کی جان ومال کو بھی بڑے لوگوں کی طرف سے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا لیکن بڑے لوگوں کے بعد دولت انہیں لوگوں کے پاس تھی۔رہ گئے عوام الناس تو ان کا حصہ فقط ذلت و بے چارگی اور گرسنگی و ہلاکت تھی۔

بغداد میں اونچے اونچے محلات سے ملے ہوئے غریبوں کے خستہ حال جھونپڑے بھی تھے گویا جنت وجہنم ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو تھے۔

اس زمانہ کا ایک شاعر بغداد کے متعلق لکھتا ہے:

تصلح للموسر لا لا مرئ یبیت فی فقر و افلاس
لو حلھا قارون رب الغنی اصبح ذاھم دوسواس
ھی التی توعد لکنھا عاجلة للطاعم الکاس
حور و ولدان و من کل ما تطلبه فیھا سوی الناس

یہ بغداد صرف سرمایہ داروں کے رہنے کے لائق ہے فقیر ومفلس کے لئے نہیں۔

اگر قارون ایسا دولت مند بھی بغداد آجائے تو وہ بھی فکر واندوہ میں مبتلا ہو جائے۔

بغداد ہی بہشت ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے مگر قبل از وقت ان لوگوں کو ہاتھ لگ گئی ہے۔ جن کو کھانے کو بھی نصیب ہے اور پہننے کو بھی۔

اس بغداد میں حور وغلمان بھی ہیں اور ہر وہ چیز جو تم چاہو، نہیں ہے تو انسان نہیں ہے۔

ایک سرمایہ دار اور عیش کا پروردہ کہتا ہے:

اعائیت فی طول من الارض والعرض کبغداد و انھا جنة الارض
صفا العش فی البغداد و اخضر عوده و عیش سواھا غیر صاف و لا غض
تطول بھا الاعمار ان غذاءھا مرئٌ و بعض الارض امرء من بعض

زمین کے طول وعرض میں تم نے بغداد سا بھی کوئی شہر دیکھا۔ یہ بغداد زمین کی جنت ہے۔ بغداد میں عیش کا چشمہ پاک وصاف اور خوشی کا درخت سرسبز ہے لیکن دوسری جگہوں کی زندگی نہ صاف ہے نہ پر مسرت ہے۔

بغداد میں زندگی دراز ہوتی ہے اس کا آب ودانہ لذیذ وخوشگوار ہے اس میں شک نہیں کہ بعض زمینوں کا آب ودانہ دوسری زمینوں سے لذیذ وخوشگوار ہوتا ہے۔

یہ کوئی عیب نہیں کہ بغداد عباسی عہد میں بلکہ ہر زمانے میں روئے زمین کی بہشت رہا ہو وہاں عیش کا چشمہ پاک وصاف اور خوشی ومسرت کا درخت سرسبز ہو آب وہوا وہاں کی لذیذ وخوشگوار ہو۔ عمریں وہاں طولانی ہوتی ہوں۔ ان میں سے کوئی

بات عیب نہیں انسان ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ ایسی بہشت میں زندگی بسر کرے جس میں عیش و آرام کے وسائل میسر ہوں پھل پھول اور ہر اچھی چیز موجود ہو لیکن یہ تمام لذائذ ونعمات یہ تمام عیش وعشرت کے سامان اسی وقت گوارا ہو سکتے ہیں جبکہ غریبوں ناداروں پر ظلم وزیادتی کرکے لوٹے نہ گئے ہوں زور زبردستی کرکے یتیموں اور بیواؤں سے نہ چھینے گئے ہوں یہ عیش و عشرت کی زندگی اور اس کے لوازم بغداد میں آئے کہاں سے حالانکہ اسی بغداد میں ہزاروں بھوکے ننگے اور بے خانماں افراد تھے جنہیں مرتے دم تک بغداد کی عشرتیں نصیب نہ ہوئیں۔ مشہور شاعر ابو العتاہیہ عوام کی ترجمانی کرتا ہوا اپنے وقت کے خلیفہ سے کہتا ہے:

من مبلغ عنی الامام نصائحا متوالیه — انی اریٰ الاسعار اسعار الرعیه غالیة

واری المکاسب نزرةً واری الضرورة فاشیه — فاری غموم الدهور رائحة تمر و غاریة

واری الیتامی والارامل فی البیوت الخالیة — من بین راج لم یزل یسمو الیك و راجیة

یشکون مجهدة باصوات ضعاف عالیة — یرجون وفدك لی یروا انما لقوة العافیة

من مصیبات جوع تمسی و تصبیح طاریة — من للبطون الجائعات و للجسوم العادیة

القیت اخبار الیك من الرعیة شافیة

کون ہے جو میری متواتر و مسلسل نصیحتیں خلیفہ تک پہونچادے میں لوگوں کی زندگی کے نرخ کو دیکھتا ہوں کہ انتہائی گراں ہے۔ اور آمدنی انتہائی قلیل ضرورت واحتیاج حد سے زیادہ ہے اور غمہائے روزگار کی صبح وشام ان پر یورش ہوتی ہے۔ ایتام و بیوائیں اجاڑ گھروں میں خالی ہاتھ بیٹھی ہیں مرد بھی تجھ سے لو لگائے تیرے احسانات کی طرف ہاتھ پھیلائے ہیں اور عورتیں بھی۔

یہ سب اپنی زندگی کی تلخیوں کے شاکی ہیں اور کمزور صدائیں فریاد کی بلند کر رہے ہیں تیرے الطاف وعنایات کے امیدوار ہیں تا کہ اپنی مصیبتوں سے نجات پائیں اور عافیت کا منہ دیکھیں۔

بچوں والی مائیں رات بھی گرسنگی میں بسر کرتی ہیں اور دن بھر فاقہ میں گزارتی ہیں کون ہے جو ان کے گرسنہ شکموں کو سیر کرے اور ان کے عریاں تنوں کو لباس پہنائے۔

میں رعیت کی طرف سے صحیح حالات تیرے پاس روانہ کر رہا ہوں۔

ایک شخص خلیفہ واثق باللہ سے ملنے آیا اس نے خلیفہ کا جاہ وحشم اور اس کے محل کی جو شان وشوکت دیکھی اس کی تصویر کشی کرتا ہوا بیان کرتا ہے (یہ ملحوظ رہے کہ صرف ایک محل کی شان وشوکت)

مجھے ایک خادم نے دوسرے خادم کے حوالہ کیا دوسرے نے تیسرے کے اسی طرح متعدد خادموں کے ہاتھوں ہوتا ہوا میں ایک ایسے مکان میں پہونچا جس کے صحن اور دیواروں پر منقش زربفت کے کپڑے آویزاں تھے پھر میں شاہی ایوان میں پہونچا اس ایوان کا فرش اور دیواریں بھی اسی طرح منقش زربفت کے کپڑوں سے ڈھکی ہوئی تھیں ایوان کے صدر میں واثق تخت پر بیٹھا ہوا تھا تخت موتیوں سے مرصع تھا اس کی کنیز فریدہ ہاتھ میں ستار لئے بیٹھی ہوئی تھی واثق کے جسم پر بھی زربفت کا قیمتی لباس تھا اور کنیز کے جسم پر بھی الخ۔

یہ دولت سے اس طرح کھیلنا اور سرمایہ دارانہ شان وشوکت متعدی بیماری تھی جس میں اونچے طبقے والے سبھی مبتلا تھے خلفاء وسلاطین بھی ان کے عزیز واقارب وحاشیہ نشین اور ملازمین بھی نیز بہت سے تجار بھی لہو ولعب، تفریح ودلبستگی نیز اور بہت سی ناگفتہ بہ حرکتیں جوان محلات میں عمل میں لائی جاتی تھیں ان کا ذکر تو پکار رہی ہے۔

غلاموں کنیزوں[1] کی درہم ودینار کے عوض خرید وفروخت جس کی نہ پیغمبرؐ نے اجازت دی تھی نہ امامؑ نے اتنی ترقی پر تھی کہ ہر شہر میں ایک مخصوص بازار ہوا کرتا تھا جس میں صرف غلاموں اور کنیزوں کی خرید وفروخت ہوتی تھی بغداد میں جو عباسیوں کا پایہ تخت تھا خیابان دارالرقیق مشہور جگہ ہے بردہ فروش ہر نسل اور ہر رنگ کے غلام اور کنیزیں رکھتے۔ سیاہ فام غلاموں کے جھنڈ کے جھنڈ جنوب کی طرف سے عباسی شہروں میں لائے جاتے اور دوسو درہم میں فروخت کر دیئے جاتے اور سپید رنگ کے غالم کنیزیں سمرقند سے لائی جاتیں جو سپید رنگ کے غلاموں کنیزوں کی بہت بڑی منڈی تھا کنیزوں کی بہت سی قسمیں تھیں کچھ کنیزیں قندھار اور سندھ کی ہوتیں دبلی پتلی سیاہ چشم اور لمبے گیسوؤں والی کچھ کنیزیں جو مدینہ کی تربیت یافتہ ہوتیں وہ ناز وانداز شوخی و کرشمہ میں مشہور اور گانے بجانے میں ماہر ہوتیں اور مکہ میں پرورش پائی ہوئی کنیزیں دست وبازو کی نزاکت اور مستانہ نگاہی میں اپنا جواب نہیں رکھتیں اور کچھ کنیزیں مغربی ممالک کی ہوتیں۔

ابوعثمان دلال جو اس زمانہ کے غلاموں اور کنیزوں کی خوبیوں کی واقفیت رکھنے والا تھا کہتا ہے:

”کنیز بربر میں پیدا ہو اور ۹ برس کی عمر میں اپنے وطن سے جدا ہو جائے ۳ سال مدینہ میں رہے ۳ سال مکہ میں اور ۱۶ سال کی عمر میں عراق آئے تاکہ معاشرہ کے آداب وہاں سیکھے اور ۲۵ برس کی عمر میں فروخت ہو تو ایسی کنیز پیدائشی ملاحت مدینہ کے ناز وادا مکہ کی لطافت اور عراق کی تہذیب وشائستگی اور اخلاق وآداب کی جامع ہوگی۔

---

[1] اسلام میں صرف کفار حربی اور ان کے جنگی قیدیوں کو جو جہاد میں ہاتھ آئیں غلام اور کنیز بنانا جائز ہے لیکن خلفاء کے زمانہ میں نیز بعد کے زمانوں میں یہ کیفیت ہوگئی کہ اوباش لوگ جس کسی کو بھی بے سرپرست پاتے اور اسلامی شہر میں دیکھتے پکڑ کر فروخت کر دیتے تھے۔

ابوعثمان افسوس کہ ایسی کنیز کی قیمت بیان کرنا بھول گیا۔

بربری کنیزوں کے علاوہ، حبشی، ترکی، صقلبی، رومی، ارمنی کنیزیں جو تھیں ان کا ذکر ہی بیکار ہے۔ ہر جگہ کی کنیزیں علاحدہ صفات اور امتیازی خصوصیات کی حامل ہوتیں جن کے بیان میں اس زمانہ کے ماہروں نے کافی تفصیل سے کام لیا ہے[1]۔

عباسی عہد حکومت میں غریبوں کا تو ذکر ہی کیا جو ارباب دولت و ثروت تھے ان کی بھی یہ کیفیت تھی کہ کسی کو اپنی جان و مال کی طرف سے ایک دن بھی اطمینان نصیب نہیں رہتا۔ خلائق کی جانیں بادشاہ کے قبضۂ اختیار میں تھیں بادشاہ کے ایک اشارے پر جان سے ہاتھ دھونے پلک جھپکتے مال و متاع چھن جانے کا خطرہ رہتا اس لئے کہ اس زمانے میں خلفاء اور امراء کے جود و سخا بذل و عطا کی کوئی حد نہ تھی اسی طرح خلائق کے مال کو بے سبب ہتھیا لینے کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا کبھی بادشاہ گانے والے کا گانا سن کر ایک شعر پر وجد میں آ کر کوئی برجستہ جواب یا شیریں فقرہ سن کر ہزاروں ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیتے اور کبھی کوئی بات ناگوار ہوتی تو فوراً گردن اڑا دینے اور مال و اسباب ضبط کر لینے کا حکم صادر فرما دیتے۔

عتابی نے اپنے زمانہ کی اس کیفیت کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے اس سے پوچھا گیا کہ تم نے ادبی صلاحیتیں رکھتے ہوئے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی کیوں نہیں کوشش کی؟ اس نے جواب دیا:

"میں خلیفہ کو دیکھتا ہوں کہ بے سبب بے وجہ کسی کو ہزاروں ہزار اٹھا کر دے دیتا ہے اور بے قصور کسی کو بام قصر سے زمین پر پھینکوا دیتا ہے اگر میں دربار میں رسائی حاصل کروں تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے ان دونوں شخصوں میں سے کس شخص کا انجام نصیب ہوگا"۔

جس وقت خلیفہ مہدی نے قاصد مفضل ضبی کو بلانے پہنچا مفضل ڈرے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے مہدی سے میری چغلی کھائی ہے انہوں نے کپڑوں کے نیچے کفن پہن لیا اور مرنے کے لئے تیار ہو کر چلے۔ دربار میں پہنچ کر مہدی کو سلام کیا۔ مہدی نے جواب سلام دیا یہ خاموش کھڑے رہے تھوڑی دیر کے بعد دل کی دھڑکن ٹھہری اور اطمینان ہوا کہ مہدی نے قتل کرنے کے لئے نہیں بلایا ہے مہدی نے ان سے پوچھا کہ فخر و مباہات میں سب سے اچھا شعر عرب میں کس نے کہا ہے اسی طرح کچھ اور باتیں پوچھیں مفضل نے ہر ایک کا مناسب جواب دیا مہدی کو جوابات پسند آئے تو اس کے حالات پوچھے مفضل نے اپنے دین کی

---

[1] ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اسلام میں صرف ان قیدیوں کو غلام بنایا جاتا جو ان لڑائیوں میں ہاتھ لگتے جو پیغمبر خدا یا امامؑ کی اجازت سے لڑی جاتیں اور ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ لیکن خلفاء کے عہد میں نیز خلفاء کے بعد کچھ لوگوں نے اسلامی شہروں میں بردہ فروشی کا کاروبار شروع کر دیا تھا ایسے کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو جن کا کوئی حامی مددگار نہ ہوتا پکڑ لیتے اور فروخت کر ڈالتے اور اسلامی احکام کی اس بارے میں ذرا بھی پروانہ کرتے کسی مسلمان کو یا کافر ذمی کو یا ایسے کافر کو جس سے معاہدہ ہو چکا ہو غلام بنانا ہرگز جائز نہیں۔ اتفاق یہ کہ زیادہ تر غلام اور کنیز انہیں اقسام کی تھیں۔ ۱۲

شکایت کی مہدی نے ۳۰ ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔ جس وقت مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو قتل کرا کر احمد بن ابی خالد کو اپنی وزارت پیش کی تو اس نے قبول نہیں کیا لوگوں نے جب وجہ پوچھی تو کہا:

"میں نے تو یہی دیکھا کہ جب بھی کوئی اس عہدے پر فائز ہوا اس نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا"

دولت وثروت کی افراط و بہتات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیاشیوں کی انتہا نہ رہی اوباشی وہوسناکی ہمہ گیر وبا کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی ہر گھر میں گانے بجانے ناز و انداز میں ماہر کنیزوں کا ہجوم تھا شراب خواری، قمار بازی فیشن بن چکی تھی۔ دولت مند و سرمایہ دار لہو ولعب تفریح و دلچسپی عیاشی و اوباشی کی نت نئی صورتیں پیدا کرتے جب ایک قسم کی عیاشی سے تھک جاتے تو دوسری قسم کی عیاشی ایجاد کر لیتے۔ بعضوں کی سرمستی بے خودی کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی اچھا گانا سن کر آپے سے باہر ہو جاتے کہ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کریں جو چیز سامنے پڑ جاتی ہے اسی سے اپنا سر پھوڑ لیتے۔ جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی اور دیگر مورخین نے اس قسم کے متعدد واقعات آغانی وغیرہ میں نقل کئے ہیں، اس آپے سے باہر ہو جانے کی وجہ یہی تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار کس طرح کریں اس لئے آئے دن نت نئی حرکت کرتے رہتے۔

دوسری طرف بے شمار افراد ایسے تھے جو فقر و ناداری غربت و بے چارگی کی اذیتوں میں مبتلا تھے ایک طبقہ فرط مسرت و شادمانی سے مرا جاتا تھا۔ دوسرا طبقہ کثرت اندوہ ومصائب سے کچھ ایسے تھے جو زندگی ہی سے بیزار ہو گئے تھے انہیں زندگی سے بھی نفرت تھی اور سماج ومعاشرہ سے بھی انہیں خلائق کی حالت سدھرنے کی امید ہی باقی نہ رہ گئی تھی ابوالعتاہیہ ایسے ہی لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے:

رغیف خبز یابس تأکله فی ذاویة
و غرفة ضیقه نفسك فیها خالیه
او مسجد بمعزل عن الوریٰ فی ناحیه
خیر من الساعات فی القصور العالیه
فهذه وصبة مخبرة بحالیه
طوبیٰ لمن یسمعها تلك لعمری کافیه
فاسمع لنصح مشفق یدعی ابا العتاهیه

سوکھی روٹی جو کسی گوشہ میں بیٹھ کر تم کھاؤ۔ اور ایک تنگ مکان جس میں زندگی کے دن بسر کرلو، یا کسی مسجد کا گوشہ جس

میں تم لوگوں سے الگ تھلگ رہ سکو، بہتر ہے ان لحات سے جو اونچے محلات کے سایہ میں گزریں۔ یہ وصیت ہے اس کی جو حقیقت حال سے پوری طرح واقف ہے۔ خوشا حال اس کا جو میری اس نصیحت کو سنے اپنی زندگی کی قسم یہ نصیحت اس کے لئے کافی ہے۔ ناصح مشفق کی یہ نصیحت سنو جسے ابوالعتاہیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دونوں حالتیں فرط شادمانی و مسرت سے خودکشی یا دنیا کو ترک کر کے خودکشی فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو نہ اس کے لئے پیدا کیا ہے نہ اس کے لئے۔ لیکن بنی عباس کے عہد میں یہ دونوں خرابیاں انسانی معاشرہ میں عام تھیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، بہت ہلکی سی جھلک تھی بنی عباس کے ابتدائی دور حکومت میں عوام الناس کے حالات کی۔ بعد کے زمانوں میں تو عوام کی زبوں حالی اس حد تک جا پہونچی جس کا اندازہ بھی کرنا ممکن نہیں۔ یہ دولت مند وارباب ثروت پہلے سے کہیں زیادہ عیاش ہو چکے تھے اور ناداروں کی غربت و بے چارگی بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ مالداروں کے پاس دولت ذخیرہ ہو کر رہ گئی تھی اور فقر و فاقہ نے ناداروں کے یہاں ڈیرا ڈال رکھا تھا۔

تم جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے یا جس گھر کا جائزہ لیتے یا تو انتہائی دولت مند خوشحال دیکھتے جو لہو لعب اور عیاشی میں غرق ہوتا یا ایسے فقیر و نادار نظر آتے جو ایک روٹی اور ایک کمبل کے بھی محتاج تھے۔

وہ لوگ جو دولت مند اور خوش حال تھے اور جن کی زندگی تمام تر تفریح و دلبستگی میں گزرتی ان کی تعداد بہت کم تھی لیکن ناداروں محتاجوں کی بہتات تھی۔ جان و مال کی طرف سے اطمینان ان دونوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ تھا مطمئن لوگ بس گنتی کے تھے یعنی بادشاہ کے عزیز و اقارب اور حاشیہ نشین افراد ان کے سوا جتنے دولت مند تھے ان میں سے اطمینان کسی کو بھی حاصل نہ تھا ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کب بادشاہ ان سے ناراض ہو جائے اور چشم زدن میں مال بھی ضبط ہو اور سر بھی تہہ تیغ اس ظلم و خود سری کی ابتدا متوکل کے عہد سے ہوئی جس نے جہنم کے پہلو بہ پہلو بہشت بنائی تھی۔

دولت مندوں نے شرم و حیا کے ہر پردے کو چاک کر دیا تھا ایسی بے ہودگی اور اوباشی پر اتر آئے تھے جو پہلے کبھی دیکھی سنی نہ گئی تھی۔ وہ شراب پیتے خوشی سے دیوانے ہو جاتے عیش و طرب کی محفلیں اپنے محلات میں منعقد کرتے، جی بھر کر چیخ و پکار مچاتے اچھل کود کرتے یہاں تک کہ شراب کے نشے میں بدمست ہو کر یا فرط مسرت سے بے خود ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے زمین پر گر کر لڑھکنیاں لگانے لگتے آنکھیں نچاتے کبھی چلاتے فریاد و واویلا کرتے نشہ کی وجہ سے نہ اپنے پر قابو رہتا نہ نیک و بد کی تمیز باقی رہتی برے سے برا کام کرنے سے بھی باز نہ رہتے کوئی سرخوشی و بدمستی میں خیال کرتا کہ میں نے اپنے پیروں سے

زمین میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے اس قسم کی بیشمار حکایتیں ابو حیان توحیدی نے اپنی کتاب المتاع الموانسہ میں درج کی ہیں۔

کنیزوں کی اس زمانہ میں اتنی بہتات ہوگئی تھی کہ جتنی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی متوکل جس نے ارباب عقل وخرد اور غیرت مند اور باحمیت انسانوں کو ذلیل وخوار کرنے میں کسر اٹھا نہ رکھی قبر حسینی کو غرقاب کرنے کی پوری کوشش کی تھی جس نے بے ہودہ اور اوباش انسانوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ اس کے دربار میں علی ابن ابی طالبؑ کا مذاق اڑائیں ان پر طعن وتشنیع کریں اس متوکل کی حالت یہ تھی کہ اس کے قصر میں کئی کئی ہزار کنیزیں تھیں بعض عباسی خلفا کے یہاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ کنیزیں تھیں کنیزوں کے علاوہ خواجہ سراؤں سے بھی شاہی محلات بھرے رہا کرتے۔

اونچے طبقہ کے افراد اور دولت مند لوگ عورتوں کی حفاظت کے لئے خواجہ سراؤں کو رکھا کرتے امین کے عہد میں خواجہ سراؤں کی بے حد زیادتی ہوگئی تھی۔ خلیفہ مقتدر گیارہ ہزار خواجہ سرا رکھتا تھا۔ متوسط طبقہ میں بھی غلاموں کی کثرت تھی جو بہت ہی بے شرم و بے حیا تھے وہ غلاموں سے شرمناک خدمات لیتے۔

ان تمام خرابیوں کا اصل سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے پیغمبرؐ خدا اور علی ابن ابی طالبؑ کے دستور کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور خلائق کو ایک دوسرے کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ دولت مند اور صاحبان اقتدار اپنے کو رعیت سے بلند اور برتر سمجھتے اور رعیت کی کمائی کو لوٹ کر اپنے عیش وطرب کا سامان بہم پہونچاتے۔

ہم عباسی عہد کے ارباب دولت و اقتدار کے عیاشی وفحاشی اور غریبوں کی ناداری و بے چارگی کی مزید وضاحت کے لئے اس زمانہ کے لوگوں کے اخلاق وعادات کا پھر تذکرہ کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی چیزیں عیش وعشرت اور فقر وناداری اس سماج میں جس کے افراد زیادہ تر محتاج ونادار ہوں اسی قاعدے کے مطابق جنم لے سکتی ہیں جس کی طرف امیر المومنینؑ نے اس فقرہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

ما رائیت نعمة موفورة الا و الی جانبها حق مضیع

میں نے کسی کے پاس دولت کی بہتات نہیں دیکھی مگر یہ کہ اس کے پہلو میں کسی حق کو ضائع ہوتے بھی دیکھا۔ وہ اونچے اونچے محلات جن میں دولت کی ریل پیل تھی جن کی تعمیر میں بے اندازہ سرمایہ صرف ہوا تھا ان کی شان وشوکت کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ متوکل نے ایسے ایسے قصور ومحلات تعمیر کئے تھے جن کی عظمت وجلالت اور حسن وجمال کی توصیف کسی انسان سے ممکن نہیں۔

ایک محل میں بیگمات اور کنیزان حرم کی پیراکی کیلئے بڑا سا تالاب بنا گیا تھا۔ مشہور شعر بحتری نے جب یہ محل دیکھا تو اس

کی وسعت اس کے باغات، رنگارنگ مکانات اور نادر حیرت انگیز تعمیرات دیکھ کر اسے گمان ہوا کہ جنوں اور دیوؤں نے اس محل کو بنایا ہے۔ وہ اس محل کی تصویر کشی کرتا ہوا کہتا ہے:

کان جن سلیمان الذین ولوا　　ابداعها فاوقوا فی معانیها
فلو تمر بها بلقیس عن عرض　　قالت وھی الصرح تمثیلا و تشبیها
اذا النجوم قرأت فی جوانبها　　لیلاً حسبت سماء رکبت فیها
لا یبلغ السمك المحصور غایتها　　لبعد ما بین قاصیها و دانیها

گویا حضرت سلیمان کے تابع دیوؤں نے اس محل کی تعمیر کی ہے اور ہر چیز میں انتہائی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔

اگر اتفاقاً بلقیس ملکہ سبا کا گذر اس قصر سے ہو جائے تو جناب سلیمان کے محل سے انتہائی مشابہت کی وجہ سے یہی گمان کریں کہ یہ وہی قصر سلیمان ہے۔

رات میں اس تالاب پر ستاروں کا عکس پڑتے دیکھ کر تم یہی سمجھو گے کہ تالاب آسمان ہے اور ستارے اسی آسمان میں ٹکے ہوئے ہیں۔

مچھلیاں تالاب کے کنارے تک نہیں پہونچنے پاتیں کیونکہ تالاب کی ابتدا و انتہاء میں کافی فاصلہ ہے۔

یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں:

سامرہ میں جتنی عمارتیں متوکل نے بنوائیں کسی خلیفہ نے ویسی عمارتیں نہیں بنوائیں، منجملہ ان عمارتوں کے ایک قصر عروس تھا جس کی تعمیر میں ۳ کروڑ درہم خرچ کئے ایک قصر جعفری تھا جس میں ایک کروڑ درہم خرچ ہوئے ایک قصر غریب تھا جس پر ایک کروڑ درہم صرف ہوئے قصر شیدان تھا جس پر ایک کروڑ درہم صرف ہوئے، قصر ملیح تھا جس پر پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے قصر برج تھا جس پر ایک کروڑ درہم خرچ ہوئے۔ قصر صبح تھا جس پر 50 لاکھ درہم خرچ ہوئے۔ قصر بستان ایتاخیہ تھا جس پر ایک کروڑ درہم خرچ ہوئے۔

اسی طرح یاقوت حموی نے ایک طویل فہرست ان محلات کی گنائی ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان تمام محلات کی تعمیر میں تقریباً ۳۰ کروڑ صرف ہوئے۔

علی بن جہم متوکل کے قصر جعفری کی توصیف میں کہتا ہے:

بدائع لم ترها فارس ولا الروم فی اطول اعمارها
صحون تسافر فیها العیون اذا ما تجلت لا بصارها
وقبة ملك كان النجوم تفضی الیها باسرارها

ایسی نو بہ نو اور تازہ بہ تازہ صنعتیں ہیں اس قصر میں کہ روم و فارس کی سلطنتوں نے اپنی اس طولانی حکومت کے زمانہ میں بھی اس کی نظیر نہ دیکھی ہوں گی۔

ایسے وسیع و عریض صحن ہیں جن کے عجائب و نوادر دیکھنے کے لئے آنکھوں کو ایک مدت تک سفر کرنا پڑے۔

اور ایسے بلند گنبد ہیں جنہیں دیکھ کر تم کہو کہ ستارے ان گنبدوں سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔

ابن معتز نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام کامل رکھا اس کی چھتیں سونے کی اینٹوں سے پاٹی گئی تھیں اور گرداگرد درخت لگائے گئے تھے۔ بحتری شاعر ان ہواؤں کی تعریف میں جو محل میں چلتیں اور ان درختوں کے متعلق جو ہر طرف جھومتے رہتے کہتا ہے:

لبست من الذهب الصیقل سقوقه نور الایضی علی الظلام الحافل
و تنفست فیه الصبا فتعطفت اشجاره من حول و حوامل
مشی العذ اری الغید رحن عشیة من بین حالیة الیدین و عاطل

اس کی چھتیں سونے کی بنی ہوئی اور روشن و تابندہ تھیں اپنی تابندگی سے تاریکیوں کو منور بنا رکھا تھا۔

بادِ صبا اس میں اٹکھیلیاں کرتی پھرتی اور پھل دار اور بے ثمر ہر قسم کے درخت ہر طرف جھومتے رہتے۔

جیسے رات کے وقت نازک اندام دوشیزائیں تفریح کے لئے نکلی ہوں بعض کے ہاتھ میں زیور ہو بعض بے زیور کے ہوں۔

قصر ثریا خلیفہ معتضد کے بنائے ہوئے محلات میں سے ایک محل تھا بہت ہی وسیع و کشادہ اور اتنا حسین و جمیل اور ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ کہ ابن معتز بھی جس نے عظیم الشان محل تعمیر کیا تھا سے جنوں کی صناعی و کاری گری قرار دیتا تھا۔

مورخ خطیب بغدادی نے سفیر روم اور خلیفہ مقتدر کے ملاقات کے تذکرہ کے سلسلہ میں مقتدر کے قصر کی بڑی جامع منظر کشی کی ہے لکھتے ہیں:

مقتدر کے پاس گیارہ ہزار خواجہ سرا تھے ان کے علاوہ اور بھی کئی ہزار سسلی رومی اور حبشی غلام تھے یہ تو محل کی صرف

ایک چیز کاڈ کرہے زیب وزینت کے اور دیگر سامان اسی مناسبت سے بے حد وحساب تھے، مقتدر کا حکم تھا کہ سفیر کو قصر کی پوری سیر کرائی جائے اور توشہ خانوں میں بھی لے جایا جائے جہاں ایک سے ایک بیش قیمت اور نادر چیزیں اس طرح سجائی ہوئی تھیں جیسے دلہن کے جہیز کا سامان ہو پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور انتہائی بیش قیمت موتی ڈبیوں میں رکھے ہوئے تھے اور ان ڈبیوں پر سیاہ منقش ریشمی کپڑے منڈھے ہوئے تھے۔ گھماتے پھراتے اس سفیر کو اس دالان میں لایا گیا جس میں خالص چاندی کا بنا ہوا درخت استادہ تھا اور اس کا وزن ۵ لاکھ درہم تھا۔ سفیر اس درخت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس درخت پر چاندی کے بنائے ہوئے طیور بھی تھے جو ہوا کے جھونکوں سے حرکت میں آتے اور سیٹیاں بجانے لگتے۔ اس منظر کو دیکھ کر سفیر ہر چیز سے زیادہ متحیر ومتعجب ہوا۔

اس قصر میں جتنے پردے آویزاں تھے ان کی تعداد 38 ہزار تھی وہ تمام پردے ریشم وزربفت کے تھے جن پر گوناگوں نقش ونگار اور ہاتھی گھوڑے اونٹ درندے اور کشتیوں کی تصویریں بنی ہوئیں تھیں بڑے بڑے پردے ارمینیا واسط وغیرہ کی کاریگری وصناعی کے اعلیٰ نمونے تھے جن میں کچھ سادے تھے کچھ منقش۔

پھر وہ سفیر اس مکان میں لے جایا گیا جو اصطبل خانہ کے نام سے موسوم تھا وہ ایسا مکان تھا جس کے رواق زیادہ تر سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھے دائیں حصے میں 500 گھوڑے تھے ہر گھوڑے پر گنگا جمنی زین اور لگام تھی بغیر زین پوش کے اور بائیں طرف بھی 500 گھوڑے تھے ہر گھوڑے پر گنگا جمنی زین اور لگام تھی اور ریشمی زین پوش بھی، ہر گھوڑے کے لئے وردی پہنے ایک خادم تھا پھر وہ سفیر اس مکان میں لے جایا گیا جس میں طرح طرح کے جنگلی جانور سدھائے ہوئے رکھے تھے وہ جانور آدمیوں کے پاس آتے انہیں سونگھتے اور ان کے ہاتھ سے کھاتے۔

پھر وہ سفیر اس جگہ لایا گیا جہاں چار ہاتھی بندھے تھے ہر ہاتھی پر ریشمی منقش پوشش تھی۔ اور آٹھ سندھی اور کچھ آدمی پٹرول چھڑکنے والے متعین تھے۔ سفیر اس منظر کو دیکھ کر بدحواس ہوگیا۔ خوف ودہشت کے مارے دل ہاتھوں سے جاتا رہا۔

پھر وہ سفیر اس مکان میں لایا گیا جہاں حیوانات درندے رکھے جاتے تھے تقریباً سو جانور تھے پچاس دائیں طرف پچاس بائیں طرف۔

پھر وہاں سے اس جگہ لایا گیا جو جوق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہ ایسی جگہ تھی جس کے چاروں طرف باغات تھے اور بیچ میں رانگے کا حوض جدید بنا ہوا تھا اور اس حوض کے چاروں طرف بھی رانگے کی نہر بنی ہوئی تھی چاندی سے زیادہ خوبصورت، حوض کا طول 30 ہاتھ اور عرض 20 ہاتھ تھا اس حوض میں چار کشتیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر زرین کرسیاں بیٹھنے کے لئے تھیں اس حوض

کے چاروں طرف باغات تھے جن میں 5-5 ہاتھ کے درخت ہائے خرمہ چار سو کی تعداد میں لگے ہوئے تھے ہر درخت کو جڑ سے لیکر چوٹی تک منقش آبنوس سے ڈھانک دیا گیا تھا اور اس میں پیتل کے حلقے بنائے گئے تھے اس مکان کے کنارے حوض کے دائیں طرف 15 مجسمے بنے ہوئے تھے یہ ۱۵ گھوڑوں پر سوار پندرہ سپاہی کے مجسمے تھے ہر مجسمہ ریشم وغیرہ کا لباس پہنے تھا ہر سوار کے ہاتھ میں نیزے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا یہ شاہی محاذ جنگ پر صف بستہ دشمن پر حملہ کر رہے ہیں بائیں طرف بھی اسی طرح کے 15 مجسمے تھے۔

جب سفیر روم کو اسی طرح 23 قصروں میں گھما پھرالیا گیا تب اس صحن میں لایا گیا جس کا نام قسینی تھا اس صحن میں نوخیز غلام پورے ہتھیار سجائے کھڑے تھے۔ پھر سفیر کو خلیفہ مقتدر کے حضور لایا گیا۔ جو دجلہ کے کنارے قصر تاج میں بیٹھا ہوا تھا۔ سر پر تاج پہنے جس کا نام طویلہ تھا سر سے پیر تک ریشم وزربفت کے لباس میں ڈوبا ہوا تخت آبنوس کا جس کا فرش بھی منقش ریشمی وزربفتی تھا تخت کے دائیں طرف نوہار موتیوں کے آویزاں تھے بائیں طرف بھی نوہار تھے ایسے ایسے بیش قیمت موتی جن کی روشنی دن کی روشنی پر غالب آتی تھی۔ (ضحی الاسلام جلد اول صفحہ ۱۰۰، ۔ ۱۰۲)

اسی طرح تمام خلفائے بنی عباس ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتے تھے ایک کے بعد دوسرا خلیفہ ہوا اس کی یہی کوشش رہی کہ اسراف اور فضول خرچی میں دوسرے سے بڑھ جائے یہاں تک کہ مہتدی خلیفہ ہوا یہ زہد پسند، انسان تھا لیکن اسے جینا نصیب نہیں ہوا اس کے عزیز واقارب ہی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

وزراء بھی اسراف اور فضول خرچی میں خلفاء سے کم نہ تھے۔

متوکل کے وزیر فتح بن خاقان نے ایسے ایسے اونچے محلات تعمیر کئے جن کے کنگرے آسمان سے باتیں کرتے تھے بحتری کہتا ہے:

ومن شرفات فی السماء کانہا قوام بیضان الحمام المحلق

آسمان میں کنگرے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فضا میں بلند پرواز سپید کبوتروں کے پر و بال ہوں ابن مقلہ وزیر نے اتنی قسموں کے وحوش و طیور اپنے قصر میں اکٹھا کئے تھے کہ کسی حکومت کا خزانہ اتنے وحوش و طیور کے مصارف کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

وزیر ابن فرات بے شمار زمینوں جائیدادوں اور بے تحاشہ دولت کا مالک تھا بلور کے چمچوں سے کھانا کھاتا ایک چمچے کو دوبارہ استعمال میں نہ لاتا ہر لقمہ کے لئے ایک چمچہ ہوتا اس کے دسترخوان پر سو سے زیادہ چمچے رکھے جاتے۔

وزیر مہلبی گلاب کے پھولوں کا دلدادہ تھا ایک شخص جس نے مہلبی کو دیکھا تھا بیان کرتا ہے کہ:

مہلبی کے لئے تین دن میں ہزار دینار کے گل سرخ خریدے گئے اور اس کی بزم میں نچھاور کئے گئے اور اس کے محل کے وسیع حوض میں چھڑکے گئے، اس حوض میں عجیب وغریب فوارے بنے ہوئے تھے گلاب کے پھول حوض میں ڈالے جاتے اور فوارہ ان پھولوں کو مہلبی کی بزم میں منتشر کرتا اور وہ پھول بزم میں بیٹھنے والوں کے سر پر گرتے جب وہ بزم ختم ہونے لگتی تو پھول لوٹ لئے جاتے۔

خلیفہ مقتدر کی ماں کی جوتیوں کے لئے دبیز قسم کا ریشمی کپڑا خریدا جاتا جسے شیاب النعال کہتے تھے اوپر کا حصہ بھی اسی ریشمی کپڑے کا ہوتا اور استر بھی اسی کا اور دونوں کے بیچ میں مشک وعنبر پگھلا کر بھرا جاتا تاکہ دونوں خوب اچھی طرح چپک جائیں ان جوتیوں کو مادر مقتدر دس روز سے زیادہ نہیں پہنتی۔ دس روز کے بعد ان جوتیوں کو نوکر چاکر لے لیتے اور اس کا مشک وعنبر نکال کر کام میں لاتے۔

وزراء وعمال کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ شان وشوکت اور دولت وسرمایہ کی بہتات میں خلفاء سے پیچھے نہ رہیں۔

علی ابن احمد ریاضی گورنر جندیشاپور، سوس اور ماذرپا نے اپنے مرنے پر سونے، چاندی، یاقوت، موتی ہیرے، بلور اسلحے، ساز وسامان وعطریات وپوشاکیں، قیمتی ظروف، غلات ومکانات، گھوڑے، اتنی تعداد میں چھوڑے کہ اگر انہیں غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا تو سبھی دولت مند ہو جاتے۔ نیز اس نے غلاموں، خواجہ سراؤں کالے، گورے نوکروں کی اتنی بڑی فوج چھوڑی کہ اگر اس فوج کے ذریعہ کسی ملک پر چڑھائی کرتا تو وہ ملک فتح کر لیتا۔

اس ایک علی ابن راضی سے باقی دوسرے گورنروں کی دولت وسرمایہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی حالت دولت مند تاجروں کی بھی تھی۔ رہ گئے غریب عوام الناس تو وہ اور ان کی زندگی خلیفہ کے کسی ایک حاجب یا وزیر یا گورنر کے ایک مختصر لفظ یا آنکھ کے ایک اشارہ پر موقوف تھی۔ انہیں امن وسلامتی اور جان کی امان بھی اسی وقت تک نصیب تھی جب تک ارباب اقتدار ان پر ناراض نہ ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

یہ دولت ثروت عیش وعشرت کے ساز وسامان دولت مندوں کو کہاں سے حاصل ہوئے اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان دولت مندوں نے تمام عوام الناس کی بضاعت اور پونجی لوٹ لی تھی ان کی کمائی ہتھیا کر اپنا گھر بھر لیا تھا اور انہیں بد بختی وبے چارگی کے حوالے کر دیا تھا۔ سرکاری محصولات حاصل کرتے اور مال ودولت اکٹھا کرنے کا انتہائی ظالمانہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ خلفاء وزراء یا عمال لگان اور ملک میں جتنے ٹیکس نافذ تھے سب ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتے وہ شخص کروڑ

دس کروڑ روپیے سرکاری خزانہ کو ادا کر دیتا اور خود جتنا جی چاہتا ظلم و زبردستی کر کے لگان اور ٹیکس عوام الناس سے وصول کر لیا کرتا جیسا کہ ترکی کے سلاطین اپنے دور حکومت میں ان اسلامی ملکوں میں کیا کرتے جو ان کے زیر نگین تھے۔

عدالت کا محکمہ بھی اسی طرح درہم و برہم تھا ارباب حکومت برابر عدالت کے کاموں میں دخیل و اثر انداز ہوا کرتے کسی منصف و قاضی کی مجال نہ تھی کہ حکام کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کر سکے۔ رشوت کا شدت سے رواج تھا۔ خلائق کو ناداری و احتیاج روز بروز بڑھتی جاتی اور بدبختی پر بدبختیوں کا اضافہ تھا۔ اس حد تک کہ اگر کوئی مرجاتا تو وہ مبارک باد دیئے جانے کا سزاوار ہوتا نہ کہ لائق تعزیت۔

ابن لنکک بصری کہتا ہے

نحن من الدهر فی احاجیب نور ایتاه فی المنام فزعنا

یصبح الناس فیه من سوء حال حق من مات منهم ان یهنا

ہم زمانہ کی عجیب نیرنگیاں دیکھ رہے ہیں جو کچھ جیتے جاگتے دیکھ رہے اگر خواب میں کہیں دیکھ لیں تو گھبرا کے بیدار ہو جائیں۔

لوگ بدحالی کے اس درجہ کو پہونچ گئے ہیں کہ اگر کوئی مرجائے تو وہ مبارک باد دیئے جانے کا قابل ہے۔

ابن لنکک خدا سے دعا کرتا ہے کہ لوگوں کو صبر ایوب عطا کرے خود ان پر جناب یعقوبؑ کی طرح گریہ وزاری کرتا ہو کہتا ہے:

نحن والله فی زمان عشوم نسال الله صبر ایوب

اقفرت الارض من محاسنها فابك علیها بكا یعقوب

خدا کی قسم ہم ظالموں چیرہ دست زمانے کے قبضہ میں گرفتار ہیں اور خدا سے صبر ایوب کا سوال کرتے ہیں زمین اپنے حسن و جمال سے خالی ہو چکی ہے لہٰذا اس پر جناب یعقوبؑ کی طرح گریہ وزاری کرو۔

لیکن علماء اہل عقل و خرد اور قدر و قیمت رکھنے والے افراد جن کے متعلق حضرت علیؑ نے دونوں فرزند حسنؑ و حسینؑ[1] کو وصیت کی تھی کہ تم ان کی صحبت اختیار کرنا۔ ان کی باتیں توجہ سے سننا اور ان کے درجہ و مرتبہ کو پہچاننا اور عمال و ولاۃ کو تاکید کی تھی

---

[1] امام حسینؑ و امام حسنؑ دوسروں کے محتاج نہ تھے امیر المومنینؑ نے ان حضرات کو اس قسم کی جو وصیتیں فرمائیں بطور ادب و تعلیم فرمائی تھیں جیسا کہ خود امیر المومنینؑ بھی علماء کی تعظیم کیا کرتے۔

کہ ان لوگوں سے ہر کام میں رائے مشورے کرتے رہنا۔ انہیں خصوصی تقرب عطا کرنا ان کی قدر و قیمت کو بڑھانا اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے درمیان تابندہ نور ہیں اور جب تک دنیا باقی رہے گی۔ یہ بھی زندہ رہیں گے یہ خود بھی ہر آفت سے محفوظ ہیں اور خلائق بھی ان عقل و دانش کی وجہ سے محفوظ رہے گی۔

یہی علماء باوجود اپنی اس شان و مرتبہ کے اس عباسی عہد میں انتہائی کسمپرسی، ناداری اور ذلت و بے چارگی کے عالم میں تھے سوا ان صاحبان علم کے جنہوں نے اپنے چہروں کا پانی عباسی خلفا کے آستانوں پر بہا دیا تھا ابوحیان جو بڑا دانشمند اور لائق و فائق مصنف گذرا ہے اور بڑی پسندیدہ مصنفات کا مالک ہے اپنی کتاب الامتاع المؤانسة میں لکھتا ہے:

"میں مجبور ہو گیا اس پر کہ اپنے دین و مروت کو بیچ ڈالوں اور ریاکاری و انفاق سے کام لوں اور ایسے نازیبا کام کروں جنہیں کوئی شریف آدمی قلم بند کرنا پسند نہ کرے"۔

یہ شخص آخر عمر میں دنیا اور زندگی سے اتنا بیزار ہو گیا تھا اور حکومت سے اتنی مایوسی ہو گئی تھی کہ اس نے اپنی کتابیں جلا ڈالیں۔

ابوعلی قالی بھی مجبور ہوا کہ اپنی کتابوں کو جو اس کی عزیز ترین دولت تھی بیچ ڈالے اس کے متعلق کہتا ہے:

السّت بها عشرين حولا و بعتها ... فقد طال وجدي عبدها و حنيني
وما كان ظني انني سابيعها ... ولو خلدتني في السجون ديوني
ولكن لجوع و انتقار صبية ... صغار عليهم تستهل جفوني

بیس سال تک یہ کتابیں میری دلبستگی کا سامان رہیں اور اس کے بعد میں نے انہیں بیچ ڈالا بیچنے کے بعد میرے حزن اندوہ کا ٹھکانہ نہ رہا۔

میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں ان کتابوں کو بیچنے کا ارادہ کروں گا چاہے قرضوں کی وجہ سے برابر میں قید خانہ ہی میں پڑا رہتا۔

لیکن انتہائی محتاج و نادار ہو کر اپنا اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ان کتابوں کے بیچنے پر مجبور ہو گیا۔

خلیب تبریزی کے پاس ازہری کی کتاب تہذیب اللغۃ کا ایک نسخہ کئی جلدوں میں تھا اس کی خواہش ہوئی کہ کسی ماہر فن سے اس کتاب کو پڑھوا کر سنے اور اس کے مطالب کی تحقیق کرے لوگوں نے ابو العلائے معری کا نام لیا اس نے کتاب کو تو

کپڑے میں رکھ کر پیٹھ پر لادا اور معرۃ النعمان کی طرف پا پیادہ چل کھڑا ہوا کیونکہ اتنا پیسہ نہ تھا کہ سواری کا انتظام کرسکتا چلنے میں پیٹھ سے اتنا پسینہ بہا کہ کل جلدیں ناس ہوگئیں یہ خطیب تبریزی زمانہ کی شکایت میں کہتا ہے:

فمن یسام من الاسفار یوماً فانی قد سمت من المقام
اقمنا بالعراق علی رجال لئام نیتمون الی الئام

دوسرے سفر سے تھک جاتے ہوں گے میں قیام سے تھک گیا ہوں۔
عراق میں ایسے لوگوں میں رہنا ہوا جو سب کے سب کمینے اور کمینوں کی اولاد ہیں۔

زمانہ کی کج نگاہی اور شریف انسانوں کے ساتھ اس کی بے شرمی اور بدرفتاری کے متعلق ابن لنلک بصری کہتا ہے:

یازمانا البس الاجرار ذلا و مهانه
لست عندی بزمان انما انت زمانه
کیف نرجو منك خیرا! والعلا فیك مهانه
اجنون ما نراه منك یبدوم مجانه

اے وہ زمانے کہ جس نے شریف انسانوں کو ذلت وخواری کا لباس پہنایا ہے۔
میں تجھے زمانہ نہیں سمجھتا بلکہ تو زمانہ ہے (یعنی تو ایسا مرض ہے جو چلنے پھرنے سے معذور بنا کر زمین گیر بنا دیتا ہے)
تجھ سے نیکی کی امید کیونکر کی جائے کہ تو کمال وہنر کو ننگ سمجھتا ہے۔
ہم جو تیری یہ کیفیت دیکھ رہے ہیں اس کی اصلیت کیا ہے دیوانگی ہے یا بے شرمی وشوخ چشمی۔

بنی عباس کے تمام زمانہ بادشاہت میں خواہ وہ ابتدائی زمانہ ہو یا درمیانی یا آخری عوام الناس دو طبقوں میں منقسم رہے ایک مالداروں کا طبقہ ایک ناداروں کا طبقہ اور دونوں طبقوں میں اپنے اپنے حالات کے لحاظ سے بے شمار اخلاقی خرابیاں رہیں۔ بنی عباس کے آخری زمانہ میں بھی ایسی اخلاقی پستی تھی جیسا کہ ابتدائی زمانہ میں تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

مالداروں کے یہاں عیش وعشرت کی افراط تھی نت نئے طریقوں سے مزے اٹھاتے طرح طرح سے داد عیش دی جاتی فحاشی وشہوت رانی کی انتہا نہ تھی اور ناداروں میں کینہ، حسد، کذب، دروغ، باقی رہ کر فریب کی گرم بازاری تھی فقر وناداری کے عام ہونے کی وجہ سے زہد وتصوف کی بھی کثرت تھی لیکن حقیقت وواقعی تصوف نہیں جو تحصیل اخلاق حمیدہ کی رغبت اور اس دنیا کو ناپائیدار سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ وہ تصوف تھا جو عاجزی، ناکامی اور ناامیدی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اسی فقرو ناداری کے عام ہونے کی وجہ سے دوسری بری عادتیں بھی کثرت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی تھیں جیسے جادو شعبدہ بازی خرافات اور اسی قسم کی دوسری بے ہودہ باتیں کہ جب انسان حقیقی وسائل سے روزی حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو مجبوراً ان جھوٹے وسائل کا سہارا لیتا ہے۔

جو حکومتیں بنی عباس کی سلطنت کے زوال کے بعد منظر عام پر آئیں ان میں طبقاتی اختلافات پہلے سے بھی زیادہ تھے اور اخلاقی خرابیاں زیادہ ہولناک تھیں۔

جس وقت سے دست جفا کار علیؑ ابن ابی طالبؑ کی طرف بڑھا اور حقوق عامہ کے حامی و محافظ علی ابن ابی طالب کو شہید کیا گیا یہ مصائب و آلام عربوں کے مقدر میں لکھے گئے اور نت نئی صورت و شکل میں عربوں پر ہجوم کرتے رہے۔ مشرق والوں پر ان مصائب و آلام کا ہمیشہ کے لئے تسلط قائم ہو گیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

لیکن اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ لوگوں نے کیسے علیؑ کے خلاف سازش کی اور دست گنہ گار آپ کی طرف کیسے دراز ہوا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ضروری نوٹ:

مولف کتاب نے ذرا مبالغہ سے کام لیا ہے یہ ٹھیک ہے کہ اکثر سلاطین بنی عباس ظالم و جفا کار عیش و عشرت کے دلدادہ اور رعایا پر ظلم کے پہاڑ ڈھانے میں انتہائی بدنام ہوئے لیکن ان میں دو چار ایسے بھی گزرے ہیں جو عدل گستر اور انصاف پسند تھے انہوں نے ائمہ طاہرینؑ کے حق کو پہچانا ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ بہتوں نے علم و ادب صنعت وحرفت کی ترویج میں کوشش کی رفاہ عامہ کی سیکڑوں صورتیں نکالیں لاکھوں لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئیں ایسے ایسے رصد خانے بنوائے گئے کہ روم و یونان والوں نے دیکھے بھی نہ ہوں گے بڑے بڑے شفا خانے بنوائے حکماء کی تربیت کی جیسا کہ یہ تمام باتیں تاریخ کے صفحات پر تفصیل سے مذکور ہیں۔ یہ تمام باتیں بغیر سلاطین اور امراء و حکام کی کوششوں کے منظر عام پر نہیں آسکتی تھیں کیونکہ عوام الناس کو ان چیزوں کی اہمیت کا اندازہ بھی نہ تھا۔ اگر سلاطین کوشش نہ کرتے تو یہ عظیم الشان اسلامی تمدن جس نے یونان و مصر وکلدہ کے تمدن کو بھولی بسری داستان بنا دیا ہرگز دیکھنے میں نہ آتا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اسلام میں سازش

جب دنیا کسی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے عاریۃً دیتی ہے اور جب کسی سے اپنا منہ موڑتی ہے تو خود اس کی ذاتی خوبیاں بھی اس سے سلب کر لیتی ہے۔

ہر حق کے مقابلہ کو ایک باطل آمادہ ہے ہر راہ راست کے مقابلہ میں کجی ہے۔ ہر زندہ کے لئے قاتل ہے ہر دروازہ کے لئے کنجی ہے اور ہر شب کے لئے چراغ ہے۔ (الامام علیؑ)

آپ تاریخ عالم پر نظر کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکومت واقتدار تک پہونچنے کے لئے ہمیشہ سے سازشیں ہوا کیں۔ جس روز سے کہ انسانی معاشرہ عالم وجود میں آیا حکومت کی بنیاد پڑی اسی دن سے انسان کی اس سے بڑی کوئی تمنا نہ رہی کہ حکومت کے مالک ہم ہوتے۔ اس حصول دولت واقتدار کے لئے انسان نے انفرادی حیثیت سے بھی جدوجہد کی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔

نہ معلوم کتنی جماعتیں اس جنگ زرگری اور کشاکش اقتدار میں خود اپنے خون میں غرق ہوئیں اور ریاست وسیادت کی طمع میں دوسروں کو بھی انہوں نے موت کے گھاٹ اتارا۔ کوئی قوم بھی اس ہولناک ہلاکت و بربادی سے محفوظ نہ رہی۔

اگلی قوموں میں بہت زیادہ کشت وخون ہوا کیا۔ کیونکہ پہلے زمانہ میں حکومت واقتدار کی طمع وحرص اتنی شدید تھی کہ کسی طرح ان کی روک تھام ممکن ہی نہ تھی۔ جس شخص کو ہلکی سی امید بھی ہوتی کہ میں تخت حکومت تک پہنچ سکتا ہوں وہ اس کے حصول کے لئے ہر چیز داؤں پر لگا دیتا یہاں تک کہ اپنی جان بھی۔ اسی لئے کہ جو شخص حکومت کا مالک ہوتا وہ ہر چیز کا مالک ہوتا۔ ہر طرح کی نعمت ہر قسم کا اختیار واقتدار اور جملہ انواع واقسام کے سامان عیش ولذائذ زندگی سلاطین کو میسر تھے وہ سیاہ وسپید کے مالک ہوا کرتے، ان پر کسی قسم کی جوابدہی نہ ہوتی نہ ان سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا ہوتا وہ اپنے کو اتنا سر بلند اور ارفع و اعلیٰ سمجھتے کہ بسا اوقات خدائی کا دعویٰ تک کر بیٹھتے۔

حکومت حاصل کرنے کے لئے یا حکومت کی حفاظت اور مسند حکومت پر جمے رہنے کے لئے جو سازشی کاروائیاں اور سیاسی گروہ بندیاں ہوئیں ان کے ذکر سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں اور اتنے بے شمار افراد کا خون بہا ہے کہ نہریں جاری ہوگئی ہیں۔

ہم گزشتہ زمانہ کے بادشاہوں کی حکومتوں کی تاریخ کو مختصر لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ وہ یا تو کسی مخالف کی سرکوبی کی داستان ہے یا کسی دوسرے کمزور بادشاہ کو زیر کرنے کا قصہ یا ان عوام کو کچلنے کی سرگزشت جو بادشاہ کے ظلم وستم سے رہائی پانے اور آزادی وانصاف کے لئے کوشاں ہوئے۔

تو یہ تیاریاں اور یہ کوششیں بھی تو شر ہی شر ہوتیں ڈکیتی اور رہزنی سے بھی بدتر جس طرح چور ڈاکو پرائے مال کو ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح حکومت واقتدار کے حریص ملک ودولت اور زمین کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے کوششیں کرتے ہیں اور کبھی یہ سب کوششیں خیر ہی خیر ہوتیں اور وہ یہ کہ نیکوکار اور مصلحتیں رفع شر اور ترویج عدل وداد کے لئے اور چھپے ہوئے حق کو واپس پانے کے لئے جدوجہد کرتے۔

تاریخ کے صفحات پر ہمیں دونوں قسم کی سازشوں کے تذکرے ملتے ہیں وہ بھی جو دولت وحکومت ہتھیانے یا حکومت کو مضبوط بنانے کیلئے کی گئیں اور وہ بھی جو چھپے ہوئے حق کو واپس پلٹانے کے لئے ہوئیں یعنی ظلم وستم پیشہ افراد کے حصول دولت وحکومت کے لئے سازشیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حکومت کے لئے جو سازشیں ہوئیں ان میں زیادہ کشت وخون قتل وغارت ہوا بہ نسبت ان سازشوں کے جو طالبان آزادی کی طرف سے ظہور میں آئیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اسلام کی تاریخ بھی اسی طرح سیاسی سازشوں سے مملو ہے جس طرح دیگر اقوام وملل اور زمانہ جاہلیت کے عربوں کی تاریخیں۔

لیکن یہ سازشیں نہ تو دعوات اسلامی سے کوئی نسبت رکھتی ہیں نہ اسلام نے انہیں جائز ہی قرار دیا تھا۔ اسلام تو صلح وصفائی، نیکی وحسن سلوک کا خواہاں اور آداب وقوانین اجتماعی کا پاس ولحاظ چاہتا ہے جبکہ سازش ایسی چیزوں کو تباہ وبرباد کر دیتی ہے۔

اس سازش کی ابتدا اس وقت ہوئی جب کہ قریش والوں نے اپنے جاہ واقتدار کی حفاظت اور بت پرستی کے عقائد کو محفوظ بنانے کو پیغمبر ﷺ اور اصحاب پیغمبر ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے رائے مشورہ کیا۔

قریش والوں کا مشورہ اور ان کی سازشیں ظاہراً تو اپنے آباؤ اجداد کے دین ومذہب کی حفاظت کے لئے تھیں لیکن باطناً سیاسی اغراض ومقاصد کارفرما تھے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور بڑھتے ہوئے اثر واقتدار نے قریش کی دینی سرداری ختم کر دی تھی اور اس دینی سرداری کی بدولت انہیں جو فوائد ومنافع حاصل ہوتے تھے وہ ان سے محروم ہو چکے تھے۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق سیاست ومذہب دونوں ایک دوسرے سے وابستہ وپیوستہ تھے جو دینی سردار ہوا کرتا اسی کے ہاتھ میں انتظام ملک کی باگ ڈور بھی ہوتی ہے۔

اس روز قریش والوں کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی جب انہیں خبر ملی کہ پیغمبر ﷺ اپنے اصحاب کو مکہ سے مدینہ روانہ کرنے کے بعد اب خود بھی عازم سفر ہیں اس خبر کو سن کر قریش والوں کی آنکھوں میں دنیا تیرہ وتار ہوگئی، ان کے دلوں پر حزن واندوہ کے پہاڑ پھٹ پڑے وہ رائے مشورہ کے لئے دارالندوہ میں اکٹھا ہوئے۔ عرب کے دوسرے قبائل کے سرداروں کو بھی شریک کیا۔ سب سر جوڑ کر بیٹھے اور پیغمبر خدا ﷺ کے متعلق رائے مشورہ ہوا کہ کیونکر ان کی روک تھام کی جائے۔ لوگوں نے

مختلف رائیں پیش کیں بالآخر طے یہ ہوا کہ ہر ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی منتخب کئے جائیں اور یہی آدمی مل کر ایک ساتھ تلواروں سے پیغمبر ﷺ کا خاتمہ کر دیں اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور بنی ہاشم اکیلے تمام قبیلوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ قریش والوں کی یہ سیاسی سازشیں اس وقت تک ختم نہ ہوئیں جب تک پیغمبر ﷺ ہولناک اذیتوں حوصلہ فرسا تمسخر و استہزا اور دشمنوں کی عداوت و انتقام کو جھیلتے ہوئے کامیابی کی منزل تک نہ پہنچ گئے اور آپ کے گرد پاک فطرت جاں نثاروں کی خاصی تعداد اکٹھا نہ ہوگئی اور قریش والے بالکل مایوس ہو کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہ ہو گئے۔

مسلمانوں میں بھی باہم صلاح و مشورے ہوئے ہیں مگر ان کی نوعیت دوسری ہوتی تھی یہ صلاح و مشورے عمدہ و مستحسن مقاصد کے حصول شر و فساد کے دفعیہ اور نفاق کے مقابلہ میں ایمان کو سربلند کرنے کے لئے ہوتے تھے جیسے مسلمانوں کا وہ صلاح و مشورہ جو اسود عنسی کا قصہ پاک کرنے کے لئے ہوا تھا۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب اسلام کی مقبولیت کافی بڑھ گئی اور جوق جوق گروہ و قبائل حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، اسلام کی حقانیت و صداقت دنیا تسلیم کرنے لگی۔ تو بعض لوگوں نے لالچ میں آ کر خود بھی ادعائے نبوت کر دیا یہ سمجھے نہیں کہ آپ کا دعوائے رسالت خالی دعویٰ نہیں بلکہ یہ خداوندی عطیہ ہے اور ان کا دعویٰ محض زبانی ہے۔

ان جھوٹے مدعیان نبوت میں سب سے زیادہ بااثر اور صاحب جاہ و اقتدار اسود عنسی تھا اس نے بڑی جمعیت فراہم کر لی اور اس جمعیت کو ساتھ لے کر یمن جا پہنچا تاکہ وہاں سے جزیرۂ عرب کے دوسرے حصوں پر قابض ہونے کی کوشش کرے۔

ایسی صورت میں یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ یمن کے بہت سے مسلمان مرتد ہو کر اسود عنسی سے جا ملے ہوں ان لوگوں کا اسلام ابھی بالکل کمزور تھا، اسلام کی حقانیت و صداقت ابھی ان کے دلوں میں پورے طور پر گھر نہ کر سکی تھی اس لئے کہ حجاز میں جو گہوارۂ اسلام تھا اور یمن میں جہاں اسود نے جا کر ڈیرا جمایا بہت سے ریگستان اور بے آب و گیاہ صحرا حائل تھے۔ مکر و فریب کو کسی زمانہ میں ساتھیوں کی کمی نہ رہی جاہل و نادان افراد بہت زیادہ ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔

پیغمبر خدا ﷺ کو تردد ہوا کہ کہیں اسود عنسی یمن میں فتنہ نہ کھڑا کر دے کیونکہ ابھی آفتاب اسلام کی ضیاپاشیاں سرزمین یمن کو پوری طرح منور نہ کر سکی تھیں اور اس وقت سے عنسی نے وہاں ایک حکومت کی تشکیل کر لی تھی اور ارادے یہ تھے کہ پورے جزیرہ عرب کو اپنے لپیٹ میں لے لے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے یمن عاملوں کو فرمان بھیجا کہ سب مل کر اسود عنسی کے فتنہ کو ختم کرنے کی تدبیریں کریں اور جس تدبیر سے بھی اس کی سرکوبی ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کریں۔

عاملوں نے باہم رائے مشورے کئے اور انہیں یہی تدبیر مناسب معلوم ہوئی کہ اسود پر ناگہانی حملہ کر دیا جائے عاملوں

نے اسود عنسی کی بیوی سے سازش کی۔ بیوی نے اس عداوت کے سبب جو اسے اپنے شوہر سے تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ مسلمانوں کو اس کی خواب گاہ تک پہونچایا۔ مسلمانوں نے اس کے سر پر پہونچ کر اس کا کام تمام کر دیا اس کی نبوت بھی خاک میں مل گئی اور سلطنت و بادشاہت بھی۔

پیغمبرؐ کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ آیا۔ سب سے پہلے ابوبکر خلیفہ ہوئے اور اس وقت جزیرہ نمائے عرب کی جو کیفیت تھی اس سے مسلمانوں کا غافل رہنا ناممکن تھا۔ اسلام نے بہت سے لوگوں کی تمنائیں خاک میں ملا دی تھیں جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ سینے کینہ و عداوت سے مملو تھے، وہ تاک میں تھے کہ کب موقع ملے اور ہم کھویا ہوا اقتدار چھنے ہوئے منافع کو حاصل اور اپنی سرداری اور عزت کو پھر سے بحال کر لیں۔ جب یہ صورت حال تھی تو اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ دینی سرداری اور دنیوی ریاست دونوں کو ایک دوسرے میں سمو دیا جائے تا کہ حالات میں استحکام پیدا ہو اور روسائے قریش کی طمع و ہوس کا ہمیشہ کے لئے سد باب ہو جائے کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کے دنیا سے اٹھتے ہی ہوا و ہوس ان اکابر و معززین قریش کے سینوں میں انگڑائیاں لینے لگی تھیں ان میں باہمی صلاح و مشورے ہونے لگے کہ کیسے اسلام کے قلاوہ کو اپنی گردنوں سے نکال پھینکیں جسے انتہائی مجبور ہو کر انہوں نے گلے میں ڈال لیا تھا اور پھر اپنی سابق گمراہی کی طرف پلٹ جائیں۔ یہ انہیں لوگوں کی سازشیں تھیں جن کی بنا پر ابوبکر کو اپنی دو برس کی خلافت کا بہت بڑا حصہ ان لوگوں سے لڑنے میں صرف کرنا پڑا۔

حضرت عمر کے عہد میں بھی اسلام کے خلاف ان تیاریوں اور سازشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عمر نے نئے نئے معرکے سر کئے۔ جدید کامیابیاں حاصل کیں۔ وہ ابھی قیصر و کسریٰ کے کھنڈرات پر اسلام کا قلعہ تعمیر کرنے میں مصروف ہی تھے کہ ایک مہلک تلوار نے ان کا کام تمام کر دیا۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ ابولولو نے محض ذاتی عداوت کی بنا پر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی اگر چہ بہت سے مورخین اسلام اور مستشرقین یورپ نے حضرت عمر کی ہلاکت کی وجہ ابولولو کے کینہ و عناد کو قرار دیا ہے جو وہ ان سے محض اس وجہ سے رکھتا تھا کہ انہوں اس کے لگان میں کمی منظور نہیں کی تھی لیکن یہ بات بعید از قیاس نہیں کی ابو لولو کا یہ اقدام معززین و سرداران قوم کی مخفی سازشوں کا نتیجہ ہو کیونکہ حضرت عمر نے ان لوگوں کو ذخیرہ کرنے مال ہتھیانے اور ان کے اثر و اقتدار کی بڑی حد تک روک تھام کر دی تھی۔

حضرت عمر اپنے عمال سے سختی کے ساتھ محاسبہ کرتے ان کی دولت و جائیداد کو آدھا آدھ بانٹ لیتے۔ سعد بن ابی وقاص کو جاہ طلبی کے جرم میں خانہ قید بھی کر دیا تھا۔ یہ سب لوگ اپنے دلوں میں ہزاروں تمنائیں پرورش کر رہے تھے حکومت و اقتدار

ا مصنف نے اس بات کی طرف توجہ نہ کی کہ حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت خود بڑی سازش کا نتیجہ و ثمرہ تھی اور انہوں نے اپنے عہد میں جتنی لڑائیاں لڑیں زیادہ تر اسی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے دیکھئے حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ۔

کے خواہاں اور بیت المال کی دولت کو اپنا خاص حق سمجھتے تھے۔ حضرت عمر ان کے مقابلہ میں نرم نہیں ہوئے نہ ان کے ساتھ دنیاداری اور ریاکاری کا برتاؤ کیا۔ ان لوگوں نے جب اپنی آرزوؤں کا خون ہوتے اور اپنے مقصد میں ناکامی محسوس کی تو ایک شخص کو ورغلا کر ان کا قصہ پاک کرا دیا۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ہوئے وہ بھی سازشوں کی بھینٹ چڑھے لیکن ان اسباب میں جو حضرت عمر کی ہلاکت کا باعث ہوئے اور ان اسباب میں جن کی بنا پر حضرت عثمان قتل ہوئے زمین آسمان کا فرق تھا۔ حضرت عثمان نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو سر چڑھا رکھا تھا ان کے متعلق یہ خیال ان کے دل میں قائم تھا کہ یہ قریبی اعزہ میرے بڑے ہمدرد اور شریف طبیعت افراد ہیں ان کا سرغنہ مروان بن حکم تھا۔

حضرت عثمان نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی حضرت عمر کے مقرر کردہ ان تمام ولاۃ وعمال کو معزول کر دیا تھا جنہیں حضرت عمر کی نگاہ انتخاب نے چنا تھا اور حضرت عمر نے جنہیں عادلانہ سیرۃ کی تعلیم دی تھی اور بجائے اپنے رشتہ داروں اور قرابت مندوں کے انہیں فوقیت بخشی تھی۔ پھر حضرت عثمان نے یہ کیا کہ تمام کلیدی عہدے اپنے خاندان کے لوگوں کے حوالے کر دیئے، ان کی مرضی اور خواہش پر چلے انتظام مملکت اور بیت المال کی دولت اڑانے میں انہیں آزاد چھوڑ دیا۔

تمام اسلامی شہروں کے عمال وحکام جو حضرت عثمان ہی کے عزیز رشتہ دار تھے انہوں نے خود مختاری سے کام لیا اپنی حکومت کے رعایا کو خوب لوٹا کھسوٹا ان کی زندگی تلخ کر دی اور ان کی گاڑھی کمائی لے لے کر اپنا گھر بھر لیا۔ اسی زمانہ میں خلافت ذلیل و بدنام ہوئی اور اسے ذاتی منفعت حرام خدا حلال بنانے اور دینی و دنیوی قوانین کی مخالفت کرنے کا ذریعہ سمجھا جانے لگا۔

جب مختلف شہروں کے وفود یہ توقع کرتے ہوئے کہ جس طرح حضرت عمر عدل وانصاف سے کام لیتے تھے یہ تیسرے خلیفہ بھی اسی طرح عدل وانصاف سے کام لیں گے ان عمال وحکام کے ظلم واستبداد اور لوٹ کھسوٹ کی شکایتیں لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے حضرت عثمان نے انہیں تسلی دلاسہ دے کر واپس کر دیا۔ وہ یہ امیدیں لے کر خوش خوش گھر پلٹے کہ بارگاہ خلافت سے جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً شرمندہ تعمیل ہوں گی۔ یہ لوگ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ ایک ناقہ سوار انہیں تیزی سے جاتا ہوا مل گیا جب اسے پکڑا اور تلاشی لی گئی تو مروان کا خط برآمد ہوا جس میں عمال وحکام کو تاکید کی گئی تھی کہ یہ جو وفود آئے تھے جیسے ہی یہ واپس پہونچیں ان کے سرغنوں کو قتل کر ڈالا جائے۔ یہ لوگ اُلٹے پیروں دار الخلافت مدینہ واپس پلٹے اور مطالبہ کیا کہ مجرم یعنی مروان کو ہمارے حوالے کیا جائے حضرت عثمان نے انکار کیا اُدھر سے اصرار بڑھا۔ حضرت عثمان ان لوگوں کی ایک بات بھی ماننے پر تیار نہ ہوئے ان لوگوں کی برہمی بڑھتی گئی وہ آپے سے باہر ہوتے گئے اور نوبت یہ آئی کہ حضرت عثمان خانہ نشین ہونے پر مجبور ہو گئے۔

علی ابن ابی طالبؑ نے بڑی کوششیں کیں کہ یہ جھگڑے معقول طریقے سے مٹ جائیں مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے اس لئے کہ حضرت عثمان اپنی جگہ سے ذرہ برابر ہٹنے پر تیار نہ تھے حضرت عثمان کی اس ضد نے برہم مجمع کو اور غضب ناک کر دیا۔ان باہر سے آئے ہوئے وفود کا پہلو اس لحاظ سے اور قوی ہو گیا کہ مدینہ اور آس پاس کے لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔انہوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا جب خطرہ حد سے زیادہ بڑھ گیا اور یہ یقین ہو گیا کہ گھر میں جتنے لوگ ہیں وہ بچ نہ سکیں گے تو حضرت عثمان کے سارے عزیز ورشتہ دار یکہ وتنہا چھوڑ کر شام کی طرف بھاگ گئے جہاں ان کے خاندانی عزیز معاویہ بن ابی سفیان گورنر شام ان کے چشم براہ تھے۔صرف گنتی کے چند نفر حضرت عثمان کی حفاظت کے لئے موجود رہے جن کے سردار حسنؑ وحسینؑ فرزندان علیؑ تھے۔یہ لوگ دروازے سے ہٹے نہیں اس خیال سے کہ غضبناک مجمع حضرت عثمان کو کہیں گزند نہ پہونچائے۔

۴۰ روز تک محاصرہ جاری رہا۔حضرت عثمان کے مخالفین محاصرہ کو سخت کرتے گئے اور ادھر سے دفاع کرنے والوں کا عزم وارادہ بھی پختہ ہوتا گیا مگر بوڑھے خلیفہ کی موت مقدر ہو چکی تھی کچھ لوگ دیوار پھاند کر گھر میں گھسے اور ان کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد سب سے بڑی جو سازش عرب کی تاریخ میں ہوئی۔وہ سازش تھی جو علیؑ کی جان لینے کے لئے کی گئی نیز ہر اس شخص کی جان لینے کے لئے جو آپ کی روش پر چلا جیسے آپ کے فرزندان وانصار،نیز ان کے علاوہ دوسرے افراد بھی جیسے بزرگ ترین بنی امیہ عمر ابن عبد العزیز جو اپنی قوم اور عوام الناس میں عدالت وحق کے مسلک پر گامزن رہے۔جن کی خواہش تھی کہ عوام الناس یوں ایک دوسرے کے برابر ہوں جس طرح کنگھی کے دانے برابر ہوتے ہیں جنہوں نے فتوحات اور لوٹ مار کا سلسلہ بند کیا جس کی وجہ سے انہیں کی قوم بنی امیہ والوں نے ان کے خلاف سازش کر کے ان کا کام تمام کر دیا۔

علیؑ کے خلاف یہ زبردست وہمہ گیر سازش اپنی آغوش میں بے شمار سازشیں سمیٹے ہوئے تھی اس کے نتائج یہ رونما ہوئے کہ مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔شیعیان علیؑ کو سخت سے سخت عذاب وعقاب میں مبتلا کیا گیا۔تاریخ کی ایک طویل مدت تک بنی ہاشم کو مبتلائے مصائب کرنے جلاوطن کرنے اور انہیں تباہ وبرباد کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔

قبل اس کے کہ ہم اس سازش کی تفصیلات کا ذکر کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم بنی امیہ کے خاندان پر جو سازش کا کرتا دھرتا تھا،روشنی ڈالتے چلیں۔نیز اس طویل مدت میں بنی امیہ کے صفات واخلاق اور بنی ہاشم کے صفات واخلاق کیا رہے۔دونوں میں موازنہ کرتے چلیں تاکہ ان حقیقی وواقعی اسباب کے سمجھنے میں آسانی ہو جن کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان وہ کشت وخون برپا ہوا اور وہ ہولناک جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ صدیوں جاری رہا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

قریش کے دو خاندان

جب اولاد ابی العاص کی تعداد ۳۰ تک پہنچ جائے گی تو یہ مال خدا کو کھلونا اور بندگان خدا کو اپنا غلام بنالیں گے۔ (پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہ وہی رشوت خور لوگ ہیں کہ اگر تمہارے حاکم بنا دیئے جائیں تو تم میں غیظ وغضب فخر و ناز جاہ و جبروت تسلط واقتدار کا مظاہرہ کریں گے اور روئے زمین پر فساد پھیلائیں گے۔ (علی ابن ابی طالبؑ)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل ٹھیک ہی کہا تھا کہ ''میری امت کی ہلاکت قریش کے نوخیز نوجوانوں کے ہاتھوں ہوگی''۔ یہ نوخیز نوجوان جن کا حوالہ زبان رسولؐ پر آچکا تھا، ہنگامہ خیزیوں اور سازشی کاروائیوں کے لئے اس مکان میں پیدا ہوئے جو یزید بن معاویہ جیسے بے حیاؤں کا گہوارہ تھا۔

پیغمبرؐ نے دیکھا کہ ایک وقت میں یہ جماعت اپنی سرداری اور ریاست کو محفوظ رکھنے کے لئے جنگ وجدال کا بازار گرم کئے ہوئے ہے اور پھر ایک روز حکومت وامارت حاصل کرنے کے لئے اطاعت قبول کرکے اظہار اسلام بھی کر رہی ہے۔ پیغمبرؐ نے جب اطراف عالم پر نظر دوڑائی اور ان افراد کو دیکھا تو کرب واندوہ کے ساتھ فرمایا کہ ''میری امت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہوگی۔

یہ چند نوجوان کون تھے؟ خاندان قریش کی تاریخ کو جس کا میں ذکر کرنے جارہا ہوں اپنی نظر کے سامنے رکھئے تاکہ ان میں سے ایک ایک کی پوری شناخت ہوسکے۔

بنی امیہ و بنی ہاشم کی عداوت بہت پرانی تھی جبکہ ان دونوں کے درمیان حکومت واقتدار کی کشاکش پیدا بھی نہ ہوئی تھی۔ بلکہ اسلام کو غلبہ بھی نصیب نہ ہوا تھا تب سے یہ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔

ان دونوں کی باہمی عداوت کوئی ایک دو وجہوں سے نہ تھی بلکہ داخلی وخارجی جتنے قوی سے قوی اسباب ہوسکتے تھے وہ تمام اسباب ایک ایک کرکے مجتمع ہوگئے تھے۔ قبائلی تعصب احساس برتری پرانے کینے، اپنے مقتول عزیزوں کے انتقال کا جذبہ جو برسہا برس سے وراثتاً چلا آرہا تھا سیاسی نظریات ذاتی جذبات طرز معیشت کی مغایرت، انداز فکر کا اختلاف وغیرہ وغیرہ غرضکہ بہت سی باتیں تھیں جنھوں نے دونوں کو ایک دوسرے کا حریف بنا رکھا تھا۔ بنی امیہ و بنی ہاشم زمانہ جاہلیت ہی سے منصب وسرداری کے مالک تھے لیکن بنی ہاشم کی سرداری دینی سرداری تھی اور بنی امیہ کی سرداری سیاسی حیثیت سے تھی اور یہ تجارت پیشہ اور

صاحبان دولت وثروت بھی تھے۔

تمام اسلامی مورخین اور مستشرقین یورپ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بنی ہاشم اسلام سے پہلے بت پرست کاہنوں کی طرح جوڑ توڑ اور مکروفریب کے خوگر نہ تھے۔ نہ اپنی مذہبی قیادت اور دینی سرداری کی آڑ میں وہ سادہ لوح عوام کو فریب دیتے نہ دوسروں کا مال ہتھیا کر اپنا گھر بھرنے کی کوشش کرتے اور نہ اپنی ذاتی منفعت کو پیش نظر رکھتے بلکہ وہ اس کے برعکس پروردگار خانہ کعبہ پر ایمان رکھتے اور حلال وحرام خدا کے دل سے معتقد تھے ان کی شریعت میں مظلوم کی نصرت، بے سہارا لوگوں کی ہمدردی ظلم کا دفعیہ، ناداروں کی حاجت روائی بے بسوں کی دستگیری واجب تھی وہ اپنے ایمان میں سچے تھے نہ کسی کو فریب دیتے نہ نفاق جائز سمجھتے۔ چنانچہ عبدالمطلب پیغمبرؐ خدا اور علی ابن ابی طالبؑ کے جد نامدار قریب تھا کہ اپنے ایک فرزند کو۔۔۔خدا کی راہ میں قربان کر دیتے۔ کیونکہ وہ اپنے پروردگار پر ایمان صادق رکھتے اور نذر کر چکے تھے کہ اگر میرے دس فرزند زندہ رہے تو میں ان میں سے ایک کو آستانہ کعبہ پر خدا کے لئے قربان کردوں گا اور انہیں اپنی نذر کی تکمیل کا اس وقت تک اطمینان نہ ہوا جب تک اپنے ایمان کی ہدایت سے یہ یقین نہ کر لیا کہ فرزند کو ذبح کرنا خدا کی خوشی کا باعث نہ ہوگا وہ اپنے عقائد میں پختہ تھے مظلوم کی مدد بے آسراؤں کی نصرت وہمدردی اور حاجت مندوں کی حاجت روائی میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہ کی ان باتوں میں انہیں اتنا اہتمام تھا اور ایسی سچی لگن تھی کہ خاص ان باتوں کے لئے انہوں نے قریش کے چند قبائل کے ساتھ باہمی معاہدہ کر رکھا تھا۔ بنی امیہ اس معاہدہ میں شریک نہ تھے اس معاہدہ کی خاص دفعہ یہ تھی کہ مظلوم کا ساتھ دے کر اس کو اس کا حق دلوائیں گے اور اقتصادی ومعاشی امور میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے صاحبان قوت وطاقت کو ظلم وستم سے روکیں گے اور لوگوں کو غریبوں کی ایذا رسانی سے باز رکھیں گے۔

اس معاہدہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ قریش کے ایک شخص نے کسی پردیسی سے کچھ چیزیں خریدیں اور وعدہ کیا کہ اتنی مدت

---

۱ شمس العلماء شبلی نعمانی لکھتے ہیں ''انہوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کردیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی دسوں بیٹوں کو لیکر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کیجئے ان کو چھوڑ دیجئے۔۔۔۔عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔۔۔عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس کر دیئے یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہونچی تو قرعہ اونٹوں پر آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۲)

تاریخیں بتاتی ہیں کہ سو اونٹ پر قرعہ آنے کے بعد بھی جناب عبدالمطلب کو اطمینان نہ ہوا، فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا جب تک سو اونٹ اور عبداللہ پر تین مرتبہ قرعہ نہ ڈالا جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا۔

کے بعد قیمت ادا کر دیں گے۔ مقررہ مدت پر اس قریشی نے قیمت ادا نہ کی اسے اپنی خاندانی وجاہت اور اعزہ واحباب کی طاقت کے بھروسے اطمینان تھا کہ قیمت کی ادائیگی پر مجھے کوئی مجبور نہ کر سکے گا۔ پھر جس شخص سے چیزیں خریدیں تھیں وہ معمولی خاندان کا غریب الوطن اور بے یار و مددگار بھی تھا لیکن بنی ہاشم اس غریب الوطن کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے انھوں نے آپس میں اس کا ساتھ دینے، قریشی سے روپیہ وصول کرنے اور دادخواہی اور عدل وانصاف پر باہم عہد و پیمان کر لیا لیکن یہ عہد و پیمان چونکہ بنی امیہ کے مزاج کے موافق نہ تھا اس لئے انہوں نے پوری سرگرمی سے اس کی مخالفت کی۔

یہ مذہبی قیادت اور دینی سرداری جو بنی ہاشم زمانہ جاہلیت میں نسلاً بعد نسل آباؤ اجداد سے بطور میراث پاتے رہے ان کی طبیعت اور سرشت کے مطابق تھی۔ پاکئ فطرت اور شرافت طبعی انہیں اپنے باپ دادا سے ملی تھی، ہر اولاد اپنے باپ کے کمالات وفضائل کی آئینہ دار ہوتی رہی۔۔۔۔ فضل وشرف نسلاً بعد نسل بنی ہاشم میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ خداوندعالم نے پیغمبرؐ خدا کو خاندان بنی ہاشم کے اخلاق وکمالات کا نمائندہ بنا کر مبعوث بہ رسالت کیا اور ساتھ ہی ساتھ علی ابن ابی طالبؑ کو۔

آپ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد بنی ہاشم کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے خواہ یہ تاریخ سو برس کی ہو یا دس برس کی یا پانچ سو برس کی آپ دیکھیں گے کہ بنی ہاشم (میری مراد اولاد ابی طالبؑ سے ہے) تمام اوصاف وکمالات میں اپنے آباؤ اجداد کے نمونہ رہے۔ جیسی مردانگی وشجاعت پاکیزہ نفسی صدق وصفا وفاداری اور دل وزبان کی یکسانیت باپ دادا میں رہی وہی پوتوں پر پوتوں میں بھی تاریخ ہر دور میں اپنے ورق الٹ پلٹ کر دکھاتی رہی جو آیا وہ اپنے جد واب کا نمونہ بن کر آیا۔

اگر یہ خاندان فطری طور پر پسندیدہ صفات وکمالات کا حامل نہ ہوتا۔ شرافت ان کا ذاتی جوہر نہ ہوتی تو یہ خاندان طہارت و پاکیزگی کا نمونہ ہرگز نہ بنتا کیونکہ اس زمانہ میں انانیت وخود پرستی خوشامد وتملق اور جاہ پسندی کی عام طور پر وبا پھیلی ہوئی تھی سبھی کے اخلاق ذلیل و پست تھے اور دنیا اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ پستی میں جانا آسان ہے بہ نسبت بلندی کی طرف جانے یا اپنی جگہ مضبوطی سے جمے رہنے کے مگر بنی ہاشم باوجود فضا کی ناسازگاری اور زمانہ کے فاسد ہونے کے ذرہ برابر متاثر نہ ہوئے اور ان کی پاکئ فطرت اور فضائل وکمالات جوں کے توں باقی رہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

لیکن بنی امیہ اس کے بالکل برعکس تھے یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں صاحبان تجارت وسیاست تھے اور جس شخص کے قبضہ میں تجارت وسیاست دونوں ہوں گی ظاہر ہے کہ دولت وثروت اثر واقتدار کا وہی مالک ہوگا۔ اور اس کی یہی کوشش ہوگی کہ ان تمام چیزوں کا میں ہی مالک رہوں یہ تمام چیزیں میرے ہی خاندان کے لئے مخصوص رہیں۔ کوئی بھی بافہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو شخص خود بھی تجارت کا مشغلہ رکھتا ہو اور اس کے عزیز واقارب بھی تجارت کا پیشہ کرتے ہوں وہ اپنی غرض

نکالنے کے لئے جو چاہے کرسکتا ہے کہ کم سے کم یہ تو کر ہی کرسکتا ہے کہ خریداروں پر ظلم کرے، ذخیرہ اندوزی دھوکا فریب ٹال مٹول سے کام لے۔

بنی امیہ نے انہیں باتوں کو اپنے لئے پسند کیا کیونکہ یہ باتیں ان کی طبیعت کے موافق تھیں جیسا کہ بنی ہاشم نے اپنی فطرت و سرشت کی مناسبت سے پاکیزہ مزاجی سلامت روی اور عفت و پاکدامنی کو منتخب کیا۔ بنی امیہ ان باتوں میں پوری مہارت رکھتے تھے مدتوں ہی سے وہ یہی سب کچھ کرتے آرہے تھے ان باتوں کے تمام اصول وفروع کلیات وجزئیات کو انہوں نے اتنا برتا تھا کہ یہ سب باتیں ان کی فطرت وطینت کا جز بن چکی تھیں۔ وہ مظلوموں کی مدد سے پہلوتہی کرتے تھے اس لئے کہ مظلوموں کی مدد انہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچاتی نہ ان کی دولت میں اضافہ کرتی بلکہ اس میں کچھ اپنی ہی گرہ سے خرچ ہونے کا امکان تھا۔ نیز یہ کہ چونکہ وہ خود ظالم تھے اس لئے اس معاہدہ میں شرکت اپنے ہی خلاف حجۃ قائم کرنا اور اپنی ہی گردن پھنسانی ہوتی۔

بنی امیہ کے مورث اعلیٰ امیہ کو ہاشم جیسی پاکیزہ نفسی اور پرہیزگاری نصیب نہ تھی جو اسے شریف عورتوں سے تعرض کرنے سے باز رکھتی جس وقت کہ عبدالمطلب، علیؑ کے جد اور حرب بن امیہ معاویہ کے جد میں نزاع ہوئی اور یہ دونوں فیصلہ کے لئے نفیل بن عدی کے پاس گئے تو نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور ان کی مدح وستائش کی اور امیہ کے سامنے ایک شعر پڑھا جس میں امیہ اور ہاشم دونوں کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی۔

ابوك معاهر وابوه عف — وزاد النفيل عن بلد الحرام

تیرا باپ زناکار اور ان کا باپ پاکدامن تھا ان عبدالمطلب نے ابرھہ کے لشکر کو مکہ سے واپس لوٹنے پر مجبور کیا۔ نفیل بن عبدی نے اس شعر میں ابرھہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہاتھی پر سوار ہو کر اور بہت بڑے لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کو ڈھانے کیلئے آیا تھا۔ اور امیہ حرب کے باپ اور بنی امیہ کے مورث اعلیٰ کی سیاہ کاریوں کی مذمت کی ہے جو عورتوں کے معاملہ میں کافی بدنام تھا۔ ایک مرتبہ تو اس کی جان جاتے جاتے بچی اس نے بنی زہرہ کی کسی عورت کے ساتھ شرمناک حرکت کی بنی زہرہ تلواریں لے کر پل پڑے مگر وار او چھا پڑا اور وہ زندہ بچ گیا عورتوں کے معاملہ میں اس کے ایک سے ایک حیرت انگیز واقعات ہیں۔

جب خانوادہ ہاشمی کے چشم و چراغ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث بہ رسالت ہوئے اور آپ نے اسلام کی لوگوں کو دعوت دی تو آپ کی مخالفت یوں تو بہتوں نے کی مگر سب میں پیش پیش ابوسفیان تھا جو اس وقت اموی خاندان کا رئیس و سرگروہ تھا

اس نے تمام مشرکین کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرکے آپ کے مقابل لا کھڑا کیا۔ آپ کے خلاف جتنی سازشیں اور فوجی تیاریاں ہوئیں ان سب کا کرتا دھرتا یہی تھا۔ پیغمبر ﷺ کے اصحاب وانصار کی ایذارسانی اور عذاب وعقاب کی نت نئی صورتیں اسی نے ایجاد کیں۔

اگر ابوسفیان کی یہ مخالفت اور پیغمبر ﷺ سے اس کی نزاع دینی عقیدہ کے رو سے ہوتی یا وہ اپنے قدیمی اصول وعقائد کی حفاظت کے لئے یہ سب کچھ کئے ہوتا تب بھی اس کے لئے تھوڑی بہت عذر کی گنجائش ہوتی کیونکہ ہر عقیدہ والا خواہ اس کا عقیدہ صحیح ہو یا غلط چونکہ دل سے اپنے عقیدہ پر ایمان لائے ہوتا ہے اس لئے اگر وہ اپنے عقیدے کی حفاظت ونگہداشت میں کوشش کرے تو اس کے لئے عذر کی گنجائش ہے لیکن ابوسفیان ایسا نہ تھا اس نے نہ تو کبھی اپنے دل ہی میں اپنے کو معذور سمجھا نہ زبان ہی سے اپنے کو معذور کہا اس نے پیغمبر ﷺ کی مخالفت کسی بھی مذہبی جذبہ کے تحت نہیں کی اس کا مقصد محض یہ تھا کہ بنی امیہ کے تسلط واقتدار پر آنچ نہ آجائے وہ تسلط واقتدار کہ تجارت نفع پرستی ذاتی اغراض اور کمزوروں کو غلام بنانا جس کے بنیادی ارکان تھے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ ہمارا یہ اقتدار جو پہلے ہی سے کمزور ومتزلزل ہے پیغمبر ﷺ کے ہاتھوں تباہی وبربادی سے ہمکنار ہونے والا ہے پیغمبر ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

ابوسفیان اپنی منفعت پرست فطرت کی بنا پر جسے اموی فطرت کہنا صحیح ہوگا مسلمان ہونے کے بعد بھی اسلام کا سچے دل سے معتقد نہیں ہوا۔ وہ اسے دولت واقتدار ہی کے ترازو میں تولتا رہا اس کے دل میں یہی بات بیٹھی رہی کہ اسلام اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ حکومت واقتدار بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل کر بنی ہاشم کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اس کی نگاہوں میں نہ پیغمبر ﷺ کی سیرت کی کچھ قیمت تھی نہ آپ کے اصحاب کی سیرت اور ان کی قربانیوں کی کچھ اہمیت تھی، پیغمبر ﷺ جن انسانی اقدار کو معراج کمال پر پہونچانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے جو کردار واخلاق آپ لوگوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے ان کا اس کے دل میں خطور تک نہ ہوا تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب اس نے پیغمبر ﷺ کے اردگرد جاں نثاروں کا عظیم الشان مجمع اور پیغمبر ﷺ کے سامنے مومنین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر دیکھا تو اس نے عم پیغمبر ﷺ عباس ابن عبدالمطلب سے کہا:

''ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہوگئی''۔

یہ فقرہ اس کی زبان سے اسی وجہ سے نکلا کہ جو بلند ترین مقاصد آپ لے کر آئے تھے جن روحانی تعلیمات کی اشاعت آپ کے پیش نظر تھی ان کا اسے تصور تک نہ ہوا۔ وہی بلند ترین مقاصد اور روحانی تعلیمات جنہیں بنی ہاشم خوب اچھی طرح سمجھ چکے تھے

اور جن کی اشاعت کے لئے انہوں نے اتنی کوششیں کیں کہ اپنی جان پر بھی کھیل گئے۔

مکہ فتح ہو جانے پر ابوسفیان کا گھرانا مسلمان تو ہو گیا لیکن اس کا اور اس کے گھر والوں کا اسلام دشوار ترین اسلام تھا جو فتح مکہ کے بعد جانا اور پہچانا گیا ابوسفیان اور اس کی زوجہ ہند دونوں کی نظر میں اسلام ذلیل وخوار ہو جانے کے مرادف تھا اسلام لانے کے بعد مدتوں ابوسفیان اسلام کے غلبہ کو اپنی ذاتی شکست سے تعبیر کرتا رہا اسلام کی حقانیت کا خیال نہ تھا بلکہ یہی سمجھتا تھا کہ ہمارے ہی بازوؤں میں کس بل نہیں رہا ایک مرتبہ اس نے مسجد میں پیغمبر کو حیران وششدر انسان کی طرح دیکھا اور اپنے دل میں کہا "کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ آخر کس چیز کی وجہ سے محمد ﷺ مجھ پر فتح یاب ہوئے"۔

پیغمبر ﷺ سے ابوسفیان کی اس نگاہ کا مطلب مخفی نہ رہ سکا آپ نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "ابوسفیان! میں خدا کی وجہ سے تم پر فتح یاب ہوا"۔

پیغمبرؐ اسلام نے مکہ فتح ہونے سے پہلے بھی اور مکہ فتح ہونے کے بعد بھی جہاں تک ممکن ہو سکا اس کی تالیف قلب کی کوشش کی فتح مکہ سے پہلے آپ نے اس کی دختر ام حبیبہ سے عقد فرمایا اور فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کے گھر کو جائے امن قرار دیا۔ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ جو بھی اس گھر میں آجائے اس کی جان و مال کو سلامتی ہے۔ مولفۃ القلوب افراد جنہیں عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ دیا جاتا تھا کہ شاید اس طرح ان کی تالیف ہو اور اسلام سے انہیں جو کراہت ہے دور ہو جائے ان لوگوں میں پیغمبرؐ نے ابوسفیان کو مقدم کیا اس کے ساتھ ہر ممکن رعایتیں برتیں۔ ان سب کے باوجود مسلمانوں کو اس کی طرف سے کبھی اطمینان نہ ہوا وہ ہمیشہ اس کی طرف سے محتاط رہے نہ خاطر میں لائے نہ اس کے پاس اُٹھتے بیٹھتے۔ ابوسفیان کو یہ بات شاق گزری اور اس نے چاہا کہ مسلمانوں کے دل ہماری طرف سے صاف ہو جائیں اس نے پیغمبرؐ سے لجاجت کی کہ معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ جب پیغمبرؐ خدا کی رحلت ہو گئی اور خلافت کے متعلق مہاجرین وانصار میں پھر مہاجرین مہاجرین میں اختلاف رونما ہوا تو ابوسفیان نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس نے سوچا کہ میں مسلمانوں کے اس رخنے سے گزر کر قریش کی سرداری کے منصب تک پہونچ سکتا ہوں اور پھر اسی راستہ پوری ملت اسلامیہ کا سردار بن جانا دشوار امر نہیں وہ عباس وعلیؑ کے پاس پہنچا تاکہ انہیں اپنی مدد اور پشت پناہی کا یقین دلا کر برانگیختہ کرے اس نے کہا:

"اے علیؑ اور اے عباس! یہ خلافت قریش کے ایسے قبیلہ تک کیسے پہنچ گئی (یعنی حضرت ابوبکر کا خاندان) جو ذلیل ترین بھی ہے اور تعداد میں مختصر بھی۔ خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو مدینہ کی گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں"۔

ابوسفیان یہ سمجھ نہ سکا کہ ہم یہ بات اس علیؑ سے کہہ رہے ہیں جنہیں ایک حکم حق کے عوض ساری دنیا کو فروخت کر دینے میں

تامل نہیں اور جن سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ابوسفیان کی برہمی وناراضگی اس لئے نہیں تھی کہ خلافت بنی ہاشم میں کیوں نہ قائم رہی۔ اگر بنی ہاشم میں قائم رہتی تو ابوسفیان کے غیظ وغضب کی اور بھی انتہا نہ رہتی۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ قوم قبیلہ کو ساتھ لیکر ساری دنیا کو بنی ہاشم کے خلاف صف بستہ کر دیتا۔

علیؑ نے انتہائی سکون وقار سے اس کی طرف نظر کی اور فرمایا:

''نہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ابوبکر کی مخالفت میں مدینہ کی گلی کوچوں کو سوار اور پیادوں سے بھر دو اگر ہم ابوبکر کو خلافت کا سزاوار نہ دیکھتے تو انہیں ہم خلافت پر قابض ہی نہ ہونے دیتے''۔[1]

پھر آپ نے ابوسفیان کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

''ابوسفیان! مومنین ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں اور منافقین ایک دوسرے سے دغا فریب کے خوگر ایک دوسرے سے بے وفائی کرنے والے ہیں اگر چہ ان کے مکان ملے ہوئے اور جسم باہم متصل ہیں۔

ابوسفیان اس طبقہ امراء کا فرد تھا جو خود کو اور اپنے طبقہ کے افراد کو دوسرے لوگوں سے افضل و بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ سید و آقا ہیں۔ اور عوام ان کے غلام ہیں وہ اسلام کو بھی اپنی نظر سے دیکھتا اس کے نزدیک پیغمبرؐ اسلام کی دعوت اسلام محض حصول حکومت واقتدار کی ایک کوشش تھی اور بس اس کے خیال میں اصول ومبادی اسلام اور بتوں کے درمیان کوئی فرق نہ تھا دونوں ہی چیزیں حصول منفعت کا ذریعہ تھیں جس طرح بت پجاریوں کاہنوں کی آمدنی کا ذریعہ تھے اسی طرح اصول ومبادی اسلام بانیان اسلام کی آمدنی کا ذریعہ تھے وہ اس کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہ سکا کہ عوام کو اطاعت سے غرض ہے وہ اپنی قوم کے معززین و اشراف کے فرمان بردار ہوتے ہیں اب یہ معززین اشراف چاہے کعبہ کے پجاری ہوں یا بزرگان اسلام۔

اسلام اور بت پرستی کے درمیان اس کے نزدیک اگر فرق تھا تو یہ کہ اسلام زیادہ منفعت بخش تھا اس میں نچلے طبقہ کے لوگوں کی اطاعت وفرماں برداری اور اونچے درجے کے لوگوں کے دبدبہ واقتدار اور تسلط اور غلبہ کا زیادہ امکان تھا اگر عوام

---

[1] عیسائی فاضل کا یہ فقرہ خلافت حقیقت وواقعہ ہے امیر المومنینؑ اگر ابوبکر کو خلافت کا سزاوار ہی پاتے تو بیعت ہی کیوں نہ کر لیتے اس کی نوبت ہی کیوں آتی کہ عمر علیؑ کے گلے میں ریسماں ڈال کر مسجد کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے خانہ سیدہؑ پر آگ لکڑی اکٹھا کرتے کہ گھر میں جتنے افراد ہیں وہ باہر نکل کر ابوبکر کی بیعت کریں ورنہ میں اس گھر کو آگ لگادوں گا کہنے والے نے کہا بھی کہ اس گھر میں تو فاطمہ بھی ہیں عمر نے کہا کہ ہیں تو ہوا کریں ''امیر المومنینؑ نے ابوسفیان کی ان باتوں پر جو توجہ نہ کی وہ صرف اس وجہ سے کہ آپ جانتے تھے کہ ابوسفیان ہماری یا اسلام کی ہمدردی میں ایسا نہیں کہہ رہا ہے بلکہ موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے آپ نے ابوسفیان سے صرف اتنا کہا کہ:

''تم اسلام کے ہمدرد کب سے ہوگئے''

الناس اونچے درجہ کے لوگوں کی اطاعت شعاری نہ کریں اور اس طبقہ کے غلبہ و اقتدار کو نہ مانیں تو اسلام فضول و بیکار ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اسے ایسی چیز سے بدل دینا زیادہ بہتر ہے جو بہت مفید و منفعت بخش ہو۔

جب خلافت ابوبکر و عمر سے ہوتی ہوئی حضرت عثمان کے پاس پہونچی جو بنی امیہ کے خاندان سے تھے تو ابوسفیان نے سمجھا کہ ہماری خاندانی سیادت اور ریاست پھر ہمارے خاندان میں لوٹ آئی ہے وہ کینہ وعناد جو اس کے دل میں حمزہ کی طرف سے تھا اسے کھینچ کر حمزہ کی قبر پر لے گیا اس نے قبر کو پیروں سے ٹھوکر مار کر کہا:

”حمزہ اٹھو دیکھو جس حکومت کیلئے ہم دونوں برسر پیکار تھے وہ پھر ہمارے پاس آگئی ہے۔ یہ فقرہ جس تلخی و حرارت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اس کی نظیر ڈھونڈے سے نہ ملے گی اس طرح اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

جب تک خلافت ابوبکر و عمر کے قبضہ میں رہی بنی امیہ اپنے دل کا بھید نہ ظاہر کر سکے نہ وہ منصوبے جنہیں پیش نظر رکھ کر انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھا تھا کہ ہم موقع ملتے ہی اس حکومت اسلامیہ کو سلطنت و بادشاہی سے بدل دیں گے بروئے کار لانے کا موقع میسر ہوا۔

یہ خیال کرنا انتہائی سادہ لوحی ہوگی کہ بنی امیہ مفہوم خلافت سے واقف تھے ان کے نزدیک خلافت اور بادشاہی میں کوئی فرق ہی نہ تھا نہ وہ خلافت اسلامیہ کے محاسن کا اندازہ کر سکتے تھے۔ ان کا اسلام انتہائی کمزور تھا وہ اسلام لائے بھی تھے تو بادل نا خواستہ لائے تھے ان کی جاہلی عصبیت برابر مجبور کرتی کہ الٹے پاؤں اسی جاہلیت کی طرف واپس لوٹ جائیں۔ یہ بات وہ کبھی بھولنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے کہ پیغمبرؐ ہمارے خاندان سے نہیں تھے بلکہ ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ تھے جن سے انہیں ہمیشہ کی عداوت تھی۔ ابوبکر و عمر ان ہوا و ہوس کے بندوں کو خوب پہچانتے تھے ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو جو حکومت و سلطنت کو رئیسوں کا کھلونا سمجھتے ہیں اپنے یہاں گھسنے کا موقع دیں دونوں بنی امیہ کو خاطر میں نہ لائے۔ یہ سوچ سوچ کر ان کے کلیجے پر سانپ لوٹتا رہا کہ حکومت و دولت ہمارے ہاتھ نہ لگ سکی بلکہ دوسرے ہاتھوں میں پہونچ گئی بنی امیہ جی مار کر کچھ دن خاموش بیٹھے رہے وہ تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے ہم اس حکومت کو اپنے قبضہ میں کرلیں حضرت عثمان کی خلافت نے ان کی تمناؤں کا دروازہ کھول دیا۔ یہ پہلی منزل تھی جسے طے کر کے وہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل کر سکتے تھے ان کے خلیفہ ہوتے ہی تمام بنی امیہ ان کے گرد سمٹ آئے اور نہیں عوام الناس سے الگ تھلگ کر دیا اب نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا نہ اپنے دکھ درد کی شکایتیں ان سے بیان کر سکتا تھا۔ اب یہ حکومت اسلامیہ اموی حکومت بن گئی اس کے منافع اور فوائد کی صرف بنی امیہ ہی والے طمع کر سکتے تھے گورنری اور حکومت کے کلیدی عہدے صرف انہیں لوگوں کو مل سکتے تھے جو بنی امیہ سے تھے یا بنی امیہ

کے حوالی موالی ان سب کا سرغنہ مروان بن حکم تھا۔ پہلا وہ شخص جس نے خود مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور عوام الناس کو خلیفہ وقت کے خلاف صف بستہ ہونے پر مجبور کیا۔ اور پہلا شخص تھا جس نے علانیہ اس نظریہ کا اظہار کیا کہ بادشاہت خلافت سے بہتر ہے۔ اور بادشاہت صرف بنی امیہ سے مخصوص ہے اور ایک حق ہے ان کے حقوق سے اس نے حضرت عثمان کو مجبور کر کے ان تمام عاملوں کو معزول کرا دیا جو ابوبکر و عمر کے زمانے سے چلے آرہے تھے اور ان کے بدلے بنی امیہ کے افراد عامل مقرر کئے گئے دولت و سلطنت خاص بنی امیہ کی ملک بنالی گئی ان کے علاوہ کوئی شخص اس کی بھلائیوں کی نہ طمع کر سکتا تھا نہ اس کے اموال و مناصب کی امید رکھ سکتا تھا۔

ہم اس کے بعد کی فصل میں دکھائیں گے کہ مروان کتنا بدسرشت و بدنہاد انسان تھا اور حکومت میں اس نے کیسے کیسے اندھیر کئے اور کتنے نفوس کو اپنی ہوا و ہوس پر اس نے قربان کیا یہ وہی مروان بن حکم ہے جس نے ایک دن عامل مدینہ کو ترغیب دلائی تھی کہ حسین کو قتل کر دے اور جب اس نے قتل کرنے سے انکار کیا تو دوسرے دن لعنت ملامت کی کہ تم نے میری بات نہ مانی۔

مروان حکومت و بادشاہی اور اس کے لذائذ و نعمات کا طلب گار تھا جس طرح اس کے آباؤ اجداد زمانہ جاہلیت میں طلبگار تھے اور اگر یہ حکومت و بادشاہی اسے نہ ہاتھ آسکے تو کسی دوسرے اموی کو ملے جو اس کے اعزہ و احباب و اعوان و انصار سے ہو بہرحال رہے اپنے ہی خاندان میں ہر پھر کے۔

اس نے حکومت و بادشاہی پر قبضہ پانے کے لئے جن جن طریقوں سے کام لیا ان پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک بات بھی ایسی نہ تھی جو لوگوں کو ذرہ برابر بھی محبت کا باعث ہوتی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

معاویہ اور ان کے جانشین

جس کسی کو اپنی رائے پر نہ پانا اسے تہ تیغ کر دینا جس کسی کے پاس مال پاؤ اور وہ ہمارا مطیع وفرمان بردار نہ ہو اسے لوٹ لینا۔ (معاویہ)

بنی امیہ کی سرشت دو چیزوں سے مرکب تھی ایک مالداری کی طمع ہوسناکی کی حد تک دوسرے فتح یابی کی محبت لوٹ مار کے ارادے سے۔ (کازانوفا)

معاویہ کا حکم ایک طرف تو اتنا وسیع تھا کہ انہوں نے مصر اور مصر کے باشندوں کو عمروعاص کو بخش دیا اور دوسری طرف اتنا تنگ کہ انہوں نے مصر اور مصر والوں کے زندہ رہنے کا حق چھین لیا اور چھین کر ایک شخص کو تحفتاً پیش کر دیا۔

بنی امیہ کے خصوصیات و اوصاف کا مکمل مرقع معاویہ بن ابی سفیان تھے۔ ہم جب معاویہ کے صفات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو پہلی چیز ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ ان میں اسلامی انسانیت کا نام ونشان تک نہ تھا اور نہ اس پاکیزہ عہد کے مسلمانوں کی کوئی خصلت ان میں تھی اگر ہم اسلام کو جاہل عرب کے عقائد ورسوم کے خلاف بغاوت سے تعبیر کریں جیسے ذاتی منفعت پرستی، شخصی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر کوئی کام کرنا عوام الناس کو بھیڑ بکری سمجھنا انہیں صاحبان دولت و اقتدار کی قوت و دولت کا خزانہ سمجھنا تو یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ معاویہ کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا جیسا کہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

اور اگر دوسری حیثیت سے اسلام نام ہے اس دین ومذہب کا جس کے اوامر ونواہی ہر ہر فرد سے متعلق ہیں تو یہ بات آئینہ کی طرح واضح ہے کہ معاویہ کو اس سے بھی کوئی ربط نہیں تھا۔ اس کا اقرار خود انہوں نے اپنی زبان سے کیا تھا۔ چنانچہ وہ ریشمی لباس پہنتے اور سونے چاندی کے برتن میں کھاتے پیتے! ابو درداء صحابی پیغمبرؐ نے اعتراض کیا اور کہا میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے پیئے اس کے شکم میں آتش جہنم انڈیلی جائے گی معاویہ نے بڑی لاپروائی سے کہا میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ صدر اول کے مسلمان دینی معاملات میں کتنے سخت تھے۔ وہ دین کے لئے اپنی جان پر بھی کھیل جاتے معصیات سے انتہائی بیزار تھے، پیغمبرؐ کے ارشادات کی خواہ وہ ارشادات اوامر سے تعلق رکھتے ہوں یا نواہی سے انتہائی تعظیم کرتے تھے اور پھر ہم معاویہ کے اس بے باکانہ جواب کو دیکھتے ہیں جو انہوں نے ابودرداء کو دیا تھا اور ان کی صریحی

مخالفت پیغمبرؐ پر ہم نظر کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ معاویہ مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہی نہ ہوئے۔ وہ مسلمان جو عقائد روحانی واخلاقی کے دل سے معتقد تھے۔

معاویہ اسلام میں بالکل ویسے ہی تھے جیسا ان کا باپ ابوسفیان جاہلیت میں تھا۔ خاندانی رئیس لوگوں سے بیگار لینا اوران کے احوال وعقائد اوران کے معاملات سے اس طرح کھیلنا کہ ان کے گلوں میں اس کا پھندا اور مضبوط ہو جاتا وہ بادل ناخواستہ مسلمان ہوا اور بادل ناخواستہ اسلام پر باقی رہا۔

معاویہ کیا تھے اوران کے اسلام کی کیا کیفیت تھی اس کو ان لوگوں سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے جو معاویہ کے ہم عصر تھے اور جنہوں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کیا ان کے تمام معاصرین نے انہیں وہ الزامات نہیں لگائے جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے، کیا علیؑ ان کے متعلق سب سے زیادہ باخبر نہیں تھے اور انہوں نے اپنے خط کے اس فقرہ میں ان کی صحیح تصویر کشی نہیں کی ہے کہ: فقد سلکت مدارج اسلافك بادعائك الا باطيل و اقحامك غرور المين والا كاذيب تم باطل دعوے کرنے کذب وفریب میں لوگوں کو جھونکنے اپنی حیثیت سے بلند چیز کا اعدا کرنے اور ممنوعہ چیزوں کے ہتھیا لینے میں اپنے بزرگوں کے مسلک پر چل رہے ہو''۔

کیا پیغمبرؐ کے عہد میں یا خلفائے راشدین کے عہد میں ایسا شخص مسلمان کہا جاسکتا تھا جو باطل دعوے کرنے والا اور جھوٹا ہوتا۔ کیا اس پاکیزہ عہد کے مسلمانوں میں کوئی مسلمان ایسا تھا جس کے متعلق اور جس کے گھر والوں کے متعلق علیؑ نے یہ فقرہ کہا ہو وما اسلم مسلمکم الا کرھا تمہارے گھر کے جو مسلمان اسلام لائے وہ بادل ناخواستہ مسلمان ہوئے۔

رہ گئیں معاویہ کی بعض خوبیاں جو دیکھنے میں بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہیں جیسے بردباری، نرمی، سخاوت، کشادہ دلی تو یہ سب کام نکالنے کے ہتھکنڈے تھے ان کی عقل وفہم نے یہ بات سمجھا دی تھی کہ آرزوؤں کی تکمیل اور سلطنت و بادشاہت تک پہونچنے میں یہ چیزیں بڑی مددگار ثابت ہوں گی۔

میرا خیال ہے کہ معاویہ کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے زمانے کے اموی لوگوں کی سیرت و کردار لوگوں کو پسند نہیں اور وہ جاہ وحشم اور ریاست وسرداری جو ہمارے باپ دادا کو حاصل رہی آج کل کے زمانہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں انہوں نے کوشش کی کہ بردباری جود وبخشش کر کے لوگوں کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیں عوام الناس حقائق کو دیکھ ہی نہ سکیں بلکہ وہ میری داد و دہش اور حلم و بردباری کے گرویدہ ہو جائیں۔ ورنہ اگر کہیں صلاحیت واستعداد شریف اور پاکیزہ کرداری معیار قرار دے لی گئی تو بنی امیہ کو بنی ہاشم کی کوئی نسبت نہ ہوگی حلم و بردباری معاویہ کے نزدیک صرف لوگوں

کو ہموار کر کے حکومت تک پہونچنے کا راستہ تھی داد و دہش سے بڑھ کر لوگوں کو اپنا طرف دار بنانے اور اپنے خاندانی معائب کو چھپانے کی بہترین تدبیر کیا ہو سکتی تھی؟

ورنہ سچ پوچھئے تو یہ کیسا علم تھا؟ یہ کیسی مروت تھی جس پر پرستاران معاویہ اپنا سر دھنتے ہیں حالانکہ یہ وہی معاویہ ہیں جن کی سیاست ٹھیک وہی سیاست تھی جو ظالم کی مظلوم کے ساتھ طاقتور کی خستہ حال و کمزور کے ساتھ ہوتی ہے ظلم وتشدد، زور زبردستی، لوٹ کھسوٹ کی وہ سیاست جو وہ اپنے بعد کے آنے والے اموی سلاطین کے لئے چھوڑ گئے۔

پرستاران معاویہ یہ کیسا علم و مروت معاویہ میں پاتے ہیں جب کہ معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو لوٹ مار کرنے کی ہدایت دے کر روانہ کیا تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ لوٹ مار کرتے جاؤ اور مدینہ سے گذرو لوگوں کو مار بھگاؤ راستے میں جو آبادی بھی تمہیں ایسی ملے جہاں کے لوگ علیؑ کے اطاعت گذار ہوں انہیں لوٹ لو یہ کونسی مروت یہ کیسا علم تھا جب کہ معاویہ نے ابوسفیان بن غامدی کو عراق پر غارت گری کرنے کے لئے روانہ کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ تم فرات کے کنارے کنارے چل کر ہیت پہونچو اگر وہاں (علی کا) کوئی لشکر ملے تو ان پر حملہ کر دینا ورنہ آگے بڑھ کر انبار پہونچنا اور وہاں لوٹ مچانا وہاں بھی اگر کوئی مزاحم نہ ہو تو بڑھے چلے جانا یہاں تک کہ مدائن پہونچ جاؤ۔ اور یہ سمجھ لو کہ مدائن وانبار پر حملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ خود کوفہ پر حملہ۔ ابوسفیان! یہ حملے عراق والوں کے دلوں کو تھمادیں گے اور ان میں کے جو لوگ ہمارے ہوا خواہ ہیں انہیں بڑی مسرت حاصل ہوگی۔ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دینا اور جس کو بھی اپنی رائے پر نہ پانا اسے تہ تیغ کر دینا جس گاؤں سے بھی گزرو اس کو لوٹ لو اور جتنا مال ومتاع وہاں ملے سب اپنے قبضہ میں کر لو زرومال کی تباہی قتل جیسی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ جانکاہ و روح فرسا (صفحہ ۱۴۴ جلد ا نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید)

ضحاک بن قیس فہری کو بھی اسی طرح کی تاکیدیں کی تھیں جبکہ امیرالمومنین کے بعض شہروں پر چھاپہ مارنے کے لئے روانہ کیا تھا۔

تم روانہ ہو کر کوفہ کی جانب پہونچو۔ راستہ میں جتنے عرب تمہیں علیؑ کے مطیع ملیں ان پر حملہ کر دو اگر اسلحہ خانہ وغیرہ ان کا نظر پڑے تو اسے لوٹ لو.....

ضحاک نے اسی طرح ان احکام کی تعمیل کی جس طرح بسر بن ارطاۃ اور سفیان بن غادری نے کی تھی اس نے بھی لوٹ مار قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا اور ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔ یہ کیسا علم اور کیسی مروت تھی معاویہ کی جبکہ انہوں نے لاکھوں عجمی مسلمانوں کے متعلق اپنے ان خیالات کا اظہار کیا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ ان عجمی مسلمانوں کی بہت کثرت ہوگئی ہے۔ وہ دن

دور نہیں کہ یہ ہمارے بزرگوں کا نام ختم کر دیں گے۔ میں سوچتا ہوں کہ ان میں سے آدھے آدمیوں کو زندہ رکھوں تاکہ بازار قائم اور راستوں کو آباد رکھیں۔ اگر احنف بن قیس روکے نہ ہوتے تو منصوبے کے بروئے کار آنے میں کوئی دیر ہی نہ تھی اور معاویہ ہزاروں ہزار غریبوں کو موت کے گھاٹ اتار دیئے ہوتے حالانکہ ان غریبوں کا کوئی قصور نہ تھا سوا اس کے کہ وہ عرب کے نہیں عجم کے تھے۔

معاویہ بردبار تھے نرم مزاج تھے حلیم تھے کریم تھے مگر اس وقت جب ان کا سامنا کسی جتھے والے سے ہوتا یا کسی اثر و اقتدار والے سے اور اس سے انہیں اپنا تخت وحکومت خطرے میں نظر آتا۔ وہ شخص کھری کھری سناتا بخئے ادھیر دیتا اور ایسی بات کہتا جو تیر بن کر سینے میں پیوست ہو جاتی تو معاویہ اپنے کو قابو میں رکھتے اس برہم وغضبناک شخص کی خوشامدیں کرنے لگتے وہ جو کچھ کہتا اسے تسلیم کر لیتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعوان وانصار اور حاشیہ نشینوں کے حلقے میں بیٹھے ہوئے ہوتے اور کوئی مقتدر شخصیت انہیں سرزنش کر بیٹھتی تو وہ فوراً نرم پڑ جاتے اور بردباری کرنے لگتے اس ڈر سے کہ کہیں حملہ نہ کر بیٹھے اور اپنے کاتبوں کو حکم دیتے کہ یہ سرزنش والا فقرہ لکھ لیا جائے کہتے کہ ھٰذہ حکمۃ فاکتبوھا یہ حکمت کی بات ہے اسے لکھ لو لیکن اگر ایسا کوئی آدمی ہوتا جس کے پاس نہ جتھا ہوتا نہ جمعیت اور نہ وہ اثر واقتدار والا ہوتا تو اس وقت معاویہ نہ نرم پڑتے نہ بردباری سے کام لیتے۔ چاہے اس آدمی نے انہیں کوئی سخت بات بھی نہ کہی ہو مگر ان کا دل چاہتا کہ اسے ایسے دردناک طریقے سے قتل کریں کہ اسلام میں اس طریقہ سے کوئی بھی نہ قتل ہوا ہو۔

معاویہ نرم مزاج تھے حلیم تھے کریم تھے اس وقت جب ان کی خصوصی مصلحت انہیں ایسے شخص کے ساتھ اکٹھا کر دیتی جس سے فائدہ پہونچنے کی امید ہوتی ایسے موقع پر وہ ہر بات مان لیتے ہر کام انہیں منظور ہوتا بس شرط یہ ہوتی کہ وہ شخص ان کی حکومت مضبوط کرنے میں مدد کرے۔ چاہے وہ جفا کار وستم پیشہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے موقع پر وہ پورا مصر اور مصر کے تمام باشندے اسے عطا کر دیتے جیسا کہ انہوں نے عمرو عاص کے ساتھ کیا۔

معاویہ کا حکم ایک طرف تو اتنا وسیع ہوتا کہ وہ عمرو عاص کو پورا ملک مصر اور اس کے تمام باشندے بخش دیتے اور دوسری طرف اتنا تنگ ہوتا کہ مصر اور مصر والوں کے جینے کا کل حق چھین لیتے اور انہیں بطور تحفہ وہدیہ اپنے شریک کو پیش کر دیتے۔

اگر اسی کا نام حلم وبردباری ہے تو اس میں شک نہیں کہ نیرو اور چنگیز راون اور ہلاکو بھی بڑے حلیم وبردبار تھے۔

جو شخص معاویہ کی سیاست کو گہری نظر سے نہ دیکھے تو اس کی دہشت گر سراسیمگی کی انتہا نہ رہے گی۔ یہ دیکھ کر کہ معاویہ لوگوں کو اپنا طرف دار بنانے میں کیسے کیسے ہتھکنڈے سے کام لیتے اور ان کے ہتھکنڈے حیلہ سازی اور فتنہ وفساد کے کیسے کیسے شاہکار ہوئے۔ ان کے ہتھکنڈے خالص میکیاویلی ہتھکنڈے تھے۔ بال برابر بھی فرق نہ ہوتا چنانچہ لوٹ مار دہشت زدگی، قتل وغارت معاویہ کی پرانی سیاست تھی۔ خوش آئند وعدے کرنا، دھمکیاں دینا، بھی ان کی سیاست ہی کا ایک جز تھا، بے گناہوں، شریفوں کا قتل کرنا، جرائم پیشہ، لٹیروں، بدمعاشوں کو مقرب بارگاہ بنانا، ایسی پروپگنڈہ بازی جس میں آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان ثابت کیا جائے بدباطن لوگوں سے سودے بازی خونریز و جفا کار انسانوں کی مدد حاصل کرنا یہ سب باتیں ان کی سیاست کے اجزا تھیں۔

معاویہ نے خود ایک دو مرتبہ نہیں بارہا اس کا اقرار کیا ہے کہ ہم نے اپنی سیاست میں انصاف برتا نہ عدل سے کام لیا نہ اپنی زندگی میں کسی موقع پر روشن حق اور واضح عدل کی حمایت کی منجملہ ان شہادتوں کے وہ واقعہ ہے جو ایک طرف ان کی سیاست بھی روشنی ڈالتا ہے دوسری طرف یہ بھی بتاتا ہے کہ عدل وانصاف کے متعلق ان کا نظریہ کیا تھا۔ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ بیان کرتا ہے :

میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ معاویہ کے یہاں گیا۔ میرے باپ روزانہ ان کے پاس جاتے پھر آ کر معاویہ کی بڑی تعریفیں کرتے۔ ایک رات جب وہ واپس آئے تو بہت مغموم تھے۔ انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں نے پوچھا آج آپ افسردہ کیوں ہیں۔ انہوں نے کہا بیٹا آج میں خبیث ترین مردم کے پاس سے آرہا ہوں، میں نے کہا وہ کون؟ مغیرہ نے کہا میں نے معاویہ سے تنہائی میں کہا آپ کی جو تمنائیں تھیں وہ پوری ہوئیں۔ اب اگر عدل وانصاف سے کام لیتے اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ آپ سن رسیدہ بھی ہو چکے ہیں۔ آپ اپنے خاندانی رشتہ دار بنی ہاشم کا خیال کیجئے۔ ان کے ساتھ صلہ رحم سے پیش آئیے۔ اب تو ان سے آپ کو ڈرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ معاویہ نے کہا کبھی نہیں کبھی نہیں۔ قبیلہ تیم والے (ابو بکر) خلیفہ ہوئے وہ جب مرے تو ان کا ذکر بھی مر گیا، اب لوگ انہیں خالی ابو بکر کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر عمر خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے انتہائی مستعدی سے دس برس حکومت کی ان کے مرنے کے بعد ان کا ذکر مردہ ہو گیا۔ اب لوگ انہیں عمر کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر ہمارے بھائی عثمان خلیفہ ہوئے ان کے ایسا شریف النسب کوئی نہ تھا۔ انہوں نے عدل و داد سے حکومت کی مگر جب مرے تو ان کا بھی ذکر مر گیا۔ مگر یہ بنی ہاشم والا (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) ان کا نام پانچ مرتبہ دن رات میں پکارا جاتا ہے (اشہد ان محمدا رسول اللہ) اب ان کے نام کے آگے کون سا عمل باقی رہ سکتا ہے سوا اس کے کہ ہم اسی کو خاک میں ملا دیں۔ (

مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۴۱)

معاویہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی نشو نما ہی ہوئی تھی انکار انبیاء پر انہوں نے ایسے گھر میں پرورش پائی تھی جس کے گھر والے دین و مذہب کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کو دیکھا کہ پیغمبرؐ کے خلاف بڑے بڑے لشکر تیار کر رہا ہے لشکر کا قائد و سپہ سالار بن کر پیغمبرؐ سے لڑنے کے لئے جا رہا ہے پیغمبرؐ کے ساتھیوں کو تہ تیغ کرتا ہے اور امکانی کوشش کرتا ہے کہ خود پیغمبرؐ ہی کا کام تمام کر دے تاکہ اس کی سرداری و ریاست باقی رہے اس کے مادی منافع کو نقصان نہ پہونچے اور اپنی قوم کا سردار بنا رہے خواہ اس کے سردار بنے رہنے اور پیغمبر ﷺ کے اٹھ جانے کے سبب سارا عرب بدبختی میں مبتلا ہو جائے۔ اکابر مسلمین ختم ہو جائیں اور عدالت اجتماعی جو پیغمبر ﷺ کی رسالت کی روح تھی فنا ہو جائے۔

معاویہ ان تمام باتوں میں اپنے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس کے وارث تھے۔

جس طرح معاویہ کی پرورش اور تربیت میں ابوسفیان کی روح پوری طرح موثر اور کارفرما رہی۔ خود غرضی، منفعت پرستی، اور سیادت طلبی میں وہ ہو بہو باپ کا نمونہ ہوئے اسی طرح ان کی ماں ہندہ جگر خوارہ نے بھی اپنے کافی نقوش چھوڑے ان کی فطرت و سرشت پر دونوں ہی کی گہری چھاپ تھی۔

پوری تاریخ عرب میں کوئی عورت ڈھونڈھے سے بھی ایسی نہ ملے گی جو انانیت تندخوئی بہیمیت اور شقاوت میں ہندہ کی مثال کہی جاسکے۔ ایسی سنگدل تھی کہ سخت سے سخت خونخوار انسان بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

غزوہ بدر میں مشرکین قریش اپنی پوری جمعیت لے کر پیغمبرؐ سے لڑنے کے لئے آئے تھے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بہت سے مشرکین قریش مارے گئے۔ ہر گھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ اور پورے ایک مہینہ تک عورتیں اپنے عزیزوں پر روتی رہیں پھر وہ عورتیں ہند مادر معاویہ کے پاس آئیں اور کہا تمہارے بھی تو بہت سے عزیز و رشتہ دار قتل ہوئے ہیں۔ ہماری طرح تم بھی کیوں نہیں روتیں ہندہ نے کینہ وعناد اور ایسی قساوت بھرے لہجہ میں کہا جو شائد ہی کسی عورت میں دیکھی گئی ہو۔ کیوں روؤں؟ کیا اس لئے کہ میرے رونے کی خبر محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ہو جائے وہ خوش ہوں اور انصار کی عورتیں بھی خوشی منائیں خدا کی قسم میں تو ہرگز نہ روؤں گی جب تک محمدؐ اور ان کے ساتھیوں سے انتقام نہ لے لوں۔ سر میں تیل ڈالنا مجھ پر حرام ہے جب تک محمدؐ سے لڑائی نہ لڑلی جائے۔ پھر وہ برابر مشرین کو برانگیختہ کرتی رہی یہاں تک کہ احد کی مشہور جنگ پیش آئی۔ اس فقرہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندہ کی فطرت میں سرکشی و تندخوئی بے رحمی و قساوت کا کتنا حصہ تھا۔ دوسری عورتوں کی طرح رو دھو کر جی ہلکا کرنے کی وہ قابل نہ تھی۔ عورتیں فطرۃً نرم مزاج ہوتی ہیں اس معاملے میں وہ بالکل برعکس تھی معاملات و مسائل کو وہ مردوں

کی آنکھ سے دیکھتی اس کے عقیدے میں سرداری وحکومت، اقتدار کے لئے جنگ وجدال کرنے اپنی برتری اور فضیلت کا علم بلند کرنے کی خاطر دکھ جھیلنے کا نام تھی۔

جب مشرکین قریش تمام تیاریاں مکمل کر کے احد کی لڑائی لڑنے نکلے تو ہندہ نے بھی عورتوں کی ایک فوج تیار کی۔ اور انہیں لے کر محاذ جنگ پر پہنچی تاکہ مردوں کو پیغمبرؐ سے جنگ پر جوش دلائے اور بہتے ہوئے خون اور مقتولین کے لاشے دیکھ کر اپنے انتقام کے جذبے کو تسکین دے سکے۔

ایک شخص نے عورتوں کے محاذ جنگ پر جانے کی مخالفت کی، ہندہ نے چیخ کر کہا کہ ہم ضرور جائیں گے اور لڑائی کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

ہندہ اپنے ارادہ میں اٹل رہی اور عورتوں کی جمعیت لے کر مردوں کے ساتھ ساتھ وہ میدان میں پہنچی اس نے دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنا انتقام لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جب لڑائی چھڑ گئی اور گھمسان کا رن پڑنے لگا تو ہندہ قریش کی عورتوں کو ساتھ لے کر دف بجاتی مشرکین کی ایک ایک صف میں جاتی اور تمام عورتیں ایک ساتھ رجز کے یہ اشعار گاتیں:

ویھا بنی عبد الدار ویھا حماۃ الادبار

ضربا بکل بتار

پسران عبدالدار جلدی کرو۔ تمہاری پشت پر ایسی ہستیاں (عورتیں) ہیں جن کی حفاظت تم پر لازم ہے تلواروں سے کام لو۔

نیز یہ بھی رجز گاتیں:

ان تقبلوا الغانق ونفرش النمارق

ان تدبروا نفارق فراق غیر وامق

اگر تم میدان جنگ کا رخ کرو گے تو ہم تمہیں لپٹالیں گے اور تمہارے سرہانے نرم مسند و تکیے رکھیں گے۔ اگر میدان جنگ سے پیٹھ پھراؤ گے تو ہم تم سے دور ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم ایسی صورت میں تمہیں دوست نہیں رکھتے۔

ہندہ نے وحشی حبشی سے جو کہ غلام تھا بہت کچھ وعدے کئے تھے اگر وہ کچھ مسلمانوں کو قتل کردے۔ خصوصاً جناب حمزہ عم پیغمبر کو جن کے خلاف کینہ وعناد کی آگ ہندہ کے دل میں ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ اس جنگ میں مشرکین کا پلہ بھاری اور مسلمانوں کو شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ ہندہ کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں رہا۔ فرط مسرت سے جیسے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔

مقتولین احد میں جناب حمزہ بھی تھے۔ ہندہ کے ترغیب دلانے پر وحشی نے آپ کو شہید کیا۔ ابوسفیان نے ان کے مارے جانے پر چیخ کر کہا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے۔ اگلے سال ہم پھر ملیں گے۔ لیکن اسکی بیوی ہندہ کو اتنی ہی کامیابی کافی نہیں معلوم ہوئی نہ اسی پر مطمئن ہوئی کہ حمزہ ایسا شیر شہید ہو چکا ہے۔ اس نے ساتھ کی قریشی عورتوں کو اکٹھا کیا اور انہیں لے کر مقتولین کی لاشوں پر آئی اور ان لاشوں کے ہاتھ پیر ناک کان کاٹ کر گلے میں ہار بنا کر پہنا اور بربریت وقساوت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ عورتیں تو عورتیں بڑے ظالم و جلاد مرد بھی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگیں۔ پھر اس نے جناب حمزہ کا شکم چاک کر کے قصائی کی طرح ان کا جگر نکالا اور منہ میں رکھ کر چبانے لگی، چاہتی تھی کہ چبا کر کھا جائے مگر ممکن نہ ہوا۔ ہندہ کا یہ فعل ایسی سفاکی و درندگی کا بدترین مظاہرہ تھا کہ خود اس کے شوہر ابوسفیان نے بھی اس سے بیزاری ظاہر کی۔ اس نے کسی مسلمان سے کہا تھا تمہارے کچھ مقتولین کا مثلہ کیا گیا۔ خدا کی قسم نہ تو میں ایسا کئے جانے پر خوش ہوا نہ رنجیدہ ہوا نہ میں نے روکا نہ میں نے حکم دیا۔ اسی واقعہ کی بناء پر ہندہ کا لقب جگر خوارہ قرار پایا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب بادل ناخواستہ ابوسفیان مسلمان ہو گیا تو اس کی بیوی ہندہ چلا چلا کر قریش والوں سے کہتی:

اس خبیث اور گندے انسان کو قتل کر ڈالو جس میں کوئی بھلائی نہیں تم سے بدتر کوئی حفاظتی دستہ نہیں دیکھا۔ تم لوگوں نے کیوں نہیں جنگ کی۔ اور اپنے شہر اور اپنی جانوں کی حفاظت کی۔

وہ محیر العقول رحم و کرم اور عفو و درگزر جو پیغمبرؐ نے اس کے شوہر اس کے فرزندوں اور اس کے گھر والوں کے ساتھ فرمایا۔ ان کا ذرہ برابر بھی ہندہ پر اثر نہ ہوا۔ اسی ابوسفیان اور اسی ہندہ کے ہاتھوں میں معاویہ کی نشو نما ہوئی۔ مزید برآں اپنی قوم بنی امیہ اور اپنے باپ دادا کے خصوصی صفات کے پیدائشی طور پر حامل تھے۔ جیسے جاہ واقتدار کی محبت اپنا کام نکالنے کے لئے ہر قسم کا مکر وفریب جسے آج کل کی اصطلاح میں ڈپلومیسی کا نام دیا جاتا ہے۔ رشوت ستانی، ظاہر داری، ظلم و جور غرض وہ اپنے آباؤاجداد کی مکمل تصویر تھے۔ وہ ایسی قوم کے پروردہ تھے جس کے متعلق امیر المومنین فرماتے ہیں: اکلة الرشا المشترون الغادر الفاسق بأموال الناس ولو دلوا علی الناس لا ظهروا فیهم العصب والفجر و تسلط والجبروت والفساد فی الارض۔ رشوت کے کھانے والے، غدار دوسروں کی کمائی سے فسق و فجور کرنے والے ایسے لوگ کہ اگر عوام الناس کے حاکم بنا دیئے جائیں تو انہیں اپنے غضب کا نشانہ بنائیں ان پر اپنی برتری جتائیں۔ تسلط وتشدد کا مظاہرہ کریں اور زمین میں فساد پھیلائیں۔

جب تک حضرت عمر زندہ رہے یہ کام تو کرتے رہے اسی جاہلیت اور خاندان پرستی کے مطابق مگر چھپے چوری اور چالاکی

وخوشامد کے دبیز پردوں میں یہ پردہ اس وقت اٹھا اور ان کی چالاکیاں منظر عام پر آئیں جب حضرت عثمان ان کے خاندانی رشتہ دار تخت نشین خلافت ہوئے اسی وقت سے ان کی تمام تر توجہ اس پر مرکوز رہی کہ یہ حکومت ہماری خاندانی حکومت ہو جائے جب تک ہم زندہ رہیں اقتدار کے مالک رہیں۔ ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد اس حکومت کی مالک ہو۔ انہیں نہ خلافت کی پرواہ تھی نہ اسلام کی۔ انہوں نے مال و دولت سے اپنے خزانے بھر لیئے۔ بہت بڑا لشکر تیار کرلیا۔ بیت المال جس پر تمام مسلمانوں کا حق تھا اسے خاص اپنی ذاتی ملکیت سمجھا۔ عوام کی گاڑھی کمائی سے بڑے بڑے لوگوں کو رشوتیں دے کر اپنا طرف دار بنایا وہ موقع کے منتظر تھے کہ جیسے ہی ہاتھ لگے اس حکومت کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مضبوط کرلیں وہ تاک میں تھے کہ ہمارے باپ ابوسفیان نے نبوت کے جو معنی سمجھے تھے یعنی سلطنت و بادشاہت، وہ سلطنت و بادشاہت اپنے خاندان کے لئے قائم کرلیں۔ ابوسفیان نے عم پیغمبرؐ عباس سے کہا تھا "تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہوگئی ہے"۔ اس نے نبوت کا مطلب بادشاہت سمجھا اور اس پیغمبرؐ کے لئے جس نے بادشاہیت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا بادشاہیت کے علاوہ اور کوئی چیز ماننے پر تیار نہ ہوا۔ عثمان کے واقعہ قتل نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ ہم عنقریب دکھلائیں گے کہ عثمان کی ہلاکت میں خود معاویہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اسی وقت سے مکروفریب اور سازشی کاروائیوں میں معاویہ کی مہارت اور استادی فن ظاہر ہونے لگی، اور اسی وقت سے دو متضاد فطرتوں میں جنگ و جدال کا آغاز ہوا۔ ایک طرف بلند کردار، ثابت قدمی پاکی فطرت تھی۔ دوسری طرف ریاست طلبی انانیت وفسطائیت رشوت ستانی اور تمام صفات مذمومہ تھے۔ پہلے کا مجسمہ علی ابن ابی طالبؑ تھے اور دوسرے کا مرقع معاویہ اور ان کے عزیز واقارب۔

علی ابن ابی طالب کا اگر یہ شعار تھا لا اداهن فی دینی ولا اعطی الدنية فی امری میں اپنے دین میں نہ تو دغا فریب سے کام لوں گا اور نہ ذلیل و نامناسب کوئی کام کروں گا۔

احب لغيرك ما تحب لنفسك اکره له ما تکره لها ولا تظلم كما لاتحب ان تظلم ولا يكونن اخوك على الاساءة اقوى منك على الاحسان۔ دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ دوسروں کے لئے بھی وہ پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے جس طرح تم اپنے اوپر ظلم کیا جانا گوارا نہیں کرتے۔ اسی طرح دوسروں پر بھی ظلم نہ کرو۔ تمہیں اپنے بھائی کی بدسلوکی کے مقابلے میں حسن سلوک پر زیادہ قادر ہونا چاہئے۔

تو معاویہ کا شعار یہ تھا کہ ان لله جنودا من العسل خدا کے لشکر شہد میں ہیں۔ ان کی مراد اس زہر آلود شہد سے تھی جس کے ذریعہ وہ اپنے دشمنوں کا کام تمام کرتے تاکہ حکومت و بادشاہی تک پہنچنے کی راہ صاف ہو جائے۔ معاویہ کے دشمن وہ

تمام ستودہ صفات اور پاکیزہ فطرت کے انسان تھے جوان کی راہ میں حائل تھے۔

معاویہ نے اپنے مقصد تک پہنچنے میں جس کسی کو بھی حائل پایا جس کے متعلق انہیں ذرا بھی شبہ ہوا ہمارے منصوبوں میں رکاوٹ بن سکتا ہے اس کا کام تمام کر دیا خواہ وہ شخص کتنا ہی نیک اور پارسا کیوں نہ رہا ہو انہوں نے اپنے ان مخصوص دوستوں کو بھی معاف نہیں کیا جوان کے دست و بازو اور ان کی حکومت کے ستون وبنیاد تھے اسی شہد سے انہوں نے حسن ابن علیؑ کو بھی شہید کیا۔ بیت المال کی دولت جسے رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف ہونا چاہئے اس دولت سے انہوں نے اپنے لئے لوگوں کو خریدا اپنے دوست احباب اعوان وانصار کو بڑی بڑی رشوتیں دیں۔

جس دن وہ یزید کی بیعت پر لوگوں کو مجبور کرنے کے لئے مکہ گئے انہوں نے ایک طرف اپنے ساتھ زبردست لشکر رکھا دوسری طرف سونے چاندی کے بہت سے ڈھیر رکھے اور مکہ والوں سے کہا:

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ یزید کو نام کا خلیفہ بنا دیا جائے۔ حکام کی تقرری معزولی، روپیہ پیسے کی آمدنی وخرچ سب آپ لوگوں کے ہاتھ میں رہیں گے''۔

''لیکن جب لوگ یزید کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ ہوئے اور بیعت کرنے سے انکار کیا تو معاویہ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا:

میں نے نتائج سے تمہیں آگاہ کر دیا۔ اب میں ذمہ دار نہیں۔ میں تقریر شروع کر رہا ہوں اگر کسی نے بھی کھڑے ہو کر مجھے جھٹلانے کی کوشش کی تو ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنے پائے گا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی لہٰذا اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔

انہیں جب بیت المال کی دولت فضول برباد کرنے پر ملامت کی جاتی وہ دولت جسے علی ابن ابی طالبؑ صرف رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا کرتے تھے تو معاویہ جواب میں یہ اموی فقرہ کہتے: الارض لله و انا خلیفة الله انما اخذ من مال الله فهو لی وما ترکته منه فهو جائز لی۔

زمین خدا کا مال ہے اور میں خدا کا جانشین ہوں جو کچھ میں لے لوں وہ میرا ہے اور جو کچھ چھوڑ دوں اس کا لینا بھی میرے لئے جائز ہے۔

جب ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو عقائد ونظریات میں آزادی دی جائے تو وہ جواب دیتے جب تک کوئی ہمارے اور ہماری حکومت کے درمیان حائل نہیں ہوتا ہمیں کسی سے کوئی مطلب نہیں''۔

استاد محمد غزال الاسلام والاستبداد السیاسی (اسلام اور سیاسی ڈکٹیٹرشپ) میں اس قسم کے ڈکٹیٹرانہ طرز

عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خود غرض اور خود رائے ہونا بزرگ ترین جرم ہے اگر کوئی شخص فرمانروائی کے منصب پر فائز ہو جائے تو وہ اسی وقت اس منصب کا مستحق ہے اور عوام الناس کو اسی وقت اس کی حمایت کرنی چاہیئے جب وہ شخص عوام کے مقاصد برلائے اور ان کی خواہش کے مطابق کام کرے......“

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”بادشاہوں کی خودرائی اور قطائیت خدا کو بھی ناپسند ہے۔ پیغمبروں کو بھی اور خلائق کو بھی یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ بادشاہوں کے سوچنے کا انداز ہر زمانہ میں ایک ہی رہا۔ ان بادشاہوں کے خیر خواہ اور ہمدرد خواہ ان کے ساتھ کتنی ہی محبت سے کام لیں، وہ اپنے غرور کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے“۔ اسی مکیاویلی سیاست سے کام لے کر معاویہ نے حکومت ہتھیائی اور خلافت کو بادشاہت و سلطنت میں تبدیل کر دیا اور اپنے بعد اپنی اولاد کو اس کا وارث بنا گئے۔

معاویہ اس بارے میں بنی امیہ کی خودغرضانہ فطرت کا مکمل نمونہ تھے وہ بنی امیہ جو جاہلیت میں بھی بدسرشت تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی بدسرشت رہے۔ علی ابن ابی طالبؑ کے ابن ملجم کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرتے ہی ہر اس شخص کی ہلاکت کے سامان کرنے میں مصروف ہو گئے جو انہیں پروردگار عالمین کا خلیفہ ماننے پر تیار نہ تھا انہوں نے صاف صاف یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہم لوگوں کو ان کے حال پر اسی وقت چھوڑیں گے جب وہ ہمارے غلام بن جائیں اور ان کا کہنا تھا فدع الناس عالم یحولوا بیننا و بین ملکنا جب تک کوئی ہمارے اور ہماری حکومت کے درمیان حائل نہیں ہوتا ہمیں اس سے مطلب نہیں انہوں نے صاف صاف لفظوں میں لوگوں سے کہہ دیا کہ حکومت میری ہے۔ پھر میرے بعد بنی امیہ کی ہے۔ لوگ اسی وقت تک آزاد ہیں جب تک وہ بنی امیہ اور ان کی سلطنت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ انہوں نے لوگوں کی محض تہمت اور شبہ کی بناء پر پکڑ دھکڑ شروع کی حالانکہ اس سے پہلے خلفاء کے زمانے میں بھی ایسا نہ ہوا تھا۔ انہوں نے صحابہ، تابعین اور ان تمام مومنین کو بڑی بے باکی سے قتل کرنا شروع کیا جو رائے عامہ کے ترجمان اور صحیح راستہ پر چلنے کی کوشش کرتے۔

وہ حکومت پر قدم جماتے ہی لوگوں کے مال و دولت کو اپنے نابکار لڑکے یزید کے حق میں بطور میراث رجسٹرڈ کرنے لگے۔ لوگوں سے یزید کی جبریہ بیعت لینے میں انہوں نے ہزاروں ہی وسیلے سے کام لیا۔ ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اسی واقعہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یزید اور اس کے بعد کے اکثر خلفاء بنی امیہ کی حکومت کن بنیادوں پر قائم تھی:

معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کے بدلے سعید بن عاص کو گورنر مقرر کرنا چاہا مغیرہ کو یہ

خبر مل گئی وہ معاویہ کے پاس آئے اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ یزید کو اپنے بعد کے لئے خلیفۃ المسلمین نامزد کر دیجئے۔ معاویہ نے اسے معزول کرنے کا ارادہ ترک کر کے کہا میں تمہیں کوفہ کی گورنری پر برقرار رکھتا ہوں تم جاؤ اپنا کام سنبھالو اور جن لوگوں پر تمہیں بھروسہ ہو ان کے سامنے یہ تجویز پیش کرو۔ مغیرہ وہاں سے چل کر کوفہ آیا اور بھروسہ کے لوگوں کے سامنے یزید کی خلافت کی تجویز پیش کی۔ ان لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ مغیرہ نے ان میں سے دس آدمی منتخب کیئے اور انہیں وفد کی صورت میں معاویہ کے پاس بھیجا۔ انہیں اس کے لئے ۳۰ ہزار درہم بھی دیئے اور ان کا سرگروہ اپنے بیٹے موسیٰ کو مقرر کیا۔ یہ لوگ معاویہ کے پاس آئے یزید کی بیعت کی تجویز کی بڑی تعریف کی۔ معاویہ نے موسیٰ سے پوچھا تمہارے باپ مغیرہ نے کتنے میں ان لوگوں کا دین خریدا اس نے کہا ۳۰ ہزار میں معاویہ نے کہا سستا سودا رہا۔

اس واقعہ کے بعد انہوں نے اپنے تمام عاملوں کو یہ تجویز لکھ بھیجی اور انہیں تاکید کی ہر شہر ہر ضلع سے میرے پاس وفد بھیجو۔ بہت سے وفود آئے باہمی رائے مشورہ اور تبادلہ خیالات ہوئے۔ پھر یزید بن مقنع نے کھڑے ہو کر (معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا مومنین کے یہ امیر ہیں اور جب یہ مرجائیں تو یزید کی طرف اشارہ کر کے مومنین کے امیر یہ ہیں اور جو اس سے انکار کرے گا اس کے لئے تلواروں کی طرف اشارہ کے یہ ہے معاویہ نے کہا آؤ بیٹھو تم سید الخطباء ہو۔

اہل حجاز سے معاویہ نے یزید کی بیعت کے لئے جیسی زورزبردستی کی وہ انتہائی حیرت انگیز بھی ہے اور دہشت ناک بھی انہیں ہموار کرنے کے لئے معاویہ لشکر بھی لے گئے تھے اور درہم و دینار کے بہت سے ڈھیر بھی۔ مگر جب وہ نہ لشکر سے مرعوب ہوئے اور نہ مال و دولت کے جال میں پھنسے تو معاویہ نے کہا میں اتمام حجت کر چکا اب تک یہ طریقہ رہا کہ جب میں تقریر کرتا تو تم میں سے کوئی اٹھنے والا اٹھتا اور مجمع عام میں میری تکذیب کرتا میں برداشت کرتا اور درگزر کر دیتا اب میں اس وقت تقریر کرنے جارہا ہوں خدا کی قسم اگر تم میں سے کسی نے بھی میری تردید میں ایک فقرہ بھی کہا تو قبل اس کے کہ دوسرا فقرہ اس کی زبان سے نکلے تلوار اس کے سر پر پہنچ چکی ہوگی لہٰذا تم لوگ اپنی جانوں کی خیر مناؤ، پھر انہوں نے اپنے پولیس آفیسر کو حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کے سر پر دو شخص کھڑے کر دو جن کے ہاتھ میں تلواریں ہوں۔ اگر ان میں سے ایک شخص بھی منہ سے بات نکالے چاہے تصدیق میں یا تردید میں اس کی گردن یہ دونوں شخص اڑا دیں۔

معاویہ اور بنی امیہ نے جاہلیت، عالی فطائیت اور جاہ و جبروت سے پوری طرح کام لیا وہ مطلق العنان حاکم تھے۔ سیاہ سپید کے مالک اور مسلمان ان کے زرخرید غلام جنہیں ان کی من مانی کارروائیوں پر دم بھی مارنے کی اجازت نہ تھی انہوں نے لوگوں کی گردنیں تلواروں سے اڑا دیں جنہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر گودنے

گدوا دیئے گئے جو غلامی کی خاص پہچان ہوا کرتی۔

معاویہ کے جانشین کج روی اور حق دشمنی میں ان سے بھی دو چار قدم آگے نکل گئے بعض تو ان میں ایسے تھے جو جرائم اور سیہ کاریوں میں ان سے کافی بڑھ گئے لیکن وہ ظاہری خوبیاں جو ان میں تھیں ان کا عشر عشیر بھی انہیں نصیب نہ ہوا اسی وجہ سے عوام الناس نے ان کے زمانے میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں انہیں زبردستی مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی روزی بھی ان خلفاء کے عمال کے حوالے کردیں اور اپنی گردنیں بھی۔ان کے عمال اور کارندے کھلے ہوئے فاجر تھے وہ جس شہر میں بھی پہونچے یا جہاں کے بھی وہ حاکم مقرر کئے گئے وہاں کے باشندوں کو خوب اچھی طرح کچلا۔جی کھول کر ان پر مظالم کئے۔عرب کے علاوہ دیگر ممالک کے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔انہیں خوب ذلیل وخوار کیا اور انتہائی ذلیل طریقہ سے انہیں غلام بنایا۔ذمی کافروں کے متعلق اسلام نے حسن سلوک کی تاکید یں کی ہیں۔ان تمام تاکیدات کے برخلاف انہیں ذلت ونکبت میں ڈالا۔عربوں کو بھی انہوں نے نہیں بخشا جس عرب نے بھی خوشی خاطر انہیں اپنا گوشت کھلانے اور اپنا خون پلانے سے انکار کیا اسے موت کے گھاٹ اتارا ایسے لوگوں کو ان پر مسلط کیا جو ان پر نت نئے ٹیکس لگاتے لگان وخراج ناقابل برداشت حد تک معین کرتے اور پھر طرح طرح کے ظلم وتشدد کر کے شرمناک طریقوں سے انہیں مجبور و بے بس کر کے لگان وصول کرتے اسی وجہ سے سعید بن عاص جسے حضرت عثمان نے عراق کا حاکم مقرر کیا تھا، کہا کرتا تھا عراق تو قریش کا باغ ہے جو ہم چاہیں گے لے لیں گے چاہیں گے چھوڑ دیں گے اور اسی وجہ سے عمرو عاص نے ایک کافر ذمی کے اس سوال پر کہ ہمیں کتنا جزیہ دینا ہے جواب دیا تھا تم تو ہمارے بمنزلہ خزانہ ہو (یعنی ہمارا احتیاج چاہے گا تم سے وصول کرلیں گے۔)

اموی خلفاء کی ہمیشہ یہی فکر رہی کہ بیت المال کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں اپنے حاشیہ نشینوں کی ملکیت اور دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں اسلامی علاقوں میں جو عمال مقرر تھے انہیں جو کچھ مال ومتاع ہاتھ لگتا لوٹ لیتے، بادشاہوں سے اپنی وفاداری کے صلہ میں جو لمبی لمبی رقمیں وصول کرتے رہتے وہ اس کے علاوہ ہوتیں۔اس کی مثال یہ ہے کہ ہشام بن عبد الملک کا ایک گورنر خالد بن عبداللہ قسری تھا۔وہ ہر سال بیت المال سے تقریباً دس لاکھ درہم وصول کرتا اور لوگوں کے جو مال ہڑپ کرتا اس کی تعداد کروڑوں تک جا پہونچتی۔

بنی امیہ کے ہاتھوں عدل علوی اور عدل اسلامی کے ستون منہدم ہو گئے۔لوگوں میں طبقاتی تفاوت پیدا ہو گیا۔ایک طبقہ کی دولت کا ٹھکانہ نہیں رہا۔دوسرا طبقہ نان شبینہ کو محتاج تھا۔ایک طبقہ جو چاہتا کر گزرتا کوئی روک ٹوک نہ تھی دوسرا طبقہ مظلوم و بے بس تھا جبکہ رعایا میں بہت سے ایسے تھے جنہیں روٹی تک نصیب نہ تھی۔بنی امیہ کا ایک بادشاہ معبد گوئیے کو رعایا کے مال

سے بارہ ہزار دینار اٹھا کر دے دیتا ہے کیونکہ معبد کے گانے نے بادشاہ کو خوش کر دیا تھا جب کہ لوگ آزادانہ زندگی گزارنے کی تمنائیں کیا کرتے۔ اس وقت سلیمان بن عبد الملک کی خلافت سے کچھ ہی دن پہلے غلاموں کی تعداد لاکھوں تک جا پہونچی تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک سلیمان عبد الملک نے ستر ہزار غلام اور کنیز آزاد کئے تھے۔

بنی امیہ کے عہد میں خاندانی قومی قبائلی عصبیت اس حد تک بلند ہوگئی تھی جو نہ اسلام کو پسند تھی نہ پیغمبرؐ کو نہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو قبیلہ قیس کے شخص کو جو حقوق حاصل تھے وہ یمنی کو حاصل نہ تھے عربی کو جو حاصل تھے وہ عجمی کو حاصل نہ تھے۔

اسی عہد بنی امیہ میں ان خوش باش بے فکرے مقربان بارگاہ اور درباری لوگوں کی کثرت ہوئی جو کھاتے تو تھے مگر کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے نام بیت المال سے بڑے بڑے وظیفے مقرر تھے بغیر کسی خدمت کے ان کے دامن میں غریب رعایا کی کمائی انڈیل دی جاتی تھی۔ جیسا کہ آج بھی بہت سے عربی ممالک کی حالت ہے تاریخ تو یہاں تک بتاتی ہے کہ ولید بن عبد الملک نے تقریباً ۲۰ ہزار مسلمانوں کے نام دفتر سے خارج کرا دیئے اور انہیں جو وظیفہ بیت المال سے ملا کرتا تھا اس سے محروم کر دیئے۔ اس کے ساتھ سلاطین بنی امیہ کی عام قساوت قلبی اور بے رحمانہ طرز عمل کو بھی ملا لیجئے جو وہ شہروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اختیار کئے ہوئے تھے جیسے عبد الملک کہ اس نے ایسی مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کی کہ روح انسانی ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی اس نے بحرین کے کنویں اور چشمے محض اس لئے پٹوا دیئے کہ وہاں کے باشندے نادار ہو جائیں ان کا کس بل جاتا رہے اور وہ حکام سے جھک کر ملنے لگیں (دیکھئے ابن ریحانی کی ملوک العرب جلد ۲ ص ۲۰۶ اور اسی کتاب النکبات ص ۶۴) حجاز و عراق پر اس نے اس ذلیل و حقیر سفاک و خوں ریز انسان کو مسلط کر دیا جسے دنیا حجاج بن یوسف کے نام سے یاد کرتی ہے۔

شاہان بنی امیہ کی نظروں میں رعایا کی کیا قیمت تھی وہ کس کس طرح خلافت اور عوام دونوں کی یکساں طور پر مٹی پلید کیا کرتے تھے اس کی مثال کے لئے یزید بن عبد الملک کافی ہے۔ ایک دن شراب پی کر حد سے زیادہ بدمست ہوگیا۔ پاس ہی حبابہ اس کی چہیتی کنیز بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ یزید نے بے خود ہو کر کہا مجھے اڑنے دو حبابہ نے کہا تو پھر آپ مسلمانوں کو کس پر چھوڑ جائیے گا۔ یزید نے کہا تم پر۔ امین ریحانی بنیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”لیکن رعایا کے ساتھ عدل، جو حکومت کی بنیاد ہے تو مسند نشین حکومت کے یہاں اس کا مطلب الٹا تھا۔ اموی سلاطین کو تم جان ہی چکے ہو ان میں ناکارہ بھی تھے اوباش بھی پکے شرابی اور ظالم بھی۔ (النکبات ص ۷۰)

پھر ان سلاطین بنی امیہ نے علیؑ و اولاد علیؑ پر سب و شتم کرنے کا جو شرمناک وطیرہ اختیار کر رکھا تھا اسے بھولنا نہیں چاہئے۔ البتہ بزرگ ترین اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز جن کی سیرۃ نے مشرق کے بادشاہوں کو بھی شرف بخشا اور خود انسان

کے شرف میں بھی اضافہ کیا۔ جنہوں نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی لوگوں کو مظالم سے نجات دلائی۔ ہر حق دار کو اس کا حق دیا۔ ظالم حکام کو بدل کر عدل گستر حاکم مقرر کئے اور ان عاملوں کو سخت تاکید کی کہ رعایا کے ساتھ منصفانہ اور نرم برتاؤ کریں جنہوں نے عرب وعجم اور مسلم وغیر مسلم میں حقیقی مساوات رائج کی اور خلقت کی آزادی کا احترام کرتے ہوئے فتوحات کا سلسلہ روک دیئے جانے کا حکم دیا۔ لوگوں سے ہر طرح کے ٹیکس ہٹالئے سوا ان ٹیکسوں کے جو وہ خوشی خاطر ادا کرتے تھے۔ علی ابن ابی طالبؑ پر سب وشتم کا جو عرصہ سے دستور چلا آرہا تھا۔ اس دستور کو ختم کر دیا۔ معززین واشراف سے ان کا ہتھیایا ہوا مال ضبط کر لیا۔ اور انہیں نصیحت کی کہ محنت کر کے کھاؤ۔ یہ بزرگ ترین انسان خود اپنی ہی قوم یعنی بنی امیہ کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا جس کی وجہ سے ان کی حکومت زیادہ نہ رہ سکی بنی امیہ اور ان کے حوالی موالی نے سازش کر کے ان کی جان ہی لے لی جس طرح ان سے پہلے انہیں امویوں نے معاویہ بن یزید کو موت کے گھاٹ اتارا تھا محض اس خطاء پر کہ اس نے ان کے مظالم کا اظہار کیا تھا اور عوام کو لوٹنے کھسوٹنے ان کے حقوق غصب کرنے پر ناپسندیدگی ظاہر کی تھی باپ دادا کو خطا کار تسلیم کیا تھا اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی تھی۔

کتنے حیرت کی بات ہے کہ آج کل بعض مصنفین ان جابر وسرکش بنی امیہ اور ان کے عمال وحکام کی حمایت اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں بڑی سرگرمی دکھلا رہے ہیں۔ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود ان کا اپنا دل بھی مطمئن نہ ہوگا۔ یہ صرف قدیمی بزرگوں کی حمایت اور اپنے اسلاف کی پاسداری کا جذبہ ہے جو ان مصنفین کو ایسی مہمل ومضحکہ خیز صفائی پیش کرنے کی ترغیب دلاتا ہے کیا خود بنی امیہ کے معاصرین جنہوں نے اپنی آنکھوں سے بنی امیہ کی حکومت دیکھی تھی اپنے زمانے کے واقعات بیان کرنے میں زیادہ سچے نہیں تھے۔ کیا ان کے بیانات سے ان مصنفین کی صفائی خاک میں نہیں مل جاتی اور بنی امیہ کی اصلی تصویر نظروں کے سامنے نہیں آجاتی۔ یہ صفائی پیش کرنے والے حسب ذیل روایت کو پڑھ کر کیا صفائی پیش کریں گے۔

ایک دن عبیدہ بن ہلال یشکری اور ابوحرابہ تیمی میں ملاقات ہوئی عبیدہ نے کہا ابوحرابہ میں کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم ٹھیک ٹھیک جواب دو گے؟

ابوحرابہ: ہاں پوچھو

عبیدہ: تم اپنے اموی خلفاء کے متعلق کیا کہتے ہو؟

ابوحرابہ: وہ ناحق خون بہاتے تھے۔

عبیدہ: اور مال میں ان کے تصرفات کیسے تھے؟

ابوحرابہ: ناجائز طریقہ سے وصول کرتے اور ناجائز موقع پر خرچ کرتے۔

عبیدہ: یتیموں کے ساتھ ان کے برتاؤ کیسے تھے؟

ابوحرابہ: وہ یتیموں کا مال ہتھیا لیتے ان کے حق سے محروم کرتے اور ان کی ماں سے منہ کالا کرتے۔

عبیدہ: ابوحرابہ تمہارا ناس ہو کیا ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے۔

ابوحرابہ: تم نے جو پوچھا اس کا ہم نے جواب دیا اب سرزنش نہ کرو۔

ابوحرابہ کے اس فقرہ اب سرزنش نہ کرو میں ضمنی طور پر صراحت ہے اس بات کی کہ بنی امیہ اور ان کے عمال کی حکومت میں کسی انسان کی مجال نہ تھی کہ اپنی کوئی رائے قائم کرے اور اپنی بات زبان سے نکالے یہ بنی امیہ کی طرف سے دفاع اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے والے اہل مدینہ کے ان نظریات وخیالات کی کیا توجیہ کریں گے جن کا اظہار انہوں نے ابوحمزہ خارجی کے سامنے کیا تھا۔ابوحمزہ خارجی نے امویوں کو مدینہ سے نکال کر باہر کرنے کے بعد لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ انہیں شام کے خلفاء اور ان کے حکام کی طرف سے کیا کیا مصائب جھیلنے پڑے۔مدینہ والوں نے کھلے لفظوں میں اقرار کیا کہ بنی امیہ لوگوں کو محض شبہ و بدگمانی کی بنا پر قتل کرتے ان تمام باتوں کو حلال سمجھتے جو اسلام نے حرام کی تھیں اور عقل وضمیر اور شرافت انسانی بھی جنہیں حرام سمجھتی ہیں۔ابوحمزہ نے اس موقع پر جو تقریر کی تھی اس میں یہ فقرے بھی کہے تھے:

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ خلافت الٰہیہ اور۔۔۔۔کی درگت بن گئی ہے یہاں تک کہ بنو مروان گیند کی طرح اس سے کھیلتے رہے انھوں نے مال خدا کو بری طرح کھایا دین خدا سے خوب کھیلے۔بندگان خدا کو غلام بنایا۔ہر بڑا اپنے چھوٹے کو ان باتوں کا وارث بناتا رہا۔انہوں نے حکومت ہتھیائی اور خودساختہ خداؤں کی طرح ان پر مسلط رہے ان کی گرفت جابروں کی گرفت رہی وہ اپنی ہوا و ہوس کے مطابق فیصلہ کرتے غصہ میں آکر قتل کرتے محض بدگمانی کی بنا پر گرفتار کرتے۔سفارشوں پر حدود معطل کردیتے۔خائنوں کو امین بناتے اور صاحبان امانت کی نافرمانی کرتے اور لگان وخراج کسی پر نہ بھی واجب ہوتا تب بھی وصول کر لیتے اور بے محل ان کو صرف کرتے“۔

بنی امیہ کی طرف سے یہ صفائی دینے والے بختری شاعر کے اس شعر کی کیا توجیہ کریں گے جس میں اس نے بنی امیہ کے زمانے کے لوگوں کے خیالات کی ترجمانی اور اس عہد کی تصویر کشی کی ہے۔

انا نکفر من امیة عصبة طلبوا الخلافة فجرة و فسوقاً

ہم بنی امیہ کے اس گروہ کو کافر قرار دیتے ہیں جنہوں نے فسق وفجور کے ذریعہ خلافت حاصل کی۔بنی امیہ کے حالات و

کیفیات ان کا ظالمانہ طرز حکومت ان کے منصوبے اور ارادے جس طرح پہلے زمانے کے لوگوں کو یقینی طور پر معلوم تھے اسی طرح بعد کے آنے والوں کو بھی معلوم رہے اور جس طرح اموی حکام کے قتل و غارت فتنہ وفساد و تباہ کاری اور غارت گری کے واقعات کو عربی مورخین نے تسلیم کیا ہے اسی طرح غیر ممالک کے مورخین نے بھی۔ یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا اعتراف مصر اور دیگر ممالک کے ان مصنفین کو بھی ہے جو بنی امیہ کی حمایت اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں سر گرمی دکھلاتے ہیں خود کہتے ہیں۔ مشرق و مغرب کے زیادہ تر مورخین بنی امیہ پر سخت و شدید حملے کرتے ہیں سوا پولیوس دلہاوزن کے کہ اس کا رویہ کسی حد تک معتدل ہے"۔

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ واحد مستشرق پولیوس دلہاوزن جو بنی امیہ کے متعلق دیگر مستشرقین کا ہمنوا نہیں اس کا رویہ بھی پوری طرح معتدل نہیں بلکہ "کسی حد تک معتدل ہے"۔

مصری مصنف کے اس فقرہ میں صریحی اعتراف ہے اس بات کا کہ اس واحد مستشرق کو ایسے شواہد میسر نہ ہو سکے جن کی بناء پر وہ بنی امیہ کی کھل کر پاسداری کر سکتا اور اس کا رویہ ان کے متعلق پوری طرح معتدل ہوتا نہ کہ کسی حد تک۔ البتہ ہم اس مصری مصنف کو ایک دوسرے مستشرق کا پتہ دیتے ہیں جس نے واقعاً بنی امیہ کی پوری حمایت و پاسداری کی ہے اور وہ فرانسیسی مورخ لامنس ہے جس نے خصوصی اغراض کے تحت زور قلم صرف کیا ہے۔ ہم عنقریب اس مورخ کی عبارتوں پر تبصرہ کریں گے۔

ان دو کو چھوڑ کر مستشرقین کی غالب اکثریت نے اموی حقیقت کی ایسی تصویر کھینچی ہے جو فرزندان ابوسفیان اور اولاد مروان کے حمایتیوں کو ہرگز پسند نہ آئے گی ان مستشرقین میں نمایاں شخصیت کا زانوفاکی ہے جس کا فقرہ ہے:

"بنی امیہ کی سرشت دو چیزوں سے مرکب تھی۔ ایک مالداری کی طمع ہوسناکی کی حد تک دوسرے فتح یابی کی محبت لوٹ مار کے ارادے سے اور سرداری کی لالچ صرف لذائذ دینوی سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے بہر حال خواہ وہ مورخین عرب ہوں یا مستشرقین ان میں سے کسی نے بھی اموی سرشت اور فطرت کی ویسی صحیح تصویر کشی نہ کی ہوگی جیسا کہ خود اموی خلیفہ ولید بن یزید نے اپنے بعض اشعار میں کی ہے":

فدع عنك ادكارك آل سعدى ... فنحن الاكثرون حصى و مالا

ونحن المالكون الناس قسرا ... نسومهم المذلة والنكالا

ونوردهم حياض الخسف ذلا ... وما نألوهم الا خبالا

سعدی کے گھر والوں کا تذکرہ جانے دو۔ ہم تعداد میں بھی ان سے زیادہ ہیں اور مال و دولت میں بھی زور زبردستی سے لوگوں کے مالک ہیں۔ انہیں ہر طرح ذلیل وخوار کرتے ہیں اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں انہیں ذلیل وخوار کر کے تباہی و بربادی کے چشموں پر لاتے ہیں وہاں پہنچ کر انہیں ذلت و بربادی ہی نصیب ہوتی ہے۔

اگر بنی امیہ کے حمایتی اور ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے والے ان تمام باتوں کو ٹھکرا دیں گے جو مورخین نے اموی نفسیہ اور اموی ذہنیت کے متعلق بیان کی ہیں ان تمام عربی وفرنگی جدید وقدیم خاص وعام کے بیانات رد کر دیں گے تو کیا وہ ولید بن یزید کے اس قول کو بھی رد کر سکتے ہیں؟

حسینؑ و یزید

وہ تمام حوادث و واقعات جن سے حسینؑ گزرے، شاہد ہیں کہ وہ اخلاقی حیثیت سے عرش بریں تھے اور وہ تمام حوادث و واقعات جس سے یزید گزرا وہ ثبوت ہیں کہ وہ زمین کا آخری طبقہ تھا۔ ثبوت کے لئے کربلا کافی ہے۔ یہ واقعہ بولتی ہوئی زبان بھی رکھتا ہے اور اشارہ کرتا ہوا ہاتھ بھی لیکن یزید انتہائی بدمست پکا شرابی تھا۔ ریشم پہنتا اور طنبورہ بجاتا تھا۔

منجملہ ان افراد کے جوان دونوں (ہاشمی واموی) گھرانوں کا انتہائی مکمل نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئے حسین ابن علیؑ اور یزید بن معاویہ تھے۔ حسین علیہ السلام اپنے وقت کے مکمل ہاشم تھے اور یزید اپنے وقت کا مکمل عبد شمس۔ اگر فرد کے خصوصی اوصاف صحیح ترجمان ہو سکتے ہیں اس ماحول کا جس میں اس فرد نے پرورش پائی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ حسینؑ اور یزید دونوں اپنے اپنے خاندانوں کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر مقابل ہوئے۔ حسینؑ ہاشمی خانوادہ کے نمائندے تھے تو یزید اموی گھرانے کا نمائندہ تھا۔ بس فرق تھا تو یہ کہ حسینؑ ہاشمی فضائل وکمالات کا بہترین مرقع تھے اور یزید بنی امیہ کی طرح خوبیوں سے عاری تھا۔

حسین فاطمہ بنت پیغمبرؐ کے لخت جگر اور علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند تھے ان کی پیدائش پر پیغمبرؐ نے انہیں اپنی آغوش میں لیا اور ان کے کانوں میں اذان کہی تا کہ ان کی روح میں اپنی روح سمو دیں اور انہیں اپنے وجود اور اپنی حیات کا ایک حصہ بنا لیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیں کہ وہ ایک مخصوص غرض وغایت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور ان کی زندگی کے لئے متعین دستور حیات ہے۔

پیدائش کے ساتویں دن پیغمبرؐ نے انتہائی فرحت وانبساط کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں نے اپنے اس فرزند کا نام حسینؑ رکھا۔۔۔ بچہ دن بدن بڑا ہوتا گیا اس حالت سے کہ اس کے اندر نانا کی روح باپ کے دل کی دھڑکنیں اور رسالت کی گہری چھاپ تھی باپ دادا اور بزرگان سلف کے کمالات وخصوصیات اس بچہ کی سرشت میں اکٹھا ہوگئی تھیں اور جوں جوں بچہ کی نشو ونما بڑھتی جاتی یہ کمالات وخصوصیات بھی اس میں ترقی کرتے جاتے۔

اوصاف وکمالات کا باپ داداؤں سے بیٹوں پوتوں میں منتقل ہوتے رہنا فطرت کا ایسا قانون ہے جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں، جس طرح شکل وصورت رنگ وروپ اور ظاہری ومادی خصوصیات باپ دادا سے بیٹوں پوتوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح آباؤ اجداد کے کمالات وخصوصیات بھی۔

حسینؑ ۷ برس کی عمر تک اپنے نانا کے زیر سایہ رہے۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام حسینؑ سے محبت والفت کرکے پیغمبرؐ کی پیروی کرتے رہے۔ محبت کرنے کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ شکل وشمائل میں حسینؑ کو عظیم ترین مشابہت تھی پیغمبرؐ سے جیسا کہ ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے پیغمبرؐ خدا کی بھی زیارت کی اور آپ کے نواسوں کو بھی دیکھا۔

باپ دادا کے ناموں اور کارناموں کو بچہ کے نشو ونما اور اس کے مستقبل کو تابناک بنانے میں بڑا دخل ہوتا ہے بچہ کم سنی ہی سے اپنے بزرگوں کے نام اور بزرگوں کے تذکرے سنتا ہے اس کے ذہن ودماغ میں ان بزرگوں کی تصویریں کھینچ آتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ فطری طور پر اس بچہ میں بھی وہی اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں جو بزرگوں کے تھے بچہ یوں بھی باپ دادا کے اوصاف وکمالات کا وارث ہوتا ہے پھر ہر وقت کے ساتھ اور ایک مکان میں رہنے کے بھی بہت کچھ اثرات ہوتے ہیں۔

اطالوی محقق (بستا نوری) نشو ونما اور تربیت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میرے خیال میں تربیت کی مثال ایک پھل دار درخت کی ہے جو پانی کی نہروں کے پہلو میں ہو۔ اس درخت کی اصل صرف ایک چھوٹا سا تخم تھی خداوند عالم نے اس تخم میں اس درخت کی صورت اس کے خواص اور پھل ودیعت کر رکھے تھے جب یہ موسم بویا گیا اور درخت لگانے والے نے اس کی مناسب طریقہ سے نگہداشت کی تو وہ تخم پودے کی شکل میں ظاہر ہوا پھر پروان چڑھا اور تناور درخت بن گیا۔ اور اس میں پھل آنے لگے حالانکہ اصل میں وہی چھوٹا سا تخم ہے“

”یہی کیفیت بچہ کی ہوتی ہے جس میں خداوند عالم نے ایسی قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں جو دیکھ بھال اور تعلیم وتربیت سے نشو ونما پاتی ہیں رفتہ رفتہ کرکے اس کے اعضا مضبوط ہوتے ہیں اور اس کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک دن ان قوتوں کے مجموعہ سے ایک اکائی بن جاتا ہے۔ لہٰذا مربی پر واجب ہے کہ بچہ کی بدنی، ادبی، عقلی قوتوں کی مساعدت کرے

اور اس کے پیدائشی نمو میں معاون ہو مصنوعی طریقے ہرگز استعمال نہ کرے۔

پھر حسینؑ نے اپنے عظیم باپ کو دیکھا۔ان کی پامردی وثبات قدم، ان کا عدل وانصاف، ان کی شفقت اور عطوفت، مظلوم کی نصرت ویاری، ظالم پر غیظ وغضب دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور کمال مہربانی دیکھی۔ جنگ جمل وصفین اور نہروان میں باپ کے پہلو بہ پہلو رہ کر ان کی محیر العقول شجاعت کے نمونے دیکھے۔ بھلائی کے لئے جنگ کرنے کے طریقے سیکھے اور غریب عوام کو ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے کو قربان کرنے کا انداز سیکھا۔

حسینؑ کی مادر گرامی انتہائی نرم دل اور حد سے زیادہ شفیق ومہربان طبیعت تھیں اسی نرم دلی اور شفقت ومہربانی کی وجہ سے پدر بزرگوار کی تکلیفوں پر ان کا دل سدا کڑھتا رہتا تھا۔ پیغمبرؐ واصحاب پیغمبرؐ کے ساتھ قریش والوں کی بدسلوکیاں اور ان کی جان لینے کی تدبیریں ہمیشہ غمگین بنائے رہتیں ان کے حزن واندوہ اور رنج والم کی اس دن تو انتہا نہ رہی جس دن کو غزوہ اُحد پیش آیا اور قریش والوں نے بہت سے مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ان کے مردوں کا مثلہ کیا ان کے لئے کتنا اندوہ ناک وہ منظر تھا جب انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کو اپنے چچا حمزہؓ پر گریہ فرماتے دیکھا۔سیدہؑ مرتے دم تک اس منظر کو فراموش نہ کرسکیں۔

سیدہؑ کے اسی حزن واندوہ اور گہرے رنج والم کے عالم میں حسینؑ شکم مادر میں تھے پیدا ہونے پر وہ مادر گرامی کے یہی تاثرات اور یہی اندوہ ناکی ودل گرفتگی ساتھ لے کر آئے اس وراثت کے آثار حسینؑ کی طفولیت میں بھی نمایاں رہے اور جوانی میں بھی وہ گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہمیشہ متفکر رہتے۔ ہنسی دل لگی کی طرف رغبت نہ تھی بہت زیادہ حساس طبیعت تھے۔ پھر وہ ابھی سات برس کی عمر تک نہ پہونچنے پائے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ہجوم کو نانا پر روتے دیکھا وہ نانا جو حسینؑ کے لئے عظیم ترین محبت وشفقت کا سرچشمہ تھے۔مسلمانوں کے گروہ ایک ایک کر کے ان کے گھر پر آتے اس حال سے کہ آنکھوں سے آنسو جاری چہروں پہ بلا کا حزن واندوہ مسلط اور فرط الم سے زبانیں گنگ ہوتیں۔وہ اپنی مادر گرامی کے پاس سے کسی وقت ہٹتے نہیں جو کہ گھر میں ہر وقت باپ کو یاد کر کے رویا کرتیں۔کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ ان کی مادر گرامی اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد ایک مرتبہ بھی ہنسی ہوں ان کی یہی کیفیت مرتے دم تک رہی یہاں تک کہ اپنے باپ سے جاملیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انس بن مالک فاطمہؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منت سماجت کی کہ اپنے اوپر رحم کیجئے اتنا حزن واندوہ اور اس قدر گریہ وزاری نہ کیجئے صبر فرمائیے۔فاطمہؑ نے جواب میں صرف اتنا کہا:

”انس! پیغمبرؐ کے جسد اطہر کو آغوش لحد کے سپرد کرنا تمہارے دل کو کیسے گوارا ہوا۔

اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں انس بھی ڈاڑھیں مار کر رونے لگے اس حال سے پلٹے کہ فاطمہؑ کے حزن و

اندوہ نے ان کا دل پارہ پارہ کر دیا تھا۔

وہ اپنی چھوٹی دکھیاری بہن زینب کو بھی حزن و اندوہ کے گہوارہ میں پڑا دیکھتے ان کا دل گھٹ کر رہ جاتا اور چپ سی لگ جاتی۔

حسینؑ اپنی ماں اور اپنی بہن کو دیکھتے اور عالم تصور میں حزن و اندوہ کی ان صورتوں کو دیکھتے جو ان کے لئے ان کی بہن کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے مقدر چھپائے تھا۔ ان کا دل کہتا کہ ہمیں اور ہماری بہن زینبؑ کو تھوڑے ہی دنوں میں مادر گرامی پر آنسو بہانا ہے اور ان کے بعد والد بزرگوار پھر بھائی حسنؑ کا سوگ منانا ہے اور ہماری اولاد کو ہولناک سلسلہ مصائب کا سامنا کرنا ہے۔

حسینؑ نے چند ہی دنوں کے بعد اپنی مادر گرامی کو ماںجائی زینبؑ سے یہ وصیتیں کرتے سنا:

تم حسنؑ و حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا ان کی ہر بات کی نگہداشت کرنا اور میرے بعد ان کے ساتھ ماں کے فرائض ادا کرنا۔

ان کی مادر گرامی نے اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے ٹھیک ۳ مہینے بعد انتقال کیا۔ حسینؑ کھڑے ہوئے ماں سے وداع ہو رہے تھے نظریں کبھی ماںجائی زینبؑ پر پڑتیں جنہیں فرط الم سے چپ سی لگی ہوئی تھی کبھی اپنے باپ پر کبھی بھائی پر جو سیدہ کو وداع کرتے ہوئے خون کے آنسو رو رہے تھے۔

اس طرح حسینؑ نے لامتناہی رنج و الم سے بھری فضا میں بچپن کی منزلیں طے کیں۔ جب سن شباب پر پہونچے تو اپنی قوم والوں کو پدر بزرگوار کے راستہ میں قدم قدم پر حائل اور برسر پیکار ہوتے ہوئے پایا حضرت عائشہ اور ان کے انصار کے طرز عمل نے ان کے حزن و اندوہ میں اور اضافہ کر دیا۔ پھر آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ معاویہ، عمر عاص اور ان کے ساتھیوں کی غداریاں دیکھیں، ان غداریوں نے دنیا آپ کی آنکھوں میں اور تاریک کر دی اور زندگی فضول سی معلوم ہونے لگی اگر کجی و بے راہ روی کو اس محیر العقول جرأت و بے خوفی سے دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے جس جرأت و بے خوفی سے آپ کے پدر بزرگوار نے کام لے کر دور کرنے کی کوشش کی۔

اس دن تو حزن و اندوہ اور رنج و الم کے تمام اسباب اکٹھا ہو گئے جس دن دست گنہگار و خطا کار نے تلوار کا بھرپور وار آپ کے پدر بزرگوار کی پیشانی پر لگایا جبکہ آپ مسجد میں محو عبادت تھے اس ضربت کے بعد آپ دو دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ظالم و ستم پیشہ افراد کو اپنی سلطنت و اقتدار قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے بھائی امام حسنؑ زہر سے شہید ہوئے یہ دیکھ کر آپ کے صدمہ و ملال حیرت و دہشت کی

انتہا نہ رہی کہ بنی امیہ اور ان کے حوالی موالی آپ کے بھائی کے جنازہ پر تیر بارانی کر رہے ہیں آپ کے علم میں یہ بھی آیا کہ معاویہ آپ کے پدر بزرگوار اور بھائی کو منبروں پر سب وشتم کئے جانے کا حکم دیتے ہیں بلکہ آپ نے خود اپنے کانوں سے معاویہ کو سب وشتم کرتے سنا غرض کہ حزن واندوہ وصدمہ وملال کے نئے نئے اسباب پیدا ہوتے رہے یہ وہی اسباب تھے جن کی انتہا آگے چل کر کربلا میں ہوئی جہاں دنیا کا شرمناک ترین جرم ذلیل وخوار سپاہیوں اور ان کے کمینے افسروں کے اشتراک سے عمل میں آیا جنہوں نے مٹھی بھر حسینؑ کے ساتھیوں ان کے بچوں اور ان کے گھر والوں پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہ تھی حسینؑ کی نشو ونما بلحاظ میراث کے اور بلحاظ تربیت کے اور یہ تھے اسباب ان کے حزن واندوہ کے حزن واندوہ جس کا دنیا میں آ کر آنکھیں کھولتے ہی سامنا کرنا پڑا جس طرح ان کے نانا۔ ان کی مادر گرامی ان کے پدر بزرگوار کو جھیلنے پڑے۔ یہ حزن واندوہ ان کی فطرت میں داخل ہو گیا اسی حزن واندوہ کی وجہ سے ان کے اخلاق انتہائی نرم ہو گئے اور انہیں اسباب حزن واندوہ نے انہیں لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونے اور ظالموں سے دشمنی رکھنے پر مائل کیا۔

میراث وتربیت کے اصول کی بنا پر حسینؑ کہا کرتے:

الحلم زینة والوفاء مدوّة والاستکبار صلف والسفة ضعف ومجالسة اهل الفسق ریبة

حلم زینت ہے وفا مردانگی ہے، کبر وغرور نادانی، کمزوری اور فاسقوں کی ہم نشینی شک وشبہ میں ڈال دینے والی ہے۔

لا تتناول الا ما رأیت نفسك له اهلاً

وہی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے لائق اپنے کو پاؤ۔

لا اریٰ الحیاة مع الظالمین الا برما

ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا عاجزی وخواری ہے۔

الصدق عزٌّ والکذب عجز

سچائی عزت ہے اور جھوٹ عاجزی۔

یزید کون تھا؟

یہ شخص اموی گھرانے کی تمام برائیوں کا وارث تھا۔ بنی امیہ کی جو افتاد مزاج تھی، جو ان کا عقیدہ مسلک تھا۔ معاملات کو وہ جس نظر سے دیکھتے تھے۔ ٹھیک وہی افتاد مزاج وہی عقیدہ اور مسلک اور معاملات کو دیکھنے کا وہی انداز اس کا بھی تھا۔ خاندانی برائیوں کے علاوہ دوسرے بدکار و بے حیا لوگوں کی شرارت و فساد اور شیطانی حرکتیں مستزاد تھیں وہ اپنے باپ کے ان ظاہری صفات کا حامل بھی نہ ہوا جنہیں خوبیاں کہہ کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ حقیقتاً حکومت و اقتدار کو مضبوط بنانے کے وسیلے تھے بلکہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یزید میں اپنے خاندان والوں کی تمام برائیاں تو ایک ایک کر کے اکٹھا ہو گئی تھیں۔ مگر ان کی خوبیاں سرے سے ندارد تھیں۔ بنی امیہ میں دوسرا کوئی ایسا نہیں گزرا جو یزید کی طرح کشتۂ لذائذ ہوا نہیں لذت کوشیوں اور رنگ رلیوں میں اس نے اپنی جان بھی گنوائی چنانچہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھوڑے پر بیٹھا بندر سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا گھوڑے سے گر پڑا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ اس کے زمانہ کے لوگوں نے بڑے مختصر اور انتہائی جامع لفظوں میں اس کی تصویر کشی کی ہے:

كان سكيراً خميرا يلبس الحرير ويضرب بالطنابير۔

وہ پکا بدمست بلا کا شرابی تھا ریشم پہنتا اور طنبورہ بجایا کرتا۔

اور جس قدر حسینؑ پیغمبرؐ کے مکارم اخلاق اور فضائل و کمالات کو چار چاند لگانے والے ثابت ہوئے اتنا ہی یزید سفیانی رذائل اور پستیوں کو شرمناک سے شرمناک تر بنانے والا ثابت ہوا جس قدر حسینؑ میں ہمدردی و غمگساری اور دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے کے جذبات تھے جیسا کہ عموماً پاکیزہ فطرت لوگوں کے دلوں میں ہوتے اتنی ہی یزید میں بے حیائی بے شرمی کوٹ کوٹ کر بھی تھی۔۔۔

یزید نے اس گھر میں پرورش پائی جو اسلام کو ایک سیاسی تحریک سمجھتا تھا۔ بنی امیہ کے نزدیک پیغمبرؐ کی نبوت محض حکومت و اقتدار پر قابض ہونے کا ایک بہانہ تھی اور اسلام نام تھا اقتدار کے بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل کر بنی ہاشم کے ہاتھوں میں چلے جانے کا اس کے ہم وطن اس کی نظروں میں محض سیاہ دلشکر تھے جن کا فریضہ تھا کہ وہ ہر حال میں حاکم کے وفادار رہیں۔

اپنے ہم وطنوں کے وجود کی غرض وغایت اس کے نزدیک صرف یہ تھی کہ وہ لگان وخراج ادا کر کے خزانہ کی دولت میں اضافہ کریں وہ خزانہ جو صرف بادشاہ کے خرچ کے لئے ہوتا۔ جب ایسے گھر میں یزید کی نشو ونما ہوئی تو لازمی تھا کہ یزید بھی ٹھیک اسی راستہ پر چلے جن راستہ پر اس کے باپ دادا اور خاندان والے جاہلیت اور اسلام میں چلے، اسی کے ساتھ اس کو بھی ملا لیجئے کہ وہ ایسے باپ کے گھر میں پلا بڑھا تھا جس میں مسلمانوں کے اموال لبالب بھرے رہتے اور وہ باپ کی خواہشوں کے مطابق خرچ ہوتے۔ جب دولت اور جہالت دونوں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں۔ تو ہرزہ کاری اور بے ہودگی کے علاوہ اور کیا حاصل ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر جاہل سرمایہ دار کی طرح یزید بھی شراب کا رسیا، سیر وتفریح کا دلدادہ، اور کتوں سے کھیلنے کا عادی تھا۔ یزید نے مسند حکومت پر بیٹھتے ہی اس خزانہ کو اپنی رندی، ہوسناکی اور شہوت رانیوں میں لٹانا شروع کیا۔ ایک طرف وہ اپنے غلاموں کنیزوں ہم پیالہ وہم نوالہ اور گانے بجانے والوں پر عوام کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹاتا۔ کتوں کو جو بے شمار تعداد میں اس کے پاس تھے سونے کے کنگن اور چاندی کے زیور پہناتا اور مہنگے ریشمی کپڑوں میں ملبوس رکھتا دوسری طرف اس کے کارندے غریب ونادار رعایا کا گلا گھونٹ کر انہیں نت نئی تکلیفوں میں مبتلا کر کے اموال خراج اور ٹیکس کے روپے جمع کرتے پھرتے۔ اس کی حکومت صرف ۳ برس ۶ مہینہ رہی۔ لیکن اس مختصر مدت میں وہ تمام رسوائیاں وہ تمام بے ہودگی وشرمناکی اس نے اکٹھا کر دی جو اموی سیاست کا نتیجہ تھیں۔

مذکورہ بالا لہو ولعب اوباشی وہوسناکی اور آباؤ اجداد کی برائیوں کے ساتھ اس یزید کے مزید کارنامے یہ ہیں کہ اس نے اپنی حکومت کے پہلے سال میں حسینؑ ابن علیؑ اور ان کے اعزہ واقربا کو قتل کیا ان کے گھر والوں کو قیدی بنایا دوسرے سال میں اس نے مدینہ کو لوٹا پھونکا اس کی عزت وحرمت کی ذرہ برابر پروانہ کی اور اپنے لشکروں پر حرمت کعبہ کو تین دن کیلئے مباح کر دیا گیارہ ہزار آدمی قتل کیئے جن میں سات سو مہاجرین وانصار اور پیغمبر اسلام کے صحابہ کرام تھے ہزار سے زیادہ باکرہ عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

حسینؑ کی فطرت یہ تھی کہ اپنے باپ اپنے نانا کی پیروی میں ظلم و بغاوت سے جنگ کریں ان کا مقولہ تھا: الا اری الحیاۃ مع الظالمین من الابرما۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا عاجزی وخواری ہے۔ اور یزید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سفاک و خوں ریز اور ستم پیشہ افرد کو سر چڑھاتا ان کے شرمناک وذلیل جرائم پر انہیں خود بھی بڑے بڑے انعامات دیتا اور دوسروں کو بھی ان کی عزت وتوقیر کرنے کا حکم دیتا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک دن یزید شراب وکباب کی محفل گرم کئے بیٹھا تھا اس کے دائیں عبید اللہ بن زیاد تھا کربلا کے المیہ کا چیف ایکٹر، یہ واقعہ شہادت حسینؑ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کا ہے یزید نے شراب

پلانے والے کو خطاب کر کے کہا:

اصفنی شربۃ تردی فوادی ثم صل فاسق مثلھا ابن زیاد

صاحب السرور الا امانت عندی تسلب مغنمی وجھادی

ایسی شراب پلا جو میرے دل کو ٹھنڈا کر دے پھر ایسی ہی شراب ابن زیاد کو پلا جو میرا راز دار وامین اور مال غنیمت حاصل کرنے اور لڑائیاں فتح کرنے کا ذریعہ ہے۔

ابن زیاد کی عزت وتوقیر کرنے میں اس کی حالت کتنی ملتی جلتی ہے عبد الملک بن مروان سے جس نے اپنے فرزندوں کو عظیم ترین جفا کار حجاج بن یوسف کی عزت وتوقیر کرنے کی وصیت کی تھی۔

مختصر یہ کہ اگر معاویہ کے عہد میں "خدائی لشکر" شہد کا تھا زہریلا ہوا تو یزید کے عہد میں "خدائی لشکر" زرا زہی زہر تھا شہد کی ذرہ برابر آمیزش نہ تھی اس یزید کے عہد میں جاہلیت والی اموی عصبیت پوری طرح چمک اٹھی تاریخ کا کوئی واقعہ بھی ایسے شخص کو پیش کرنے سے قاصر ہے جو یزید سے بڑھ کر ننگ انسانیت وآدمیت ہو وہ یزید جو واقعہ کربلا کا بانی مبانی تھا اسی طرح تاریخ کا کوئی واقعہ بھی حسینؑ سے بڑھ کر بلند کیر کٹر اور عظیم المثال کردار کا انسان پیش نہیں کر سکتا وہ حسینؑ جو کربلا کے روح فرسا حادثہ کے شہید تھے۔ یزید کے صفحات تاریک ہی تاریک ہیں اور حسینؑ کے صفحات عظمت و جلالت سے لبریز اس طرف ابنی امیہ کی سوداگری تھی ریاست تھی اس کے غلام تھے جلاد تھے دوسری طرف خاندان ابو طالب کی بلند کرداری تھی ان کی دلیری وشجاعت تھی ان کے آزاد وغیور افراد تھے ان کے شہداء راہ حق تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

منطق واستدلال کسی حقیقت کو ثابت کرنے میں اتنے کامیاب نہیں جتنا واقعات وحوادث خود کسی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ جب واقعات وحوادث میں ہر برہان قاطع اور ہر دلیل موجود ہوتی ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ تمام حوادث وواقعات جن سے حسینؑ گزرے شاہد ہیں کہ وہ کردار کے لحاظ سے عرش بریں تھے اور وہ تمام حوادث وواقعات جن سے یزید گزرا وہ ثبوت ہیں کہ وہ زمین کا آخری طبقہ تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے واقعہ کربلا کافی ہے یہ واقعہ بولتی ہوئی زبان بھی رکھتا ہے اور اشارہ کرتا ہوا ہاتھ بھی۔

واقعۂ کربلا کے المیہ سے پہلے ایک اور واقعہ بھی پیش آیا جس کا ایک کردار حسینؑ تھے دوسرا کردار یزید تھا وہ حسینؑ جو نیکو کاروں کے جذبہ خلوص وہمدردی کا مجسمہ تھے یعنی ظلم سے نفرت و بیزاری کا جذبہ جہاں بھی ظلم ہو اور یزید جو اوباشوں اور ہرزہ کاروں کی بے حیائی وبے شرمی کا مجسمہ تھا۔ یہ واقعہ حسینؑ ویزید کے کردار کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ بنی ہاشم کے اس حلف

الفضول کی یاد بھی تازہ کر دیتا ہے جو انہوں نے عرب کے چند قبائل کے ساتھ مل کر کیا تھا جس کی خاص دفعہ یہ تھی کہ مظلوم کا ساتھ دے کر اس کو اس کا حق دلوائیں گے اور صاحبان قوت و طاقت کو غریبوں پر ظلم کرنے سے باز رکھیں گے۔ یزید کے آباؤ اجداد نے اس معاہدہ کی مخالفت کی تھی اور حسینؑ کے آباؤ اجداد نے سرگرمی سے حمایت و تائید۔

بے شک یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا ایک کردار حسینؑ اور ان کے گھرانے والے ہیں اور دوسرا کردار یزید ہے۔

یزید بن معاویہ کو عبداللہ بن سلام قریشی کی بیوی ارینب بنت اسحاق کے حسن و جمال کی خبر ملی یہ ارینب اپنے وقت کی حسین ترین عورت تھی، بہت دولت منداور زیور تعلیم سے آراستہ یزید اس پر نادیدہ عاشق ہو گیا جب صبر وضبط مشکل ہو گیا تو اس نے اپنے باپ معاویہ کے چہیتے غلام رفیق سے اپنا حال بیان کیا اس نے معاویہ کو اس عشق کی اطلاع دی اور کہا آپ کے فرزند کی طاقت برداشت جواب دے رہی ہے اور اس کا سینہ تنگی کرنے لگا ہے۔ معایہ نے یزید کو بلا بھیجا اور حقیقت حال دریافت کی۔

یزید نے کہا: ابا جان! آپ واقف ہیں کہ اس زمانہ میں ارینب بن اسحاق کے حسن و جمال کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور اس کے ادب و ہنر مندی اور قابلیت کا چرچا تمام شہروں میں ہے اس کی محبت نے میرے دل پر بری طرح قبضہ کرلیا ہے اور میرا خواب وخور حرام ہو رہا ہے۔

معاویہ نے کہا: ذرا صبر کرو گھبراؤ نہیں کوئی نہ کوئی صورت ہو ہی جائے گی۔

یزید نے کہا: آپ کس بات پر آپ ہمیں تسکین دے رہے ہیں اب تو تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اس کا نکاح بھی ہو گیا۔

معاویہ نے کہا: بیٹا اب تم اس بات کو چھپاؤ اس راز کے فاش ہونے سے تو تمہیں کچھ نفع نہیں ہو سکتا خدا اپنے امور کو پایہ تکمیل تک پہونچا کر رہتا ہے اور جو بات ہو جاتی ہے اس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔

معاویہ نے تدبیریں سوچنی شروع کر دیں کہ کس طرح یزید کی تمنا پوری کی جائے اور ارینب یزید کے حبالہ زوجیت میں لائی جائے انہوں نے ارینب کے شوہر عبداللہ بن سلام کو جوان کی طرف سے عراق کا حاکم تھا خط لکھا:

"مجھے تم سے ایک کام ہے فوراً میرے پاس آؤ اس کام میں تمہارا بڑا نفع ہے دیر نہ کرنا جلد پہونچو"۔

جب عبداللہ کو معاویہ کا خط ملا تو وہ فوراً روانہ ہوا شام میں معاویہ کے پاس پہونچا اس نے، بہت عزت واحترام سے اسے مہمان کیا اور بڑی آؤ بھگت کی اس وقت شام میں معاویہ کے پاس ابوہریرہ اور ابو درداء صحابیان پیغمبرؐ بھی موجود تھے معاویہ نے ان دونوں سے کہا:

میری فلاں بیٹی جوان ہو گئی ہے مجھے اس کی شادی کی فکر رہتی ہے میرے خیال میں عبداللہ بن سلام اچھا آدمی ہے

چاہتا ہوں کہ اسی سے شادی کروں۔

ابو ہریرہ اور ابو درداء نے کہا خداوند عالم کی نعمتوں کا لحاظ اس کی نعمتوں کا شکر اور اس کی خوشنودی کی طلبگاری آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے آپ نے جو سوچا ہے اچھا سوچا ہے۔

معاویہ نے کہا آپ دونوں حضرات عبداللہ بن سلام سے مل کر اس کا ذکر کریں کہ معاویہ کی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی تم سے کردے تمہاری کیا رائے ہے؟ اگر چہ میں نے اپنی بیٹی کو اختیار دے دیا ہے کہ جس سے وہ منظور کرے گی اسی سے میں اس کی شادی کروں گا مگر مجھے امید ہے کہ میری بیٹی بھی عبداللہ بن سلام کو پسند کرے گی اور انکار نہیں کرے گی۔

ابو ہریرہ اور ابو درداء معاویہ کا پیغام لے کر عبداللہ بن سلام کے پاس گئے ادھر معاویہ مکان میں بیٹی کے پاس پہونچے اور کہا بیٹی ایک بات کہتا ہوں۔ سنو۔ جب ابو ہریرہ اور ابو دردا تمہارے پاس آئیں اور یہ کہیں کہ معاویہ عبداللہ بن سلام سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہہ دینا کہ ہاں عبداللہ بن سلام آدمی تو اچھا ہے وہ برابر کا بھی ہے اور قریبی رشتہ دار بھی مگر اس نے ارینب بنت اسحاق سے شادی کرلی ہے میں ڈرتی ہوں کہ اس کے رہتے ہوئے وہ مجھ سے بھی شادی کرے تو کہیں ہر عورت کی طرح میں بھی موت کی آگ میں جلنے نہ لگوں اور اس طرح عبداللہ بن سلام کے خلاف کوئی ایسی بات میری زبان سے نکل جائے جس پر خداوند عالم غضب ناک ہو اور وہ مجھ پر عذاب کرے ہاں اگر عبداللہ بن سلام اپنی بی بی ارینب کو طلاق دے دے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔

ابو ہریرہ اور ابو درداء نے معاویہ کا پیغام عبداللہ بن سلام سے جب کہا تو اس کی مسرتوں کا ٹھکانا نہ رہا۔ اس نے فوراً اس پیغام کو منظور کرکے ابو ہریرہ اور ابو درداء کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ آپ جائیں اور معاویہ کو ہماری طرف سے پیام دے دیں جب وہ دونوں معاویہ کے پاس پہونچے اور عبداللہ بن سلام کی منظوری کا حال بیان کیا تو معاویہ نے کہا میں تو پہلے آپ سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے خود یہ نسبت پسند ہے مگر میں اپنی بیٹی کو اختیار دے چکا ہوں کہ جس کو وہ منظور کرے گی اسی سے میں اس کی شادی کروں گا آپ لوگ اس کے پاس جائیں اور دریافت کریں کہ اس کو عبداللہ بن سلام سے نکاح منظور ہے؟

یہ دونوں اس کے پاس گئے اس نے وہی جواب دیا جو معاویہ اس کے پہلے اس کو سکھا پڑھا چکے تھے اب ان دونوں صحابیوں نے بیٹی کا پیام عبداللہ بن سلام تک پہونچایا۔ عبداللہ بن سلام کو جب معلوم ہوا کہ بغیر ارینب بنت اسحاق کو طلاق دیئے دختر معاویہ سے نکاح ناممکن ہے اس نے لالچ میں پڑ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور ابو ہریرہ اور ابو درداء سے کہا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے ارینب کو طلاق دے دی ہے اب آپ دو دونوں دختر معاویہ کے پاس جائیں اور میرے نکاح کا

پیغام دیں۔

ان دونوں نے آ کر معاویہ کو اس کی خبر کی انہوں نے کہا ہاں؟ عبداللہ نے یہ کیا کیا اس قدر جلد اپنی بیوی کو طلاق کیوں دے دی کاش وہ کچھ دن صبر اور انتظار کئے ہوتا تو بغیر طلاق ہی کے میں کوئی فکر کر لیتا۔

آپ لوگ اس وقت جائیں پھر دوبارہ آ کر میری بیٹی کی رضامندی معلوم کریں۔

ابوہریرہ اور ابودرداء پھر دختر معاویہ کے پاس گئے اسے بتایا کہ عبداللہ بن سلام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن سلام بہت شریف اور لائق انسان ہے۔ دختر معاویہ نے کہا بے شک عبداللہ بن سلام قریش میں بلند درجہ کا آدمی ہے آپ لوگ یہ جانتے ہی ہیں کہ شادی بیاہ عمر بھر کا معاملہ ہے ہنسی کھیل نہیں کہ انسان بغیر سوچے سمجھے کر بیٹھے۔ آپ حضرات اس وقت تشریف لے جائیں میں اس امر میں اچھی طرح غور کر لوں تب جواب دوں گی دونوں نے دختر معاویہ کو دعائیں دیں اور واپس جا کر اس کے جواب سے عبداللہ بن سلام کو مطلع کر دیا۔ عبداللہ بن سلام نے کہا خیر آج نہ سہی چند دن بعد سہی۔

شہر میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ عبداللہ بن سلام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور دختر معاویہ کو شادی کا پیغام بھیجا ہے۔ معاویہ کی چالبازی اور یزید کی بدکرداری سے چونکہ سبھی واقف تھے اس لئے لوگ عبداللہ بن سلام کو لعنت ملامت کرتے کہ اس نے بغیر بات پکی کئے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ چند دنوں کے بعد پھر عبداللہ بن سلام نے ابوہریرہ اور ابودرداء کو دختر معاویہ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے آ کر دختر معاویہ سے کہا تم کو جو فیصلہ کرنا ہے کر ڈالو اس نے کہا:

”مجھے امید ہے کہ خدا نے میرے حق میں اچھا ہی کیا کیونکہ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا، میں نے اس معاملہ میں خوب غور کیا اور اس نتیجہ پر پہونچی کہ عبداللہ بن سلام اس قابل نہیں کہ اس سے میرا نباہ ہو سکے میں نے اپنے ہی خواہوں سے بھی مشورہ کیا تو کوئی رائے دیتا ہے اور کوئی منع کرتا ہے۔

جب عبداللہ کو دختر معاویہ کا یہ جواب معلوم ہوا تو یقین ہو گیا میرے ساتھ فریب کیا گیا ہے اس کے حزن واندوہ کی انتہا نہ رہی۔

یہ خبر تمام پھیل گئی ہر شخص کی زبان پر عبداللہ بن سلام کا قصہ تھا اور سب نے معاویہ کی انتہائی ملامت کرنا شروع کی کہ اسی نے عبداللہ کو فریب دے کر اس کی زوجہ کو طلاق دلوائی جس سے اس کی غرض یہ تھی کہ ارینب کو اپنے بیٹے یزید کے لئے حاصل کرے۔

اپنے بیٹے کی آرزو پوری کرنے کے لئے معاویہ کے فریب کی پہلی منزل کامیاب رہی مگر قضاوقدر نے ان کے فریب کو ناکام کردیا۔ یہ ناکامی حسینؑ ابن علیؑ کے ہاتھوں ہوئی جو اپنے باپ کا چلن لیکر جوان ہوئے تھے۔ مظلوم کی نصرت جن کی عادت بن چکی تھی۔

جب ارینب کی عدت کا زمانہ گزرگیا تو معاویہ نے ابودرداء کو اس کے پاس بھیجا کہ جاکر اس کو یزید سے نکاح کا پیغام دیں ابودرداء شام سے کوفہ روانہ ہوئے جب وہاں پہونچے تو اتفاق سے وہاں حسینؑ ابن علیؑ بھی موجود تھے۔ ابودرداء نے خیال کیا کہ جب یہاں فرزند رسول تشریف فرما ہیں تو مجھے مناسب نہیں کہ حضرتؑ کی زیارت کرنے سے پہلے کوئی کام کروں۔ وہ سب سے پہلے آپؑ کی خدمت میں آئے سلام و مزاج پرسی کے بعد امام حسینؑ نے کوفہ میں آنے کا سبب دریافت کیا۔ ابودرداء نے کہا یہاں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ معاویہ نے مجھے ارینب بنت اسحاق کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ یزید سے نکاح کرے پھر انہوں نے اس سلسلہ میں جو واقعات ہوئے تھے وہ تفصیل سے بیان کئے۔ امام حسینؑ نے کہا:

مجھے بھی خیال ہوا تھا کہ اب ارینب دوسرے شخص سے نکاح کرے گی اس پر میں نے چاہا کہ اس کی عدۃ کا زمانہ ختم ہوجائے تو میں بھی اپنی طرف سے اس کے پاس پیغام بھیجوں اب آپ یہاں آگئے ہیں بہتر ہے کہ ارینب سے میرا پیغام بھی ذکر کردیجئے گا وہ جس کو چاہے پسند کرے اور میں بھی اس کو اسی قدر مہر دوں گا جس قدر معاویہ نے یزید کی طرف سے دینے کا وعدہ کیا ہے۔

ابودرداء نے وعدہ کیا کہ میں آپ کا پیغام بھی اس تک پہونچادوں گا۔

ابودرداء آپ سے رخصت ہوکر ارینب کے پاس پہونچے اور کہا:

خاتون محترم! خداوند عالم نے تمام امور اپنی قدرت سے خلق کئے اور اپنی طاقت واقتدار کے ذریعہ ان کی تشکیل وترتیب کی ہر بات کے لئے تقدیر ہے اور ہر تقدیر کے لئے سبب ہے خدا سے بھاگ کر کہیں جانے کی جگہ نہیں۔ مقدرات الٰہی سے یہ بات تھی کہ عبداللہ بن سلام تمہیں طلاق دے دے اس سے تمہیں کوئی نقصان پہونچنے والا نہیں۔ تمہاری خواستگاری یزید بن معاویہ نے بھی کی ہے اور حسینؑ ابن علیؑ نے بھی میں ان دونوں کی طرف سے تمہارے پاس نکاح کا پیغام لیکر آیا ہوں جس سے تمہیں نکاح منظور ہو قبول کرلو۔

ارینب یہ سن کر تھوڑی دیر خاموش رہی، پھر بولی:

اگر یہ دونوں پیغام آپ کے سوا کوئی اور شخص میرے پاس لاتا تو میں آپ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو بلاتی اور آپ کی

رائے پر عمل کرتی پھر جبکہ آپ ہی پیغام لائے ہیں تو میں اس معاملہ کو آپ کے حوالے کرتی ہوں جو آپ کہیں گے وہی مجھے منظور ہے۔

ابو درداء نے کہا میرا کام تم تک پیغام پہونچا دینا تھا پسند کرنا تمہارا کام ہے۔

ارینب نے کہا یہ آپ کیا فرماتے ہیں میں آپ کی بھتیجی ہوں میں آپ کے مشورے کے بغیر کچھ کر ہی نہیں سکتی۔

جب ابو درداء نے دیکھا کہ بغیر اپنی رائے دیے چھٹکارا نہیں ہوسکتا تو کہا:

فرزند رسولؐ مجھے زیادہ پیارے اور اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ارینب نے کہا مجھے بھی دل وجان سے منظور ہے اور میں حضرت ہی کو پسند کرتی ہوں۔

امام حسینؑ نے ارینب سے نکاح کرلیا اور اسے اس کا مہر ادا کر دیا۔

جب معاویہ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو ان کے غم وغصہ کی انتہا نہ رہی ابو درداء کو انہوں نے خوب صلواتیں سنائیں پھر خود کہا:

ابو درداء کا کیا قصور یہ خود میری غلطی ہے جو شخص سادہ لوح لوگوں کو ایسے مشکل کام کے لئے تجویز کرے گا وہ تو ناکام ہوگا ہی۔

عبداللہ بن سلام جب معاویہ کے بلانے پر شام جانے لگا تھا تو بہت سا مال ارینب کے حوالے کرتا گیا تھا۔ جب معاویہ کے پاس رہ کر عبداللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو پھر دختر معاویہ نے بھی اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا اور لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ معاویہ نے عبداللہ کو دھوکا دے کر اس کی بیوی کو طلاق دلوادی ہے تو اس بدنامی کا الزام معاویہ نے عبداللہ بن سلام پر رکھا کہ اس نے مجھے فضیحت ورسوا کیا اس نے عبداللہ کو ملازمت سے بھی برطرف کر دیا اور جو خرچ وغیرہ دیتا تھا اس کو بھی بند کر دیا۔ عبداللہ دانے دانے کو محتاج ہوگیا اور سخت پریشانی اور فقر وفاقہ میں بسر ہونے لگی جب اس کی مصیبت برداشت سے باہر ہوگئی تو عراق واپس آیا۔ یہ خیال کر کے کہ میں نے جو روپئے ارینب کے پاس امانت رکھوائے تھے شاید وہ مل جائیں دل کو یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ کہیں ارینب میری بدسلوکی اور ناحق طلاق دیدینے کی وجہ سے اس امانت ہی سے انکار کردے۔ عراق آنے کے بعد اس نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور عرض کیا:

آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ کس طرح دھوکہ میں آ کر مجھے اپنی بیوی ارینب کو طلاق دینا پڑی میں نے اس کے پاس کچھ مال ومتاع بطور امانت رکھوایا تھا اور شام جاتے وقت اسے اس کے پاس ہی چھوڑ گیا تھا۔ پھر اس نے ارینب کی شرافت اور وفاداری کی بہت تعریف کی اور عرض کیا آپ ارینب سے ذکر کرتے اور فرماتے کہ میری امانت مجھے واپس دیدے اس طرح سے فقر وفاقہ سے ممکن ہے میں بچ جاؤں۔

امام حسینؑ نے گھر آ کر ارینب سے کہا عبداللہ بن سلام آیا تھا تمہاری بڑی تعریف کی اور تمہاری ایمانداری اور دیانت

وغیرہ کا بھی دیر تک ذکر کرتا رہا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اس نے یہ بھی کہا کہ تم سے رخصت ہوتے وقت اس نے کچھ مال بطور امانت رکھا تھا اب مناسب ہے کہ اس کی امانت اس کے حوالے کردو اور اس کا مال اسے لوٹا دو کیونکہ میرے خیال میں اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اور جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے حق ہے۔

''ارینب نے کہا ہاں اس نے سچ کہا اس نے جاتے وقت کچھ تھیلیاں میرے پاس رکھ دی تھیں مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ ہے کیا میں اسی طرح سر بمہر آپ کی خدمت میں حاضر کرتی ہوں آپ اسے دے دیں۔ امام حسینؑ نے یہ سُن کر ارینب کی تعریف کی اور فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اسے یہیں بلالوں تم اسے اپنے ہاتھ سے اس کی امانت واپس کردو''۔

پھر آپ عبداللہ بن سلام سے ملے اور فرمایا میں نے تمہارا پیغام ارینب تک پہونچا دیا ہے اس کو انکار نہیں اور کہتی ہے کہ ہاں تمہاری امانت اسی طرح رکھی ہے نہ مہر توڑی گئی نہ تھیلی کھولی گئی ہے بہتر ہے کہ تم ارینب کے پاس چلو اور اپنا مال واپس لے لو۔

عبداللہ بن سلام بہت شرمندہ ہوا اور عرض کیا آپ اس سے کہہ دیں کہ میرا مال میرے پاس بھیج دے، مجھے اس کے پاس جاتے شرم آتی ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا نہیں یہ نہیں ہوگا جس طرح تم نے اس کے ہاتھ میں دیا ہے اسی طرح وہ تمہارے ہی ہاتھ میں واپس کرے گی۔

اسے ساتھ لئے ہوئے دولت سرا تشریف لائے اور ارینب سے کہا:

یہ عبداللہ بن سلام آیا ہے اور اپنی امانت طلب کرتا ہے جس طرح تم نے اس سے لیا ہے اسی طرح واپس کردو۔

ارینب نے وہ تھیلیاں لاکر پردہ کے باہر رکھ کر کہا یہ تمہاری امانت ہے۔ عبداللہ نے ارینب کی اس دیانت پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی بڑی تعریف کی۔ امام حسینؑ دونوں کو چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئے۔ عبداللہ نے تھیلیوں کی مہر توڑی اور کچھ اشرفیاں اس میں سے نکال کر ارینب کو دیں اور کہا میری طرف سے اس حقیر رقم کو قبول کرو اس پر دونوں آبدیدہ ہو گئے پھر کسی سے گریہ ضبط نہ ہوسکا اور دونوں اس طرح چیخ کر رونے لگے کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اور باہر تک پہونچیں جسے سن کر امام حسینؑ وہاں تشریف لائے اور بڑی شفقت و ہمدردی سے فرمایا:

''سنو میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے ارینب کو اسی وقت طلاق دے دی، میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں میں ارینب سے نکاح نہ تو اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر کیا تھا نہ اس کی دولت کی لالچ میں بلکہ صرف اس غرض سے کہ ارینب اپنے شوہر پر حلال ہو جائے۔

(شریعت اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ گرکوئی مرد اپنی عورت کو کسی وجہ سے طلاق بائن دے دے تو پھر وہ مرد اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا ہے۔ اریںب کے بارے میں یہی ہوا کہ عبداللہ بن سلام نے اس کو طلاق دے دی تھی اب اگر وہ چاہتا کہ پھر اس سے نکاح کرے تو نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے۔ ہاں اور شخص سے نکاح کر لیتی اور اس کے ساتھ کچھ دنوں رہتی پھر یہ دوسرا شخص اسے طلاق دیتا تو وہ عبداللہ بن سلام سے دوبارہ نکاح کرسکتی تھی۔ اسی وجہ سے امام حسینؑ نے اپنا پیام بھی ارینب کے پاس بھیجا اس خیال سے کہ اگر یزید کے پاس یہ چلی گئی تو پھر عبداللہ سے کبھی نکاح نہیں کرسکتی لیکن اگر وہ مجھ سے نکاح پر راضی ہوجائے گی تو میں نکاح کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دوں گا اور وہ عبداللہ کے لئے دوبارہ حلال ہوجائے گی۔

اسی طرح ارینب پھر عبداللہ کے حبالہ زوجیت میں واپس آئی اور معاویہ کی تدبیر ناکام رہی۔ عبداللہ بن سلام نے ارینب سے نکاح کے بعد کہا: امامؑ نے مہر کی جو رقم تمہیں دی تھی بہتر ہے کہ حضرت کو واپس کر دو اس نے وہ تمام روپیے لا کر عبداللہ کے حوالے کئے کہ حضرت کو پہونچا دو۔ امام حسینؑ نے قبول نہیں فرمایا اور کہا:

اس کار خیر کے عوض جو ثواب مجھے آخرت میں ملے گا وہ اس دنیا کی دولت سے کہیں بہتر ہے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ ہاشمی نے فرمایا:

خدا کی قسم میں نے دوسروں کی طرح تمہاری دنیا سے خزانہ نہیں بنایا نہ مال و دولت اکٹھا کی۔ سوا اس بوسیدہ چادر کے میں نے اپنے لئے کوئی لباس بھی نہیں رکھا۔ اگر میں چاہتا تو شہد اور گیہوں کی غذائیں بھی اپنے لئے فراہم کرسکتا تھا اور ریشمی لباس پہن سکتا تھا مگر ناممکن ہے کہ ہوا و ہوس کا مجھ پر غلبہ ہو اور حرص و طمع لذیذ غذائیں پسند کرنے پر مجھے آمادہ کریں ہوسکتا ہے کہ حجاز و یمامہ میں کوئی شخص ایسا بھی ہو جسے ایک روٹی کی بھی امید نہ ہو اور اپنی عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی شکم سیر نہ ہوا ہو۔ کیا میں خوب شکم سیر ہو کر خواب راحت کے مزے لوٹوں درانحالیکہ میرے اردگرد بہت سے ایسے افراد ہوں جن کی حالت بھوک سے غیر اور جن کے کلیجوں میں آگ لگی ہو کیا میں صرف نام کا امیر المومنینؑ بننا پسند کروں اور لوگوں کے دکھ درد میں شریک نہ ہوں''۔

اہواز کے ایک عامل کے نام آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

''میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم نے مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہوئے کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ میں ایسی مار ماروں گا جو تمہیں تہی دست، بوجھل پیٹھ والا اور بے آبرو کر کے چھوڑے گی''

لیکن معاویہ بن ابی سفیان ان کا مقولہ یہ تھا:

''زمین خدا کی ہے اور میں خدا کا خلیفہ ہوں خدا کے مال سے جو لے لوں وہ میرا ہے اور جو چھوڑ دوں ان کا لینا بھی

میرے لئے جائز ہے"۔

معاویہ، یزید، مراون بن حکم اور دیگر اموی سلاطین عوام کی دولت کو اپنے حوالی موالی دوست احباب پر لٹاتے صرف اس لئے کہ ان کی حکومت مضبوط ہو، ان کا اقتدار پائیدار ہو وہ لوگوں کے سر کاٹتے۔ ان کے پاس لشکر تھا شہد کا زہر ملا ہوا یا زہر کا بغیر شہد کے اور ہر فریق کے لئے یاور و انصار تھے۔ علیؑ اور ان کی اولاد کے بھی طرف دار و حمایتی گزرے اور معاویہ و یزید اور بنی امیہ کے بھی حمایتی ہوئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

فریقین کے یاور و انصار

خدا کی قسم اگر وہ ہم سے اپنے اسلحے سے جنگ کریں اور ہمیں مدینہ تک پیچھے ڈھکیل لے جائیں تب بھی ہمیں یہ یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ (عمار یاسر)

ہم آپ کے ساتھ مریں گے۔ (انصار حسینؑ)

تم ہمیں کتنا دو گے؟ (انصار یزید)

خاندان ابوطالب کے رفقاء و انصار کا طرہ امتیاز اور ان کی روشن ترین خصلت جو جامع تھی تمام صفات کی وہ ان کی بلند ہمتی تھی۔ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ مظلوم کی نصرت عقائد صحیحہ کی ترویج اور راہ حق میں جان نثار کرنے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی جائے ان کی تعداد کم تھی لیکن یہ کمی عیب نہیں کیونکہ بلند ہمت اور شریف النفس انسان کم ہی ہوتے ہیں لیکن وہ جو گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں وہ کبھی مٹتے نہیں اور ان کی محنتوں کا نتیجہ بہت عظیم ہوتا ہے۔ ان کی تعداد میں کمی ان کی غرض و غایت کی عظمت و اہمیت اور مقاصد کی بلندی پر دلیل ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص وہ کارہائے نمایاں کر گزرتا ہے جسے ہزاروں آدمی بھی مل کر نہیں کر پاتے۔ اولاد ابی طالبؑ کے اعوان و انصار ایسے ہی تعداد میں کم لیکن اپنے عقائد میں مضبوط و استوار اور ان کی ترویج میں ثابت قدم تھے۔

انہیں دوستان علیؑ کو معاویہ مال و دولت اور جاہ و منصب کا لالچ دے کر ترغیب دلاتے کہ علیؑ و اولاد علیؑ کو گالیاں دیں مگر یہ لوگ صاف انکار کر دیتے چاہے ترغیب کتنی ہی زبردست ہو اور جب ترغیب و تحریص سے کام نہ چلتا تو اس امید پر کہ شائد

دھمکیاں زیادہ کارگر ہوں وہ ان لوگوں کو بھی دھمکیاں دیتے کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو ہم سخت ترین عقاب میں مبتلا کریں گے یہ لوگ سخت سے سخت عذاب وعقاب کو برداشت کرنا پسند کرتے مگر علیؑ کو برا کہنا ان کی منقصت کرنا انہیں گوارا نہ ہوتا۔

معاویہ ایک مرتبہ اپنے حاشیہ نشینوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے انہیں میں احنف بن قیس بھی تھے کہ اتنے میں ایک شامی آیا اور کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا اور تقریر کے آخر میں اس نے علیؑ پر سب وشتم کی احنف نے کہا:

حضور اگر اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء و مرسلین پر لعنت کرنے میں آپ کی خوشی ہے تو یہ شخص ان پر بھی لعنت کرنے سے باز نہ رہے۔ خدا سے ڈریئے علیؑ کی جان چھوڑ دیئے وہ اپنے پروردگار سے ملاقی ہوئے اپنی قبر میں تنہا ہیں۔ بس وہ ہیں اور ان کے اعمال خدا کی قسم ان کی تلوار بھی بڑی پاکیزہ تھی ان کا لباس بہت طاہر تھا ان کی مصیبت بہت عظیم ہے۔

معاویہ: احنف تم نے ہماری آنکھوں میں دھول بھر دی اور جو جی میں آیا کہہ گئے خدا کی قسم تمہیں منبر پر جانا پڑے گا اور خوشی خاطر یا جبراً قہراً علیؑ پر لعنت کرنی پڑے گی۔

احنف: اگر آپ مجھے معاف کر دیجئے تو آپ ہی کے لئے بہتر ہے اور اگر مجبور کیجئے گا تو بہر حال میرے لب وزبان پر ایسے الفاظ ہرگز نہ آئیں گے۔

معاویہ: چلو اٹھو منبر پہ جاؤ۔

احنف: میں منبر پر جا کر انصاف ہی سے کام لوں گا۔

معاویہ: اگر تم نے انصاف سے کم لیا تو کیا کہو گے۔

احنف: میں منبر پر جا کر حمد وثنائے الٰہی کے بعد کہوں گا:

لوگو! معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علیؑ پر لعنت کروں۔ بلا شبہ علیؑ ومعاویہ نے نزاع کی اور ایک دوسرے سے لڑے۔ انمیں سے ہر شخص اس کا مدعی تھا کہ اس پر اور اس کی جماعت پر زیادتی کی گئی ہے لہٰذا جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا پھر میں کہوں گا کہ خدا دونوں میں سے جو بھی باغی ہو تو اس پر لعنت کر تیرے ملائکہ اور انبیا و مرسلین لعنت کریں اور تمام خلائق لعنت کرے۔ خداوندا باغی جماعت پر لعنت کر بہت لعنت۔ لوگو، آمین کہو۔ معاویہ میں نہ اس سے زیادہ ایک لفظ کہوں گا نہ کم چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔

معاویہ: تب میں تمہیں معاف کرتا ہوں (عقد فرید جلد ۲ ص ۱۴۴، مستطرف جلد ۱ ص ۵۴)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاویہ علیؑ سے اظہار بے زاری کرنے کے لئے آپ کے انصار پر انتہائی تشدد کرتے انہیں یہ حکم سننے کی برداشت نہ ہوتی وہ معاویہ اور اس کی اولاد کو برا کہنے لگتے حالانکہ علیؑ اس وقت خاک قبر میں مدفون تھے ان سے کسی نفع کی امید بھی نہ ہوتی اور معاویہ ظالم وسفاک اور مطلق العنان حاکم تھے۔

تاریخ کے صفحات پر معاویہ کی اس حرکت اور طرز عمل سے لوگوں کی انتہائی نصرت اور بیزاری کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ معاویہ نے پیغمبرؐ کے بزرگ ترین صحابی حجر عدی اور ان کے اصحاب کو بے جرم وقصور محض اس بنا پر تہہ تیغ کیا کہ انہوں نے برسر منبر علیؑ اور اولاد علیؑ کو گالیاں دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کریں گے۔

علیؑ کے پیروں نے مکارم اخلاق اور صفات پسندیدہ کے اس درخت کو جس کی علیؑ نے ان کے دلوں میں تخم ریزی کی تھی بڑی سرگرمی ومستعدی اور بڑے اہتمام سے نگہداشت کی یہاں تک کہ وہ درخت اپنے شباب کو پہونچا اور بارآور ہوا۔ اس میں مرد عورت بڑے چھوٹے سب ہی ایک جیسے تھے۔

معاویہ اپنے زمانہ حکومت میں حج کے ارادہ سے جب مکہ معظمہ آئے تو بنی کنانہ کی خاتون دارمیہ حجونیہ کے متعلق پوچھا کہ آج کل کہاں ہیں۔ یہ دارمیہ سیاہ رنگ کی لحیم وشحیم خاتون تھیں لوگوں نے بتایا کہ زندہ ہیں۔

معاویہ نے پیادہ بھیج کر طلب کیا جب وہ آئیں تو پوچھا:

معاویہ: اے حام کی بیٹی کیسے آنا ہوا (جناب نوحؑ پیغمبرؐ کے تین فرزند تھے حام، سام اور یافث دنیا انہیں تین کی نسل سے ہے سیاہ رنگ کی قومیں حام کی نسل سے ہیں معاویہ نے ان کی کالی رنگت پر طنز کرتے ہوئے انہیں دختر حام کہا)۔

دارمیہ: اگر از راہ استہزا تم مجھے حام کی بیٹی کہتے ہو تو حام کی نسل سے نہیں ہوں میں تو قبیلہ کنانہ کی ایک عورت ہوں۔

معاویہ: سچ کہتی ہو اچھا یہ جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔

دارمیہ: غیب کی باتیں تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ: میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لئے بلایا ہے کہ آخر تم علیؑ سے اتنی محبت کیوں کرتی تھیں اور مجھ سے اتنی عداوت تمہیں کیوں تھی۔

دارمیہ: اس سوال کے جواب سے مجھے معاف ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔

معاویہ: نہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔

دارمیہ: اچھا جب آپ جواب پر مجبور ہی کرتے ہیں تو سنئے میں علیؑ سے اس لئے محبت کرتی تھی کہ وہ رعیت کے ساتھ عدل

وانصاف برتتے تھے اور سب کو برابر برابر دیتے تھے اور آپ کی دشمن اس لئے تھی کہ آپ اس شخص سے برسر پیکار تھے جو آپ سے زیادہ حکومت کا سزاوار تھا اور آپ ایسی چیز کے خواہاں تھے جس کی اہلیت آپ میں قطعاً نہ تھی۔ میں علیؑ کی اطاعت اس لئے کرتی تھی کہ پیغمبرؐ نے انہیں ہمارا حاکم وامیر مقرر کیا تھا اور علیؑ فقرا ومساکین کو دوست رکھتے اہل دین کی عزت کرنے اور آپ سے دشمنی وبیزاری کی وجہ یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کا ناحق خون بہاتے فیصلوں میں ناانصافی برتتے اور اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

معاویہ: اچھا تو اسی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا ہے سینہ بڑھ گیا ہے اور سُرین اتنی پُر گوشت ہوگئی ہے۔

دارمیہ: خدا کی قسم یہ باتیں تو آپ کی اماں جان ہند کی بہ طور ضرب المثل بولی جاتی تھیں میرے متعلق بالکل نہیں۔

معاویہ: ٹھہرو، ٹھہرو، ہم نے تو اچھی ہی بات کہی ہے، جب عورت کا پیٹ بڑا ہوتا ہے تو بچہ مکمل ہاتھ پیروں کا ہوتا ہے۔ جب سینہ بڑا ہوتا ہے تو بچہ کو دودھ پورا پورا پلاتی ہے اور جب سُرین پُر گوشت ہوتے ہیں تو اس کی نشست خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

معاویہ: اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی علیؑ کی زیارت بھی کی ہے۔

دارمیہ: ہاں ہاں خدا کی قسم میں نے انہیں دیکھا ہے۔

معاویہ: انہیں کیسا دیکھا۔

دارمیہ: میں نے خدا کی قسم انہیں اس طرح دیکھا کہ حکومت نے انہیں سرگشتہ نہیں کیا جیسا کہ آپ حکومت کے نشہ میں سرگشتہ ہو رہے ہیں اور منصب خلافت نے انہیں ایسا بے خود نہیں بنا دیا تھا جیسا کہ آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔

معاویہ: تم نے ان کی گفتگو بھی کبھی سنی؟

دارمیہ: ہاں خدا کی قسم وہ اپنی باتوں سے دل کی تاریکیوں کو یوں روشن کر دیتے تھے جیسے قلعی برتن کو چمکا دیتی ہے

معاویہ: سچ کہتی ہو اچھا بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

دارمیہ نے اپنی حاجت بیان کی۔

معاویہ نے پوچھا: اگر میں تمہاری حاجت پوری کر دوں تو علیؑ ہی کے اتنا مجھے بھی مانو گی؟

دارمیہ نے برجستہ کہا: علیؑ کی بات تمہیں کہاں نصیب۔

معاویہ نے ان کا کام کر دیا اور کہا: خدا کی قسم اگر علیؑ زندہ ہوتے تو کبھی تمہیں اتنا مال نہ دیتے۔

دارمیہ: سچ کہتے ہو علیؑ ہرگز نہ دیتے وہ مسلمانوں کے مال سے ایک درہم بھی کسی کو ناجائز نہیں دیتے تھے۔ (بلاغات

النساء ص ۲۷، عقد فرید جلد ا صفحہ ۲۱۶)

عدی بن حاتم ایک مرتبہ معاویہ سے ان کے عہد حکومت میں ملنے آئے۔ معاویہ نے از راہ شماتت پوچھا:

معاویہ: طرفات کیا ہوئے؟ (یعنی تمہارے لڑکے طریف) طارف اور طرفہ کہاں گئے)

عدی بن حاتم: وہ علیؑ کی نصرت وحمایت میں مقتول ہوئے۔

معاویہ: علیؑ نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا تمہارے لڑکے قتل ہو گئے ان کے بچ رہے۔

عدی بن حاتم: میں نے کہاں انصاف کیا۔ علیؑ شہید ہو گئے اور میں انکے بعد اس دنیا میں زندہ رہ گیا۔

اس محیر العقول جزبۂ فداکاری اور محبت امیر المومنینؑ کے مظاہرہ پر معاویہ کے کلیجے میں آگ لگ گئی دھمکی دیتے ہوئے کہا:

"خون عثمان کا ایک قطرہ باقی رہ گیا ہے اُسے اشراف یمن میں سے کسی شریف (یعنی عدی) ہی کا خون دھو سکتا ہے۔"

عدی نے ان کی دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بے باکانہ جواب دیا۔

"خدا کی قسم ہمارے وہ دل جن سے ہم نے تمہیں دشمن رکھا اب تک ہمارے سینوں میں ہیں۔"

وہ تلواریں جن کے ذریعہ ہم نے جنگ کی اب تک ہمارے کاندھوں پر ہیں اگر ایک انگل بھی ہماری طرف غداری کے لئے بڑھو گے تو ہم ایک بالشت تم پر چڑھ آئیں گے گلا کٹ جانا اور سینہ کچل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم علیؑ کی ذرہ برابر برائی سنیں جلاد کو تلوار دے دو (کہ وہ ہماری گردن کاٹ ڈالے)

معاویہ نے حسب عادت چاپلوسی کرتے ہوئے کہا:

"یہ حکمت کی باتیں ہیں لوگو! لکھ لو اسے۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۰۹)

معاویہ ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے نکلے جب مدینہ پہونچے تو سعد بن ابی وقاص کو بھی ساتھ حج کے لئے چلنے کی دعوت دی سعد نے دعوت منظور کر لی اور ان کے ساتھ ہو گئے اعمال حج سے فراغت کر کے یہ دونوں دار الندوہ میں پہونچے وہاں بہت دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ سعد معاویہ کی دعوت قبول کر کے ان کے ساتھ حج کیلئے جو چلے آئے تھے اس سے معاویہ کو یہ امید بندھی کہ یہ ضرور ہمارے حمایتی ہوں گے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ ہم نے علیؑ کے متعلق جو وطیرہ اختیار کر رکھا ہے اس کے یہ کس حد تک موید ہیں حضرت علیؑ پر سب وشتم کرنا شروع کیا اور خوشامدانہ سعد سے کہا آپ بھی علیؑ کو کیوں نہیں گالیاں دیتے سعد بگڑ کھڑے ہوئے بولے تم نے اپنے فرش پر مجھے بٹھایا پر تم نے علیؑ کو گالیاں دینی شروع کیں خدا کی قسم علیؑ کو جو

خصوصیات حاصل ہیں اگران میں سے ایک بات بھی مجھے نصیب ہوتی تو دنیا کی تمام چیزوں سے مجھے زیادہ محبوب ہوتی۔ خدا کی قسم میں جب تک زندہ رہوں گا تمہارے پاس نہ آؤں گا۔ پھر وہ غیظ وغضب کے عالم میں اُٹھ کر چلے گئے۔(مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۱۷)

عمرو بن حمق بھی خاندان ابوطالبؑ کے جان نثاروں میں سے تھے، انہیں زیاد بن امیہ نے محض اس جرم میں قتل کیا کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب سے محبت رکھتے تھے قتل کرنے کے بعد زیاد نے ان کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس بھیجا اسلام میں یہ پہلا سر تھا جو تحفہ میں بھیجا گیا۔

انہیں جاں نثاروں میں سے مرد میدان وفا میثم تمار بھی تھے۔ یہ میثم امیرالمومنین علیہ السلام کے مخصوص صحابی اور آپ کی عظمت وجلالت کی معرفت رکھنے والے بزرگ تھے مدتوں آپ کی صحبت میں رہے روایتیں بتاتیں ہیں کہ امیرالمومنینؑ کچھ وقت ان کی دوکان پر بھی بیٹھا کرتے اور جب میثم کسی ضرورت سے دوکان چھوڑ کر جاتے تو اُن کی واپسی تک ان کی کھجوریں بیچنے میں بھی آپ کو تامل نہ ہوتا۔

جبکہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اور امام حسینؑ کی شہادت ہوگئی اور ظالم ابن زیاد کے لئے کوفہ میں کوئی کھٹکا باقی نہ رہا تو اس نے میثم کو دھمکایا کہ اگر تم علیؑ کی محبت پر اسی طرح باقی رہے اور ان کے عدل وانصاف کا چرچا کرتے رہے تو میں قتل کر ڈالوں گا اس نے انہیں لالچ بھی دلائی کہ اگر تم ہمارے طرف داروں میں ہوجاؤ تو ہم بادشاہ وقت سے سفارش کر کے تمہیں انعام واکرام سے نہال بھی کردیں گے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ابن زیاد نے ایک مرتبہ میثم کو تقریر کرتے سنا ان کی شیوہ بیانی، بالغ نظری، اصابت رائے اور دلائل و براہین سے بہت متاثر ہوا تھا۔ عمرو بن حریث دربار کے خوشامدی نے ابن زیاد سے کہا حضور آپ جانتے بھی ہیں کہ یہ کون ہیں عبیداللہ نے پوچھا کون ہیں؟ عمرو نے کہا:

یہ کذاب علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فدائی میثم کذاب ہیں، ابن زیاد سنبھل بیٹھا میثم سے پوچھا یہ عمرو کیا کہہ رہا ہے۔ میثم نے کہا جھوٹ کہتا ہے میں بھی سچا ہوں اور میرے آقا علیؑ ابن ابی طالبؑ بھی سچے اور خلیفہ برحق تھے۔ ابن زیاد کو غصہ آگیا اس نے کہا علیؑ ابن ابی طالبؑ سے اظہار بیزاری اور ان کی منقصت عثمان سے اظہار مودت اور ان کے محاسن بیان کرو۔ ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر سولی دلوادوں گا۔ میثم نے اس کا جواب یہ دیا کہ ببانگ دہل علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فضائل بیان کرنا شروع کئے۔ ان کے عدل وانصاف عفو ودرگزر لوگوں کے ساتھ شفقت و محبت یاد کر کے رونے لگے پھر ابن زیاد اور بنی امیہ کو ان کے ظلم و

جو سرکشی اور بغاوت پر بہت بُرا بھلا کہا۔

ابن زیاد غصہ سے دیوانہ ہو گیا اس نے کہا خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ ڈالوں گا مگر زبان چھوڑ دوں گا تا کہ تمہیں بھی جھوٹا ثابت کرسکوں اور تمہارے آقا علیؑ ابن ابی طالب کو بھی۔

فوراً ہی میثم کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے گئے اور اس کے بعد انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا میثم نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے باآواز بلند کہنا شروع کیا "لوگو! جس کو علیؑ کے متعلق پیغمبرؐ کی حدیث سننی ہو میرے پاس آجائے"۔

ان کے پاس مجمع اکٹھا ہو گیا اور وہ علیؑ فضائل بیان کرنے لگے اتنے میں عمرو بن حریث کا اُدھر سے گزر ہوا جو اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا اس نے لوگوں سے پوچھا یہ بھیڑ کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ میثم علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں وہ الٹے پیروں ابن زیاد کے پاس واپس پہونچا اور کہا حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دیں گے اور بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک سپاہی سے کہا کہ جاؤ ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہونچا اور کہا: میثم۔ انہوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا: اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ میثم نے کہا: کیا بدکار عورت کا فرزند یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کردے گا اور میرے آقا و مولاؑ کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا لے اب میری زبان خوشی سے کاٹ ڈال۔ جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے خون بہا کہ انتقال کر گئے ابن زیاد نے آپ کے جسد بے جان کو سولی پر چڑھوا دیا۔

منجملہ انہیں شہیدان راہ حق اور جاں نثاران علیؑ ابن ابی طالبؑ کے رشید ہجری بھی ہیں جو امیر المومنینؑ کے ایک مخصوص صحابی تھے۔ ان کی سرگذشت بھی میثم کی سرگذشت سے ملتی جلتی ہے۔ عبید اللہ بن زیاد نے انہیں اتنی رعایت دی کہ اگر علیؑ سے اظہار بیزاری کرو تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔ رشید نے سختی سے انکار کیا ابن زیاد نے کہا کس طرح مرنا تمہیں زیادہ پسند ہے پھر ابن زیاد نے آپ کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے۔

دوستداران علیؑ کی عظمت و جلالت اور ان کی حمایت و طرفداری کا اندازہ بس اسی سے ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے خوشی خاطر بغیر کسی دباؤ کسی مجبوری کے جی جان سے علی علیہ السلام کو دوست رکھا انہیں نہ صلہ کی تمنا تھی نہ ستائش کی پروا بس صرف یہ خواہش تھی کہ ہم حق کے ساتھ رہیں اور حق ہی پر مریں۔ علیؑ کے ساتھ ان کی عقیدت و والہانہ محبت بالکل ویسی ہی تھی جیسی مہاجرین اولین اور انصار کی پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی۔ علیؑ کے ایک بڑے پُر جوش حمایتی یعنی عمار یاسر نے کیا اچھی ترجمانی کی ہے شیعیان علیؑ کی۔ صفین کی لڑائی میں انہوں نے معاویہ کی فوجوں کی بھاری تعداد کو دیکھ کر کہا تھا:

واللہ لو قاتلو نا بسلامهم واوصلونا الی سعفات هجر لعلمنا آننا علیٰ حق و انهم علی باطل۔

خدا کی قسم یہ لوگ اپنے اسلحوں سے ہم سے لڑیں اور ہمیں دور تک ڈھکیل لے جائیں تب بھی ہمیں یہ یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر۔

حسینؑ کے انصار بھی ان کے پدر بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ کے انصار ہی جیسے تھے جو کیفیت علیؑ کے انصار کی حمایت و نصرت کی تھی۔ جس بلند مقصد سے انہوں نے علیؑ کی نصرت کی وہی کیفیت اور وہی بلند و بالا مقصد انصار حسینیؑ کے بھی پیش نظر تھا۔

شب عاشور جبکہ حسینؑ کی تمام راہ چارہ وتدبیر بند ہوگئی اور سوا شہادت کے جس کا چند ہی گھنٹوں کے بعد انہیں سامنا کرنا تھا انہیں کسی بات کا انتظار نہ تھا انہوں نے اپنے گنتی کے رفقا کو خطاب کر کے کہا کہ "یہ لوگ محض میرے سر کے طلبگار ہیں تم ناحق اپنی جانیں کیوں گنواؤ پردۂ شب حائل ہے کوئی دیکھنے والا نہیں تم یہاں سے رخصت ہوجاؤ" ممکن ہے کہ ایسا کہنے کی وجہ رہی ہو کہ شاید دن کی روشنی میں ہمارا ساتھ چھوڑتے ان لوگوں کو شرمندی محسوس ہو یا دیکھ لئے اور گرفتار کر لئے جانے کا خطرہ ہو۔ یہ حسینؑ کے نفس کی ایسی بلندی اور ان کا وہ محیر العقول طرز عمل ہے جس کی نظیر ڈھونڈھے سے نہ ملے گی مگر انصار حسینؑ نے ایک دل ایک زبان سے عرض کیا کہ ہم آپ کے قدموں ہی میں اپنی جاں دیں گے"۔

مسلم ابن عوسجہ اسدی نے کہا: انحن نتخلی عنك ولم نعذ والی الله فی اداء حقك۔ کیا ہم آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں کل ہم آپ کا حق ادا کر کے خدا کے نزدیک اپنا عذر واضح نہ کریں خدا کی قسم میں آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک ان دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ نہ توڑلوں۔ اور جب تک بازوں میں سکت اور ہاتھوں میں قبضہ شمشیر رہے گا انہیں مارتا ہی رہوں گا اگر میرے پاس اسلحے نہ بھی رہیں گے تو میں پتھروں سے انہیں ماردوں گا یہاں تک کہ آپ کے سامنے اپنی جان دے دوں۔

مسلم نے جو کہا تھا اُسے پورا کر دیا اور حسینؑ ہی کے سامنے انہوں نے ہنسی خوشی جام شہادت نوش کیا۔

جب مسلم ابن عوسجہ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گرے اور دم توڑنے لگے حبیب ابن مظاہر ان کے سرہانے آئے اور کہا اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تمہارے بعد جلد ہی میں بھی تم سے ملحق ہونے والا ہوں تو تم سے کہتا مجھ سے وصیت کرو۔ مسلم نے یہ فقرے کہے جو ان کی آخری لفظیں تھیں۔ اوصیك بهذا رحمك الله میں اس امام (حسینؑ) کے متعلق تم سے وصیت کرتا ہوں ان پر اپنی جان نثار کر دینا۔

حرابن یزید ریاحی نے جب یزید اور اس کے مددگاروں کی بداعمالی اور سیہ کاریاں دیکھیں اور اس کے مقابلہ میں حسینؑ کی پاکیزہ خصلتیں اصحاب حسینؑ کا ایمان اور ان کا جذبہ فداکاری اور ایثار مشاہدہ کیا تو دفعتاً ان کا ضمیر بیدار ہوگیا اور انہوں نے دنیا کی عزت و بزرگی اور جاہ و منصب کو ٹھوکر ماردی۔

یہ حُر بنی امیہ کے ان بڑے فوجی افسروں میں سے تھے جن سے مال و متاع اور جاہ و منصب کے بڑے بڑے وعدے کئے گئے تھے شرط محض یہ تھی کہ وہ حسینؑ سے لڑیں اور انہیں اور ان کے رفقا و انصار کو موت کے گھاٹ اتار دیں والی کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے خصوصیت کے ساتھ حر کو حکم دیا تھا کہ یہ کار اہم تم ہی اپنے ہاتھوں سے بجالاؤ مگر جیسے ہی وہ لشکرگاہ حسینؑ کے قریب پہونچے ایسی کشمکش اور وحشت ظاہر کی کہ ان کے ساتھی شک و شبہہ میں مبتلا ہو گئے حر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے دوڑاتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کی:

''آقا مجھ سے جو خطا ہوئی اس پر بے حد نادم اور خدا سے توبہ کرتا ہوں میں آپ کی نصرت کروں گا یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کردوں گا۔ وہ حسینؑ کے سامنے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حسینؑ کے تمام یار و انصار ایسے ہی تھے ان کی تعداد چند دہائیوں سے زیادہ نہ تھی وہ ہزاروں ہزار دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے ان پر تشنگی کا غلبہ تھا جان حنیق میں تھی انہیں بس موت کا اشتیاق تھا ان بہادروں نے یکے بعد دیگرے حسینؑ کے قدموں پر اپنی جان نثار کی ہر دل میں شہید ہونے کی سعادت کی اُمنگ تھی وہ موت کو اپنے لئے کمال عز و شرف سمجھتے تھے۔

حسینؑ بن علیؑ شہید ہو گئے اور حکومت یزید اور انصار یزید کے لئے پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی خاندان ابوطالب کی خلافت کی کوئی امید باقی نہ رہی ان کے حمایتیوں کو یقین ہو گیا کہ زمین کی نعمتیں اب ان کے ہاتھوں لوگوں میں تقسیم نہ ہوں گی لیکن خوف ندان ابوطالب کے اعوان و انصار خاموش نہ بیٹھے ان کی بیدار روح پہلے سے زیادہ بیدار ہو گئی وہ پہلے سے زیادہ حمایت پر کمربستہ اور سرگرم ہو گئے اس کا ایک معمولی ثبوت یہ ہے کہ جب شہادت حسینؑ کی خبر کوفہ پہونچی اور عبیداللہ بن زیاد نے نماز جماعت میں سب کو اکٹھا کیا اور بعد نماز تقریر کرتے ہوئے کہا:

اس خدا کا شکر جس نے حق کو ظاہر اور صاحبان حق کو مظفر و منصور کیا امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت کی مدد کی اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسین ابن علیؑ اور ان کے شیعوں کو قتل کیا۔

تو اس کا فقرہ ابھی پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مسجد کے ایک گوشہ سے ایک مرد ضعیف و کہن سال یعنی عبداللہ بن عفیف ازدی جو

علیؑ کے صحابی اور جنگ جمل وصفین میں ان کے ساتھ داد شجاعت دیئے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے اور چیخ کر کہا:

مرجانہ کے بیٹے! تم اولاد انبیاء کو قتل کرتے ہو پھر منبر پر صدیقین کی جگہ کھڑے ہونے کی جرأت کرتے ہو، تم جھوٹے تمہارا باپ جھوٹا اور وہ جھوٹا جس نے تمہیں اور تمہارے باپ کو حاکم بنایا۔

ہر چند اس کا نتیجہ ہوا یہ کہ صبح ہوتے ہی اس مرد کہن سال کو کوفہ کے میدان میں پھانسی ہو گئی لیکن اس واقعہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ظلم وستم اور قتل وغارت نے علیؑ کے انصار کی روح کو کچلا نہیں بلکہ وہ پہلے سے زیادہ بیدار اور جاندار تھی۔

مشہور شاعر فرزدق نے بنی امیہ کے منہ پر بہ بانگ دہل اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا تھا جو انہوں نے امام زین العابدین بن حسینؑ بن علیؑ کی مدح میں کہا تھا۔ بنی امیہ کی حکومت کا اس وقت شباب تھا کس کی مجال تھی جو ان کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالنے کی ہمت کرتا مگر فرزدق کو موت کی قطعی پرواہ نہ ہوئی۔ انہوں نے زین العابدینؑ کی مدح کسی صلہ وستائش کی تمنا میں نہیں کی تھی یہ صرف والہانہ محبت اور پسندیدگی کا جذبہ اور ان کی اطاعت و پیروی کی امنگ تھی جس نے انہیں ایسا قصیدہ کہنے پر مجبور کیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ خاندان بنی امیہ کا خلیفہ ہشام ابن عبد الملک اپنی شہزادگی کے زمانہ میں حج کرنے گیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرکے چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے مگر اس تک پہونچ نہیں سکا ایک تو وجہ یہ تھی کہ بنی امیہ سے عام نفرت و بیزاری لوگوں کو تھی کسی نے اس کو حجر اسود تک پہونچنے کا راستہ ہی نہ دیا دوسری وجہ یہ تھی کہ بھیڑ بھی بہت تھی مجبوراً ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا اس اثنا میں امام زین العابدینؑ تشریف لائے اور جب حجر اسود کی طرف جانا چاہا تو سب لوگوں نے ہٹ کر آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور حضرت نے اطمینان سے اس کو بوسہ دیا ہشام کے ساتھ شام کے جو لوگ آئے تھے یہ حال دیکھ کر ہشام سے انہوں نے پوچھا یہ باعظمت شخص کون ہے، جس کی ہیبت وجلال سے سب حاجی ہٹ گئے۔ ہشام تو واقف تھا مگر اس سے کہ حضرتؑ کا اثر شامی لوگوں پر نہ ہو جائے کہا میں اس شخص کو نہیں پہنچانتا فرزدق اس بے ادبی کو نہ برداشت کرسکے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میں انہیں جانتا ہوں پھر وہ بلند جگہ پر کھڑے ہوئے شجاعت و دلیری ان سے پھوٹی پڑتی تھی انہوں نے برجستہ پورا قصیدہ پڑھ سنایا جو عرب کی ادبی تاریخ میں قیامت تک باقی رہے گا اس کا مطلع یہ تھا:

هٰذا الذی تعرف البطحا وطائة   والبیت یعرفه والحل والحرم

یہ وہ بزرگ ہستی ہے، جس کے نقش قدم کو مکہ بھی پہچانتا ہے خانہ خدا بھی اور حل وحرم بھی۔

اس قصیدہ کو ہشام سن کر غیظ وغضب سے پیچ وتاب کھانے لگا اور اس نے فرزدق کو قید کر دیا قید میں فرزدق نے ہشام

اور بنو امیہ کی زبردست ہجو کہی بغیر اس کی پرواکئے کہ بنی امیہ ہمارے اوپر کیسے کیسے مظالم ڈھائیں گے۔ ہشام کے متعلق اس نے کہا تھا:

یقلب راسا لم یکن راس شید وعین له حولا بادٍ عیوبها

وہ ایسا سر پھراتا ہے جو سردار کا سر نہیں اس کی آنکھ ٹیڑھی ہے جس کے عیوب واضح ہیں۔

یہ چند نمونے جو ہم نے خاندان ابی طالبؑ کے انصار واعوان کے پیش کئے۔ بہت کم ہیں لیکن انہیں چند مثالوں سے ان لوگوں کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کیسا ہمہ گیر ان کا جذبہ فدا کاری تھا اور کس طرح علیؑ پر جان دینے کے لئے تیار رہتے اور صفات وفضائل انسانی میں کتنی بلند منزل پر فائز تھے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

لیکن بنی امیہ کے اعوان وانصار تو وہ دو قسم کے تھے ایک گروہ تو وہ تھا جسے رشوت دے کر بنی امیہ نے اپنی طرف کھینچا تھا رشوت چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو وہ دین ووجدان بیچنے والے کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو اپنی فطری خباثت اور پیدائشی بدطینتی کی بنا پر بنی امیہ کا طرفدار تھا۔ ذلیل وخوار پست فطرت والے شریفوں کو خواہ مخواہ دشمن رکھتے ہیں چونکہ وہ صفات پسندیدہ سے خالی ہوتے ہیں اس لئے طبعی طور پر مجبور ہوتے ہیں کہ شریفوں کو دشمن رکھیں اور مجرم وسیہ کار انسان طرف داری کریں۔

وہ گروہ جسے رشوت نے بنی مایہ کا طرفدار بنایا تھا وہ ابوسفیان کے اعوان وانصار تھے ہر شخص کے لحاظ سے رشوت کا مفہوم جداگانہ ہوتا ہے جو جس معیار اور درجہ کا ہوتا ہے اسی لحاظ سے اس کو رشوت دی جاتی ہے۔ ابوسفیان نے بعضوں کو تو مال و دولت رشوت میں دی بعضوں کو آزادی کی رشوت دی جیسے حبشی قاتل جناب حمزہ کو ابوسفیان نے رشوت دی تھی کہ تم محمدؐ، علی علیہ السلام اور حمزہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دو گے تو تمہیں آزاد کر دوں گا۔

بعضوں کو عہدے اور منصب کی رشوت دی گئی بہتوں نے بنی امیہ کی طرفداری میں پیغمبر خداؐ اور ان کے اصحاب سے محض اس طمع میں جنگ کی کہ زمانہ جاہلیت میں ہمیں جو نفوذ واقتدار اور بلند مناصب حاصل تھے وہ ہمارے ہاتھ میں باقی رہیں گے۔

بنی امیہ کے اعوان وانصار سے ایک عمرو عاص بھی تھے جو علیؑ سے جنگ کرنے میں معاویہ کے دست راست تھے عنقریب ہم ان کا تفصیل سے ذکر کریں گے۔

اسی جماعت سے شام کے لشکری بھی تھے جنہیں معاویہ نے صفین میں علیؑ سے لڑنے کیلئے بھیجا تھا ان شامی سپاہیوں کا مقصد

محض یہ تھا کہ جو ہمیں تنخواہ دیتا ہے اور کامیابی کی صورت میں طرح طرح کے وعدے کرتا ہے اس کی مدد کریں۔

اسی گروہ سے یزید کا لشکر بھی تھا جسے یزید اور اس کے زیر اثر رؤسا نے رشوتیں دی تھیں کسی کو مال و دولت دی تھی کسی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو تمہاری جان محفوظ رہے گی کیونکہ بہت سے لوگ اولادِ علیؑ سے لڑنے کیلئے محض اس ڈر سے گئے تھے کہ اگر ہم نہیں جاتے ہیں تو ہمیں سخت و شدید اذیتیں پہونچائی جائیں گی ہر شخص میں فدا کاری اور جاں نثاری کا جذبہ نہیں ہوتا۔

تاریخ کے صفحات پر اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں کہ مکہ سے کوفہ جاتے وقت جب حسینؑ کی ملاقات فرزدق شاعر سے ہوتی ہے اور آپ نے کوفہ والوں کی کیفیت دریافت کی تو فرزدق نے جواب دیا تھا:

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر کل انہیں کی تلواریں آپ پر کھینچی ہوں گی"

ایسا سوال آپ نے مجمع بن عبید عامری سے بھی کیا تھا انہوں نے جواب دیا:

"معززین واشراف کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں ان کا گھر بھر دیا گیا ہے وہ سب آپ کی جان کے دشمن ہیں باقی لوگ دل سے آپ کے طرفدار ہیں لیکن کل انہیں کی تلواریں آپ کے خلاف کھینچی ہوں گی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

رہ گیا بنی امیہ کے اعوان و انصار کا دوسرا گروہ یعنی وہ لوگ جو اپنی فطری کمینگی اور پیدائشی خباثت و دنائت کی بنا پر بنی امیہ کے طرفدار تھے تو ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی یہ سیہ کار و خطا کار لوگ اگر محض اپنے سرداروں کی خوشنودی و رضامندی کے لئے اولادِ ابی طالب کے دشمن ہوتے تو کسی حد تک یہ معذور سمجھے جاسکتے تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ یہ دنیا کے بندے تھے اور دنیا حاصل کرنے کے لئے منصب و اقتدار کی خاطر انہوں نے اولادِ ابی طالب سے جنگ کی لیکن ان کی عداوت نہ تو مال و دولت کی خاطر تھی نہ جاہ و منصب کیلئے بلکہ ان کی عداوت بنیادی عداوت اور فطری مغائرت تھی جیسے تاریکی کی عداوت روشنی سے گمراہی کی عداوت ہدایت سے، باطل کی حق سے جور و ظلم کی عدل و انصاف سے یہ ایسے شقی القلب اور قصائی تھے کہ ان کی جیسی درندگی و قساوت جنگلی درندوں میں بھی دیکھی نہ گئی یہ اپنی فطری خباثت کے سبب ہر شریف آدمی کے دشمن اور اس کے خون کے پیاسے تھے۔ مثلہ کرنا چھوٹے چھوٹے بچوں کو حلال کرنا بے والی و وارث عورتوں کی ایذا رسانی کے مرتکب کمینے ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

انہیں جلادوں میں سے ایک شخص بُسر بن ارطاۃ تھا جس کا نام ہی مورخین نے جلاد رکھ دیا ہے اس کی سیرت کا جائزہ لینے پر بنی امیہ کے دوسری قسم کے اعوان و انصار کی نفسیات آسانی سے سمجھ میں آجائیں گی یہ بُسر بن ارطاۃ ظلم و جور جفا کاری و دہشت

انگیزی میں معاویہ کا دست راست تھا اس جلاد نے ایسے ایسے ہولناک حرکات کئے ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس نے ایسے بڈھوں کو قتل کیا جن کی کمریں جھک گئی تھیں چھوٹے چھوٹے کمسن بچوں کو ان کی ماؤں کی آغوش میں ذبح کر دیا معاویہ کی حکومت مضبوط کرنے اور ان کا اقتدار قائم کرنے کیلئے۔ چنانچہ جب معاویہ نے لشکر کے ساتھ اسے یمن پر لوٹ مار کرنے کیلئے بھیجا تو اس نے ایسی سفاکی و جلادی کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی روانگی سے پہلے معاویہ نے اسے بلا کر تاکید کرتے ہوئے کہا:

”حجاز کا راستہ اختیار کر کے مکہ و مدینہ سے ہوتے ہوئے یمن تک جا پہونچو اور جو بھی آبادی تمہیں ایسی ملے جہاں کے لوگ علی علیہ السلام کے اطاعت گذار ہوں انہیں خوب ڈراؤ دھمکاؤ یہاں تک کہ انہیں یقین ہو جائے کہ اب جان بچنے والی نہیں اور تم انہیں پوری طرح نرغہ میں لے چکے ہو پھر تم رک جاؤ اور انہیں بیعت پر آمادہ کرو جو شخص انکار کرے اسے قتل کر ڈالو اور جہاں بھی شیعیان علی ملیں تہہ تیغ کرو“۔

یہ ہدایت لے کر بُسر روانہ ہوا مدینہ پہونچا وہاں کے عامل ابو ایوب انصاری تھے پیغمبرؐ خدا کے سب سے پہلے میزبان، مدینہ آنے پر پیغمبرؐ انہیں کے یہاں مقیم ہوئے۔ ابو ایوب تاب مقاومت نہ پا کر مدینہ سے رخصت ہو گئے بُسر مدینہ میں داخل ہوا لوگوں کے مجمع میں تقریر کی انہیں خوب گالیاں دیں اور کہا تمہارے منہ کالے ہوں پھر انصار کو گالیاں دیں اور کہا اے گروہ یہود اور غلاموں کی اولاد خدا کی قسم میں تمہیں اتنی دردناک اذیتیں پہونچاؤں گا کہ مومنین کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں اس کے بعد اس نے بہت سے مکانات میں آگ لگوادی پھر وہاں سے مکہ پہونچا وہاں کے عامل قثم بن عباس تھے وہ بھی وہاں سے نکل بھاگے بُسر نے مکہ داخل ہو کر مکہ والوں کو خوب گالیاں دیں اور رجز و توبیخ کی۔

کلبی سے روایت ہے کہ بُسر جب مدینہ سے مکہ کی طرف گیا تو اس نے راستہ میں بہت سے لوگوں کو تہہ تیغ کیا بہت سے مال و اسباب لوٹے مکہ والوں کو جب خبر معلوم ہوئی تو وہ ڈر کر شہر چھوڑ بھاگے عبید اللہ بن عباس کے دو لڑکے بھی مارے ڈر کے نکلے بُسر نے پکڑ کر انہیں ذبح کر دیا بنی کنانہ کی عورتیں نکل پڑیں ان میں سے ایک عورت نے کہا مردوں کا قتل کرنا تو میری سمجھ میں آتا ہے مگر بچوں نے کیا قصور کیا ہے۔ بچوں کو تو نہ جاہلیت میں قتل کیا جاتا تھا نہ اسلام میں۔ طائف سے چل کر بُسر نجران پہونچا وہاں اس نے عبد اللہ بن عبد المدان اور ان کے لڑکے مالک کو قتل کیا۔ یہ عبد اللہ عبید اللہ بن عباس کے سسرالی رشتہ دار تھے پھر اس نے نجران والوں کو جمع کر کے کہا اے نصاریٰ کے گروہ اور بندروں کے بھائی اگر مجھے تمہارے متعلق کوئی بات بھی ایسی معلوم ہوئی جسے میں پسند نہیں کرتا تو میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا جس سے نسل برباد کھیتی تباہ اور گھر ویران

ہو جائیں گے پھر وہ صنعاء آیا شہر میں داخل ہو کر بے شمار لوگوں کو قتل کیا مآرب کا وفد اس سے ملنے آیا تو اس نے وفد کے سارے آدمیوں کو مروا ڈالا پھر صنعاء سے چلتے وقت اس نے اور تباہی مچائی ہزاروں افراد کو تہہ تیغ کیا پھر دوبارہ پلٹ کر صنعاء آیا اور معمر انسانوں کو جو فارس کے رہنے والے تھے قتل کیا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ص ۱۷ ۲)

مورخین لکھتے ہیں کہ بُسر نے تقریباً ۳۰ ہزار آدمیوں کو قتل کیا یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے جنہیں اس نے جلا کر پھونک ڈالا (ابن ابی الحدید جلد ا ص ۲۳) اس سفاک وخطا کار کے جرائم کے متعلق شعراء نے بہت سے شعر کہے یزید بن عطرع اس کے قتل وغارت و آتش زنی وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

الیٰ حیث سارا الماء بسر بحیشه قتل بسر ما استطاع وحرقا

بسر اپنا لشکر کے ساتھ جدھر جاتا ہے تو امکان بھر قتل وغارت کرتا ہے اور آگ لگا تا ہے۔ بسر کی پوری تاریخ اسی قسم کے افعال سے بھری ہے۔

ان مجرموں میں سے زیاد بن ابیہ بھی تھا جس نے عراق میں انتہائی ہولناک طریقہ پر قتل وغارت کا بازار گرم کیا معاویہ نے پہلے اسے اپنا بھائی بنایا اور اس کو اپنا طرفدار اور حمایتی بنانے کیلئے زیاد بن ابوسفیان نام رکھا پھر اسے بصرہ کا گورنر مقرر کیا اس نے بصرہ آکر اپنی وہ مشہور تقریر کی جو خطبہ ستراکے نام سے مشہور ہے پھر بنی امیہ کے اقتدار کو مضبوط کرنے میں پوری سرگرمی و مستعدی سے مصروف ہو گیا اس نے محض بدگمانی پر لوگوں کو قتل کیا اور صرف شبہ پر لوگوں کو سزائیں دیں۔

بنی امیہ کے اعوان وانصار اور ان کے کارپردازوں کیلئے اپنے مخالفین کے ہاتھ پیر کاٹنے انہیں سولیاں دینے قید کر دینے ان کا مال لوٹ لینے ان کا گھر گرا دینے انہیں جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی ذلیل وخوار کرنے سے آسان تر کوئی بات نہ تھی اس کے دورِ حکومت میں تمام لوگ انتہائی مصائب وآلام میں گرفتار رہے اس نے اپنے علاقوں میں قیامت مچا رکھی تھی وہاں کے باشندوں کو کسی قسم کی آزادی نصیب نہ تھی ہر شخص اس کے قہر وغضب سے تھرا تا رہتا تھا۔

اس نے لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹے آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں ہزاروں شرفا اور ذی وجاہت افراد کو قتل کرڈالا اور ایسے مظالم ڈھائے جن کی منظر کشی ناممکن ہے۔ ظلم وجور درندگی وسفاکی میں بنی امیہ کے ولاۃ وعمال میں زیاد بن ابیہ پر کوئی سبقت نہ لے جاسکا سوا حجاج بن یوسف کے کہ اسی کا زیاد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

خود زیاد نے اپنے طریقہ کار اور سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خطبہ ستراء میں کہا تھا۔

میں خدا کی قسم۔۔۔ کھا کر کہتا ہوں کہ آقا کو اس کے غلام کے بدلے میں گرفتار کروں گا بھاگ جانے والے کے بدلے

رہ جانے والے کو چلے جانے والے کے بدلے آنے والے کو نافرمان کے بدلے فرماں بردار کو بیمار کے بدلے تندرست کو پکڑوں گا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے کہے گا سعد بھاگ جاؤ کہ سعید مارا گیا ورنہ تمہاری کجی سیدھی ہو جائے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک میں بصرہ کو تباہ و برباد نہ کروں اس کے مکانات کو آگ لگا کر منہدم نہ کر دوں خبردار کوئی رات کو گھر سے نہ نکلے جو بھی رات میں گھر سے نکلے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا خدا کی قسم تم میں سے بہت سے لوگ میرے ہاتھوں قتل ہوں گے ہر شخص اس بات سے ڈرے کہ کہیں میرے ہاتھوں اس کا خون نہ بہے۔

بصرہ کے بعد جب یہ زیاد کوفہ کا گورنر ہوا تو پہلے ہی دن اس نے مسجد کوفہ کے دروازہ پر باندھ کر آدمیوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ معاویہ اوران کے گروہ کی خوشنودی وتقرب کیلئے اسی ظلم وتشدد اور دہشت انگیزی کی پالیسی پر کاربند رہا علیؑ کے جتنے ہمدرد و حمایتی اسے کوفہ میں ملے انہیں قتل کیا ہاتھ پیر کاٹے انہیں دہشت زدہ کیا مدائنی لکھتے ہیں:

''زیاد بن سمیہ نے کوفہ کے شیعیان علی کو ڈھونڈھ کے برآمد کیا کیونکہ علیؑ کے زمانہ میں وہ خود بھی علیؑ ہی کے آدمیوں سے تھا جس کی وجہ سے اسے تمام شیعیان علیؑ کا پتہ تھا اس نے ہر کنکر پتھر کے نیچے سے شیعوں کو ڈھونڈ کر نکالا انہیں سراسیمہ و خوفزدہ کیا ان کے ہاتھ پیر کٹوائے آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں۔ خرما کے درختوں پر سولیاں دلوائیں، انہیں عراق سے نکال باہر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی جانا پہچانا شیعہ وہاں باقی نہ رہا''۔ زیاد اور حجر ابن عدی کی سرگزشت ہم عنقریب اس فصل کے آخر میں بیان کریں گے۔

انہیں سگان دنیا اور سیہ کاروں میں سے عبید اللہ بن زیاد بھی تھا واقعہ کربلا کا بانی۔ عمر بن حمق خزاعی میثم تمار اور مرد کہن سال یعنی عبد اللہ بن عفیف ازدی اور ہزاروں ہزار بے گناہوں کا قاتل اس شخص کے لئے ہاتھ پیر کاٹنے، سولی دینے قتل کرنے مثلہ کرنے سے آسان کوئی بات نہ تھی خواہ ان باتوں کا کوئی سبب ہو یا نہ ہو۔ جناب مسلم ابن عقیل اس کے متعلق فرماتے ہیں:

وہ ایسے نفوس کو قتل کرتا ہے جن کا قتل خدا نے حرام قرار دیا ہے محض عیند و غضب دشمنی اور بدگمانی کی بنا پر اس کے لہو لعب اور تفریح و دلبستگی میں کوئی فرق نہیں آتا سمجھتا ہے جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔

اس جلاد کی شقاوت اور قساوت قلبی کا بدترین مظاہرہ اس دن ہوا جس دن اس نے حسینؑ کو شہید کیا اور آپ کی شہادت کے بعد تو اس کی بے شرمی و بے حیائی خباثت و دنائت کا ٹھکانا ہی نہ رہا۔

شمر بن ذی الجوشن بھی کمینگی خباثت و دنائت میں اپنے آقا عبید اللہ بن زیاد سے کم نہ تھا یہ شخص تمام شریف اور پاکیزہ طبیعت انسانوں سے کینہ وعداوت رکھنے میں امتیازی درجہ رکھتا تھا اس نے اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی اور کینہ وعناد

کا ایسا ایسا مظاہرہ کیا کہ سوا کمینہ اور خبیث انسان کے اور تو کسی سے بھی ممکن نہیں اس نے حسینؑ کے ننھی ننھی خرد سال بچوں کو پیاسا رکھ کر مار ڈالا حالانکہ دریا سامنے بہہ رہا تھا اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ حسینؑ کے جسد اطہر پر گھوڑے دوڑا دیں سپاہیوں نے اس طرح گھوڑے دوڑائے کہ آپؑ کی پشت مبارک اور سینہ کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں جسم اطہر کا لباس جو تیروں سے چھلنی اور تلواروں نیزوں کے وار سے پارہ پارہ تھا پہلے ہی لوٹ لیا گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے حسینؑ کے اگر خیموں سے نکل پڑتے تو شام کے سپاہی انہیں نیزہ و شمشیر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

حصین ابن نمیر کے متعلق کیا کہا جائے، حسینؑ پر ہفتم عاشورہ سے پانی بند کیا جا چکا تھا عاشورہ کے دن حسینؑ لڑتے بھڑتے جب فرات تک جا پہونچے اور آپ نے چلو میں پانی لیکر اپنی تشنگی بجھائی چاہی اس ملعون نے دفعتاً ایک تیر چلا کر مارا جو حضرتؑ کے دہان مبارک پر لگا۔ دہان مبارک اور دونوں ہتھیلیاں خون سے بھر گئیں۔ اور یہ ملعون انتہائی بے شرمی سے قہقہے لگاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

انہیں سیہ کاروں میں عمر ابن سعد بھی تھا جس نے اپنے کمینے اور خبیث آقا عبید اللہ بن زیاد کی اطاعت کی اور اس کے احکام کی بجا آوری میں جان سے کوششیں کیوں حالانکہ اسے اختیار تھا کہ چاہتا تو اس کے احکام کی تعمیل کرتا چاہتا تو نہ کرتا (کیونکہ عبید اللہ بن زیاد نے اسے کربلا جانے پر مجبور نہ کیا تھا ابن زیاد نے اس سے کہا تھا کہ اگر چاہو تو ہم تمہاری جگہ دوسرے کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کر کے بھیج دیں۔)

شہادت حسینؑ کے بعد اہل بیتؑ کی خواتین کو قیدی بنا کر اس طرف سے لے گیا جدھر حسینؑ اور ان کے اعزہ کے لاشہائے بے سر پڑے ہوئے تھے۔ لڑائی شروع ہونے کے قبل اسی عمر سعد نے سب سے پہلے لشکر حسینی کی طرف تیر چلایا تھا اور لشکریوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ گواہ رہنا سب سے پہلا تیر چلانے والا میں ہوں۔

انہیں جفا کروں میں سے۔۔۔۔ وہ شامی بھی تھا جس نے فاطمہ بنت الحسینؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا حضور یہ کنیز مجھے عنایت کر دی جائے۔

انہیں اعوان و انصار بنی امیہ میں مسلم بن عقبہ بھی تھا جس نے ایسے ایسے ہولناک اور انسانیت سوز حرکات کیں جن سے بڑھ کر شرمناک افعال نہیں ہو سکتے۔ یزید نے ایک لشکر کا سردار بنا کر اسے حجاز کی طرف روانہ کیا تھا اس نے جی کھول کر درندگی و بربریت کا مظاہرہ کیا اور مدینہ والوں کو اتنی بے دردی اور کثرت سے تہہ تیغ کیا جیسے وہ آدمی نہ ہوں بھیڑ بکری ہوں یہاں تک کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں خون کی ندی بہنے لگی لشکر والوں کے لئے تین دن تک مدینہ مباح کر دیا، عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں،

مردوں کو قتل عورتوں کو تہہ تیغ کیا گیا، ماؤں کے سامنے بچوں کو دیواروں پر پھینک مارا گیا جن سے ان کی ہڈیاں سرمہ ہوگئیں مولی گاجر کی طرح لوگوں کے سر کاٹے گئے سب کے گھروں کے مال و اسباب لوٹ لیئے گئے مکانات منہدم کر دیئے گئے پیغمبرؐ کے اصحاب مہاجرین و انصار کی اولادوں میں سے کسی پر رحم نہیں کھایا ان تین دنوں میں صرف ۷ ارسو مہاجرین و انصار تہہ تیغ کیئے گئے اور دس ہزار دوسرے لوگ ہزاروں عورتیں اور بچے جو مارے گئے ان کی تعداد الگ ہے۔

مسلم بن عقبہ نے اس واقعہ کے بعد جو خط یزید کو لکھا تھا اس کے چند فقرے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اس خط میں مسلم نے اپنے کارناموں پر فخر کیا ہے اور غضب یہ کہ اس نے ان تمام حرکتوں کو خدا کی مشیت و ارادہ سے منسوب کیا ہے وہ لکھتا ہے:

"۔۔۔۔ میں امیر المومنین کو مطلع کرتا ہوں خدا حضور کو سلامت رکھے میں دمشق سے نکلا۔ ہم جن تیاریوں کے ساتھ نکلے تھے آپ نے بھی ملاحظہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ مروان بن حکم بھی دمشق سے واپس ہوا۔ یہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمارا بڑا مددگار تھا۔ امیر المومنین کو خدا عزت بخشے مروان کا ایسا عمدہ طرز عمل رہا اور دشمنوں کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کہ میرا خیال ہے امام المسلمین خلیفہ رب العالمین کے نزدیک انشاءاللہ ضائع و برباد نہ جائے گا۔ خداوند عالم امیر المومنین کے آدمیوں کو تندرست و سلامت رکھے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہونچی نہ دن کے وقت ان کا دشمن ان کے سامنے آیا میں نے ظہر کی نماز اس وقت تک مدینہ کی مسجد میں نہ پڑھی جب تک ہزاروں ہزار آدمیوں کو تہہ تیغ نہ کر لیا بری طرح لوٹ مار نہ مچادی سب کو تلواروں پر رکھ لیا جو بھی سامنے آیا اسے تہہ تیغ کیا جس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی اس کا پیچھا کیا جو زخموں سے جاں بلب تھا اس کا کام تمام کیا مدینہ کو تین دن تک لوٹتے رہے جیسا کہ امیر المومنین نے حکم دے رکھا تھا اس خدا کا شکر جس نے پرانے مخالفین اور قدیمی منافقین کو قتل کر کے میرے سینہ کو شفا بخشی ان کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی اور یہ بہت پرانے باغی تھے"۔

بنی امیہ کے ان سیہ کار اعوان و انصار کا اس ورئیس حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج، عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے حجاز روانہ ہوا اس نے جاتے ہی مکہ کا محاصرہ کر لیا جہاں عبداللہ بن زبیر پناہ گزیں تھے اس نے منجنیق نصب کرا کے مکہ پر سنگ بارانی کرائی آگ پھنکوائی یہاں تک کہ خانہ کعبہ کا ایک حصہ جل گیا اور جب اسے فتح یابی نصیب ہوئی اس نے بڑے بڑے بنی امیہ کے مخالفین کے سر کاٹ کر دمشق بھیجے عبداللہ بن زبیر کا سر کاٹ کر انہیں سولی پر چڑھادیا اتنے ہی پر اکتفاء نہ کی بلکہ ان کی میت کو کافی عرصہ تک سولی پر اسی طرح لٹکا چھوڑ دیا اسما بنت ابی بکر جو بہت بوڑھی اور ضعیف ہو چکی تھیں بیٹے کی موت نے انہیں اور ادھ موا کر دیا آنکھوں

سے ٹھیک طرح سوجھائی بھی نہیں دیتا تھا وہ اس جگہ آئیں جہاں ابن زبیر کی لاش لٹکی ہوئی تھی اور کہا:

"کیا ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ یہ سوار اپنی سواری سے اترے"

حجاج کو سخت ناگواری ہوئی اس نے اس غریب عورت کو بڑی بے شرمی اور درشتی کے ساتھ جھڑک دیا اور زجر و توبیخ میں بہت سے نازیبا کلمات کہے۔

عبدالملک نے اس کارنامے کے صلہ میں حجاج کو حجاز کا گورنر مقرر کر دیا اس نے جی کھول کر وہاں کے لوگوں کو قتل کیا سخت سے سخت سزائیں دیں انہیں ذلیل وخوار کیا خود حجاج نے اپنی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا:

"میں اول نمبر کا جھگڑالو انتہائی کینہ پرور اور پکا حاسد ہوں"

اس شخص کو نوع بشر سے کتنی نفرت تھی اس کی تشریح کرنے سے عقل انسانی عاجز ہے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبدالملک نے اسے عراق کا حاکم مقرر کیا اور وہاں کی شورش ختم کرنے اور امن قائم کرنے کیلئے لوگوں پر اس کو مسلط کیا۔ حجاج صرف بارہ سپاہیوں کو ساتھ لیکر کوفہ پہونچا شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک آدمی بھیج دیا تاکہ اس کی آمد سے لوگ آگاہ ہو جائیں ہر شخص مسجد میں آکر اس کا انتظار کرنے لگا رمضان المبارک کے دن تھے لوگ اس ظالم و جفاکار کے آنے پر اپنی ناگواری اور ناپسندیدگی کا آپس میں ذکر ہی کر رہے تھے کہ یہ آپہونچا سر پر سرخ رنگ کا ریشمی عمامہ تھا جس سے چہرہ کا زیادہ حصہ ڈھکا ہوا تھا ہاتھ میں تلوار اور کمان تھی وہ خاموش دھیرے دھیرے بڑھتا رہا مجمع بھی خاموش تھا یہاں تک کہ وہ منبر پر جا پہونچا اور عرشہ پر جا چڑھا پھر اس نے کہا لوگوں کو بلاؤ کوفہ والے مسجد میں اکٹھا ہو گئے۔ سارا مجمع انتہائی خاموشی کے ساتھ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ تھا حجاج بہت دیر تک چپکا بیٹھا رہا لوگ بہت دیر تک انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ تھک کر آہستہ آہستہ اسے برا بھلا کہنے لگے بعض لوگوں نے اسے مارنے کے لئے کنکریاں بھی اٹھا لیں دفعتاً حجاج نے تقریر شروع کی خوف و دہشت کے مارے لوگوں کے ہاتھوں سے کنکریاں گر پڑیں حجاج نے چہرے سے عمامہ سرکاتے ہوئے کہا:

انا ابن جلا و طلاع الثنايا   متى اصنع العمامة تعرفونى

میں بڑے بہادر اور رعب و دبدبہ والے انسان اور آنکھ بند کر کے مہلکوں میں ٹوٹ پڑنے والے کا فرزند ہوں میرے عمامہ ہٹانے پر تمہیں پتہ چل جائے گا میں کون ہوں۔

خدا کی قسم میں اٹھی ہوئی نگاہیں جھکی ہوئی گردنیں اور ان سروں کو دیکھ رہا ہوں جن کے کٹنے کا وقت قریب آ گیا ہے اور میں ہی ان کا کاٹنے والا ہوں میں سر اور داڑھی کے درمیان خون ہی خون دیکھ رہا ہوں۔

دیکھو امیر المومنین وعبد الملک بن مروان نے اپنے ترکش کو پھیلایا اس کی لکڑی کو آزما کر دیکھا مجھے سب سے زیادہ ٹھوس اور مضبوط لکڑی پایا اس نے مجھے تمہاری طرف روانہ کیا۔

خدا کی قسم اے عراق والو! بغاوت ونفاق کے معدن، بدترین اخلاق والے ہیں تمہیں اس طرح چھیل کر رکھ دوں گا جس طرح لکڑی چھیل کر رکھ دی جاتی ہے اور اس طرح ماروں گا جس طرح اجنبی اونٹ مارے جاتے ہیں تم لوگ اس گاؤں والوں کی طرح ہو جس کے باشندے بے خوف ومطمئن زندگی گزارتے تھے ہر جانب سے ان کے کھانے پینے کا سامان وافر حاصل ہوتا تھا ان باشندوں نے خدا کی نعمتوں کا انکار کیا خدا نے بھی انہیں خوف وہراس اور دھوکہ کا ذائقہ چکھایا ان کے ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔

اے عراق والو! ڈنڈوں کے غلام کنیزوں کی اولاد! میں حجاج بن یوسف ہوں خدا کی قسم میں جو بھی قسم کھاتا ہوں پورا کر کے رہتا ہوں اب میں ہوں اور یہ جماعتیں ہیں اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم حق کے راستہ پر استوار ہو جاؤ ورنہ میں ہر ایک کو ایسا بنا کر چھوڑ دوں گا کہ وہ اپنے جسم ہی میں مصروف رہے گا (یعنی ایسی مار ماروں گا کہ تندرست ہونے میں عرصہ لگ جائے گا) لہٰذا تم لوگ انصاف قبول کرو، ظلم و زیادتی ترک کرو قبل اس کے کہ میں تمہارے ساتھ وہ ہولناک برتاؤ کروں جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تین دن کے اندر اندر اگر تم لوگ مہلب کے لشکر میں جا کر شامل نہ ہو گئے اور میں نے کسی کو یہاں پالیا تو اس کا خون بہا دوں گا مال ومتاع لوٹ لوں گا اور اس کا گھر گرا دوں گا"۔

حجاج نے جتنی دھمکیاں کوفہ والوں کو دی تھیں سبھی عمل میں لایا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی سخت وشدید برتاؤ کئے۔

یہ حجاج بنی امیہ کے ان تمام گناہان کبیرہ میں برابر کا شریک ہے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اس نے بے شمار خون بے شمار خون ناحق کئے خود اپنے متعلق کہا کرتا کہ میری سب سے بڑی لذت خون ریزی ہے اور ایسے کاموں کا ارتکاب جن کے کرنے کی کسی دوسرے کو ہمت نہ ہو نہ جن کو پہلے کسی نے کیا ہو۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص ۶۷)

اس کا نام سنتے ہی جبر وقہر ظلم وستم کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے گویا حجاج اور ظلم وجور لازم وملزوم ہیں کہ ایک کا ذکر ہو تو دوسرا لا محالہ یاد آجائے۔

مورخین لکھتے ہیں:

عبید اللہ بن زیاد قاتل حسینؑ کے بعد حجاج آیا اس نے علیؑ کے اعوان وانصار کو چن چن کر قتل کیا معمولی معمولی بدگمانی یا

تہمت پر انہیں گرفتار کیا یہاں تک کہ حجاج کے سامنے اگر کسی شخص کو کافر و زندیق کہا جاتا تو وہ حجاج کو زیادہ پسند ہوتا بہ نسبت اس کے کہ اسے علیؑ کا حمایتی اور طرفدار کہا جانا کافر زندیق اس کے نزدیک لائق درگزر بلکہ قابل بخشش و انعام تھے اور علیؑ کے حمائتی واجب القتل۔

اس جبر و تشدد و قہر و غضب سے حجاج نے حکومت شروع کی لوگوں کو سخت اذیتیں پہونچا کر ان کا خون بہا کر ان کی عزتیں خاک میں ملا کر بھی اس سفاک انسان کی پیاس بجھتی نہ تھی۔

تین دن تک کوفہ میں رہ کر اس نے جبری فوجی بھرتی کی ایک ایک شخص کو اس نے میدان جنگ کی طرف روانہ کیا کوئی متنفس ایسا باقی نہ رہا جسے محاذ پر جانا نہ پڑا ہو یہاں تک کہ کم سن بچے بھی جو ابھی سن بلوغ کو نہ پہونچے تھے وہ بھی روانہ کئے گئے۔

اسی اثنا میں عمیر بن ضابی حنظلی اس کے پاس آیا اور کہا خدا امیر کا بھلا کرے میں بوڑھا سن رسیدہ انسان ہوں میرا لڑکا جوان ہے بازوں میں اس کے کس بل بھی ہے۔ حجاج نے کہا یہ لڑکا اپنے باپ سے زیادہ بہتر ہوگا پھر پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں عمیر بن ضابی حنظلی ہوں۔ حجاج نے کہا کیا تم ہی وہ نہیں ہو جس نے عثمان بن عفان سے جنگ کی تھی۔ عمیر نے کہا جی ہاں میں ہی وہ ہوں حجاج نے کہا دشمن خدا کیوں تم نے ایسا کیا عمیر نے کہا اس لئے کہ عثمان نے میرے باپ کو قید کر دیا تھا اور میرا باپ بہت بوڑھا اور کمزور و ناتوان تھا عثمان نے میرے باپ کو مرتے دم تک قید سے رہا نہ کیا وہ قید خانہ ہی میں گزر گئے حجاج نے کہا کیا تم ہی نے یہ شعر نہیں کہا:

همت ولم افعل و كدت وليتنی ترکت علی عثمان بتکی حلائله

میں نے چاہا کہ انہیں مار ڈالوں مگر میں نے ایسا نہیں کیا کاش میں ایسا کئے ہوتا کہ عثمان پر ان کی بیویاں روتیں۔

حجاج نے کہا میرا خیال ہے کہ تمہارے قتل میں دونوں شہروں کوفہ و بصرہ کی بھلائی ہے عذر تمہارا واضح ہے تمہاری ضعیفی و کہن سالی ظاہر ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے کہیں دوسرے بھی میرے حکم سے سرتابی کی جرأت نہ کریں۔ پھر حجاج کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی اس کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور اس کا مکان ڈھا دیا گیا۔

اس قہر و غضب ظلم و ستم کی خبریں سب نے سنیں ہر ایک کے حواس جاتے رہے غول کے غول لوگوں کے محاذ جنگ پر جانے لگے۔

اتنا ہجوم و اژدھام تھا کہ فرات کا پل جس سے لوگ گزر کے جا رہے تھے اس ہجوم کا بوجھ سنبھال نہ سکا وہ ٹوٹ گیا اور بہت سے لوگ دریا میں گر پڑے۔

حجاج نے کوفہ پر انتہائی بدخلق ترش مزاج شخص کو جس کا نام عبد الرحمان بن عبید تمیمی تھا اپنا قائم مقام مقرر کیا اور جب کوفہ کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو بصرہ پہونچا۔ وہاں اموی حکومت کے خلاف زیادہ شورش اور مخالفت تھی وہاں پہونچ کر اس نے تقریر کی اور بصرہ والوں کو خوب برا بھلا کہا اور کوفہ والوں کی طرح دھمکی دی کہ اگر تین دن کے اندر تم لوگ مہلب کے لشکر میں جا کر نہ شامل ہو گئے تو سخت سزا دوں گا۔ منبر سے اترنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بہت بوڑھا شخص شریک بن عمرو لشکری جو ایک آنکھ سے کانا بھی تھا اور آنتیں اترنے کا مرض بھی آیا اور عرض کیا کہ خدا امیر کا بھلا کرے میں آنتیں اترنے کا مریض ہوں مجھے خلیفہ وقت کے بھائی بشر بن مروان سابق گورنر بصرہ نے بھی معذور قرار دیا تھا حجاج نے کہا میرے خیال میں تم سچے ہو لیکن فوراً ہی اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ میں کوئی چھوٹا بڑا باقی نہ بچا جو مہلب کے لشکر میں پہونچ نہ گیا ہو۔

ایک دن یہی حجاج دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اسکے کچھ مصاحبین بھی شریک طعام تھے اتنے میں پولیس والے ایک شخص کو پکڑ لائے اور کہا حضور یہ شخص نافرمان ہے وہ شخص خوف و بدحواسی کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا اس نے حجاج سے کہا خدا کا واسطہ میری جان نہ لیجئے گا خدا کی قسم میں نے کبھی کسی سے قرضہ نہیں لیا کبھی کسی لشکر میں شریک نہیں ہوا میں جلاہا ہوں مجھے کرگھے کے نیچے سے پکڑ کر لایا گیا ہے حجاج نے فوراً حکم دیا کہ اس کی گردن ماردی جائے۔ وہ غریب تلوار دیکھتے ہی سجدہ میں گر پڑا وہ سجدہ ہی میں تھا کہ تلوار نے اس کا سر جدا کر دیا۔ حجاج کے نزدیک جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی وہ اسی طرح کھانے میں مشغول رہا البتہ اس کے ساتھیوں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا انہیں دہشت بھی تھی اور اس کی سفاکی پر رنج و تاسف بھی چہرے کے رنگ متغیر ہو گئے نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ حجاج نے بگڑ کر کہا۔ یہ کیا ہوا تم لوگوں کو؟ ایک آدمی کے قتل پر تم لوگوں کی یہ کیفیت کہ ہاتھوں کے لقمے گر پڑے چہرے کا رنگ اڑ گیا نافرمان شخص دوسروں کو بھی جرأت دلاتا ہے حاکم کو اس کے متعلق اختیار ہے چاہے قتل کرے چاہے معاف کر دے۔

اسی جور و تشدد اور قتل و ہلاکت کے ذریعہ حجاج کے نزدیک کوفہ و بصرہ کی درستی ممکن تھی یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے صرف ایک ہلکا سا خاکہ ہے اس کے مظالم کا ورنہ اس نے جتنی تعداد میں لوگوں کو قتل کیا جن جن طریقوں سے قتل کیا عذاب و عقاب کے جیسے جیسے طریقے اختیار کئے ان کے تذکرے کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی کافی نہ ہوگی۔

جب ابن جارود نے حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر بغاوت کی اور بغاوت ناکام رہی حجاج فتح یاب ہوا تو اس نے باغیوں کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر کے سب کے سر کاٹ کر مہلب کے پاس بھیج دیئے تاکہ ان سروں کی خوب نمائش کی جائے

تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں نافرمانی و بغاوت کے جذبات پرورش پارہے ہوں وہ اچھی طرح دیکھ لیں۔

پھر اس نے بنی امیہ کے مخالفین کی سرکوبی کے لئے بصرہ کوفہ کے باشندوں سے لاکھوں آدمی فوج میں بھرتی کئے وہ ایک ہی وقت میں شیعان علیؑ سے انتقام بھی لیتا تھا اور اپنے اغراض کے ماتحت ان سے کام بھی لیتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ و بصرہ دونوں شہروں میں کوئی نوخیز جوان بھی ایسا نہ بچا جو لقمہ اجل بننے کے لئے مجبور نہ ہوا یا تو وہ حجاج کی تلوار سے موت کے گھاٹ اترا یا حجاج کے دشمنوں کی تلوار سے عراق والے حجاج کے خلاف مسلسل علم بغاوت بلند کرتے رہے۔لیکن یہ بغاوتیں بہت کمزور ہوتیں، باغی جلد ہی حجاج کے قابو میں آجاتے اور اس کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتے حجاج انہیں سخت سے سخت سزائیں دیتا اور چن چن کر تمام باغی قتل کر دیئے جاتے ان کے گھر نذر آتش اور مال و اسباب لوٹ لئے جاتے حجاج کی تلوار دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہزاروں ہزار آدمی آئے دن موت کے گھاٹ اترتے رہتے عراق کے قید خانے مردوں اور عورتوں سے چھلکنے لگے قید خانوں میں انہیں نت نئے عذاب و عتاب کا سامنا کرنا پڑتا اور یہ انتظار رہتا کہ کب باری آتی ہے اور حجاج کی تلوار کام تمام کرتی ہے اگر حجاج یا اس کے سپاہیوں کو ان کا قصہ پاک کرنے کی فرصت نہ ملتی تو بھوک پیاس انہیں تڑپا تڑپا کر مار ڈالتی غرض وہ نہایت ذلت و اہانت حزن و اندوہ اور ناامیدی کی فضا تھی جس میں عراق والے زندگی کے دن بسر کر رہے تھے یہ فضا اس وقت اور سخت و شدید ہوگئی جب حجاج کو معرکہ زاویہ اور معرکہ دیر جماجم میں کامیابیاں نصیب ہوئیں معرکہ زاویہ جس میں محمد ابن اشعث کو شکست اور حجاج کو فتح ہوئی تھی حجاج نے گیارہ ہزار عراقیوں کو قیدی بنایا پہلے تو انہیں امان دی جان بخشی کا وعدہ کیا جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو قید کر کے فوراً ہی سب کی گردنیں اڑا دیں۔معرکہ دیر جماجم میں تو عراق والوں کی کمر ٹوٹ گئی ان کی ہمتیں جواب دے گئیں بھوک نے ان کی جان پر بنا دی طاعون الگ پھوٹ پڑا۔باغی سب حجاج کے ہاتھ پڑے اور اس نے ایک شخص پر بھی رحم نہیں کھایا۔اس بے پناہ قتل و غارت گری، ہمہ گیر تباہی، و بربادی کے باوجود کوفہ و بصرہ کو امن و چین نصیب نہ ہوا جو بچے کھچے افراد رہ گئے تھے حجاج نت نئے طریقوں سے ان پر مشق ستم کرتا رہتا ہر دن اور ہر لمحہ اس کے مقتولین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا۔عراق والوں کو قتل کرنے سے پہلے انہیں ذلیل و خوار کرنے ان کے عقائد و نظریات اور اخلاق و کردار کو کچلنے کا اس حجاج کو بڑا وحشیانہ شغف تھا۔اس نے خونریزی قتل و غارت گری میں جتنا مبالغہ سے کام لیا اتنا ہی ذلت و اہانت تحقیر و توہین میں بھی یہ نوبت آگئی تھی کہ جب لوگ آپس میں ملتے مسجد میں جلسوں میں بازاروں میں تو ان کے درمیان اس کے سوا اور کوئی بات ہی نہ ہوتی کہ کل کون قتل ہوا آج کسی شخص کو پھانسی دی جائے گی فلاں شخص کیونکر ذبح کیا گیا اور فلاں کی اس کی ہلاکت سے پہلے کیا درگت کی گئی حجاج کا ایک فقرہ جو ہر دن اور ہر ساعت اس کی زبان پر جاری رہتا اس وقت عراق کے ہر شہر میں زبان زد

خلائق تھایا موسیٰ اضب عنقہ، سپاہی اس کی گردن مار دے۔

شیعیان علیؑ سے اس کی عداوت و کینہ وعناد اس درجہ کو پہونچ گیا تھا کہ جس کا نام بھی علیؑ یا حسینؑ یا خاندان ابوطالبؑ کے کسی فرد کے نام پر ہوتا تو اسے قتل کرا دیتا بہت سے دنیا کے بندے آ کر اپنے نام کے متعلق اس سے عذر و معذرت کرتے۔ چنانچہ ایک شخص نے حجاج سے کہا حضور میرے گھر والوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے انہوں نے میرا نام علی رکھا حالانکہ میں مرد فقیر و نادار ہوں اور حضور کے الطاف وعنایات کا بہت ہی محتاج۔

غرض کہ حجاج کا ظلم و جور ضرب المثل بن چکا تھا شیعیان علیؑ اس کے ظلم و جور کا خصوصی نشانہ تھے اس نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جتنے لوگوں کو قتل کیا ان کی تعداد شمار کی گئی تو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کو اس نے تہہ تیغ کیا اور اس کے مرنے کے وقت اس کے قیدخانوں میں ۵۰ ہزار مرد اور ۳۰ ہزار عورتیں تھیں۔

لیکن اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مرتے وقت اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ:

"حجاج کی عزت کرنا اسی نے منبروں کو تمہارے لئے روندا شہروں کا قلع قمع کیا اور دشمنوں کو زیر کیا"

اس وصیت کی پوری پابندی کی گئی ولید بن عبدالملک نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اُسے کوفہ بصرہ اور مشرقی ممالک کی گورنری پر باقی رکھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ایک انتہائی ہولناک واقعہ ذکر کر دیں یہ واقعہ بیک وقت بنی امیہ اور اولاد ابی طالبؑ اور دونوں کے اعوان و انصار کی خصوصیات و کیفیات کا حامل ہے ایک طرف اگر شیعیان علیؑ کی عظمت و جلالت کا آئینہ اور تاریخ کا زریں ورق ہے تو دوسری طرف بنی امیہ کی ذلت و پستی خباثت و دنائت کا سیاہ ترین ورق۔

مختصر روئیداد اس واقعہ کی یہ ہے کہ حجر بن عدی کندی سرمست ولائے علی ابن ابی طالبؑ تھے صلح امام حسنؑ کے بعد جس طرح سب ہی نے چار و ناچار معاویہ کی بیعت کر لی تھی انہوں نے بھی کر لی تھی لیکن یہ بیعت انہیں اس پر مجبور نہ کر سکی کہ وہ علیؑ کی محبت سے دست کش ہو جائیں اور ان سے اظہار بیزاری کرنے لگیں بلکہ ان کی تو جی جان سے کوشش تھی کہ ہمارا جو قدم اٹھے وہ علی ابن ابی طالبؑ کے نقش قدم پر اٹھے اور ہماری سیرت نمونہ ہو علی ابن ابی طالبؑ کی سیرت کا وہ بہت ہی کھرے اور صداقت شعار تھے صلح وسلامتی کو پسند کرتے جنگ سے بیزار رہتے عدالت اجتماعیہ پر جان دیتے تھے پھر یہ کہ حاکم کی حیثیت ان کی نظر میں اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ وسیلہ و ذریعہ ہے عوام کی خدمت کا جیسا کہ ان کے عظیم ترین استاد علی ابن ابی طالبؑ کا نظریہ تھا اگر حاکم عوام کا خادم اور ان کے دکھ درد کا شریک ہے تو وہ اس کے حمایتی اور اس کا ساتھ دینے پر تیار ہیں اور اگر حاکم ایسا نہیں وہ فساد

کی طرف مائل اور ناجائز و ناپسندیدہ حرکات کا مرتکب ہے تو یہ اس سے ناراض اور اس کے سخت ترین دشمن ہیں لہٰذا ایسے آدمی کے لئے جیسے کہ حجر تھے فطری بات تھی کہ بنی امیہ کی اس حرکت کو کہ وہ منبروں پر حضرت علیؑ کو گالیاں دیں ہرگز برداشت نہ کریں اور علی الاعلان اپنی ناراضی و برہمی ظاہر کریں چاہے ایسا کرنے میں انہیں حاکم کے قہر و عتاب کا نشانہ ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ گورنر کوفہ مغیرہ بن شعبہ نے منبر پر حضرت علیؑ پر سبّ وشتم کیا حجر بن عدی اٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے چیخے کہ یہ کیا فضول بکواس ہے تم ہماری تنخواہیں اور عطایا دلواؤ جسے تم نے ناحق روک رکھا ہے وہ تمہارے لئے نہیں ہے نہ تم سے پہلے کے گورنروں نے اس میں کوئی لالچ کی تم امیر المومنینؑ کی مذمت کرتے ہو اور مجرموں کی مدح وستائش۔ بہت سے لوگوں نے حجر کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغیرہ کو اپنی بات کو ناتمام چھوڑ کر منبر سے اتر آنا پڑا۔ حجر برابر اموی حکومت پر معترض رہے جب بھی شریعت کی مخالفت انہوں نے دیکھی نظر انداز کرنا ان سے ممکن نہ ہوا یہاں تک کہ مغیرہ نے یہ دنیا خالی کی اور اس کی جگہ زیاد بن سمیہ گورنر ہو کر کوفہ آیا۔ حجر اور زیاد پہلے ایک دوسرے کے دوست تھے مگر ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے یہ دوستی ختم کردی۔ ہوا یہ تھا کہ ایک عربی مسلمان نے ایک ذمی کافر کو قتل کر دیا جب مقدمہ زیاد کے پاس پیش ہوا تو اس نے مسلمان سے کافر ذمی کا قصاص لینے سے انکار کر دیا اور فیصلہ یہ کیا کہ مسلمان مقتول کا خون بہا ادا کردے مقتول کے ورثا نے خون بہا لینے سے انکار کیا ان کا کہنا تھا کہ اسلام میں تمام مخلوقات خدا کے عیال ہیں۔

الانسان اخو الانسان احب ام کرہ　　　لا فضل لعربی علی عجمی الا مالتقوئ

ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے چاہے اسے پسند ہو یا ناپسند۔

کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں وہ تقویٰ و پرہیزگاری ہی ہے جو اسے برتری دے سکتی ہے۔

نیز وہ اس عدالت کو بھی ضروری سمجھتے تھے جسے علیؑ نے اپنی زندگی کا دستور بنایا تھا اور جس کی راہ میں انہوں نے اپنی جان بھی دی۔ ان سب باتوں کی بنا پر حجر نے زیاد کے فیصلہ کو سخت ناپسند کیا وہ اتنے برہم ہوئے کہ ان سے خاموش بیٹھا نہ گیا وہ پیچھے پڑ گئے کہ قصاص کے معاملہ میں مسلم وغیر مسلم دونوں برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد نے ہمنوائی کی وہ شورش و ہنگامہ برپا کرنے پر تل گئے زیاد اور اس کے ساتھی ڈرے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے بادل ناخواستہ حکم دے دیا کہ قاتل سے قصاص لیا جائے۔ پھر اس نے معاویہ کو خط لکھ کر حجر اور ان کے حمایتیوں کی شکایت کی۔ معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ اس تاک میں رہو کہ حجر اور ان کے ساتھیوں سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو ان کے خلاف حجت بن سکے۔

اس کے بعد زیاد اور حجر و اصحاب حجر جو جو واقعات پیش آئے زیاد نے جس جس طرح حجر کو ڈرایا دھمکیاں دیں، حجر و

اصحاب نے زیاد کی من مانی حرکتوں پر جو اعتراضات کئے وہیں اس کی ہر تقریر میں مداخلت کی اس کے ذکر میں طول ہوگا غرض ان دونوں جماعتوں میں اختلافات بڑھتے گئے زیادہ نے کوفہ کے کچھ لوگوں کو بلا کر کہا کہ حجر کے پاس جاؤ اور انہیں سمجھاؤ کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز رہیں ان لوگوں نے واپس آ کر زیاد کو بتایا کہ حجر اپنے عقائد و نظریات میں اتنے سخت ہیں کہ ہم لوگ انہیں باز رکھنے میں قطعی ناکام رہے اس وقت زیاد نے خود کسی کو بھیج کر حجر کو بلا بھیجا حجر نے آنے سے صاف انکار کر دیا آخر میں زیاد نے پولیس افسر کو مامور کیا کہ جا کر حجر کو پکڑ لاؤ پولیس اور حجر کے ساتھیوں میں جھڑپ ہوگئی اور پولیس حجر کو گرفتار کرنے سے قاصر رہی، حجر روپوش ہو گئے زیاد بہت تنگ ہوا اس نے محمد بن اشعث بن قیس کو بلا بھیجا جو حجر کا بہت بڑا حمایتی اور قبیلہ کندہ کا معزز آدمی تھا۔ زیاد نے اسے دھمکی دی کہ ہم تمہیں قید میں ڈال دیں گے ہاتھ پیر کاٹ کر قتل کر دیں گے اگر تم حجر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس نہ لائے حجر سے یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی وجہ سے کسی کی جان جائے وہ زیاد کے سامنے آ گئے لیکن آنے سے پہلے یہ اقرار لے لیا کہ زیاد ان سے کوئی تعرض نہ کرے گا بلکہ انہیں معاویہ کے پاس بھیج دے گا وہ دونوں آپس میں نپٹ لیں مگر حجر کے سامنے آتے ہی زیاد نے پکڑ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا اس کے بعد ان کے اصحاب کی گرفتاری کا حکم دیا بہت کچھ کشت و خون ہونے کے بعد کچھ لوگ گرفتار ہوئے۔ انہیں بھی قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ زیاد نے کوفہ والوں کو بلا کر کہا تم لوگ حجر اور ان کے ساتھیوں کے خلاف گواہی دو اس سلسلہ میں اس نے لوگوں کو دھمکیاں بھی دیں اور ترغیب و تحریص بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی کہ حجر اور ان کے ساتھی علیؑ کو دوست رکھتے ہیں ان کے سوا کسی کو دوست نہیں رکھتے۔ عثمان کو عیب لگاتے ہیں معاویہ کو برا کہتے ہیں۔ زیاد ان لوگوں سے مطمئن نہ ہوا وہ تو کوئی فیصلہ کن گواہی چاہتا تھا اس موقع پر ابو موسیٰ اشعری کے فرزند ابو بردہ نے یہ مختصر شہادت حجر کے خلاف تیار کی۔ یہ وہ گواہی ہے جو ابو بردہ ابن موسیٰ اشعری نے پروردگار عالم کے لئے دی وہ گواہی دیتا ہے کہ:

''حجر اور ان کے اصحاب نے قلادہ طاعت نکال پھینکا جماعت سے الگ ہو گئے معاویہ کی خلافت سے قطع تعلق کر لیا اور لڑائی دوبارہ چھیڑنے کا ارادہ کیا''۔

جب ابو بردہ یہ تحریر لکھ چکے تو زیاد نے کوفہ والوں سے کہا تم سب بھی اس پر اپنی دستخط کر دو تقریباً ستر ۷۰ آدمیوں نے اس پر دستخط کی زیاد نے اس سلسلہ میں کذب و فریب سے بھی کام لینے میں تامل نہ کیا گواہوں میں ایسے لوگوں کے نام بھی بڑھا دیئے جنہوں نے نہ گواہی دی تھی نہ اس موقع پر موجود تھے منجملہ ان کے شریح قاضی تھے۔ شریح نے فوراً ہی معاویہ کے پاس آدمی بھیج کر اس جعلی محضر شہادت سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا بلکہ انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حجر مرد صالح اور منتخب روزگار افراد میں سے ہیں۔

حجر اور ان کے رفقا گرفتار کر کے معاویہ کے پاس لے جائے گئے زیاد کا خط اور وہ محضر شہادت بھی پہنچا جس میں حجر کے خلاف ستر گواہوں کی گواہیاں ثبت تھیں۔ زیاد کا خط اور محضر شہادت مجمع میں پڑھ کر سنایا گیا بعض لوگوں نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ صرف ان لوگوں کو قید کر دینے پر اکتفا کیجئے بعض لوگوں نے کہا ان لوگوں کو شام کے مختلف شہروں میں رکھ دیا جائے۔ یہ عراق واپس جانے نہ پائیں۔ معاویہ نے ان لوگوں کے متعلق زیاد سے خط وکتابت کی۔ زیاد نے لکھا کہ اگر آپ عراق کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے تو پھر انہیں یہاں واپس نہ آنے دیجئے۔

تھوڑے دنوں بعد معاویہ نے حجر اور ان کے رفقا کے پاس آدمی بھیجا اور یہ پیش کش کی کہ وہ علی ابن ابی طالبؑ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کریں اور ان پر سب وشتم کریں اور عثمان سے محبت کریں جو شخص ایسا کرے گا اس کی جان بخشی کی جائے گی جو انکار کرے گا قتل کر دیا جائے گا۔

حجر اور اصحاب حجر نے انتہائی سختی سے یہ پیش کش ٹھکرا دی جس کے نتیجہ میں وہ ایک ایک کر کے قتل کر ڈالے گئے جس کی ایک طویل اور اندوہناک داستان ہے جو تاریخ کی سبھی کتابوں میں موجود ہے۔ اس داستان کو پڑھنے کے بعد انسان کے نفس کی انتہائی بلندی اور عالی ہمتی معلوم ہوتی ہے کہ باوجود یکہ سامنے قبر کھدی ہوئی تھی تلوار سر پر معلق تھی مگر اس کا ضمیر ایک لمحہ کے لئے بھی اظہار بیزاری کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

معاویہ کے نوکروں نے یہ کیا تھا کہ حجر اور ان کے ساتھیوں کی آنکھوں کے سامنے ہر ایک کے قد وقامت کے لحاظ سے قبریں پہلے سے کھود لی تھیں کہ اگر وہ علیؑ سے اظہار بیزاری نہ کریں تو قتل ہوتے جائیں اور ان گڑھوں میں پھینکے جاتے رہیں۔

ان لوگوں کے واقعہ شہادت کے سلسلے میں ایک روایت مورخین نے یہ بھی لکھی ہے کہ حجر کے دو ساتھی کھنچی ہوئی تلوار یں کھدی ہوئی قبریں اور پھیلے ہوئے کفن دیکھکر ڈر گئے ان دونوں آدمیوں نے معاویہ کے نوکروں سے کہا ہمیں معاویہ کے پاس لے چلو ان لوگوں نے ظاہر یہ کیا کہ علی وعثمان کے متعلق ہمارے خیالات اور معاویہ کے خیالات میں کوئی فرق نہیں نوکروں نے بات مان لی اور انہیں لیکر معاویہ کے پاس پہونچے ان میں سے ایک شخص نے تو جان بچانے کے لئے زبانی طور پر علیؑ سے اظہار بیزاری کر ڈالا مگر جب دوسرا شخص معاویہ کے سامنے ہوا اس نے جی کھول کر علیؑ اور ان کے اصحاب کی مدح وثنا کی اور معاویہ اور ان کے اصحاب کو برا بھلا اور عثمان کے متعلق ایسی سخت باتیں سنائیں جو معاویہ کے برداشت سے باہر تھیں معاویہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو زیاد کے پاس واپس لے جایا جائے اور زیاد کو لکھا کہ اس کو اس طریقہ سے قتل کرو کہ آج تک اسلام میں

کوئی شخص اس طرح قتل نہ ہوا ہو زیاد نے اس شخص کو زندہ گڑوا دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب حجر قتل کئے جانے لگے تو ان کی زبان سے صرف یہ فقرہ نکلا" ہمارے اور ان مسلمانوں کے درمیان خود خدا ہے، ہمارے خلاف عراق والوں نے گواہی دی اور شام والوں نے ہمیں قتل کر ڈالا"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی امیہ نے مطلق العنان شہنشاہت اور ڈکٹیٹرانہ حکومت کی جیسی مثال پیش کی ہے، جیسے جیسے ظلم واستبداد انہوں نے کئے اور جس جس طرح عوام کی دولت لوٹی کھسوٹی ملک کی دولت سے اپنے اور اپنے خویش واقارب کے گھر بھرے زمین کو اپنی خاص ملک قرار دیا اور رعایا کو اپنا زرخرید غلام سمجھا شاید ہی کسی نے ایسا کیا ہو اور علی ابن ابی طالبؑ اور ان کی اولاد بہترین انسانی فکر پاکیزگی عمل اور ڈیموکریسی کے نمایاں مرقع ہیں وہ مال و دولت زمین کی پیداوار کو عوام کا حق قرار دیتے تھے نہ کہ صرف ذی وجاہت اور صاحبان اثر و اقتدار کی خاص ملکیت دونوں فریق یعنی بنی امیہ اور اولاد علیؑ کی جیسی فطرت وطبیعت تھی وہی فطرت وطبیعت ان کے اعوان و انصار اور دوستداران نے پائی۔ ذی وجاہت اور منفعت پرست افراد مادی مال واسباب اور سیم و زر کی طمع میں بنی امیہ کی طرف جھک پڑے اور ان کے ساتھ بے شمار عوام الناس بھی ان کے طرف دار ہو گئے کیونکہ اس زمانہ میں اخلاقی قدروں کو سمجھنے والے تھے ہی نہیں نہ اس وقت کے لوگوں کو یہ اندازہ تھا کہ آگے چل کر کیا چیز ہمارے لئے مفید ہوگی اور کیا چیز ہمارے لئے مضر وہ تو نقد پر جان دیتے تھے چاہے وہ نقد تھوڑے ہی دنوں کے لئے نفع بخش کیوں نہ ہو انہیں شروع میں اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ ہم جن لوگوں کی نصرت وحمایت کر رہے ہیں وہ کس قماش کے ہیں اور جب اندازہ ہوا تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور پچھتانا بیکار تھا۔

علیؑ اور اولاد علیؑ کی طرف وہ اعوان و انصار اور ان پر جان چھڑکنے والے مائل ہوئے جن کی فطرت وطینت علیؑ اور اولاد علیؑ کی فطرت وطینت تھی جن کے اخلاق و عادات علیؑ اور اولاد علیؑ کے اخلاق و عادات جیسے تھے وہ حق پر ثابت قدم رہے ان پر سخت سے سخت مظالم ہوئے انہیں حکام وعمال اور بنی امیہ کے اعوان و انصار کی طرف سے ہر قسم کے مصائب وشدائد کا سامنا ہوا ان کی زندگی تلخ سے تلخ تر بنادی گئی مگر ان کے قدموں میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہ ہوئی انہوں نے اپنے بزرگ ترین استاد علیؑ ابن ابی طالبؑ کی پیروی کرتے ہوئے جان دے دی تباہی و بربادی گوارا کی مگر انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ عدالت اجتماعیہ فنا ہونے پائے۔

تو جس طرح علی ابن ابی طالبؑ اور ان کی اولاد کی نصرت و یاوری نے ان کے دوستداروں کے نفوس کو سربلندی عطا کی۔ دنیا سے بے نیازی سیر چشمی، رحم دلی، خدا پرستی ان کا طرۂ امتیاز ہوا اسی طرح بنی امیہ کی نصرت وحمایت نے طرفداران بنی امیہ کو انانیت وخود سری ظلم وجور اور لوٹ کھسوٹ کی مصیبتوں میں غرق کیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض عرب مصنفین کے نظریات و آراء کی طرف ہم پھر اشارہ کر دیں بغیر ان پر کسی قسم کا تبصرہ کئے ہوئے اس لئے کہ ہم نے اس فصل میں جو کچھ لکھا ہے اسی سے ان ہرزہ سرائیوں کی پوری پوری تردید ہو جاتی ہے۔ ہم ان عرب مصنفین میں سے نمونہ کے طور پر محمد کرد علی کو پیش کرتے ہیں انہوں نے بنی امیہ اور ان کے اعوان و انصار کی عظمت و اہمیت میں جو باتیں بیان کی ہیں انہیں باتوں کو باقی عرب مصنفین کی مدح سرائیوں کا نمونہ سمجھنا چاہئے۔

محمد کرد علی معاویہ اور ان کے سفاک وخون آشام افسران فوج جنہیں معاویہ نے مسلمانوں کے قتل وغارت ان کے مال و متاع کو لوٹنے ان کے گھروں کو منہدم کرنے ان کے بچوں کو ذبح اور ان کی عورتوں کو جلا کر پھونک دینے کے لئے بھیجا تھا تاکہ شام کے خزانہ میں اضافہ ہو اور یہ خزانہ معاویہ اور ان کے انصار کے کام آئے پھر ان کے فوجیوں کے کام آئے اور وہ فوجی ان کی اور ان کے فرزند یزید اور ان کے قریبی عزیز مروان اور ان کے اعوان و انصار کی حفاظت کریں اور علی ابن ابی طالبؑ، حسین ابن علیؑ، عمار بن یاسر، حجر بن عدی اور دیگر اشراف کے قتل میں ان کی مدد و نصرت کریں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سب سے اہم کام جو معاویہ نے کیا وہ یہ کہ انہوں نے لشکر کی تنظیم کی فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور اپنے قصبہ کی یاوری کی بدولت انہیں بڑے بڑے مدبرین کی تائید و امداد بھی حاصل ہوگئی۔ زیاد بن ابیہ مغیرہ بن شعبہ ضحاک بن قیس، مسلم بن عقبہ، بسر بن ارطاۃ وغیرہ"

محمد کرد علی اپنی اس کتاب میں جس کا نام انہوں نے الاسلام والحضارۃ العربیۃ رکھا ہے ان سفاک وخوں ریز انسانوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ افراد بڑے مدبر اور ملک کی عظیم شخصیتیں تھیں حالانکہ ان پر لازم یہ تھا کہ وہ یہ دکھاتے کہ نہ صرف اسلام ایسے سفاک وخونریز انسانوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا بلکہ ہر تمدن خواہ وہ عربی تمدن ہو یا غیر عربی بھی ایسے سفاکوں سے بے تعلق و بیزار رہیں۔

محمد کرد علی ایسی حیرت انگیز بات قلم سے لکھ جاتے ہیں اور ذرا بھی اپنے نفس سے محاسبہ نہیں کرتے اور نہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے بیسویں صدی کے لوگوں سے انصاف کرتے ہیں انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ خود اپنی اسی کتاب کے گزشتہ صفحات میں وہ یہ لکھ چکے ہیں:

"معاویہ کے زمانے کے کسی مرد صالح سے پوچھا گیا آپ نے لوگوں کو کس حال میں چھوڑا انہوں نے جواب دیا میں نے دو حال میں چھوڑا ایک مظلوم جس کی دادرسی نہیں ہوتی دوسرا ظالم جو ظلم کرتے نہیں تھکتا"۔

قاتلین عثمان

ہم نے بنی امیہ اور اولاد ابی طالبؑ کی حقیقت و ماہیت نیز ان دونوں کے اعوان و انصار کے طبائع و سرشت کا جو سرسری تذکرہ کیا اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ریاست و سلطنت کی محبت و خود پرستی، منفعت پرستی کی مضبوط جڑیں بنی امیہ کے دلوں میں قائم ہو چکی تھیں اور ان کی شاخیں ان کے اعوان و انصار نیز ان تمام لوگوں کے دلوں میں پھوٹ نکلی تھیں جو بنی امیہ ہی جیسی طبیعت اور انہیں جیسے عقائد و فطرت کے حامل تھے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنی امیہ اور ان کے اعوان و انصار پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے اسلام سے جو برسر پیکار ہوئے تو ان معززین اکابر قریش کی ذہنیت و دماغ کے ساتھ جنہیں کسی طرح یہ گوارا نہ تھا کہ یہ دنیا دین ہمیں ہماری عادتوں سے اور کے اور ہمارے سماجی قوانین کو درہم و برہم کر کے وہ قوانین جو تاجروں اور دولت مندوں کے لئے تو مفید تھے لیکن غریبوں اور ناداروں کا گلا گھونٹنے کا ذریعہ تھے۔

پیغمبرؐ اسلام کے اعلان رسالت اور اسلام کے فروغ سے لیکر مکہ فتح ہونے تک معززین و اکابر قریش دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اگر چہ ہر ایک کی تمنائیں جدا گانہ تھیں اور مقاصد مختلف، ہمارا اندازہ ہے اور جیسا کہ واقعات بھی شاہد ہیں کہ یہ لوگ اپنے اسلام میں تین طرح کے تھے:

کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے اسلام کو حق سمجھا اسے عدل و مساوات کا پیامبر جانا اور خوشی خاطر اسلام لائے ان لوگوں کی تعداد معززین قریش میں کم سے کم تھی انہیں لوگوں میں سے طلحہ وزبیر تھے عثمان بن عفان تھے جن کا مسلمان ہونا معززین قریش کے لئے عموماً اور بنی امیہ کے لئے خصوصاً کاری زخم تھا۔

کچھ لوگ تو وہ تھے جو بہت گہری نظر سے حالات کا جائزہ لے رہے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ کامیابی کیسے ہوتی ہے اگر قریش کامیاب ہوتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ ہیں اور اگر مسلمانوں کی جیت ہوتی ہے تو ہم مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان کے ہمنوا بن جاتے ہیں گویا وہ جاہلیت کی طرح اسلام کو بھی منفعت کا ذریعہ سمجھے تھے انہیں لوگوں میں سے عمرو عاص تھے جن کے اسلام لانے کے واقعہ کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو بادل ناخواستہ مسلمان ہوئے ان کی وجاہت وعزت خاک میں مل چکی تھی یہ لوگ اس قصد وارادہ سے مسلمان ہوئے کہ جیسے ہی موقع ملے گا ہم پھر اس اسلام کو جاہلیت کی طرف پلٹالے جائیں گے اس تیسری قسم کے معززین اوکابر قریش سے ابوسفیان بن حرب معاویہ کا باپ اور وہ سرداران قبائل تھے جو پیغمبر خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی مرتد ہوگئے اور حضرت ابوبکر نے ان سے لڑ بھڑ کر کامیابی حاصل کی۔

ان معززین واکابر قریش کی پہلی قسم کے لوگ اپنے اسلام اور اس عہد و پیمان پر ثابت واستوار رہے جو انہوں نے اسلام لاتے وقت کیا تھا لیکن ان لوگوں کا اسلام ان کی خاندانی وجاہت وشرف کے جذبات سے کچھ اس طرح لا شعوری طور پر گڈ مڈ تھا جس کا نہ تو انہیں احساس ہی تھا نہ شعور وادراک ہی ایک اشتباہی کیفیت تھی اس وجہ سے ان کی زیادہ ملامت نہیں کی جاسکتی۔

رہ گئے باقی دو قسم کے لوگ ان دونوں کی سیاست کا محور محض اقتصادی پہلو اور اس اقتصادی پہلو کی سماجی دراز دستیاں تھیں ان دونوں قسم کے معززین قریش کا ایکا محض اپنے مصالح کی بنا پر تھا اگر ان کے مصالح ایک ہوتے تو یہ ایک دوسرے کے مددگار ہوتے اور مل کر قدم اٹھاتے اور اگر مصالح مختلف ہوتے تو دونوں الگ الگ اپنا کام کرتے۔

تو فتنہ وفساد اور اس کے اسباب کی ذمہ داری ان تینوں قسم کے معززین پر یکساں عائد ہوتی ہے اگر چہ دوسری اور تیسری قسم کے معززین کا ہاتھ فتنہ وفساد میں زیادہ ہوتا۔ ان تینوں قسم کے معززین قریش کی طبیعت میں یہ بات داخل تھی کہ مال و دولت اور منفعت کے کسی موقع سے چوکیں نہیں جب بھی کوئی موقع نظر آئے اس سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے انہیں اس کی پرواہ نہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں کے کاندھوں پر کار رسالت کی کتنی ذمہ داریاں عائد تھیں مال و دولت اور منفعت کی طرف مائل ہونے کے آثار ابوبکر کی خلافت ہی کے زمانے سے ظاہر ہونے لگے تھے اس کا ثبوت خالد بن ولید کا واقعہ اور وہ تیز وتند گفتگو ہے جو حضرت ابوبکر وعمر کے درمیان ہوئی۔ مختصر قصہ یہ ہے کہ خالد بن ولید نے محض از راہ ظلم وجور اور محض ناجائز اور غیر شریفانہ طور پر مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے مالک بن نویرہ کو قتل کرڈالا ۔ یہ خبر سن کر ابوبکر بہت دہشت زدہ ہوئے انہیں رنج بھی کافی پہونچا اس وقت انہوں نے یہ فقرہ کہا جو کافی مشہور ہے:

لقد کنت الغنائم العرب و ترک خالد ما امرته۔

مال غنیمت نے عرب والوں کو سرگشتہ کردیا ہے اور خالد نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔

جب خالد حضرت ابوبکر کے پاس آئے تو ان کے عمامہ میں تین تیر تھے۔ حضرت عمر نے انہیں دیکھ کر کہا:

اریاء یا عدو الله اما والله ان امکنني الله منک لا رجمنک

دشمن خدا یہ ساری حرکتیں تمہاری ریا کارانہ ہیں خدا کی قسم اگر اس نے مجھے تم پر قابو دیا تو میں تمہیں سنگسار کر کے رہوں گا۔

حضرت عمر نے خالد کے عمامہ سے تینوں تیر کھینچ لئے اور خالد کی آنکھوں کے سامنے توڑ ڈالے خالد اس ڈر سے کچھ بولنے کی ہمت نہ کر سکے کہ شاید عمر کا یہ سلوک حضرت ابو بکر کے حکم اور ارادے سے ہے۔

خالد ابو بکر کے پاس گئے ان سے اپنے عذرات بیان کئے ابو بکر نے ان کی باتوں کو سچ سمجھا اور ان کے عذرات قبول کر لئے۔ حضرت عمر کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہوں نے ابو بکر کو خالد کے خلاف بہت برانگیختہ کیا اور مشورہ دیا کہ آپ خالد سے ضرور مالک کے خون کا قصاص لیجئے۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا:

"عمر خاموش بھی رہو، خالد پہلے وہ شخص نہیں جس نے تاویل میں خطا کی ہو"۔

حضرت عمر کے زمانے میں بھی ان معززین قریش نے جو سیم وزر کے شیدائی تھے یہ چاہا کہ تمام مال غنیمت صرف ہم ہی لوگوں میں منحصر ہو کر رہے اس کے ثبوت وشواہد ایک نہیں بے شمار ہیں اس کے ثبوت کیلئے وہی اشعار کافی ہیں جو کسی شاعر نے حضرت عمر کو لکھ کر بھیجے اور ان اشعار میں ذکر کیا تھا کہ معززین واکابر بعض شہروں اور صوبوں میں ہر قسم کا مال غنیمت اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ عوام الناس لوٹ کھسوٹ سے بے حد پریشان ہیں۔ فتوحات کے زمانے میں ان معززین واکابرین کی کیا حالت تھی اور عوام الناس کو ان کی طرف سے کتنا غم وغصہ تھا۔ شاعر نے اپنے اشعار میں اس کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے اور دکھلایا ہے کہ عوام کو یقین ہے کہ ظالم اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے لوگوں سے باز پرس کرنا بہت ضروری ہے وہ شاعر کہتا ہے:

نضج اذا حجوا نغرو اذا غزوا   فانی لهم و فرو لنسابذی وفر

اذا لتاجر الهندی جاء بفارة   من المسك راحت فی مفارقهم تحیر

فذونك مال الله حیث وجدته   سیر منون ان شاطرتهم منك بالنظر

جب وہ قصد کرتے ہیں تو ہم بھی قصد کرتے ہیں جب وہ جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی جہاد کرتے ہیں اور پھر ان کے پاس دولت کی بہتات کہاں سے آئی جبکہ ہم خالی ہاتھ ہیں۔

جب کوئی ہندی تاجر مشک لے کر آتا ہے تو وہ مشک ان معززین کے سروں میں بہتا ہے۔

آپ خدا کے مال کو حاصل کیجئے جس کے پاس سے بھی آپ نکال سکیں اور اگر آپ ان لوگوں کی دولت کو آدھا آدھا بانٹ

لیجئے اس پر بھی یہ لوگ راضی رہیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معززین عرب جو مال غنیمت کے سرگشتہ تھے حضرت عمر کے عہد میں بھی لوٹ کھسوٹ اور جور وظلم کرنے کے ارادہ سے باز نہ رہے، یہ دوسری بات ہے کہ حضرت عمر اس کے روادار نہ ہوئے آپ نے بعض معززین پر پابندیاں لگا دیں کہ وہ اپنے شہروں سے باہر نہ جائیں کسی کو معزول کر دیا کسی سے سختی سے حساب فہمی کی اور اس کی دولت چھین لی اور ان پر ہر ممکن تشدد برتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں لوٹ کھسوٹ ظلم وجور یا کسی نازیبا حرکت کی ہمت نہ ہوئی۔

حضرت عثمان کی خلافت نے معززین واکابرین کو کھلی ہوئی چھوٹ دے دی ان کی حرص وہوس حضرت عمر نے جس کی روک تھام کر رکھی تھی وہ روک تھام سے آزاد ہوگئی۔ یہ معززین واکابرین بنی امیہ کی قیادت میں فتح یاب ہوئے وہ قیادت جو کبھی روپوش ہو جاتی تھی اور کبھی منظر عام پر آجاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے بلائیں ٹوٹ پڑیں عوام الناس نے اس وقت کے معززین واکابر سے ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتے دیکھیں جن کا پیغمبرؐ خدا اور ابوبکر وعمر کے زمانہ میں نام ونشان بھی نہ تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت عمر کا وہ فقرہ دہرا دیں جو آپ نے حضرت عثمان کے متعلق کہا تھا اس فقرہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دوراندیش دوربین حضرات کو بنی امیہ اور ان کے انصار کے ہاتھوں کیسے کیسے فتنہ وفساد کے ظہور پذیر ہونے کا دھڑکا لگا ہوا تھا وہ صحیح اندازہ تھا انہیں کہ اگر کہیں زمام حکومت بنی امیہ کے ہاتھوں میں آگئی تو کیسی کیسی تباہی مچائیں گے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر نے عثمان سے فرمایا:

هيها اليك كاني بك قلدتك قريش هذا الامر فحملت بني اميه و بني ابي معيط علي رقاب الناس و اثرتهم بالفئ فسارت اليك عصابة من ذئبان العرب فذبحوك علي فراشك ذبحاً۔ والله لئن فعلت ليفعلن

میں اپنی آنکھوں سے وہ دن دیکھ رہا ہوں کہ قریش والوں نے تمہیں حاکم بنا لیا اور تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیا اور مال غنیمت انہیں بنی امیہ اور بنی ابی معیط سے مخصوص کر دیا جس کے نتیجہ میں عرب کے بھیڑیوں کی ایک جماعت تم پر چڑھ دوڑی۔ اور تمہیں تمہارے ہی بستر پر بری طرح ذبح کر ڈالا۔ خدا کی قسم اگر لوگوں نے تمہیں حاکم بنایا تو تم ضرور بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرو گے اور اگر ایسا کرو گے تو عرب والے تم کو ذبح بھی کر ڈالیں گے۔

پھر انہوں نے حضرت عثمان کی پیشانی پکڑ کر کہا:

واذا كان فاذكروا قولي فانه كائن

جب ایسی بات ظہور میں آئے تو تم لوگ میری بات یاد کر لینا کیونکہ بہر حال ایسا ہی ہو کر رہے گا۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا وہ فقرہ بھی ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا جو آپ نے عثمان اور بنی امیہ کے متعلق فرمایا تھا عثمان کے خلیفہ ہونے کے پہلے اس فقرہ میں اسی حقیقت کا اظہار ہے جسے حضرت عمر بھی بیان کر چکے تھے۔ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے اپنے چچا عباس سے کہا:

اما انی اعلم انهم سیولون عثمان ولیحدثن البدع والاحداث ولئن بقی لا ذکرفك و ان قتل اومات او منها لبندن بنو امية بینهم

مجھے یقین ہے کہ قریش والے عثمان کو ضرور مسند حکومت پر بٹھا کر رہیں گے اور عثمان نت نئی بدعتیں اور حرکتیں کریں گے اگر عثمان زندہ رہے تو میں آپ کو یاد دلاؤں گا اگر قتل ہو گئے یا مر گئے تو اسی حکومت کو بنی امیہ اپنوں ہی میں ہیر پھیر کرتے رہیں گے۔

ابن خطاب اور فرزند ابوطالبؑ کی بات عثمان کے بارے میں کتنی صحیح نکلی!!!

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

حضرت عثمان کو تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جو انتہائی پیچیدہ تھے۔بنی امیہ بجائے اس کے کہ ان پیچیدگیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ب

انہوں نے اور زیادہ گھتیاں ڈال دیں مزید برآں اپنے رشتہ دار خلیفہ حضرت عثمان کی نرمی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے خاندانی عصبیت، شخصی اثر و اقتدار، مصالح عامہ سے لاپروائی پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی حکومت کے تمام وسائل سے کام لے کر دولت اور مناصب اپنے لوگوں کے لئے مخصوص کر لیئے اور اسلامی نظام حکومت کو خالص سرمایہ دارانہ نظام بنا دیا خلافت کو بادشاہت سے بدل دیا اور اس بادشاہت کے تمام امکانات و سائل ان کے دوستوں اور ان کے غلاموں کی مٹھی میں مقید ہو کر رہ گئے۔

منجملہ اور واقعات کے ہم یہاں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں بنی امیہ کی رگوں میں کیا پوزیشن تھی اور حکومت ان کے لئے کیسا کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔

حضرت عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنا شروع کیا انہیں ہر اسلامی شہر و صوبہ کا حاکم بنایا۔ بڑی بڑی جاگیریں دیں پھر ان بنی امیہ اور ان کے اعوان و انصار کے سود اور بہبود اور مصالح و منافع کی کھل کر حمایت کی۔مال مسلمین کو مالداروں کا کھلونا بنا دیا۔ایسے اسلوب سے جس میں صرف سرمایہ دار طبقہ کی بھلائی تھی جسے اسلام نے اپنے

زمانے میں کچل کر رکھ دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبان نفوذ واقتدار اور معززین واکابر کی دولت وثروت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور عوام الناس ان کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔

افریقہ فتح ہونے پر جتنا مال غنیمت ہاتھ لگا، حضرت عثمان نے اس کا پانچواں حصہ اپنے رشتہ دار مروان بن حکم کو عنایت کر دیا۔ یہ بدعت عوام الناس کو بہت شاق گزری۔ عبدالرحمان بن حنبل رائے عامہ کی ترجمانی کرتا ہوا اس واقعہ کے متعلق کہتا ہے:

ساحلف بالله جهدا اليمـ — ـن ما ترك الله امر اسدى
ولكن خلقت النافتنة — لكى تبتلى لك او تبتلى
فان الامينين قد بينا — منارا لطريق عليه الهدىٰ
فما اخذ ادرهما غيلة — وما جعلاد رهما فى الهوىٰ

میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خداوند عالم نے کسی چیز کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا لیکن آپ نے اے عثمان ہمارے لئے ایک فتنہ کھڑا کر دیا ہے اپنے لئے آزمائش یا ہمارے لئے آزمائش ابو بکر و عمر نے ہدایت کے راستے واضح کر دیئے تھے۔ انہوں نے ایک درہم بھی ہتھیایا نہیں نہ ایک درہم اپنی خواہش کے مطابق خرچ کیا۔

پھر حضرت عثمان نے فدک کو جو حضرت فاطمہؑ کی میراث تھی مروان کو جاگیر میں دے دیا اتنے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے ایک لاکھ درہم بھی دیئے عبداللہ بن خالد بن اسید اموی نے سوال کیا تو اسے ۴ لاکھ درہم بیت المال سے دلوا دیئے حالانکہ ایسی دہشت انگیز فضول خرچی کے لئے کوئی وجہ جواز نہ تھی حکم بن عاص پر خاص طور پر نوازشیں کیں حالانکہ یہ شخص دشمنان اسلام سے تھا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال باہر کیا تھا۔ حضرت عثمان نے اسے ایک لاکھ درہم دیئے مدینہ میں ایک بازار تھا جس کا نام مہزول تھا۔ پیغمبر ﷺ نے اُسے نادار مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا حضرت عثمان نے اُسے حرث بن حکم کو بطور جاگیر مرحمت فرمایا۔

مدینہ کے اردگرد سرسبز چراگاہیں تھیں جسے پیغمبر خدا ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر نے تمام مسلمانوں کے مویشیوں کے لئے مباح کر رکھا تھا۔ حضرت عثمان نے اس چراگاہ کو مسلمانوں کے ہاتھ اور ان کے مویشیوں کے منہ سے چھین کر بنی امیہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس چراگاہ میں صرف بنی امیہ کے اونٹ چرتے تھے۔ کسی دوسرے کے اونٹوں کو اجازت نہ تھی۔ افریقہ سے جتنا مال خراج وصول ہوا مصر سے لیکر طنجہ تک وہ سب کا سب اٹھا کر عبداللہ بن ابی سرح ایک اکیلے شخص کو دے دیا جس

دن مروان بن حکم کو ایک لاکھ درہم دیئے تھے۔ اسی دن ابوسفیان بن حرب کو دولاکھ درہم بیت المال سے دلوائے جس پر زید بن ارقم بیت المال کے خزانچی کنجیاں لئے ہوئے حضرت عثمان کے پاس آئے اور روتے ہوئے انہوں نے کنجیاں حضرت عثمان کے پاس ڈال دیں حضرت عثمان نے کہا کیا تم اس پر روتے ہو کہ میں نے اپنے قرابت داروں کے ساتھ قرابت داری کا پاس ولحاظ کیا۔ زید بن ارقم نے کہا اگر آپ مروان کو سو درہم بھی دیئے ہوتے تب بھی بہت تھا چہ جائیکہ ایک لاکھ درہم حضرت عثمان نے کہا کنجیاں، رکھ دو۔ تمہارے علاوہ ہمیں بہت سے خزانچی مل جائیں گے۔ عراق سے حضرت عثمان کے پاس بہت سامال آیا۔ آپ نے سب کا سب بنی امیہ پر تقسیم کر دیا۔ جب اپنی دختر عائشہ کی شادی حرث بن حکم سے کی تو جتنا دے چکے تھے اس کے علاوہ مزید ایک لاکھ درہم اسے عنایت کئے بعض اسلامی ملکوں سے زکوٰۃ کے اونٹ آئے وہ سب کے سب اپنے نئے داماد حرث بن حکم کو اٹھا کر دیدئے پھر اسے بنی قضاعہ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا۔ ۳۰۰ لاکھ درہم وصول ہوئے وہ سب کا سب اسے بخش دیا۔

(شرح نہج البلاغہ جلد ا ص ۹۸)

ایک مرتبہ کبار صحابہ نے جن کے سرگروہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔ حضرت عثمان سے حرث کے متعلق بات کی حضرت عثمان نے کہا وہ ہمارا قریبی رشتہ دار ہے صحابہ نے کہا کیا ابوبکر وعمر کے رشتہ دار نہ تھے؟ ان دونو نے کیوں نہیں اپنے عزیزوں کے ساتھ دادودہش کی؟ عثمان نے کہا ابوبکر وعمر اپنے رشتہ داروں کو محروم کر کے خدا سے اجر کے امیدوار ہوتے اور میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ دادودہش کر کے اجر کا امیدوار ہوتا ہوں۔ صحابہ نے کہا ان دونوں کا طرز عمل ہمیں آپ کے طرز عمل سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

اس قسم کے بہت سے کام حضرت عثمان سے ظہور میں آئے جن کی وجہ سے صاحبان اثر واقتدار کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے ناجائز ذریعوں سے دولت اکٹھا کرنی شروع کر دی تھی۔ حضرت عثمان نے ان ذی وجاہت لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا بلکہ ان کے لئے مزید آسانیاں پیدا کر دیں تا کہ وہ بھی جی کھول کر جرم میں بنی امیہ کے شریک ہو جائیں اور اعتراض کرنے کا انہیں موقع باقی نہ رہے۔

طلحہ بن عبداللہ نے کوفہ میں ایک بہت بلند بالا اور مستحکم قصر بنوایا جو تین صدی بعد عربوں میں دارالطلحتین کے نام سے مشہور ہوا جیسا کہ مسعودی نے مروج الذہب میں بیان کیا ہے صرف عراق سے ان کا غلہ روزانہ ہزار اشرفیوں کا آتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اتنا ہی کناس سے بھی آتا۔ سراۃ کے اطراف سے تو اور بھی زیادہ روزانہ کی آمدنی تھی۔ مدینہ میں انہوں نے ایک

بہت شاندار محل بنوایا تھا حضرت عثمان کے محل سے ملتا جلتا۔

عبدالرحمن بن عوف نے بہت سے وسیع وکشادہ محلات ومکانات بنائے ان کے بہت سے اصطبل تھے ہر اصطبل میں سو گھوڑے بندھے رہا کرتے۔ ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں ان کی ملکیت تھیں نقد دولت ۳۰ لاکھ اشرفیاں تھیں۔

زید بن ثابت نے اپنے بعد اتنا سونا چھوڑا جو کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم کیا گیا۔ سونے کے علاوہ بے تھاہ اموال وجائیدادیں چھوڑیں۔

قبیلے بنی امیہ نے مرتے وقت ۵ لاکھ اشرفیاں چھوڑی تھیں۔

زبیر بن العوام کے متعلق مسعودی لکھتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان کے زمانے میں ایک ہزار غلام ایک ہزار کنیزوں کے مالک تھے بصرہ وکوفہ مصر واسکندریہ اور جہاں جہاں ان سے ہوسکا اونچے اونچے شاندار محلات بنوائے۔ ۵۰ ہزار نقد اشرفیاں اور ہزار گھوڑے رکھتے تھے۔

مسعودی یہ سب کچھ لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

''حضرت عثمان کے زمانے میں دولت مندوں کی دولت کی جو بہتات ہوئی اس کے بیان کے لئے دفتر چاہیئے۔ حضرت عمر کا زمانہ ایسا نہ تھا''۔

عثمان اور بنی امیہ جس کسی سے بھی راضی ہوئے اس کی دولت وثروت کا ٹھکانا نہیں رہا۔ عوام الناس فقر وفاقہ میں مبتلا تھے اور عثمان کے رشتہ دار اور پسندیدہ افراد سیم وزر میں تلتے تھے ان لوگوں نے اتنی دولت اکٹھا کی اتنی جائیدادیں حاصل کیں جو لوگوں نے کبھی دیکھی نہ سنی خود حضرت عثمان کے مال ومتاع کا پوچھنا ہی کیا ان کے قتل ہونے پر ان کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار اشرفیاں اور ہزار درہم تھے۔ وادی قریٰ اور حنین وغیرہ میں تقریباً ایک لاکھ درہم کی جائیداد تھی بے شمار اونٹ اور گھوڑے تھے (دیکھئے کتاب عثمان مصنفہ صادق عرجون مطبوعہ مصر)

جواہر اور شاہان کسریٰ کے زیورات جو حضرت عمر کے عہد میں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگے تھے اور بیت المال میں رکھے ہوئے تھے لوگوں نے ان جواہرات اور زیورات کو دن کی روشنی میں مثل انگاروں کے دہکتے دیکھا لیکن کہاں دیکھا؟ عثمان کی بیٹیوں کے جسموں پر عوام الناس نے اپنی آنکھوں سے اپنے حقوق کو لٹتے دیکھا جو چیزیں ان کا حق تھیں وہ ارباب حکومت کے قبضہ میں تھیں وہ ان غریبوں کا مذاق اڑاتے اور غریب بے چارے دم مارنے کی ہمت نہ کرسکتے۔

مسعودی مروج الذہب میں حضرت عثمان کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت عثمان بڑے دریادل فیاض اور جود وسخا والے تھے ان کے عمال بہت سے لوگ اس زمانہ کے انہیں کے راستہ پر چلے۔ حضرت عثمان نے ایک گھر مدینہ میں بنوایا جس کے دروازے ساگوان (ایک قیمتی لکڑی) کے تھے۔ بہت سی جائیدادیں باغات اور چشمے مدینہ میں اپنے لئے فراہم کئے"۔

عثمان نے بنی امیہ کو کھلی چھوٹ دیدی جس کو چاہتے حاکم مقرر کرتے جس کو چاہتے حکومت سے معزول کرتے جو چاہتے حکم چلاتے جی کھول کر دولت اکٹھا کرتے طویل وعریض اسلامی حکومت کے حصوں میں اپنے اثر و اقتدار کا میدان بناتے اور اپنی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے جگہیں تیار کرتے ان تمام خرابیوں کی جڑ مروان بن حکم تھا جس کو عثمان نے اپنا وزیر بنایا اور ہر معاملہ میں جس کے اشارے پر چلے۔

اس طرح عثمان کی مالی سیاست نے لوگوں کو دو طبقوں میں بانٹ دیا ایک طبقہ حکام اور قرابت داران عثمان کا تھا جن کا حصہ ملک کی تمام دولت تھی اور سرکشی وظلم وجور۔

دوسرا طبقہ عوام الناس کا تھا جن کے نصیب میں محرومی ہی محرومی اور ہر قسم کا ظلم وزیادتی برداشت کرنا تھا۔

پہلے دستور یہ تھا کہ جس شہر یا جس صوبہ سے جو مال خراج وغیرہ حاصل ہوتا پہلے وہاں کے مستحقین اور نادار مسلمان پر تقسیم کیا جاتا ہے اور ان سے فاضل جو بچتا وہ دار السلطنت کو روانہ کیا جاتا تا کہ حاکم وقت اپنے پاس کے مستحقین میں تقسیم کریں۔ حضرت عثمان نے یہ قاعدہ بنایا کہ ہر شہر کے حاکم جو کچھ بھی مال خراج وغیرہ وصول کریں وہ سب کا سب مال ہمارے پاس (یعنی دار السلطنت کو) روانہ کردیں۔

سرمایہ داروں نے حضرت عثمان کے اس قاعدے سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

پہلی خرابی تو یہ ہوئی کہ اس قاعدہ کی وجہ سے عراق اور دیگر صوبوں میں بڑی بڑی دولت مندی اور سرمایہ داری ظہور میں آئی۔ اس قاعدہ سے انہیں لوگوں کو فائدہ پہونچا جو موٹے موٹے سرمایہ دار اور پونجی پتی تھے جو اپنے سرمایہ کی بدولت کم حیثیت لوگوں کی جائیدادیں خرید سکتے تھے۔ چنانچہ طلحہ نے بھی بہت سی جائیدادیں خریدیں مروان بن حکم نے بھی۔ اس سال جائیدادوں کی خرید وفروخت ادل بدل ادھار پٹہ اور ہر قسم کی مالی لین دین کا رواج ہوا نہ صرف حجاز وعراق میں بلکہ دیگر عربی شہروں اور مفتوحہ ممالک میں بھی بڑی بڑی جاگیریں اور جائیدادیں وجود میں آئیں ہر قسم کے لوگ ان مذکورہ بالا صورتوں سے روپیہ کمانے میں مصروف ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں ایک نیا طبقہ وجود میں آیا یعنی حکومت کرنے والا مالداروں کا طبقہ

جو خاندانی جاگیرداروں کے طبقہ سے بھی ممیز و ممتاز تھا۔

دوسری خرابی یہ ہوئی کہ جن لوگوں نے عربی شہروں میں عموماً حجاز میں خصوصیت کے ساتھ زمینیں خریدیں تھیں انہوں نے اپنی زمینوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی وہ بے شمار غلام خرید کر لائے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ وہی حجاز بہشت بن گیا۔ انتہائی سرسبز و شاداب اور زمین کہ تمام بہشتوں سے حسین و جمیل ہر طرف سبزہ کی بہار اور پھل دار درختوں کی بہتات تھی۔ ان زمینوں نے اپنے مالکوں کو مالا مال کر دیا کون سا سامان معیشت تھا جو ان کے پاس موجود نہ ہو خوشحال و فارغ البالی کا دور دورہ تھا جو دن گزرتا امن وچین اور راحت و آرام سے گزرتا خوشحالی و فارغ البالی صرف حجاز ہی تک محدود نہ رہی بلکہ مدینہ طائف ہر جگہ جاگیرداروں کا ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کوئی کام نہیں کرتا تھا بلکہ کام کرنے کے لئے ان کے پاس غلاموں کی فوج رہتی تھی ان کا زیادہ تر وقت تفریح و دلبستگی لہو ولعب ہنسی مذاق میں گزرتا تھا وہ مشاغل جو دولت مندی اور بیکاری کے سبب رواج پاتے ہیں ان کی کثرت ہوگئی ساز و طنبورے گانے بجانے، رقص و سرو، بے ہودہ اشعار کا جو بیکاری لذت کوشی اور عیش پسندی کے ترجمان ہوتے ہیں، عام دستور ہو گیا۔ کبھی کبھی ایسے اشعار بھی گائے جاتے جو حزن و اندوہ کے ترجمان ہوتے۔ ان سرمایہ داروں کے نوکر چاکر اور مالکوں کے تمام امور کا بندوبست ان کے ہاتھوں میں ہوتا اور درحقیقت یہی نوکر چاکر اپنے آقاؤں کے مالک و مختار ہوتے۔ اس جھوٹے عیش و نشاط سے ان کی زندگی میں کوئی بھلائی نہ تھی نہ ان کے کوئی مقاصد تھے نہ کوئی تمنائیں۔ یہ مالک درحقیقت غلام تھے اور ان کے غلام ان کے مالک تھے دوسری طرف صحرا نشین عربوں کا ایک ایسا طبقہ تھا جو ہر نعمت سے محروم تھے ان کے پاس حجاز میں کوئی زمین ہی نہ تھی جس کو بیچ کر عراق میں کوئی زمین خریدتے اور نہ عراق میں کوئی زمین تھی جس کے بدلے میں حجاز میں کوئی زمین خریدتے۔

ان تمام اعمال و افعال کے خواہ وہ عثمان کی رائے سے عمل میں آئے ہوں یا ان کے مشیروں کے مشورہ سے بدترین نتائج رونما ہوئے۔ سیاسی نتائج بھی اور سماجی معاشرتی نتائج بھی سیاسی نتائج تو یہ ظہور میں آئے کہ گنتی کے چند آدمی بے تحاشہ دولت کے مالک بن بیٹھے، ہر سرمایہ دار نے دولت کے بل پر لوگوں کو اپنی طرف کھینچا اور اپنے طرف داروں کی ایک جماعت تیار کر لی اور اس کے دماغ میں سلطنت کا سودا سما گیا اس نے لوگوں کی باہمی پھوٹ سے اپنا کام نکالنے کی کوشش کی۔

معاشرتی اور سماجی نتائج یہ رونما ہوئے کہ عوام الناس مختلف طبقات میں بٹ گئے ایک طبقہ وہ تھا جو دولت کے بل پر بے پناہ اثر و اقتدار کا مالک تھا دوسرا طبقہ ان ناداروں کا تھا جو پہلے طبقے کے نوکر چاکر تھے ان کی جاگیروں اور زمینوں کو آباد کرتے اور ان کی خدمت بجالاتے اور ان دونوں متضاد و مغائر طبقوں کے درمیان ایک متوسط طبقہ تھا عوام عرب کا جو دور دراز

شہروں میں قیام کرتے دشمن پر حملہ اور سرحدوں کی نگرانی کرتے ۔خلائق کی جان و مال کی حفاظت اسی متوسط طبقہ کی بدولت تھی
۔

"دولت مند اور سرمایہ دار افراد نے متوسط طبقہ، ہی کو آلہ کار بنایا انہوں نے اس طبقہ میں پھوٹ ڈال کر ان کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا۔مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت بالکل واضح نظر آئے گی کہ نزاع و اختلاف سب سے پہلے دولت مندوں کے درمیان ظہور پذیر ہوئے ۔پہلے سرمایہ دار آپس میں ٹکرائے پھر یہ نزاع متوسط طبقہ اور مالداروں کے درمیان جا پہونچی درمیانی طبقہ اور پہلے طبقہ کے افراد ایک دوسرے کے خلاف صف بستہ ہو گئے ۔رہ گیا تیسرا طبقہ یعنی وہ لوگ جو پہلے طبقہ کے نوکر چاکر تھے ان کی زمینوں پر کام کرتے اور ان کی خدمتیں بجالاتے تھے معاشرہ میں ان کا کوئی ظاہری اثر نہ تھا اور نہ دوسرے لوگوں کے جھگڑوں میں یہ لوگ دخل دیتے تھے ان لوگوں کا جھگڑا بعد میں کھڑا ہوا۔" (الفتنۃ الکبریٰ جلد اول عثمان ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۹)

اس وقت تک عرب والے طبقاتی تفاوت کے عادی نہ تھے نہ کسی کو بے سبب امتیازی درجہ یا خصوصی انعام و اکرام پاتے دیکھا تھا بلکہ ان کے زمانہ میں ایسا بھی نہ ہوا تھا کہ عوام کی فلاح و بہبود پر مخصوصین کی فلاح و بہبود کو مقدم سمجھا گیا ہو ان کے دلوں پر پیغمبرؐ کی سیرت آپ کے عدل و انصاف اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے گہرے نقوش تھے وہ اس حکومت کی تنظیم کے عادی تھے جو عوام کی حکومت تھی نہ کہ گنتی کے چند مخصوصین کی عدل و انصاف کی حکومت تھی نہ کہ ظلم و جور کی وہ حکومت جو کہ عوام الناس کے دکھ درد کی شریک تھی نہ کہ افتراق و انتشار پھیلانے کی ذمہ دار۔

ایسی حکومت کی انہیں ابوبکر و عمر اور ان کے زبردست مددگار علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بدولت عادت پڑ چکی تھی ۔یہ عثمان کی بدنصیبی تھی کہ وہ حضرت عمر کے فوراً بعد خلیفہ مقرر ہو گئے جبکہ لوگوں کو حضرت عمر کی منجملہ اور باتوں کے یہ بات بھی یاد تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے حج کیا آنے جانے میں ۱۶ اشرفیاں خرچ ہوئیں ۔انہوں نے اپنے لڑکے عبداللہ بن عمر سے کہا ہم نے اس سفر میں کافی فضول خرچی کی تھی۔

عمر کے بعد جب عثمان خلیفہ ہوئے اور انہوں نے مذکورہ بالا سیاست اختیار کی تو لوگوں کو بڑی دہشت ہوگئی ۔انہوں نے عثمان سے بار بار اس کی شکایت کی اور ان کے والیوں اور اموی حکام نیز ہر اس شخص سے جو ان کی روش پر چلا اپنی ناگواری کا اظہار کیا۔اور علانیہ کہہ دیا کہ ہم نہ تو ان والیوں کے مظالم کی برداشت کی طاقت رکھتے ہیں نہ اس ظالمانہ سیاست کی جسے آپ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حضرت عثمان اپنے بعض عاملوں کے کرتوت پر نادم ہوتے فریادیوں کی

شکائتیں توجہ سے سنتے اوران سے وعدہ کرتے کہ ہم اپنے عالموں کو برطرف کردیں گے لیکن زیادہ مدت نہیں گزرنے پائی کہ اموی حکام اوران کے اعوان وانصار حضرت عثمان کی منشاوخواہش پر غالب آجاتے ۔اوراپنی جگہ پراسی طرح ڈٹے رہتے اور پہلے سے بھی زیادہ لوٹ کھسوٹ اورظلم وجورکا بازار گرم کردیتے اوراپنے مخالفین سے جی کھول کرانتقام لیتے۔

اکثرایسا ہوتا کہ عرب والے عثمان کے پاس اموی حکام کی شکایت لے کروفد کی صورت میں حاضر ہوتے حضرت عثمان ان سے وعدہ کرتے کہ تم پر جتنی زیادتیاں ہوئیں سب کی تلافی کی جائے گی مگر جیسے ہی وہ وفد اپنے شہر واپس آتا اموی حاکم وفد کے سرکردہ افراد کو قتل کردیتے ۔جو بچ رہتے وہ پھر دوڑے ہوئے مدینہ آتے اکابر صحابہ سے فریاد کرتے صحابہ حضرت عثمان کے پاس جاکر ان فریادیوں کی حمایت کرتے ۔حضرت عثمان حکم دیتے کہ اس ظالم و جفا کار حاکم کو بدل کر ہم دوسرا حاکم مقرر کئے دیتے ہیں جب یہ نیا حاکم اپنا عہدہ سنبھالنے روانہ ہوتا تو اس کی روانگی سے پہلے ہی ایک قاصد خط لئے ہوئے اس معزول شدہ حاکم کے پاس روانہ ہوجاتا اوراس خط میں تاکید ہوتی کہ جیسے ہی نیا حاکم پہونچے اسے قتل کرڈالو۔نیز یہ بھی حکم ہوتا کہ جولوگ بصورت وفد آئے تھے انہیں بھی قتل کرڈالنا اس کانتیجہ یہ ہوتا کہ وہی پرانا حاکم اپنی جگہ برقرار رہتا اورجس جس کے قتل کا حکم اس خط میں ہوتا انہیں تہہ تیغ کردیتا اور پہلے سے زیادہ ظلم ڈھانے لگتا۔

یہ رنگ تھا حضرت عثمان کی سیاست کا ان ذی وجاہت اور بااثر افراد کے اشارے سے اوران کی بھلائی کے لئے عوام الناس خوب خوب کچلے گئے کبھی تو وہ خون کا گھونٹ پی کررہ جاتے اور کبھی علانیہ مخالفت اوراعتراض کر بیٹھے شعراء نے اس وقت کے سرمایہ داروں کی اچھی اچھی تصویریں کھینچی ہیں۔

لوگوں میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو پاک وصاف وجدان روشن دل اور زبان گویا کے مالک تھے مسلمانوں کے دل میں بہت عزت وتوقیر بھی ان کی تھی یہ حضرات بھی اسی طرح ہراساں ودہشت زدہ ہوئے جس طرح عام لوگ دہشت زدہ تھے۔انہوں نے اس پلوٹوکرسی اور دولت مندوں کی حکومت کی کھل کر مخالفت کی جسے حضرت عثمان اور بنی امیہ نے اختیار کررکھا تھا۔ان کی مخالفت بالکل نیک نیتی پر مبنی اوراعتراضات انتہائی شریفانہ تھے ہر قسم کے حرص وہوس سے پاک ۔لیکن ان دولت مندوں کی حکومت میں ان مجسمۂ صدق وصفا اور پرخلوص انسانوں کی کیا درگت ہوئی ؟؟

اعتراضات کی بوچھار

"جب لوگوں میں اختلاف واقع ہو تو عمار حق کے ساتھ ہوں گے" (پیغمبر خدا ﷺ)

"اے امیر المومنین (عثمان) اس غلام (عمار) نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا اگر آپ نے ان کو قتل کر دیا تو دوسروں کو عبرت ہوگی"۔ (مروان)

"ابوذر سے زیادہ راست گفتار اور سچے کسی انسان کا نہ زمین نے بوجھ اٹھایا نہ آسمان سایہ فگن ہوا" (پیغمبر خدا ﷺ)

"مجھے اس کذاب (ابوذر) کے متعلق مشورہ دو کہ میں اسے مار ڈالوں، اسے زدوکوب کروں، قید میں ڈال دوں، یا قتل کر ڈالوں"۔ (عثمان بن عفان)

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی حکومت، طرز حکمرانی اور مالی سیاست میں جتنی خرابیاں رونما ہوئیں جتنے فتنہ و فساد پیدا ہوئے ان سب خرابیوں کے ذمہ دار بنی امیہ ان کے اعوان و انصار اور تمام صاحبان اثر اور ذی وجاہت افراد تھے جن کا سرغنہ مروان بن حکم تھا خود عثمان بھی ان خرابیوں کے کم ذمہ دار نہ تھے اس لئے کہ انہیں نے بنی امیہ کا سہارا ڈھونڈھا۔ ان کو پسندیدہ سمجھا اور جس بات کی انہوں نے خواہش کی اس کا حکم دیا اور جس چیز سے انھوں نے روکا اس کی ممانعت کی وہ ان کی ہر بات کے نگراں تھے اور عثمان ان کے اطاعت گذار حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے حقیقت کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس سے بہتر تصویر کشی ناممکن ہے آپ نے خلیفہ کو اس شخص جیسا قرار دیا ہے جسے کھانے اور پانی پینے میں اچھو ہو جائے جس شخص کو پانی پینے میں اچھو ہو جائے اس کا اچھو کیونکر دور ہو سکتا ہے جبکہ اچھو کا آخری علاج پانی ہی ہے یعنی اگر کسی اور سبب سے انسان کو اچھو ہو جاتا ہے تو پانی پینے سے اچھو دور ہو جاتا ہے اور وہی آخری علاج ہے لیکن اگر کسی شخص کو پانی ہی سے اچھو ہو جائے تو اس کا علاج کس چیز سے ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ان من فسدت بطانته كان كمن غص بالماء فانه لو غص بغيره لاساغ الماء غصته

جس کے رازدار اور مقربین فاسد ہوں اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جسے پانی سے اچھو ہو جائے۔

جس طرح عثمان نے بنی امیہ کو اثر و اقتدار پیدا کرنے میں کھلی چھوٹ دیدی تھی ذی وجاہت افراد کو عوام کے حقوق

غصب کرنے ذخیرہ اندوزی اور مال جمع کرنے کی اجازت دیدی تھی اسی طرح آپ نے اپنے مشیروں کو اس کی بھی آزادی دے رکھی تھی کہ اکابر صحابہ میں سے جو بھی معترض ہو لوگوں میں عدل وانصاف کرنے کی دعوت دے اس کی آزادی سلب کر لیں نہ جانے کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ حق گو اور انصاف کے حامی مومنین کی روک تھام ہی کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ عثمان نے مروان کے مشورہ سے یا خود اپنی رائے سے ان مومنین کو سزائیں دیں انہیں اپنا دشمن سمجھا۔ جیسے وہ مومنین مروان اور اس کے بھائی حرث کی نیکی اور بھلائی سے عثمان کو محروم کرنا چاہتے ہوں۔ عثمان نے ہر چھوٹی بڑی بات میں بنی امیہ کے مشوروں پر عمل کیا جو ان کے خاص مشیر تھے۔ اور آخر کار ان کی قربانی بھی بن گئے انہیں بنی امیہ نے عثمان کو بے دست و پا بنایا ان کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے خواہ ان کی رضامندی سے یا بغیر رضامندی کے۔ ان کی ہلاکت کے متمنی ہوئے پوشیدہ طور پر ان کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا اس امید میں کہ خلافت کسی اور اموی کے ہاتھ لگ جائے اس معاملہ میں بنی امیہ کے سبھی اعوان وانصار نے ان کی مدد کی اور جب عثمان دشمنوں کے نرغہ میں گھر گئے تو بنی امیہ انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے جس طرح انکے اعوان وانصار بھاگ نکلے تھے۔

حضرت عثمان نے ہر اس شخص کو اپنے سے دور رکھنے کی کوشش کی جو ان کا خیر خواہ تھا اور جس کے مشورے سے بگڑے ہوئے حالات سنبھل سکتے تھے اور خلافت کا معاملہ ٹھیک ٹھاک ہو سکتا تھا انہوں نے بنی امیہ کو اپنا راز دار اور مقرب بارگاہ بنایا اور ان لوگوں نے ان تمام نیکوکاروں کو دور رکھنے کا مشورہ دیا جنہیں لوگ عثمان کا دشمن بتاتے تھے حالانکہ یہ لوگ واقعاً عثمان کے دشمن نہ تھے۔

مروان ایسے بدکردار و بدنہاد شخص کو تو عثمان کے یہاں تقرب حاصل تھا مگر علیؑ ابن ابی طالبؑ ان کے نزدیک قابل اعتنا نہ تھے حالانکہ اگر اس وقت انتظام خلافت میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی رائے کو کوئی وزن دیا جاتا تو وہ اس بات پر پوری طرح قادر تھے کہ اپنی دور اندیشی اور معاملات سے نپٹنے کی بہترین صلاحیت کے سبب عثمان کو اقربا نوازی اور احباب پرستی سے رد کریں اور سلطنت کو ایسے راستہ پر لگا دیں جو مضبوط اور نفع بخش تھا۔ اس راستہ پر چل کر عوام الناس کی فلاح و بہبود کو ترجیح دی جاتی اور لوگوں کو ظلم و ستم سے محفوظ رکھا جاتا۔ مروان کو حضرت عثمان کے یہاں اتنا تقرب حاصل تھا اور آپ اس سے اتنا زبردست حسن ظن رکھتے تھے کہ کسی طرح بھی اس کی رائے مشورہ کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ مروان نت نئی سازشیں کرتا۔ بڑے سے بڑے جرم کا مرتکب ہوتا پھر جا کر عثمان کو یقین دلا دیتا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ اور دیگر کبار صحابہ آپ کے خلاف سازشیں اور لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر رہے ہیں۔ امن وامان باقی رکھنے اور خلافت محفوظ رکھنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ آپ علیؑ اور تمام کبار صحابہ کو قتل

کر ڈالیں تاکہ حکومت کے تمام کام بنی امیہ کے رائے مشورے سے انجام پائیں بنی امیہ ہی آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور انہیں جتنی آپ کی حکومت عزیز ہوگی دوسرے کو عزیز نہ ہوگی۔

جب حضرت عثمان کے خلاف شورش عام ہوگئی۔ ہر شہر میں فتنہ وفساد پھوٹ پڑا تو عثمان نے اس غرض سے کہ فتنہ وفساد کیونکر رفع ہو بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کیسے کی جائے ایک کانفرنس منعقد کی اور اس کانفرنس میں صرف بنی امیہ اور ان کے اعوان وانصار کو بلایا کسی اور کو نہیں صحابہ کرام اور عوام الناس کو حضرت عثمان سے جو کچھ بھی شکایت تھی انہیں بنی امیہ کی تھی تو بجائے اس کے کہ صحابہ کرام کو بلا کر رائے مشورے کرتے انہیں تو بلایا نہیں بلکہ بلایا ان لوگوں کو جو اصل بانی تھے فتنہ وفساد کے اور جن کی وجہ سے عوام الناس عاجز آ کر خود عثمان کے دشمن ہو رہے تھے۔

کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں سے ہر شخص نے اپنی رائے دی اور حالات سدھارنے کی تدبیر بتائی۔ان رایوں سے اندازہ ہوا کہ کچھ لوگ تو یہ چاہتے تھے کہ فتنہ وفساد دور نہ ہو بلکہ باقی رہے کیونکہ ان کا کام اسی صورت میں نکل سکتا تھا۔ کچھ لوگ چاہتے تھے کہ فتنہ وفساد کی آگ اور بھڑکے تاکہ اپنا کام نکالنے میں آسانی ہو کچھ لوگ حالات سدھارنے کے خواہاں تھے مگر اس طرح کہ ان کے اثر واقتدار میں فرق نہ آئے۔اور یہ جتنے ممبران تھے کانفرنس کے سبھی علیؑ کے دشمن تھے اور ہر ایک کو علیؑ کی طرف سے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ان کا عدل وانصاف ان کے ظلم وستم کی بنیادیں متزلزل کر دے گا۔اور ان کی صداقت شعاری اور راست گوئی ان لوگوں کے مکر فریب اور چالاکیوں کا پردہ چاک کر دے گی۔ان کا زہد وورع ان کی عیاشیوں اور جی کھول کر داد وعیش دینے میں مزاحم ہوگا۔اور ان کی مساوات پسندی ان لوگوں کے جاگیر دارانہ نظام حکومت کو خاک میں ملا دے گی منجملہ ارکان کانفرنس کے ایک معاویہ تھے دوسرا مروان بن حکم تیسرا عمرو عاص ان لوگوں کی کانفرنس میں شریک اور رائے مشورہ دینے میں پیش پیش رہنے سے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اس کانفرنس اور بزم مشورت کا نتیجہ کیا ہوا ہوگا؟

علیؑ کو اس کی پروا نہ تھی کہ ان مشکلات میں عثمان مجھ سے مشورہ لیتے ہیں یا نہیں۔انہیں تو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی حالت درست اور عدل وانصاف قائم ہو۔خواہ حضرت عثمان اور ان کے اعوان وانصار اس سلسلہ میں ہمارے دشمن ہی کیوں نہ ہو جائیں۔علیؑ ابن ابی طالبؑ آخر تک عثمان کو سمجھاتے رہے کہ لوگوں کی دادخواہی کیجئے ان پر جو مظالم ہوئے ہیں ان کی تلافی کی صورت نکالئے تاکہ آپ کی حکومت خطرہ سے دوچار نہ ہو۔ایک مرتبہ جبکہ عوام الناس غصہ سے بے قابو ہو کر حضرت عثمان پر چڑھ دوڑے تھے۔علیؑ نے اس کے علاوہ کوئی راہ مناسب نہ سمجھی کہ آپ ان دونوں طرف کے لوگوں سے نرمی ومہربانی سے پیش آئیں۔آپے سے باہر بلوائیوں کو بھی نرمی سے سمجھانے کی کوشش کریں اور اب تک عثمان اور بنی امیہ کی طرف سے خود ان پر جو

زیادتیاں ہوئیں ہیں انہیں درگزر کرتے ہوئے عثمان کو بھی نرم لب ولہجہ میں نصیحت کریں آپ عثمان کے پاس آئے اور فرمایا:

لوگ امیرے پیچھے منتظر ہیں اور مجھے اس مقصد سے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تمہارے اور ان کے قضیوں کو نپٹاؤں۔ خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کیا کہوں جبکہ میں اس سلسلہ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا کہ جس سے تم بے خبر ہو اور نہ کوئی ایسی خبر بتانے والا ہوں جس کا تمہیں علم نہ ہو جو تم جانتے ہو وہ ہم جانتے ہیں نہ تم سے پہلے ہمیں کسی چیز کی خبر تھی کہ تمہیں بتائیں اور نہ علاحدگی میں سنا ہے کہ تم تک پہونچائیں جیسے ہم نے دیکھا اسی طرح تم نے بھی دیکھا جس طرح ہم نے سنا تم نے

امیر المومنینؑ نے موعظت کی تلخیوں کو خوشگوار بنانے کے لئے تمہید میں وہ لب ولہجہ اختیار کیا جو اشتعال دلانے کے بجائے ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرے اور فرائض کی جانب متوجہ کرے ان کی صحابیت شخصی اہمیت اور شیخین کے مقابلہ میں پیغمبرؐ سے ان کی خاندانی قرابت کو ظاہر کرنے سے اسی فرض شناسی کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ موقع ان کی مدح سرائی کا نہ تھا کہ آخر کلام سے آنکھیں بند کر کے اسے قصیدہ شرف سمجھ لیا جائے جبکہ اس تمہید سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتے تھے جان بوجھ کر کرتے تھے ایسا نہ تھا کہ انہیں علم واطلاع نہ ہو اور لاعلمی کی بنا پر لغزشوں کو قابل مواخذہ نہ سمجھا جائے۔ ہاں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے ان کی تعلیمات کو سننے ان کے طرز عمل کو دیکھنے اور اسلامی احکام پر مطلع ہونے کے بعد ایسا طور طریقہ اختیار کرنا جس سے دنیائے اسلام چیخ اٹھے کوئی فضیلت ہے تو پھر اس تعریض کو بھی مدح سمجھا جا سکتا ہے اگر وہ فضیلت نہیں ہے تو پھر اسے بھی مدح نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ جن لفظوں کو مدح سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے وہ ان کے جرم سنگین ثابت کرنے کے لئے ہیں کیونکہ بے خبری اور لاعلمی میں جرم اتنا سنگین نہیں ہوتا جتنا جانتے بوجھتے ہوئے جرم کا ارتکاب اس کے وزن کو بڑھا دیتا ہے چنانچہ اگر راستے کے نشیب و فراز سے ناواقف شخص گھپ اندھیرے میں ٹھوکر کھائے تو اسے معذور سمجھ لیا جاتا ہے اور اگر راستے کے گڑھوں سے واقف دن کے اجالے میں ٹھوکر کھائے تو اسے سرزنش کے قابل سمجھا جاتا ہے تو اگر اس موقع پر اس سے یہ کہا جائے کہ تم آنکھیں بھی رکھتے ہو راستے کی اونچ نیچ سے بھی واقف ہو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کی وسعت علمی اور روشنی چشم کو سراہا جا رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے آنکھوں کے ہوتے ہوئے پھر راستہ کے گڑھوں کو نہ دیکھا اور جاننے بوجھنے کے باوجود پھر سنبھل کر نہ چلا لہذا آنکھوں کا ہونا نہ ہونا برابر اور جاننا نہ جاننا یکساں ہے۔

اسی سلسلے میں عثمان کی دامادی پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی دو صاحب زادیوں رقیہ وام کلثوم کا عقد یکے بعد دیگرے ان سے کیا۔ اس وجہ شرف ماننے سے قبل یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ دامادی عثمان کی نوعیت کیا ہے۔ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ اس میں اولیت کا شرف عثمان کو حاصل نہ تھا بلکہ ان سے قبل رقیہ وام کلثوم ابولہب کے بیٹوں عتبہ وعتیبہ سے منسوب تھیں مگر ان کو باوجود پہلا داماد ہونے کے قبل از بعثت کے صاحبان شرف میں بھی اب تک شمار نہیں کیا گیا تو یہاں کسی جوہر ذاتی کے بغیر اس نسبت کو کس بنا پر سرمایہ افتخار سمجھا جا سکتا ہے جبکہ اس رشتہ کی اہمیت کے متعلق نہ کوئی سند ہے اور نہ اس ماحول میں اس طرف کوئی توجہ پائی جاتی تھی کہ یہ کہا جائے کہ کسی اہم ترین عظمت کے مالک شخصیت اور ان میں معاملہ دائر تھا پھر یہ منتخب ہو کر یہ شرف پا گئے یا یہ کہ ان دونوں بیبیوں کو تاریخ وحدیث وسیر میں کسی کرداری شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہو جس کی وجہ سے اس رشتہ کو خاص اہمیت دے کر ان کے لئے طرہ امتیاز قرار دیا جائے اگر قبل بعثت عتبہ وعتیبہ سے انکا بیاہ جانا اس بناء پر صحیح سمجھا جاتا ہے کہ اس وقت مشرکین کے ساتھ عقد کی حرمت کا سوال نہ ہوتا تھا تو یہاں بھی صحت عقد کیلئے صرف ظاہری اسلام کی شرط تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے زبان سے اقرار شہادتین بھی کیا اور بظاہر ایمان بھی لائے لہذا اس عقد کو صرف ظاہر اسلام کی دلیل تو قرار دیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اور کسی امتیاز کو اس کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا پھر یہی کہاں مسلم ہے کہ وہ رسول اللہ کی صلبی بیٹیاں تھیں جبکہ ایک طبقہ ان کے صلب رسول سے ہونے سے انکار کرتا ہے اور وہ انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہالہ کی اولاد یا ان کے پہلے شوہر کی اولاد قرار دیتا ہے چنانچہ الکوفی متوفی ۳۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

فلما تزوج رسول الله بخديجة ماتت هالة بعد ذالك بمدة يسيرة و خدمت الطفلتين زينب و رقية في حجر رسول الله وحجر خديجة فربياهما وكان من منة العرب في الجاهلية من يربي يتيماً ينسب ذالك اليتيم اليه ۔ (کتاب الاستغاثہ ص ۶۹) جب رسولؐ نے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو اس کے تھوڑے عرصے کے بعد ہالہ کا انتقال ہو گیا اور اس نے دو لڑکیاں چھوڑیں ایک کا نام زینب تھا اور ایک کا نام رقیہ اور ان دونوں نے پیغمبر اور خدیجہ کی گود میں پرورش پائی اور ان ہی نے ان کی تربیت کی اور اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ اگر یتیم بچہ کسی کی گود میں پرورش پاتا تھا تو اسے اسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا۔

علامہ ابن ہشام نے حضرت خدیجہ کی اولاد کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

وكانت قبله عند ابي هالة ابن مالك فولدت له هند ابن ابي هاله و زينب بنت ابي هاله وكانت قبل ابي هاله عن عتيق ابن عائذ بن عبد الله ابن عمرو ابن مخزوم فولدت اله عبد الله و جاريه (سیرت ابن ہاشم جلد ۴ ص ۲۹۳)

ترجمہ: حضرت خدیجہ رسول اللہ کے حبالہ عقد میں آنے سے پہلے ابی ہالہ بن مالک کی زوجیت میں تھیں جن سے ایک لڑکا ہند اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی اور ابی ہالہ قبل عتیق بن عائذ کے عقد میں تھیں جس سے ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خدیجہ کی دو لڑکیاں عقد رسول میں آنے سے پہلے موجود تھیں جو حسب ظاہر رسول اللہؐ ہی کی بیٹیاں کہلائی گئیں اور وہ جن سے بھی بیاہی جائیں گی وہ پیغمبرؐ کے داماد ہی کہلائیں گے لیکن دامادی کی حیثیت وہی ہو گی جو ان لڑکیوں کے بیٹی ہونے کی ہو سکتی ہے لہذا اسے محل افتخار میں پیش کرنے سے پہلے ان بیٹیوں کی حیثیت کو دیکھ لینا چاہئے''

(ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین صاحب مطبوعہ لاہور)

بھی سنا۔ جس طرح ہم رسولؐ اللہ کی صحبت میں رہے تم بھی رہے اور حق پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب پر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی کہ تم پر ہونا چاہئے اور تم تو رسولؐ سے خاندانی قرابت کی بنا پر ان دونوں سے قریب تر بھی ہو اور انکی ایک طرح کی دامادی بھی تمہیں حاصل ہے کہ جو انہیں حاصل نہ تھی کچھ اپنے دل میں اللہ کا بھی خوف کرو خدا کی قسم اس لئے تمہیں سمجھایا نہیں جا رہا ہے کہ تمہیں کچھ نظر نہ آسکتا ہو اور نہ اس لئے یہ چیزیں تمہیں بتائی جا رہی ہیں کہ تمہیں علم نہ ہو اور (لاعلمی کے کیا معنی) جبکہ شریعت کی راہیں واضح اور دین کے نشانات قائم ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک سب بندوں سے بہتر وہ انصاف پرور حاکم ہے جو خود بھی ہدایت پائے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرے اور جانی پہچانی ہوئی سنت کو مستحکم کرے اور انجانی بدعتوں کو فنا کرے۔۔۔۔۔ اور اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بدتر وہ ظالم حکمراں ہے جو گمراہی میں پڑا رہے اور دوسرے بھی اس کی وجہ سے گمراہی میں پڑیں۔ میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن ظالم کو اس طرح لایا جائے گا کہ نہ اس کا کوئی مددگار ہو اور نہ کوئی عذر خواہ اور اسے سیدھا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔" (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مطبوعہ لاہور)

عثمان سے علیؑ کی معقول باتوں کا کوئی جواب بن نہ پڑا انہوں نے صرف اتنا کہا کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا ہے۔ اپنے عزیزوں کے ساتھ صلہ رحم کیا ہے۔ قرابت داروں کے ساتھ رعایت برتی ہے۔ اور عزیزوں کے ساتھ فیاضی سے داد و دہش کی ہے۔

حق باطل کے ساتھ اور خیر شر کے ساتھ خلط ملط ہو کر رہ گئے بنی امیہ کی بدکاریاں بڑھتی گئیں حضرت عثمان نے انہیں پوری طرح ڈھیل دیدی اور خود ان کے سامنے بے دست و پا بن گئے۔ امیرالمومنینؑ نے ان کی خلافت اور حکومت کی مختصر لفظوں میں کتنی مکمل تصویر کشی کی ہے کہ:

ستاثر فاساء الاثرة

انہوں نے انتہائی بدترین صورت سے اپنے عزیزوں کی طرف داری کی۔

اور ان کے اموی رشتہ داروں کے متعلق فرمایا:

وقام معه بنو امية يخضمون مال الله خضمة الابل نبتة الربيع

ان کے ساتھ ان کے باپ کی اولاد بنی امیہ کھڑے ہو گئے اور وہ خدا کا مال چبا چبا کر کھانے لگے جس طرح اونٹ ربیع کی گھاس کھاتا ہے۔

اس طرح بنی امیہ اوران کے اعوان و انصار نے حضرت عثمان کو ایسی راہ پر لا کھڑا کیا جو تباہی و بربادی کی راہ تھی اور حضرت عثمان اقربانوازی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ بنی امیہ عثمان کو کس راہ پر لئے جارہے ہیں۔ یہ بات عثمان کی بیوی نائلہ سے بھی مخفی نہ تھی نیز انہیں اس بات کا بھی پورا اندازہ تھا کہ علیؑ سے بڑھ کر نہ تو کوئی پاک نیت ہے نہ ان سے بڑھ کر سچا مخلص نہ ان سے زیادہ کوئی عثمان کی خیر خواہی کرنے والا ہے۔ وہ ہر وقت عثمان پر زور دیتی رہتیں کہ علیؑ سے مشورہ کیجئے اور عثمان کے بد باطن مشیر اور مقربین بارگاہ جو ہر وقت ان کے ارد گرد رہتے عثمان کو اُلٹی پٹی سمجھا دیتے اور نائلہ جو مشورہ دیتیں اس میں ہزاروں کیڑے نکال ڈالتے اور کہتے کہ نائلہ عورت ذات ناقص العقل ہیں ان کی باتوں پر آپ دھیان بھی نہ دیجئے گا۔

ایک مرتبہ مروان نے آپ سے کہا:

"خدا کی قسم اپنے گناہ پر ڈرتے رہنا اور خدا سے استغفار کر لینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ ڈر کر توبہ کر لیں"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود مروان کو اس بات کا اعتراف و اقرار تھا کہ حضرت عثمان کی سیاست غلط اور ان کا طرز عمل خطا کاروں کا طرز عمل ہے مگر اس کے نزدیک غلطی اور خطا کاری پر ڈٹے رہنا ندامت اور توبہ سے بہتر تھا۔

کوئی نصیحت کی بات حضرت عثمان کے کانوں تک پہونچ ہی نہیں سکتی تھی جب تک کہ وہ بات مروان کی زبان سے نہ نکلے۔ مروان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو عثمان فوراً قبول کر لیتے تھے لیکن دوسروں کی بات پر دھیان تک نہ دیتے۔

مروان لوگوں سے جو بات کرتا خلیفہ کے نام پر کرتا اور خلیفہ کے نام پر سوا ڈانٹ ڈپٹ زجر توبیخ اور ناپسندیدہ حرکات پر ضد اور ہٹ دھرمی کی باتوں کے کچھ کہتا ہی نہیں اور باتیں بھی ایسی کہ ایک ایک بات عثمان کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دینے کے لئے کافی تھی۔ ایک مرتبہ مروان نے بلوائیوں سے جو حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہا:

"تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کس لئے تم لوگوں نے بھیڑ لگا رکھی ہے۔ کیا تم ہماری حکومت ہم سے چھیننا چاہتے ہو"۔

مروان کا یہ فقرہ اس کے اور تمام بنی امیہ کے سوچنے سمجھنے کا انداز بتانے کے لئے کافی ہے۔ بنی امیہ کے خیال میں وہ تمام مظلومین جو فریادی بن کر آئے تھے وہ صرف لوٹ مار کے ارادے سے آئے تھے۔

غصب شدہ حقوق کا مطالبہ، عدل گستر حکومت کی درخواست، ظلم وستم کی روک تھام اور جن لوگوں نے مظالم ڈھائے تھے اور لوگوں کے حقوق غصب کئے تھے ان سے مواخذہ نیز ایسی ہی دوسری باتیں جن کے لئے مختلف شہروں سے فریادی اکٹھا ہوئے تھے۔ مروان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتنا تھیں۔ ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اس کے نزدیک خلافت، حکمرانی و بادشاہت اختیار و اقتدار کے مظاہرہ کے لئے تھی۔ اسے نہ تو رعیت کے حقوق کی حفاظت ہی سے کوئی سروکار تھا نہ دین و

شریعت کی نگرانی ونگہبانی ہی سے کوئی غرض۔ یہ بنی امیہ کی بادشاہت تھی جس کے لئے وہ مدتوں سے موقع کے منتظر تھے اور فکر میں تھی کہ کب موقع ہاتھ لگے اور یہ حکومت ہم لوگ ہتھیالیں اور اپنی قدیمی ریاست ورواداری کو جسے اسلام نے نیست ونابود کردیا تھا پھر سے زندہ کرلیں۔ لہٰذا جب یہ خلافت بنی امیہ کی خاندانی حکومت تھی تو عوام الناس کیوں درپے تھے کہ یہ حکومت مروان کے خاندان سے چھن جائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

وہ تمام لوگ جو بنی امیہ کے طرز حکومت ان کی مالی سیاست کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور ازراہ خلوص و ایمانداری ان کے طرز حکومت پر اعتراض کرتے تھے وہ سب کے سب مروان اور دیگر حاشیہ نشینوں کے اشارہ پر حضرت عثمان کے غیظ وغضب کے نشانہ بنے۔

منجملہ ان کے ایک عبداللہ بن مسعود بھی ہیں جو پیغمبرؐ کے اکابر اصحاب سے تھے۔ ابن مسعود پر بنی امیہ کے ظلم وستم سے مسلمان کتنا رنجیدہ ہوئے۔ ان کے ساتھ کی گئی بدسلوکیوں کی عوام الناس پر کتنا گہرا اثر ہوا۔ اس کی وضاحت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جلیل القدر صحابی کا مختصر تعارف بھی کرادیں۔

عبداللہ بن مسعود سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ روایت بتاتی ہے کہ چھٹا نمبر تھا انہیں دوہری، ہجرت کا شرف حاصل تھا۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف ہر وقت پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ یہ منجملہ ان لوگوں کے تھے جنہیں پیغمبرؐ خدا چاہتے اور ان کی سچائی دیانتداری نیکی وپاکیزگی کرداری کے سبب انتہائی عزت واحترام کرتے۔ صدر اول کے مسلمانوں نے انہیں بزرگ ترین علماء میں شمار کیا ہے۔ ان کی اسی جلالت علمی نے حضرت عمر کو مجبور کیا کہ اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں رشد وہدایت اور تعلیم وتبلیغ کے لئے کوفہ روانہ کریں۔ حالانکہ حضرت عمر کو مدینہ میں خود ابن مسعود کی بہت زیادہ احتیاج رہا کرتی۔ حضرت عمر نے انہیں کوفہ بھیجتے وقت کوفہ والوں کو خط لکھا تھا:

انی بعثت الیکم عبد اللہ بن مسعود معلماً و وزیرا و آثر فلم لر بہ علیٰ نفسی

میں عبداللہ بن مسعود کو تعلیم دینے کے لئے تمہاری طرف روانہ کررہا ہوں میں نے ابن مسعود کو کوفہ بھیج کر تم لوگوں کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے تم لوگ ان سے علم حاصل کرنا۔

چنانچہ بہت سے کوفہ والوں نے آپ سے تحصیل علم کی بہت سے تلامذہ ہر وقت آپ کے پاس حاضر رہتے۔ تحصیل علم کرتے اور اسلامی تعلیمات کا استفادہ کرتے۔ ان تلامذہ کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور وہ عظمت وجلالت کے مالک بھی ہوئے۔ عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ کے متعلق سعید بن جبیر مشہور تابعی کہا کرتے:

کان اصحاب عبد اللہ بن مسعود سُرجُ ھٰذہٖ القریۃ

عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ اس شہر (یعنی کوفہ) کے چراغ تھے۔

تمام مسلمانوں کو ابن مسعود کی غزارۃ علمی کا اقرار تھا یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانے میں کوفہ والوں کے یہی مرجع تقلید تھے۔فتویٰ واجتہاد انہیں کا کام تھا۔کوفہ والے ان کے ماسوا کسی دوسرے کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح ابن مسعود تفسیر میں بھی مرجعیت کے حامل تھے اور ان کا پلہ عبداللہ ابن عباس کے لگ بھگ تھا۔تفسیر میں ابن مسعود کے کئی نامور شاگرد گزرے ہیں جیسے قتادہ اور مسروق ابن اجدع وغیرہ۔

غرض کہ ابن مسعود اپنے زمانے میں بزرگ ترین شخصیت تھے۔تمام اسلامی شہروں میں انہیں عزت وتوقیر اور قبول عام حاصل تھا اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت وجلالت دوسرے تمام صحابہ سے زیادہ تھی۔

اس جلیل المرتبت صحابی کے ساتھ حضرت عثمان نے کیا سلوک کیا؟

وہ اکابر صحابہ جنہوں نے عثمان کے عہد خلافت میں بنی امیہ کی سیاست اور طرز عمل پر ناگواری ظاہر کی اور بغیر کسی ہچکچاہٹ یا خوف وہراس کے علانیہ برہم ہوئے انہیں میں سے ایک عبداللہ ابن مسعود بھی تھے یہ کوفہ میں ہر جمعہ کے دن کہا کرتے:

”سب سے زیادہ صحیح قول کتاب الٰہی ہے اور سب سے عمدہ ہدایت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین امور نت نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے“

ان کے اس جملہ میں کھلی ہوئی تعریض ہوتی حضرت عثمان پر اور آپ کے ان افعال پر جو آپ صرف ابنی امیہ اور صاحبان اثر واقتدار اور سرمایہ داروں کی بھلائی کے لئے کرتے تھے اور مسلمانوں کی بہبودی سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔

منجملہ دیگر فقرات کے جو ابن مسعود نے عثمان کے متعلق کہے ایک فقرہ یہ بھی تھا:

مایزن عثمان عند اللہ جناح ذباب

مکھی کے پر کے برابر بھی عثمان کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔

اسی طرح کے اور بہت سے ارشادات ہیں، ابن مسعود کے عثمان کے متعلق جن کے ذکر میں طول ہوگا۔ولید بن عقبہ حاکم کوفہ ابن مسعود کی ان باتوں پر جو وہ عثمان کے متعلق اکثر کہا کرتے تھے بہت غضبناک ہوتا۔یہ ولید بن عقبہ، عثمان کا مادری بھائی تھا اول نمبر شرابی بدکار، عثمان نے تمام باشندگان کوفہ کی ناراضی مول لے کر اس کو کوفہ کا حاکم بنادیا تھا۔

ولید بن عقبہ نے ان باتوں کی شکایت عثمان کو لکھ بھیجی اور لکھا کہ ابن مسعود آپ کو عیب لگاتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ عثمان نے ولید کو لکھا کہ تم ابن مسعود کو میرے پاس روانہ کردو۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ جب وہ کوفہ سے مدینہ جانے لگے تو بہت سے لوگ انہیں رخصت کرنے کے لئے چلے ہر ایک کی زبان پر یہ درخواست تھی کہ آپ واپس چلئے۔ یہیں قیام کیجئے ہم آپ کو کوئی گزند پہونچنے نہ دیں گے۔ مسعود جواب دیتے کہ ایک بات عنقریب ہو کر رہے گی۔

عبداللہ بن مسعود شب جمعہ میں مدینہ پہونچے۔ جب عثمان کو ان کے آنے کی خبر ملی تو لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا اور کہا:

انہ قد طرقکم اللیلۃ دویبۃ سوء من یمشی علی طعامہ ویقئی ویسلح

دیکھو ذلیل جانور تمہاری طرف آرہا ہے جو اپنے کھانے پر چلتا ہے قے کرتا ہے اور لید کرتا ہے۔

ابن مسعود نے کہا میں ایسا نہیں۔ البتہ میں پیغمبرؐ خدا کا صحابی ہوں۔ میں جنگ بدر میں بھی پیغمبرؐ کے ہمرکاب تھا اور بیعت الرضوان میں بھی شریک تھا۔

"عثمان تم صحابی پیغمبرؐ کے لئے ایسی بات کہہ رہے ہو"۔

دوسرے لوگوں کو بھی ناگواری محسوس ہوئی اور انہوں نے جواب دیئے۔ پھر حضرت عثمان نے اپنے پولیس والوں اور غلاموں کو حکم دیا۔ ان سبھوں نے مل کر ابن مسعود کو بہت نازیبا طریقہ سے مسجد سے نکال دیا۔ پولیس اور عثمان کے نوکر چاکر انہیں اٹھا کر مسجد کے دروازے تک لے گئے اور وہاں لے جا کر زور سے زمین پر پٹک دیا اور بری طرح زدوکوب کیا ان کی پڑی پسلی چور ہو گئی مردہ جیسی حالت میں وہ گھر لے جائے گئے۔

حضرت عثمان نے اس جلیل القدر صحابی کی اتنی ہی زدوکوب اور اہانت وتحقیر پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کی زندگی کے تمام مسائل مسدود کردیئے گئے۔ بیت المال سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ بھی بند کردیا جی کی بھڑاس پھر بھی نہیں نکلی تو لوگوں کو منع کردیا کہ کوئی ابن مسعود کے گھر ان کی عیادت کو نہ جائے یہاں تک کہ ابن مسعود کا انتقال ہو گیا اور عمار بن یاسر نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پوشیدہ طریقے پر انہیں دفن کیا حضرت عثمان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو بے حد غضبناک ہوئے دوسرے بزرگ جو عثمان کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے، جناب عمار یاسر ہیں، عمار بن یاسر منجملہ ان معزز ومحترم بندگان اسلام کے تھے جو فضائل و مکارم اخلاق اور صفات پسندیدہ میں دنیائے عرب میں محتاج تعارف نہیں۔ عمار کی قدر وقیمت سے تو پیغمبرؐ خدا ہی واقف تھے اور آپ ہی کو یہ علم تھا کہ کن عظیم صفات کے یہ حامل یہ بزرگ ہیں اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی مدح وثنا میں وہ گراں قدر لفظیں ارشاد فرمائی ہیں جن کے واقعاً جناب عمار مستحق تھے۔ منجملہ آپ کے ارشادات کے یہ حدیث ہے:

اذا اختلف الناس كان ابن سمية مع الحق

جب لوگوں میں اختلاف واقع ہو تو ابن سمیہ یعنی عمار حق کے ساتھ ہوں گے۔

شروع زمانہ اسلام میں لوگوں میں بے شمار اختلافات واقع ہوئے عمار ہر موقع پر علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ رہے انہیں کمالات وفضائل کی بنا پر مسلمان عمار سے دلی محبت رکھتے تھے اور بنی امیہ اوران کے حوالی موالی عمار کے دشمن تھے۔

عمار کو سب سے پہلی بات جو عثمان کی ناپسندیدہ ناگوار ہوئی وہ یہ کہ عثمان نے مال و دولت مالداروں کے ہاتھ کا کھلونا بنادیا تھا جیسا کہ خود عمار نے اس کی صراحت کی ہے وہ برابر عثمان کے پاس آتے جاتے اور انہیں نصیحت کرتے کہ آپ عوام الناس کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کیجئے خاندان پرستی اقربانوازی اور بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنے سے پرہیز کیجئے عثمان ان سے اسی طرح ناراض ہوئے جس طرح دیگر نکوکاروں سے ناراض ہوئے تھے۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ مدینہ کے بیت المال میں ایک ڈبہ تھا۔ جسمیں زیور اور جواہرات تھے۔ عثمان نے یہ چیزیں بیت المال سے نکال کر اپنی کسی بیوی کو پہننے کے لئے دیدیں۔ اس پر لوگوں نے سخت اعتراضات کئے اور جتنی سخت سست باتیں کہی جاسکتی تھیں کہیں جس کی وجہ سے عثمان غصہ سے بے قابو ہو گئے انہوں نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہم مال غنیمت سے جتنا جی چاہے گا لے کر رہیں گے چاہے لوگوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ اس پر حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے کہا اگر آپ ایسا کیجئے گا تو آپ کو روک دیا جائے گا اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان دیوار قائم کردی جائے گی۔ عمار بن یاسر نے کہا میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس کو بیت المال میں یہ تصرف ناگوار گزرا ہے۔ عثمان نے عمار سے کہا عمار! تمہاری یہ مجال کہ تم میرے خلاف جرأت کرو۔ پکڑو انہیں۔

دفعتاً مروان بن حکم بیچ میں سے اٹھ کھڑا ہوا اور عثمان سے خطاب کر کے کہا۔

''امیر المومنین اس غلام (عمار یاسر) نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا ہے۔

اگر آپ انہیں قتل کردیں تو دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہوگا۔

عثمان مروان کے مشورہ پر فوراً عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے عصا ہاتھ میں لے کر بڑی بے رحمی سے عمار کو مارا حضرت عثمان کے غلام اور بنی امیہ نے بھی انکی مدد کی انہیں زمین پر پٹک کر بری طرح زدوکوب کیا رہی سہی کمی پوری کرنے اور ذلت واہانت کی حد تک پہنچانے کے لئے حضرت عثمان نے ٹھوکریں لگائیں اتنے ہی پر اکتفا نہ کی گئی ان کے پہلو شکستہ کر دیئے گئے۔ پیڑو پر اتنی لاتیں ماری گئیں کہ فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا پھر انہیں بارش اور بجلی کی گرج اور چمک میں

سڑک پر ڈال دیا گیا عمار قریب مرنے کے ہو گئے۔

تیسرے بزرگ اور عظیم المرتبت صحابی جنہیں حضرت عثمان اور بنی امیہ نے سخت وہولناک اذیتیں پہونچائیں مصلح اعظم ابوذر غفاری تھے۔ وہ ابوذر جو عوام الناس کی خیر خواہی، عدل وانصاف اور خلق خدا کی بھلائی میں تاریخ عرب میں مشہور ہیں۔ آپ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے یاور وناصر۔ اور آپ کے پیروؤں کے سرگروہ تھے۔

ہم یہاں انتہائی اختصار سے اس بزرگ انسان کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہیں جو روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سب سے بڑھ کر عظیم المرتبت تھے۔ تاکہ عثمانی سیاست کے مخالفین کی حقیقت واضح ہوسکے، دوسرے اس لئے کہ اس زمانہ میں بنی امیہ کا جو حال تھا منظر عام پر آسکے۔

جناب ابوذر زمانہ جاہلیت میں فقیر ونادار انسان لیکن اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی خبریں ان کے کانوں میں پہونچیں تو وہ مکہ آئے اس عالم میں کہ ان کے جسم پر کہنہ وبوسیدہ عبا تھی۔ وہ مکہ آنے کے بعد گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے لگے یہاں تک کہ تھک گئے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے قریب عمامہ اتار کر سر تلے رکھا اور زمین پر لیٹ رہے۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ان کے پاس سے گزر ہوا آپ کو ان کی حالت دیکھ کر بڑا ترس آیا ان کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ مرد مفلس و قلاش ہیں مکہ کے کسی آدمی سے ان سے شناسائی نہیں، نہ وہ کسی کو جانتے ہیں نہ انہیں کوئی پہچانتا ہے۔ علیؑ وابوذر میں باہمی تعارف ہوا۔ علیؑ انہیں اپنے گھر میں لے گئے پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ابوذر خدمت پیغمبرؐ میں پہونچتے ہی مشرف باسلام ہوئے اور آپ کا پانچواں نمبر تھا اسلام لانے والوں میں۔

ابوذر دین میں ایسے مخلص اور جری تھے کہ قریش کے بھرے مجمع میں خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ پیغمبرؐ کے دشمنوں کا ہجوم تھا۔ مگر آپ ان سے ذرہ برابر ہراساں نہ ہوئے۔ آپ نے ان کے بتوں کا مذاق اڑایا اور دین اسلام کی طرف انہیں دعوت دی۔ قریش کے خلاف ایسی جرأت کے مظاہرہ کی کسی مسلمان کو ہمت نہ ہوسکی تھی۔ سارا مجمع ان پر ٹوٹ پڑا انہیں پکڑ کر خوب زدوکوب کیا زمین پر گرادیا اور اتنا مارا کہ وہ جاں بلب ہو گئے۔

یہ اپنی دور اندیشی، اصابت رائے، علم وعقل، اصلاح پسندی فقیروں ونا داروں کی محبت اور ان کی حمایت کے سبب پیغمبرؐ کے بہت چہیتے اور مقرب بارگاہ صحابی تھے۔

جتنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے نزدیک یہ قابل اعتماد اور بھروسہ کے لائق تھے اتنا ہی عوام الناس کے نزدیک بھی تمام صحابہ ان کی عزت وتوقیر اور بے حد احترام کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

انه رجل وعی مما عجز عنه الناس

ابوذر اتنے علوم کے حامل ہیں جن کے حصول سے تمام لوگ عاجز رہے۔

جب شدہ شدہ خلافت عثمان کے ہاتھوں میں آئی تو ابوذر کی دہشت کا ٹھکانا نہیں رہا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت علیؑ جیسے عالم و عادل و زاہد کے رہتے ہوئے عثمان کیسے خلیفہ بنا دیئے گئے لیکن ابوذر نے مخالفت میں لب نہیں کھولے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کو ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ میری خاطر کوئی ہنگامہ کھڑا ہو۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ ابوذر نے دیکھا کہ عوام الناس ناداری و مفلسی کا شکار ہیں۔ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور دولت مند بنی امیہ عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں انہیں احساس ہوا کہ عثمان عوام الناس کو ان کے حقوق سے محروم کر کے اپنے عزیزوں کے گھر بھر رہے ہیں۔ ابوذر نے بنی امیہ کے دولت ذخیرہ کرنے طرح طرح سے نفع کمانے اور جی کھول کر داد و عیش وعشرت دینے پر جبکہ عوام بھوک سے مر رہے تھے ناگواری ظاہر کی پھر وہ اس ناپسندیدہ سیاست پر علانیہ برہمی ظاہر کرنے لگے جسے بنی امیہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ ایسی سیاست جس کی وجہ سے دولت مندوں کی دولت اور بڑھتی جاتی اور ناداروں کی محتاجی ترقی کر رہی تھی۔ اور عرب کے باشندے دو مغائر و متضاد طبقوں میں بٹ کر رہ گئے تھے ایک دولتمندوں کا طبقہ دوسرے ناداروں کا طبقہ ابوذر لوگوں کے سامنے اکثر تقریر کرتے ہوئے کہتے:

لقد حدثت اعمال ما اعرفها والله ما هی فی کتاب الله ولا سنة نبیه والله انی لاری حقاً یطفأ و فاباًلا یحیا و صدقا مکذباً واثرة بغیر تقی یا معشر الاغنیا واسوا الفقراء و بشیر الذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله بمکاوٍ من نار تکوی بها جباههم و جنوبهم و ظهورهم

اتخذتم ستور الحریر و نضائد الدیباج والفتم الاضطجاع علی الصوف الاذربی فکان رسول الله نیامه علی الحصیر وواختلف علیکم یالولن لطفاً اوکان رسول الله لا یشیع من خبر ابشیر

ایسے ایسے کام ہو رہے ہیں جو ہم نے دیکھے نہ سنے خدا کی قسم یہ اعمال و افعال نہ تو خدا کی کتاب میں درج ہیں نہ سنت پیغمبرؐ سے ان کا جواز ثابت ہے خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ حق بجھایا جا رہا ہے باطل زندہ کیا جا رہا ہے۔ صدق و راستی کی تکذیب ہو رہی ہے اور بغیر تقویٰ و پرہیزگاری کے لوگوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ سونے چاندی کو خزانوں میں جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں یہ بشارت دیدو کہ آگ سے ان کی پیشانی ان کے

پہلو اور پشت کو داغا جائے گا۔

تم نے ریشمی پردے اور دیباج کے مسند اختیار کر رکھے ہیں اور اذربی ریشم میں لیٹنے کے عادی ہو گئے ہو، حالانکہ رسالت مآبؐ چٹائی پر سوتے تھے تمہارے یہاں طرح طرح کے کھانے تیار ہوتے ہیں جبکہ رسول اللہ پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں کھاتے تھے۔

ابوذر برسر اقتدار جماعت سے غریب عوام کے ساتھ عدل و انصاف برتنے کا مطالبہ کرنے لگے جنہیں ان کے حقوق سے محروم کردیا گیا تھا۔ وہ ناداروں کو ترغیب دلاتے کہ طاقت کے ذریعہ اپنا حق وصول کرو۔ لوگوں کو ابھارتے کہ عوام سے احتیاج کی وبا دور کرو اور ناداری کا خاتمہ کرڈالو جو ذلت کی بنیاد اور فضیلت کی دشمن ہے وہ یہ فقرے برابر کہا کرتے۔

عجبت لمن لا یجد القوت فی بیته کیف لا یخرج علی الناس شاهرا سیفه۔

اذا ذهب الفقر الی بلد قال له الکفر خذنی معك

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جس کے گھر میں پیٹ کی آگ بجھانے کو کچھ نہ ہو وہ کیونکر تلوار بے نیام کرکے لوگوں پر ٹوٹ نہیں پڑتا۔

جب فقر و احتیاج کسی شہر کا رخ کرتا ہے تو کفر کہتا ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے لو۔

وہ بنی امیہ کی خود رائی اور منفعت پرستی سے اتنا بیزار ہوئے کہ حجاز کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر شام چلے گئے۔ تاکہ مروان اور عثمان کی فضول خرچی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ میں حضرت ابوذر کا بہت تفصیل سے ذکر کرچکے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ابوذر خود شام نہیں گئے تھے حضرت عثمان نے انہیں مدینہ سے نکال باہر کرکے شام بھیج دیا تھا مگر وہاں پہونچ کر انہوں نے معاویہ کے ایسے ایسے حرکات دیکھے کہ اس کے مقابلہ میں عثمان اور مروان کی فضول خرچی گرد معلوم ہونے لگی انہوں نے دیکھا کہ معاویہ مسلمانوں کے بیت المال، عوام کی کمائی اور لوگوں کی جانوں کے خود مختار بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح سے چاہتے ہیں بیت المال کو لٹاتے ہیں مسلمانوں کی کمائی لوٹتے کھسوٹتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں قتل کرڈالتے ہیں۔ ابوذر کی برہمی اور ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی جب معاویہ نے قصر خضرا تعمیر کرایا۔ ابوذر نے کہلا بھیجا اگر تم نے یہ قصر خدا کے مال سے بنایا ہے تو تم نے خیانت کی ہے اور اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو حد سے زیادہ فضول خرچی اور اسراف کیا ہے۔

ایسے آزاد منش حریت کے دلدادہ انسان کو بنی امیہ نہ پسند ہی کرسکتے تھے نہ عوام کے درمیان ان کا رہنا ہی ان کو گوارہ ہوسکتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مروان ہر لمحہ عثمان کو ابوذر کے خلاف بھڑکاتا اور زور دیتا کہ ابوذر سے گلو خلاصی ضروری ہے۔

عثمان نے ابوذر کی تادیب وتنبیہ معاویہ کے ذمہ کردی معاویہ نے یہ کیا کہ ابوذر کو اپنے دربار سے نکلوادیا اور لوگوں کو عام ممانعت کردی کہ خبردار کوئی ابوذر کے پاس آئے جائے نہیں۔ عثمان کے شہ دینے پر معاویہ کو یہ ہمت ہوگئی کہ ابوذر ایسے جلیل القدر صحابی سے کہے:

یا عدو الله تولب الناس علینا و تصنع ما تصنع فلو کنت قاتلا رجلاً من اصحاب محمدؐ من غیر اذن امیر المومنین لقتلتك

اے دشمن خدا تم لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہو اور جو جی چاہتا ہے کرتے رہتے ہو۔ اگر خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر میں پیغمبر خداؐ کے کسی صحابی کو قتل کرتا تو سب سے پہلے تم ہی کو قتل کرتا۔

ابوذر نے جواب دیا:

میں نہ خدا کا دشمن نہ اس کے رسولؐ کا، بلکہ تم اور تمہارا باپ خدا کا دشمن تھا تم دونوں نے صرف زبان سے اسلام ظاہر کیا دل میں کفر چھپائے رہے۔

ابوذر معاویہ کی دھمکیوں کو ذرہ برابر خاطر میں نہ لائے۔ بلکہ ایسی مستعدی وسرگرمی سے شام میں معاشرہ کی اصلاحی کوششیں انجام دیتے رہے۔ جس نے معاویہ کا خواب وخور حرام کردیا شام کے دولت منداور ذی وجاہت افراد بھی ابوذر کی تحریکات اور اصلاحی کوششوں سے اسی طرح گھبرائے جس طرح مدینہ کے دولت منداور ذی وجاہت افراد گھبرائے سبھوں کو خوف لاحق ہوا کہ ہماری لوٹ کھسوٹ دونوں ہاتھ سے دولت سمیٹنے اور گھر بھرنے کا سلسلہ باقی رہنا ناممکن ہے۔ انہیں سخت خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں نادار اور مظلوم عوام ہم پر ٹوٹ نہ پڑیں ان کے نزدیک نجات کی واحد صورت یہی تھی کہ ابوذر کو جلد سے جلد شام سے نکال باہر کیا جائے اور ان کی زبان بند کردی جائے تاکہ وہ ہماری برائیاں بیان کرنے سے باز رہیں ایک شخص جندب ابن فہری معاویہ کے اس آیا ناصح مشفق کی زبان سے اور غلو بانہ ذہنیت سے کہنے لگا۔

''ابوذر شام کو تم لوگوں کے لئے خراب وفاسد کر کے رہیں گے اگر تم کو شام کی حاجت ہو تو جلدی خبر لو''

معاویہ کے دل میں خیال آیا کہ ابوذر کو قتل کر ڈالیں لیکن ڈرے کہ اگر قتل کرتا ہوں تو عوام بغاوت کر بیٹھیں گے تو ابوسفیان کے فرزند جن کی تلوار نیام میں نہ گئی تھی اور دل اسی طرح کینہ سے بھرا ہوا تھا جیسا کہ حسن بصری کہا کرتے ابوذر ایسے جلیل القدر صحابی کے قتل سے اس لئے باز نہ رہے کہ انہیں حضرت عثمان کی ناراضی کا خوف تھا بلکہ وہ عوام کی ناراضی سے ڈر کر اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو ابوذر کی شکایت لکھ بھیجی اور مشورہ چاہا کہ ابوذر کے بارے میں کیا کریں عثمان نے لکھ بھیجا:

احمل اباذر علی اغلظ مرکب واوعرہ ثم ابعث بہ مع من یخنش بہ فحشا علیفا حتی یقدم بہ علی
ابوذر کو سخت دشوار سواری پر سوار کرکے میرے پاس بھیج دو ایسے شخص کے ساتھ جوان پر انتہائی تشدد کرتا ہوا میرے پاس لائے۔

معاویہ نے عثمان کا حکم پا کر ایسا ہی کیا۔ ایسے پالان میں بٹھایا جس پر بیٹھنے کے لئے کوئی فرش بھی نہ تھا مدینہ پہونچتے پہونچتے ابوذر کی یہ کیفیت ہوگئی کہ رانوں کا گوشت کٹ کٹ کر جدا ہو چکا تھا اور اذیت ناک طویل سفر سے ان کی پیٹھ شکستہ ہوگئی تھی دمشق سے لے کر مدینہ تک ایسے قصائی اور جلاد سپاہی ساتھ ساتھ رہے جو نہ ان کی تھکن کی پروا کرتے نہ گرمی کی شدت کا۔ ابوذر انتہائی ضعیف ولاغر اور خستہ حال ہو کر عثمان کے پاس پہونچے عثمان نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

تم نے ایسا ایسا کیا؟ ابوذر نے جواب دیا، میں نے تو آپ کی خیر خواہی کی آپ نے مجھے دھوکا دینا چاہا۔ اسی طرح میں نے آپ کے صاحب (یعنی معاویہ) کی خیر خواہی کی۔ مگر اس نے بھی میرے ساتھ فریب کیا۔

عثمان نے کہا تم جھوٹے ہو۔ تم صرف فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتے ہو۔ پورے ملک شام کو تم نے ہم سے برگشتہ کر دیا۔

ابوذر نے انتہائی سکون ووقار اور خود اعتمادی سے کہا۔ آپ ابوبکر وعمر کے نقش قدم پر چلئے آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔

عثمان نے کہا تم کو اس سے کیا مطلب تمہاری ماں مر جائے۔

ابوذر نے کہا میرے لئے تو سوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

پھر ابوذر وعثمان میں بہت بات بڑھی ابوذر کا کہنا تھا کہ عثمان اپنی ہوا وہوس کے تابع اپنے پروردگار کے نافرمان بندگان خدا کے ساتھ نامہربان ہیں۔

عثمان غصہ سے بے تاب ہو گئے حاضرین مجلس سے چیخ کر کہا۔

تم لوگ اس کذاب بوڑھے کے متعلق مجھے مشورہ دو۔ میں زدوکوب کروں، قتل کر ڈالوں یا مملکت اسلامیہ کے حدود سے نکال باہر کروں۔ اس نے مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہے"۔

حضرت علیؑ بھی اس وقت وہاں تشریف فرما تھے آپ کو بے حد صدمہ ہوا ایسے سن رسیدہ مصلح عظیم اور جلیل الشان صحابہ کے ساتھ عثمان کے اس برتاؤ پر آپ تھرا اٹھے۔ آپ نے عثمان کی طرف نظر کی اور فرمایا میں نے رسول خداؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے:

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی الهجة اصدق من ابی ذر۔

زمین وآسمان کے درمیان ابوذر سے زیادہ صادق اور راست باز کوئی انسان نہیں۔

عثمان ہر وقت ابوذر کے درپے ایذا رہنے لگے۔انہوں نے لوگوں کو عام ممانعت کر دی کہ نہ ابوذر کے پاس بیٹھیں نہ ان سے بات چیت کریں پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ ابوذر کو راضی کرنا چاہیئے۔انہوں نے ابوذر کے پاس دوسو اشرفیاں بھیجیں کہ اس سے اپنے فقر و فاقہ کو دور کریں۔ابوذر نے لانے والے سے پوچھا کیا عثمان نے دوسرے مسلمانوں کو بھی اتنا ہی دیا ہے جتنا مجھے بھیجا ہے قاصد نے کہا نہیں ابوذر نے کہا میں مسلمانوں کی ایک فرد ہوں جتنا انہیں ملنا چاہیئے اتنا ہی مجھے بھی یہ کہہ کر انہوں نے وہ اشرفیاں عثمان کے پاس واپس بھیج دیں اس وقت کیفیت یہ تھی کہ ابوذر کے گھر میں کئی دن کی باسی جو کی روٹی تھی ۔عثمان نے ابوذر کو جلادوں کے حوالہ کیا پھر ان کے جی میں آیا کہ انہیں ربذہ جلاوطن کر دیں۔ربذہ ایک بے آب وگیاہ زمین تھی جہاں نہ انسان زندہ رہ سکتا تھا نہ حیوان نہ کوئی سبزہ۔

جب ان کی روانگی کا وقت قریب آیا تو عثمان نے ابوذر کی اہانت وتحقیر اور قلبی اذیت پہونچانے کے خیال سے منادی کرادی کہ کوئی شخص ابوذر کو رخصت کرنے نہ جائے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو ہمت نہ پڑی کہ ابوذر کو رخصت کرنے کے لئے باہر نکلے صرف پانچ شخصوں نے ہمت کی علیؑ ابن ابی طالبؑ انکے بھائی عقیل، حسنؑ وحسینؑ اور عمار بن یاسر، مروان بن حکم جو تمام برائیوں کی جڑ اور ہر خرابی کی بنیاد تھا۔ابوذر کے ربذہ جلاوطن ہو کر جانے کی دیکھ بھال اسی کے ذمہ تھی اور اسی نے عثمان کا یہ فرمان نافذ کیا تھا کہ نہ کوئی شخص ان سے ان کی زوجہ سے اور ان کی اولاد سے کلام کرے۔نہ رخصت کرے۔مروان کی ہمت اتنی بڑھی کہ اس نے حضرت علیؑ اور آپ کے ہمراہیوں کو بھی ابوذر کو رخصت کرنے سے روکنا چاہا۔آپ نے اسے جھڑک کر بھگا دیا کہ کوڑا مار بیٹھے اور چیخ کر کہا۔دور ہو جاؤ۔خدا تجھے جہنم میں لے جائے۔پھر آپ نے ابوذر کو رخصت کرتے ہوئے کہا:

''اے ابوذر تم ان لوگوں سے خدا کے لئے ناراض ہوئے تھے بس اسی معاوضہ کی امید رکھو۔یہ لوگ تم سے ڈرتے تھے کہ کہیں تمہاری باتوں کی وجہ سے دنیا ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور تم اپنا دین بچانے کی خاطر ان سے خائف تھے۔پس اس چیز کو جس کی وجہ سے یہ تم سے خائف تھے (یعنی دنیا) انہیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دو اور، اس چیز کو لے کر بھاگ جاؤ جس چیز کے متعلق تم ان لوگوں سے خائف تھے۔یعنی اپنے دین کو لے کر ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔تم نے اپنے جس دین پر ان لوگوں کو قابو نہ پانے دیا۔اس دین کے یہ کتنے محتاج ہیں اور تم کو ان لوگوں نے جس دنیا سے محروم کر دیا۔اس سے تم کتنے بے نیاز ہو عنقریب کل کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا کہ فائدے میں کون رہا اور حسد کا مظاہرہ کس طرف سے زیادہ ہوا۔اگر آسمان و زمین دونوں کسی بندے کے لئے مسدود ہوں اور بندہ خدا سے ڈرنے والا ہو تو خداوند عالم کوئی نہ کوئی راستہ اس کے لئے ضرور پیدا کر دے گا تم ہمیشہ حق سے مانوس اور باطل سے سراسیمہ رہو گے اگر تم بھی ان لوگوں کی دنیا کو قبول کر لیتے تو یہ لوگ تمہیں بھی

محبوب رکھتے اور اگر تم اس دنیا سے قرض لیتے تو یہ لوگ تمہیں امان دیتے (نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۴۴۷)

پھر آپ نے جناب عقیل و عمار سے کہا آپ دونوں اپنے بھائی کو رخصت کریں اور اپنے بیٹوں حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا اپنے چچا کو تم رخصت کرو۔

اس واقعہ کی اطلاع حضرت عثمان کو ہوئی تو وہ حضرت علیؑ پر بے حد غضب ناک ہوئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

یہاں انسان اپنے آپ سے پوچھتا ہے اور اسے پوچھنا بھی چاہئے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کیسے ابوذر پر یہ مظالم ہوتے دیکھا کئے اور آپ نے ان کو خلیفہ وقت کے ظلم وستم سے بچانے کی کیوں نہیں کوشش کی۔ ابوذر بزرگ ترین اصحاب پیغمبرؐ اور اکابر شیعیان علیؑ سے تھے وہ اپنے لئے نہیں بلکہ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خلیفہ وقت کی مخالفت کر رہے تھے۔ علیؑ خاموش کیوں بیٹھے رہے وہ چاہتے تو ابوذر کو جلاوطن کرنے سے عثمان کو روک دیتے اور تمام وسائل کو کام میں لا کر عوام کو بنی امیہ کے خلاف صف بستہ کر دیتے اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ مسلمان یقیناً خوشی خاطر علیؑ کا ساتھ دیتے اور بے چون و چرا ان کی باتوں کو قبول کرتے۔ علیؑ کی اس خاموشی کی کیا وجہ تھی؟

جیسا کہ یہ سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے خود میرے دل میں بھی پیدا ہوا میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ علیؑ کے سکوت و خاموشی کا سبب ایک جہت سے تو بہت واضح و روشن ہے۔ اور ایک جہت سے بہت مشکل و پیچیدہ، ہر شخص کی سمجھ میں آنے والا نہیں۔

مشکل و پیچیدہ اس حیثیت سے ہے کہ علیؑ کا زمانہ آج کل کا زمانہ نہیں آج سے تیرہ سو برس پہلے کا زمانہ تھا۔ ایسے حالات و اسباب و علل اس زمانہ میں موجود تھے کہ تم بیسویں صدی میں ان تمام علل و اسباب کا پتہ نہیں چلا سکتے اور نہ ٹھیک ٹھیک ان اسباب و علل کے تمام پہلوؤں کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس زمانہ کے حالات و کیفیات ایسے تھے کہ جب تک کوئی شخص تہہ تک نہ پہونچے ممکن ہی نہیں کہ ٹھیک سے سمجھ سکے اور ہر سبب و نتیجہ کو عمدگی سے سوچ سکے۔ بڑے بڑے محققین اور نکتہ رس دماغ اس زمانہ سے لیکر آج تک لاکھ سر مارا کئے۔ بے انتہا انہوں نے تحقیق و جستجو کی مگر اس زمانہ کے حالات و کیفیات کا پتہ نہ چلا سکے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ اپنے زمانہ کی بہت سی ایسی باریکیوں کو سمجھتے تھے جو دوسرے نہیں سمجھتے تھے اور بہت سے مطالب ان پر واضح و روشن تھے جن تک دوسروں کی نگاہیں نہیں پہونچ سکیں ان کا طرز عمل اپنے زمانے کے تقاضوں کی بنا پر ایسا تھا کہ بس علیؑ اپنے طرز عمل کے مصالح و اسباب اور نتائج کو جانتے تھے۔

لیکن اس کے سکوت و خاموشی کا وہ پہلو جو واضح و روشن ہے وہ یہ ہے کہ علیؑ کی فطرت و سرشت میں قربانی و فداکاری داخل

تھی۔عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں بھی انہیں تامل نہ تھا۔ہم جتنا ان کی سیرت کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی زندگی کو ہر پہلو سے جانچتے ہیں یہ حقیقت ہم پر زیادہ سے زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔

علیؑ کو دین اسلام کی حفاظت کی ایسی فکر اور اس کی بقا سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ اس کے مقابلہ میں وہ بڑی سے بڑی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔شریعت کی حفاظت کے مقابلہ میں انہیں کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔انہیں ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ اسلام کی ترقی واشاعت اور اس کی بقا میں ذرا بھی سستی واقع ہو زمانہ جاہلیت میں بنی امیہ کی کیا سیرت رہی۔اور اسلام میں کیا رہی وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ اگر ہم مسلمانوں کو بنی امیہ کے خلاف صف بستہ کرتے ہیں تو مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی اور دین اسلام میں بہت بڑا خلل پیدا ہو جائے گا۔؟

علیؑ جانتے تھے کہ بنی امیہ تمام مسلمانوں کو جو سچے دل سے اسلام لائے ہیں اور جن کی ذات سے اسلام وابستہ ہے قتل کر دینے کے درپے ہیں۔تاکہ قیود و شریعت سے انہیں پوری طرح آزادی مل جائے جو چاہیں کریں کوئی شخص ان پر اعتراض کرنے والا نہ ہو۔

کیا مروان بن حکم نے عثمان کو بار بار اکسایا نہیں کہ علیؑ اور دیگر جلیل القدر صحابہ جیسے ابوذر و عمار وغیرہ کو قتل کر ڈالیں اس اکسانے کی وجہ یہی تھی کہ ان لوگوں کے رہتے ہوئے مروان اور اس کے حوالی موالی من مانی کارروائیاں کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے دلی منشاء کے مطابق تباہی وفساد پھیلا سکتے تھے۔

اگر مروان کی تمنا پوری ہو جاتی اور سچے مسلمان شہید ہو جاتے تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت عرب میں فتنہ وفساد اور ظلم و جور کس حد تک جا پہنچتے۔کیا علیؑ کی انتہائی دوراندیشی نہ تھی کہ وہ ابوذر کے معاملہ میں اسی حد تک ناگواری ظاہر کرنے پر اکتفا کریں جس حد تک انہوں نے ان مظالم و زیادتیوں پر ناگواری ظاہر کرنے پر قناعت کی جو خود ان کی ذات پر ہوتے تھے تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ پراگندہ نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کے دشمن نہ ہو جائیں۔

اس سے پہلے سقیفہ کے موقع پر بھی تو ایسا ہی ہو چکا تھا عمر ابن خطاب علیؑ کے اس گھر پر جو لوگوں کی امیدوں کا کعبہ تھا اپنے ساتھیوں کو لے کر آتے ہیں انہیں تلوار کے زور پر کشاں کشاں ابوبکر کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ وہ ابوبکر کی بیعت کریں۔مسلمان علیؑ کے اردگرد موجود تھے۔بعض حیرت و تعجب میں غرق بعض غصے میں آپے سے باہر اور سب کے سب منتظر تھے کہ علی علیہ السلام بس صرف اشارہ کر دیں۔کیا یہ ممکن نہ تھا کہ علیؑ اس کا موقع ہی نہیں آنے دیتے کہ نوبت اس حد تک آ پہنچے وہ لوگوں کو برانگیختہ کر کے ایک ہنگامہ عظیم کھڑا نہیں کر دے سکتے تھے۔جبکہ علیؑ دین اسلام کا ستون، عدل کا قلعہ اور قبلۂ خاص و عام

تھے لیکن علیؑ نے اپنے لئے کیا کیا؟

لوگوں نے جب دیکھا کہ عمر تلوار کے زور پر علیؑ کو گرفتار کئے دار الخلافت کی طرف لئے جارہے ہیں تو سخت متعجب ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے علیؑ کے چہرے پر نظر کی تو انہوں نے ان کے چہرے پر ذرہ برابر برہمی کے آثار نہیں پائے۔ علیؑ نے نہ آواز بلند کی نہ لوگوں کو برانگیختہ کیا نہ کسی کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی حیرت اور زیادہ بڑھی پھر اس وقت تو لوگوں کے تعجب کا ٹھکانا نہ رہا جب انہوں نے دیکھا کہ علیؑ ان لوگوں کے مقابل کھڑے انتہائی سکون و اطمینان سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ ان کی معقول باتوں کے مقابلہ میں لب کھولے اور ان کی مدلل باتوں کا جواب دے۔ علیؑ اپنے حق کا اظہار کر رہے تھے دلیل و برہان سے اپنے حق کو ثابت کر رہے تھے۔ لیکن عامۃ الناس کی بھلائی کی خاطر اپنے حق کے چھننے پر صبر و سکون سے کام لے رہے تھے۔ علیؑ اپنی باتوں میں، احتجاج و استدلال اور اپنا حق ثابت کرنے میں بھی حق پر تھے اور صبر و سکوت اور تحمل دور گزر سے کام لینے میں بھی حق پر تھے وہ اپنے کو اچھی طرح جانتے تھے علیؑ کے اصحاب کو بڑی حیرت تھی کہ علیؑ اس حال اور اس نوبت پر کیسے راضی رہے۔ لیکن ایک بات ایسی تھی جسے وہ لوگ نہ سمجھ سکے تھے اور علیؑ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔

وہی بات ایسی تھی جس پر علیؑ کی ساری فکر و توجہ مرکوز رہی اور وہی بات ان کے اطمینان قلب اور خندہ جبینی کا باعث تھی۔ وہ بات یہ تھی کہ علیؑ اسلام کی بنیاد رکھنے میں پیغمبرؐ کے شریک رہ چکے تھے۔ تبلیغ و اشاعت اسلام میں ان کا برابر کا حصہ تھا وہ اس چمن کی تاراجی کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ جسے انہوں نے پیغمبرؐ کے دوش بدوش ریاضت کر کے پروان چڑھایا تھا۔ علیؑ نے اس روز جو سکوت کیا وہ محض اسی لئے کہ تا کہ دین اسلام پر آنچ نہ آئے۔ انھوں نے اپنے حقوق کی قربانی گوارا کی مگر اسلام کو ایک ہولناک خطرے سے نجات دیدی وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں مخالفت کرتا ہوں تو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور لوگ ایک دوسرے سے الجھ پڑیں گے۔ علیؑ نے ابوذر کے بارے میں بھی وہی کیا جو خود اپنے بارے میں کیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

جلاوطنی کے بعد ابوذر پر کیا گزری؟

"وہ کبیر السن جلیل القدر صحابی بھوکوں مر گئے خود بھی اور ان کے اہل و عیال بھی اسی جانگداز و روح فرسا صورت سے۔ جس پر جمادات بھی گریہ کریں اور پتھر کا بھی دل پانی پانی ہو جائے۔"

روایتیں بتاتی ہیں کہ جناب ابوذر کی رفیقہ حیات بچوں کے مرنے کے بعد کئی روز تک شدت گرسنگی سے جاں بلب رہے۔ پھر انھوں نے بیوی سے کہا اٹھو ذرا اس ٹیلہ تک چلیں شاید کچھ جنگلی پھل مل جائیں یہ دونوں ٹیلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تیز

وتند ہوائیں چل رہی تھیں دونوں کو کچھ نہ ملا ابوذر پر بے ہوشی سی طاری ہونے لگی باوجودیکہ سخت ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں مگر ان کے ماتھے پر پسینہ آگیا جسے وہ بار بار پونچھتے تھے بیوی نے ان کی طرف نظر کی تو تو دیکھا کہ ان کی آنکھیں الٹ چکی ہیں وہ رونے لگیں، ابوذر نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ بیوی نے کہا کیوں نہ روؤں تم بے آب وگیاہ زمین پر دم توڑ رہے ہو۔ میرے پاس کوئی ایسا کپڑا بھی نہیں جو میرے یا تمہارے کفن کا کام دے سکے۔ جناب ابوذر بیوی کی حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا راستہ پر جا کر کھڑی ہو جاؤ شاید مومنین میں سے کوئی ادھر سے گذرتا ہوا مل جائے بیوی نے کہا یہاں کون اب نظر آئے گا حاجیوں کا قافلہ گزر چکا اب راستہ ویران ہے۔ ابوذر کو پیغمبرؐ کا ارشاد یاد آگیا۔ جو آپؐ نے ابوذر سے فرمایا تھا۔ آپ نے بیوی سے کہا نہیں تم جاؤ اور راستہ پر اچھی طرح نظر کرو۔ اگر کوئی تمہیں دکھلائی دے گا تو تمہیں فکر و تردد سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر کوئی نظر نہ آئے تو میرا چہرا چادر سے ڈھک دینا اور میری میت لیجا کر راستہ پر رکھ دینا اور جو سواری بھی تمہاری طرف سے پہلے گزرے اس سے کہنا! یہ ابوذر صحابی رسولؐ ہیں ان کا انتقال ہو چکا۔ یہ اپنے پروردگار سے جا ملے ان کے غسل وکفن میں میری مدد کرو۔

جناب ابی ذر کی بیوی بار بار ٹیلہ پر دوڑ کر جاتیں پھر واپس آ کر ان .... میں مشغول ہو جاتیں۔ اسی طرح وہ ایک مرتبہ افق پر نظریں جمائے تھیں کہ دفعتاً کچھ .... نظر پڑے۔ ابوذر کی بیوی نے کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا وہ سوار ان کی .... پوچھا کنیز خدا کیا بات ہے؟ ابوذر کی بیوی نے کہا ایک مسلمان کی میت ہے اس کی تکفین وتدفین کرو خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ ان لوگوں نے پوچھا وہ مرنے والا کون ہے۔ انہوں نے ابوذر غفاری ان لوگوں کو یقین نہ آیا کہ پیغمبرؐ کا ایسا جلیل القدر صحابی اس صحرا میں کیسے مر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے پوچھا کون ابوذر رسول اللہؐ کے صحابی تو نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ان لوگوں نے کہا ہمارے ماں باپ ان پر قربان خداوند عالم نے ہمیں خصوصی عزت بخشی ہے انہوں نے اپنی سواریاں دوڑائیں اور جلد جلد ابوذر کے پاس جا پہونچے۔ ابوذر جن کے احتضار کی گھڑیاں تھیں دیر تک ان لوگوں کے چہروں کو پہچاننے کی کوشش کرتے رہے پھر کہا:

"خدا کی قسم میں نے جھوٹ نہیں کہا: خدا کی قسم اگر میرے پاس اتنا کپڑا ہوتا جو میرے اور میری زوجہ کے کفن کے لئے کافی ہوتا تو یقیناً میں اسی کپڑے میں کفن دیا جاتا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہو کہ تم میں سے جو شخص بھی کسی وقت حاکم رہ چکا ہو یا کارندہ رہا ہو یا قاصد یا سردار وہ مجھے کفن نہ دے"۔

لوگ حیران و پریشان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کیونکہ ان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی وقت ان عہدوں میں سے کسی عہدہ پر سرفراز نہ رہا ہو مگر قبیلہ انصار کا ایک جوان اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

"اے چچا میں آپ کو اپنی اس چادر کا کفن دوں گا جسے میں نے محنت مزدوری کر کے خریدا تھا۔ اور اس کپڑے کا کفن دوں گا جس کا سوت میری ماں نے کات کر میرے احرام باندھنے کے لئے بنایا تھا"۔

ابوذر نے کہا تم ہی مجھے کفن دینا کہ تمہارے کپڑے حلال و پاک ہیں۔

ابوذر اس بات سے خوش ہو گئے۔ ان کا دل مطمئن ہو گیا انہوں نے لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی اور بڑے سکون و اطمینان سے آخری سانسیں لیں اور اپنی جان جہان آفرین کو سپرد کر دی۔

اس وقت کالی گھنگھور گھٹاؤں نے آسمان کو ڈھک لیا۔ تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں۔ اور ریگ بیابان نے اڑ کر فضا کو تیرہ و تاریک بنا دیا۔ یوں سمجھئے کہ ربذہ کا ریگزار ایک متلاطم دریا سے بدل گیا۔

اس جوان انصاری نے ابوذر کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ دعائیہ کلمات کہے۔ (مورخین نے ان کلمات کی نسبت مالک اشتر کی طرف دی ہے)۔

خداوندا! یہ ابوذر تیرے رسولؐ کے اصحاب میں سے ہیں، عابدوں کے درمیان انہوں نے تیری عبادت کی۔ بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا کسی سنت میں تبدیلی نہ کی کسی حکم میں الٹ پھیر کے مرتکب نہ ہوئے انہوں نے برے افعال اور ناپسندیدہ اعمال ہوتے دیکھے۔ اور دل و زبان سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ جس کے نتیجہ میں لوگوں نے ان پر مظالم کئے۔ ان کی ذلت و اہانت کی، انہیں ان کے گھر سے نکال باہر کیا ان کے حقوق سے محروم کیا۔ انہیں ذلیل و خوار کیا پھر وہ عالم غربت و بے چارگی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خدا اس کے پیروں کو شکستہ کرے جس نے انہیں محروم اور حرم رسولؐ سے جلا وطن کیا جوان کا دار الہجرت تھا۔

تمام مجمع نے ہاتھ اٹھا کر انتہائی خضوع و خشوع سے آمین کہی۔

سلام ہو ابوذر پر جو حق کے لئے اٹھے حق کے لئے کوشش کی یہاں تک کہ انہوں نے دنیا سے زاد آخرت اختیار کی۔ وہ انسان کی عظمت اور اس کے حقوق کی بڑائی پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ مرد بزرگ و کریم تھے جو کبھی نہ گھبرائے، نہ زندگانی پر فریفتہ ہوئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ابوذر ان کی زوجہ اور ان کے بچوں کے دردناک واقعات نے ان لوگوں کے دلوں کو ہلا دیا سب کی ہمدردیاں اس مظلوم ستم رسیدہ گھرانے کی طرف ہو گئیں جہاں اور بہت سی باتوں نے لوگوں کے دلوں میں عثمان کے خلاف آگ لگائی یہ واقعہ بھی آگ لگانے کا باعث ہوا۔ حضرت عثمان اور بنی امیہ پر لوگ پہلے سے زیادہ غضب ناک رہنے لگے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی ملا لیجئے کہ عوام الناس کو یہ بات انتہائی بدحواس کرنے والی تھی کہ خاندان پرستی اور اقربا نوازی کی سیاست پر جو بھی اعتراض

کرے اس کے ساتھ بہیمانہ اور درندوں جیسا سلوک کیا جائے جیسا کہ ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور عمار یاسر کے ساتھ کیا گیا ان کی انتہائی ذلت واہانت کی گئی ان کو ان کے وظائف وحقوق سے محروم قرار دیا گیا۔اور اس کے برعکس بنی امیہ کو آسمان کے نیچے کی تمام دولت ومنفعت تمام عہدہ ومناصب پر مسلط کر دیا گیا۔عثمان نے ان کی انتہائی عزت وتوقیر کی انعام واکرام سے نوازا۔ حالانکہ عثمان کے لئے لازم یہ تھا کہ بنی امیہ کو اپنے پاس سے نکال باہر کرتے۔

دوسرا ناپسندیدہ عمل عثمان کا جو عوام الناس کے صدمہ وملال اور غم وغصہ کا باعث ہوا وہ یہ تھا کہ انہوں نے ان لوگوں پر عتاب وعقاب کیا جو ولید بن عقبہ کی شکایت لے کر ان کے پاس آئے تھے۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ عثمان نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کے بدلہ ولید کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا جو عثمان کا مادری بھائی تھا لوگوں کو یہ حرکت انتہائی شاق گزری۔روایتیں یہاں تک بتاتی ہیں کہ ولید جب کوفہ آیا اور عمر بن زرارہ نخعی کی نشستگاہ کی طرف سے گذرا تو عمر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "اے گروہ بنی اسد، عثمان نے ہمارے ساتھ انتہائی نامناسب برتاؤ کیا ہے کیا ان کا انصاف یہی ہے کہ وہ سعد بن ابی وقاص کو ہمارے پاس سے ہٹالیں جو نرم مزاج اور نرم دل آسان طبیعت ہیں اور ان کے بدلے اپنے بھائی ولید کو حاکم مقرر کر کے بھیجیں جو احمق، دیوانہ اور پرانا بدکار ہے۔ولید کے گورنر بنائے جانے کے بعد کوفہ والوں کا عام مقولہ تھا:

اراد عثمان کرامة اخیه بهوان امة محمد

عثمان نے اُمت محمد مصطفیٰ کو ذلیل کر کے اپنے بھائی کو عزت دینا چاہا ہے۔

حضرت عثمان سے بارہا ولید کی شکایت کی گئی مگر انہوں نے نہ اسے معزول کیا نہ فریادیوں کی فریاد پر توجہ کی حالانکہ ان فریادیوں میں زیادہ تر نیکوکار صحابہ تھے۔ان کا طرز عمل ولید کے بارے میں بھی ویسا ہی تھا جیسا اپنے دوسرے اعزہ اور رشتہ داروں کے بارے میں تھا۔جس طرح دوسرے رشتہ داروں کے متعلق نہ کسی کی شکایت سنتے نہ کسی کی رائے قبول کرتے اسی طرح ولید کے متعلق بھی انہوں نے فریادیوں کی کسی بات پر دھیان نہ دیا۔

علامہ بن عبدربہ عقد فرید میں سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان جب خلیفہ ہوئے تو ان کے خلیفہ ہونے کو پیغمبر خداؐ کے اصحاب نے بہت ناگوار جانا اس لئے کہ عثمان زیادہ تر حاکم بنی امیہ سے مقرر کرتے اور ان کے وہ مقررہ حکام زیادہ تر ایسی حرکتوں کے مرتکب ہوتے جو اصحاب رسول کو ناگوار گذرتیں معاملہ میں حضرت عثمان سے شکایت کی جاتی مگر وہ ان حکام کو معزول نہیں کرتے۔ولید کے متعلق حطیہ شاعر کہتا ہے:

شهد الحطیئة یوم یلقی ربه ان الولید احق بالعذر

بروز قیامت حطیہ گواہی دے گا کہ ولید بیچارے کا کوئی قصور نہیں۔

نادی و قد نفدت صلاتہ أ ازیدکم، ثملا، لا یدری

نماز ختم ہونے پر اس غریب نے پکار کر پوچھا تھا کہ کہو تو اور زیادہ کر دوں۔

لیزیدھم خیرا ولو قبلوا منہ لزادھم علی عشر

اس نے تو اور خیر کی زیادتی کرنی چاہی تھی اگر لوگ اس کی بات مان لئے ہوتے تو یہ صبح کی نماز دس رکعت سے زیادہ پڑھا دیئے ہوتا۔

فابوا اباوھب ولو فعلوا لقرنت بین الشفع والوتر

لیکن اے ابووہب لوگوں نے انکار کیا اگر وہ تری بات مانے ہوتے تو تو شفع و وتر کو ملا دیتا۔

حبسوا عنانک اذ جریت ولو خلوا عنانک لم تزل تجری

تم چلے مگر لوگوں نے تمہاری لگام پکڑ لی۔ اگر تمہاری لگام چھوڑ دیئے ہوتے تو تم چلے جاتے۔

کوفہ کے بہت سے لوگ حضرت عثمان کے پاس آئے اور ولید کے شرمناک افعال کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے بجائے اس کے کہ ان لوگوں کی شکایتوں پر توجہ کرتے انہیں ڈرایا دھمکایا۔ اور جن لوگوں نے ولید کی بدکاریوں کی گواہی دی تھی انہیں کوڑے سے مارا۔ حالانکہ ان لوگوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے یہ مقدمہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا اور ولید کی ناپسندیدہ حرکات کی شکایت کی تھی۔

بنی امیہ کا سب سے زیادہ سخت و شدید سلوک و برتاؤ جو انہوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ کیا یا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں وہ اپنے مخالفین ہی کے درجہ میں رکھتے (کیونکہ ان لوگوں کی خواہش محض یہ تھی کہ خلافت میں تمام عوام کا حق ہو نہ کہ یہ خاص بنی امیہ کی ملک بن کر رہ جائے) وہ سلوک برتاؤ ہے جو انہوں نے محمد بن ابی بکر اور مصریوں کے ساتھ کیا جو مصر جا رہے تھے۔ ہم آئندہ فصل میں اس واقعہ پر تفصیلی بحث کریں گے۔ کیونکہ حضرت عثمان کے واقعہ قتل سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ پھر یہ کہ بعض مولفین و مصنفین اس معاملہ میں اپنی ذاتی رائے پیش کرتے ہیں۔ ہم عنقریب پورے واقعہ کو ذکر کر کے اپنی رائے پیش کریں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

قتل عثمان کی حقیقت

تمام ممالک میں آپ کے خلاف ہیجان برپا ہو چکا ہے۔ (علیؑ ابن ابی طالبؑ)

خدا کی قسم میں یہ زنجیر آپ کی گردن میں ڈال دوں گا ورنہ آپ ان خبیث حوالی موالی کو اپنے سے دور کیجئے۔ مروان، عبد اللہ بن عامر اور ابن ابی سرح کو۔ (جبلہ بن عمرو)

اگر تم لوگ جہاد کے خواہش مند ہو تو ہمارے یہاں آؤ کیونکہ دین محمدؐ کو تمہارے خلیفہ نے فاسد کر دیا ہے آ کر انہیں خلافت سے معزول کرو۔ (باشندگان مدینہ)

گیارہ برس اور کچھ مہینے گزر گئے عثمان کی سیاست اور طرز عمل پر لوگوں کی برہمی و ناراضی روز بروز بڑھتی گئی۔ تمام اسلامی شہروں کے باشندے عثمان سے برگشتہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے خلاف ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا مسلمانوں کو اس بات نے انتہائی خوفزدہ کیا کہ پیغمبر خداؐ اور ابو بکر و عمر کے زمانہ کے سارے طور طریقے جو لوگوں کو دل و جان سے عزیز تھے۔ سب الٹ پلٹ کر رکھ دیئے گئے۔ پہلے جیسی کوئی بات باقی نہیں رکھی گئی ان کی آنکھیں تو یہ دیکھنے کی عادی تھیں کہ خلیفہ ان کے حقوق کے محافظ و حمایتی ہوا کرتے جب عمال و حکام ظلم و زیادتی کرتے یا بد سلوکی سے پیش آتے تو خلیفہ عمال و حکام کو معزول کر کے ان کی داد رسی کرتے مگر عثمان کے خلیفہ ہوتے ہی ان کو یہ دیکھنا پڑا کہ انہوں نے اس عادلانہ طرز عمل کو بالائے طاق رکھ دیا اس سیاست پر پردے ڈال دیئے اور خاندان پرستی اور اقربانوازی کی سیاست کی ایسی بنیادیں قائم کیں جو انہوں نے پہلے نہ کبھی دیکھیں نہ سنیں اور نہ بعد ہی میں انہیں یہ سیاست گوارا ہو سکی۔

انہیں اس بات نے بھی انتہائی دہشت زدہ اور ہراساں کیا کہ عثمان کے عزیز رشتہ دار ہمارے تمام حقوق غصب کئے لیتے ہیں ہر قسم کے منافع مالداروں کی جیب میں جاتے ہیں ہماری ضروریات کی تمام چیزیں ان کی مٹھی میں بند ہیں۔

انہیں اس بات پر بھی بڑی دہشت و سراسیمگی تھی کہ عوام الناس کے حقوق برباد کئے ہیں وہ وفود جو ان کے پاس عمال و حکام کے مظالم کی شکایت لے کر آتے ہیں ان کی انتہائی تذلیل و تحقیر کی جاتی ہے۔

انہیں یہ بات بھی انتہائی ناگواری گزری کہ ان کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو انتہائی ذلیل و خوار کیا گیا جیسے ابوذر، عمار، اور عبد اللہ بن مسعود وغیرہ، انہیں یہ بھی شاق گزرا کہ وہ محبوب و ہر دلعزیز حکام جن پر انہیں وثوق و اعتماد تھا جن کی محبت ان کے دلوں میں متمکن تھی۔ زبردستی برطرف کر دیئے جاتے ہیں اور ایسے حکام کو قبول کرنے پر ہمیں مجبور

کیا جاتا ہے جو ظالم و جفا کار ہیں۔

نیکو کار مسلمان اس بات پر راضی نہ تھے کہ ذمی کفار عثمان کے حاکموں کے ہاتھوں ستائے جائیں۔ آخر وہ بھی انسان ہی ہیں۔ انہیں یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ ترجیح و برتری اور انانیت کا زہر معاشرہ میں پھیلے اور جو کم درجہ کے افراد ہیں انہیں بلند درجہ کے لوگوں پر فضیلت و فوقیت حاصل ہو جائے۔

حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دنوں میں عوام الناس عثمان کے خلاف اتنی جرأت کرنے لگے جو ان کے خلاف بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ اتنی بغاوت کے تمام اسباب ان کی سیاست میں موجود تھے، اس سیاست کی وجہ سے ان کی پہلی ہکی اور کمزوری جو ظاہر ہوئی وہ یہ کہ عثمان ایک شخص جبلہ بن عمرو ساعدی کی طرف سے گزرے جبلہ کے ہاتھوں میں زنجیر تھی اور وہ اپنے قبیلہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عثمان نے سلام کیا لوگوں نے جواب دیا جبلہ نے کہا تم لوگ کیوں ایسے شخص کے سلام کا جواب دیتے ہو جس نے ایسا اور ویسا کیا۔ پھر انہوں نے عثمان کو مخاطب کر کے کہا:

"خدا کی قسم میں یہ زنجیر تمہاری گردن میں ڈال دوں گا ورنہ تم ان خبیث اپنے حوالی وموالی کو دور کرو۔ مروان، ابن عامر اور ابن ابی سرح کو"۔

اتنی جرأتیں لوگوں کی ان کے خلاف بڑھ گئیں کہ علامہ ابن ابی الحدید بیان کرتے ہیں کہ عثمان ایک دن تقریر کر رہے تھے ان کے ہاتھوں میں وہ عصا تھا جس پر سہارا کر کے پیغمبر خداؐ اور ابوبکر وعمر خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص جہجاہ غفاری نے وہ عصا چھین کر اپنے گھٹنہ پر رکھ کر توڑ ڈالا۔

شروع شروع عوام الناس کو عثمان کے خلاف گستاخی کی اتنی ہمت نہ ہوتی لیکن مروان وغیرہ کی بداعمالیاں جب حد سے زیادہ بڑھ گئیں اور عثمان بجائے ان پر سختی کرنے کے روز بروز انہیں زیادہ سے زیادہ ڈھیل دیتے گئے تو بغاوت اور شورش بھی یوماً فیوماً ترقی کرتی گئی۔ اب تک کیفیت یہ تھی کہ مخالفت اور جرأت انفرادی طور پر ظہور میں آتی تھی۔ ایک ایک دو دو شخص حضرت عثمان سے گستاخانہ برتاؤ کرتے اب یہ عالم ہو گیا کہ پوری ملت اسلامیہ اور جمہور مسلمین ان کے دشمن بن گئے اہل مدینہ نے دیگر شہر کے مسلمانوں کو خطوط لکھے کہ:

ان کنتم تریدون الجهاد فاهلموا الينا فان دين محمدﷺ قد افسده خليفتكم فاخلعوه

اگر تم لوگ جہاد کے خواہش مند ہو تو ہمارے یہاں آؤ کیونکہ دین محمدؐ کو تمہارے خلیفہ نے فاسد کر دیا ہے آکر انہیں خلافت سے معزول کرو۔

ہر شہر کے باشندوں کے دل عثمان سے برگشتہ ہو گئے ۳۵ھ آتے آتے یہ نوبت پہونچ گئی کہ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر کے باشندوں کو خط لکھتے ہر ایک دوسرے کو ترغیب دلاتا کہ جس طرح بھی بن پڑے بنی امیہ سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہئے عثمان کو معزول اور ان کے تمام ولاۃ وعمال کو برطرف کر دینا چاہئے ۔ یہ خبریں عثمان کو بھی ملیں انہوں نے اسلامی شہروں کے باشندوں کو خطوط بھیجے اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کی پھر انہوں نے اپنے عمال کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو انہیں اکٹھا کر کے رائے مشورہ کیا بعضوں نے رائے دی کہ آپ عدل وانصاف سے کام لیجئے اور ابو بکر وعمر کی جو روش تھی وہی روش آپ بھی اختیار کیجئے کچھ نے زبانی جمع خرچ کیا گول مول باتیں کیں اور عثمان کو کوئی واضح مشورہ نہ دیا جیسے معاویہ بن ابی سفیان بعض ایسے بھی تھے جو کسی رائے دینے کے سزاوار ہی نہ تھے کیونکہ ان کی کوئی رائے بھی ہوا وہوس سے خالی نہ تھی جیسے سعید بن عاص اس نے کہا یہ سب مصنوعی باتیں ہیں ان لوگوں کا علاج سوا تلوار کے اور کوئی چیز نہیں ۔

یہ کانفرنس بغیر کوئی بات طے ہوئے ختم ہوگئی ۔ حالات کیسے سدھارے جائیں کونسا طریقہ کار اختیار کیا جائے اس کا کوئی متفقہ فیصلہ ہوا ہی نہیں ۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ حضرت عثمان کے سارے عمال ان کی اسی سیاست کو دل وجان سے پسند کرتے جس میں انہیں لوٹنے کھسوٹنے اپنا گھر بھرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل رہا تھا اس لئے کسی نے بھی ان کو مخلصانہ مشورہ نہیں دیا ۔ مزید برآں یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ ان عمال میں کچھ ایسے بھی تھے جو مخفی طور پر عثمان سے گلو خلاصی کے خواہاں تھے ظاہری طور پر کوشش کر رہے تھے کہ کہیں جلد ان کا قصہ پاک ہو جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی وضاحت کریں گے ۔ اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالیں گے سب سے بڑی بات یہ کہ کانفرنس میں جتنے لوگ شریک ہوئے تھے مروان کی ان سب پر کڑی نظر تھی وہ انتہائی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ کون کیسا مشورہ دے رہا ہے ۔ لہٰذا اگر مشورہ دینے والے خیر خواہانہ مشورہ دیتے بھی کوئی فائدہ نہ ہوتا اصل کرتا دھرتا تو مروان تھا اور حضرت عثمان اسی کے اشاروں پر چلتے ۔

آخر بغاوت پھوٹ کر رہی:

ہر ملک اور ہر صوبہ کے مسلمان عثمان کے انتظام وسیاست وخلافت سے شدید ناراض ہی تھے جن کی باگ ڈور مروان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ میں تھی ۔ اتنے میں مصر کے لوگ اپنے حاکم ابن ابی سرح کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس مدینہ آئے عثمان نے ان لوگوں کی شکایتیں توجہ سے سنیں ۔ ابن ابی سرح کی ملامت اور ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ ابن ابی سرح نے تم لوگوں پر جو زیادتیاں کی ہیں ان کی تلافی کی جائے گی پھر انھوں نے ابن ابی سرح کو فرمان لکھا کہ اب تک مصر والوں سے جو تم برتاؤ کرتے رہے پھر ایسا نہ کرنا اور اسے دھمکی دی کہ اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو میرے عتاب کا

نشانہ بنو گے مروان کو یہ بات بہت ناگوار گزر رہی تھی اس نے باہر نکل کر شکایت لے کر آنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔ پھر حضرت عثمان کے پاس آ کر ان کے پیچھے پڑ گیا کہ آپ نے ان لوگوں سے جو وعدے کئے ہیں ان کو نظر انداز کر دیجئے ان لوگوں کی کسی بات پر توجہ نہ کیجئے۔

مصر والے جب عثمان کا خط لے کر مصر پلٹے اور ابن ابی سرح نے وہ خط پڑھا تو بے حد غضبناک ہوا اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عثمان نے جو احکامات دیئے تھے ان کی بجا آوری سے صاف انکار کر دیا۔

غیظ و غضب اتنا بڑھا کہ جو لوگ بصورت وفد شکایت لے کر عثمان کے پاس گئے تھے ان میں سے ایک شخص کو قتل بھی کر ڈالا عبداللہ ابن ابی سرح کو حضرت عثمان سے رشتہ ہی ایسا تھا کہ جس کی بنا پر اسے ایسے تمرد وسرکشی اور من مانی حرکت کرنے کی ہمت ہوئی وہ عثمان کا دودھ بھائی تھا اور اسی دودھ بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان نے اس کو مصر کا حاکم بنایا تھا۔

ابن ابی سرح کی اس حرکت پر مصر والے اور برہم ہوئے انہوں نے پھر ایک وفد ہزار آدمیوں کا دوبارہ مدینہ جانے کے لئے مرتب کیا۔ یہ لوگ مدینہ پہونچے اور مسجد میں اترے اور ان کے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اس کی جان محفوظ رہے گی۔ جو ہمارے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھائے گا اس سے ہمیں بھی کوئی تعرض نہیں پھر ان ہزار آدمیوں کے بزرگ ومعزز افراد اصحاب کے پاس پہونچے اور ابن ابی سرح کے ان مظالم کی تفصیل بیان کی جو اس نے مصریوں پر ڈھائے تھے اس کی درندگی و بہیمت اور قساوت قلبی کا رونا رویا اور ایک بے قصور انسان کو قتل کر دینے کی تفصیل بیان کی جس کی خطا محض یہ تھی کہ اس وفد میں شریک تھا۔ جو حضرت عثمان کے پاس ابن ابی سرح کے مظالم کی فریاد کرنے کے لئے آیا تھا بعض صحابہ حضرت عثمان کے پاس آئے اور مصر والوں کے متعلق ان سے گفتگو کی پھر اور بہت سے لوگ آئے جس کے گروہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے انہوں نے عثمان سے انتہائی معقول اور حکمت وانصاف سے بھری ہوئی بات کہی۔

یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو ہٹا کر کسی دوسرے کو حاکم مقرر کر دیجئے پہلے بھی انہوں نے ایک آدمی کے بے گناہ قتل کئے جانے کی فریاد کی تھی آپ ابن ابی سرح کو معزول کر دیجئے اور ان کے مقدمہ کا فیصلہ کیجئے۔ اگر ابن ابی سرح کی زیادتی ثابت ہو تو اس سے قصاص لے کر ان لوگوں کے ساتھ انصاف کیجئے۔

حضرت عثمان نے لوگوں کے سامنے قسمیں کھائیں اور اطمینان دلایا کہ میں عوام کی خوشنودی کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور ان لوگوں سے کہا تم جسے کہو میں اسے ابن ابی سرح کے بدلے تمہارا حاکم مقرر کر دوں گا مصر والوں نے آپس میں رائے مشورہ کر کے محمد بن ابی بکر کو حاکم بنانے کی درخواست کی حضرت عثمان نے انہیں مصر کا حاکم مقرر کر دیا اور ان کے ساتھ مہاجرین و

انصار کی ایک جماعت کر دی کہ ابن ابی سرح کی زیادتیوں کی تحقیقات کریں۔

محمد بن ابی بکر برادران کے ساتھ مکہ کے مہاجرین و انصار ابھی راستہ ہی میں تھے اور انہیں مدینہ چھوڑے ۳ دن ہوئے تھے کہ ان لوگوں کو ایک حبشی غلام ملا جو اونٹ پر بیٹھا ہوا تیزی سے اسے بھگاتا ہوا لے جا رہا تھا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کسی کا پیچھا کر رہا ہے یا بھاگ کر جا رہا ہے اس کی یہ کیفیت ان لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہوئی اس کو روک کر ان لوگوں نے پوچھا واقعہ کیا ہے؟ کیوں اتنی تیزی اور بدحواسی سے بھاگے جا رہے ہو؟ غلام اس طرح اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا اسے بھگاتا رہا نہ کوئی بات سنی نہ منہ سے کچھ بولا محمد ابن ابی بکر کے سارے ساتھیوں نے پھر پوچھا تو اس نے کہا میں امیر المومنین عثمان کا غلام ہوں انہوں نے حاکم مصر کے پاس مجھے بھیجا ہے محمد کے ساتھیوں نے کہا مصر کے حاکم تو یہ ہمارے ساتھ ہیں۔ غلام نے کہا میری مراد ان سے نہیں۔ محمد ابن ابی بکر کو جب اس غلام اور اپنے ساتھیوں کی مڈبھیڑ اور گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے غلام کو بلایا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں امیر المومنین کا غلام ہوں پھر اپنی بات رد کرتے ہوئے کہا نہیں میں مروان کا غلام ہوں دیر تک اسی طرح کی متضاد باتیں کرتا رہا ایک بات کہتا پھر اس سے انکار کر جاتا کبھی کہتا کہ میں عثمان کا غلام ہوں پھر انکار کر کے کہتا کہ نہیں میں مروان کا غلام ہوں۔ محمد نے پوچھا کس کے پاس جا رہے ہو اس نے کہا حاکم مصر کے پاس۔ محمد نے پوچھا حاکم مصر کے پاس کیا لے کر جا رہے ہو اس نے کہا ایک پیغام لے کر جا رہا ہوں محمد نے پوچھا کیا کوئی خط بھی تمہارے ساتھ ہے اس نے کہا نہیں۔

محمد نے ساتھیوں سے کہا اس کی تلاشی لو۔ بڑی چھان بین کے بعد ایک خط ملا جو حضرت عثمان کی طرف سے عبداللہ بن سرح عامل مصر کے نام تھا محمد نے اپنے ساتھ کے مہاجرین و انصار اور مصر والوں کو جمع کر کے لفافہ چاک کیا اور پڑھا تو اس میں یہ مضمون تھا:

”جب محمد ابن ابی بکر اور فلاں فلاں تمہارے پاس پہونچیں تو کسی بہانے سے انہیں قتل کر ڈالو محمد جو خط لے کر جا رہے ہیں اسے منسوخ سمجھو اور اپنی حکومت پر جمے رہو جب تک کہ میرا دوسرا خط نہ پہونچے اور جو شخص تمہارے پاس فریاد لے کر پہونچے اسے جیل میں بند کر دو اور میرے حکم کا انتظار کرو“۔

جب یہ خط پڑھا گیا تو سناٹا چھا گیا ہر ایک کے منہ پر چپ سی لگ گئی کہا خلیفہ وقت اپنی رعایا اپنے عمال و انصار و مہاجرین اور اپنے انصار کی جان لینے کے لئے ایسی سازش اور رکیک حرکت بھی کر سکتے ہیں؟ ایسے لوگوں کے قتل کرنے کا حکم دے سکتے ہیں جو کسی بھی خطا کے مرتکب نہیں ہوئے۔

محمد ابن ابی بکر نے اس خط کو بند کر کے مہاجرین و انصار کی مہریں لگوائیں پھر انہیں مناسب معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ

مدینہ پلٹ آئیں اور تمام اصحاب پیغمبرؐ کے سامنے اس خط کو پیش کر کے صورت حال سے آگاہ کریں۔ جب یہ خط مدینہ میں صحابہ کرام کے سامنے پڑھا گیا جن میں علیؑ ابن ابی طالبؑ بھی موجود تھے تو تمام صحابہ کو انتہائی صدمہ ہوا مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اس مکر و فریب نے سب کے دلوں میں آگ سی لگا دی کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو عثمان اور مروان پر غضبناک نہ ہو کیونکہ ابو بکر و عمر کے زمانہ میں اس قسم کی سازش کا انہیں کبھی سامنا نہ ہوا تھا وہ تو ایسی باتوں کو دیکھتے اور سنتے آرہے تھے جس کی حقیقی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ ابھی رسول اللہ ﷺ کو انتقال کئے بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے اسی وجہ سے صحابہ کرام بھی بے حد غضبناک ہوئے اور عوام الناس بھی مدینہ کا کوئی باشندہ ایسا نہ تھا جو عثمان کے خلاف غم و غصہ سے بھر نہ گیا ہو جو لوگ ابوذر و عمار کی وجہ سے پہلے ہی سے برہم تھے ان کے غیظ و غضب کی تو انتہا ہی نہ رہی۔ اصحاب پیغمبرؐ نے اسی وقت ایک وفد مرتب کیا جس میں عمار یاسر تھے سعد بن ابی وقاص تھے اور ان کے سرگروہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے یہ لوگ حضرت عثمان کے پاس جا پہونچے ان کے ساتھ عثمان کا وہ خط ان کا وہ غلام اور وہ اونٹ بھی تھا جس پر وہ غلام جا رہا تھا۔

حضرت علیؑ نے عثمان سے کہا یہ آپ کا غلام ہے؟

حضرت عثمان۔ ہاں۔

حضرت علیؑ۔ یہ اونٹ بھی آپ ہی کا ہے؟

حضرت عثمان۔ ہاں۔

حضرت علیؑ۔ یہ مہر بھی آپ ہی کی ہے؟

حضرت عثمان۔ ہاں۔

حضرت علیؑ۔ تو آپ ہی نے یہ خط بھی لکھا ہے۔

حضرت عثمان۔ نہیں۔ پھر انہوں نے مزید قسم کھاتے ہوئے کہا خدا کی قسم میں نے یہ خط نہیں لکھا ہے نہ لکھنے کا حکم دیا ہے۔ نہ اس غلام کو مصر کی طرف بھیجا۔

صحابہ کو اندازہ یہ ہوا کہ عثمان غلط نہیں کہتے انہوں نے خط کو پھر غور سے دیکھا معلوم ہوا کہ یہ مروان کی تحریر ہے انہوں نے عثمان سے درخواست کی کہ مروان کو ہمارے سامنے بلایئے تاکہ ہم اس سے واقعہ کی تحقیقات کریں اور یہ پوچھیں کہ یہ خط کیوں لکھا۔ حضرت عثمان نے مروان کو سامنے بلانے سے انکار کیا۔ مروان اس وقت انہیں کے پاس دار الخلافت میں موجود تھا مروان کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ لوگوں کے سامنے آئے اور اپنے قصور کا اعتراف کرے اور حضرت عثمان کی بے گناہی ثابت کرے اس پر

اصحاب پیغمبرؐ غیظ وغضب کے عالم میں گھروں کو واپس گئے انہیں یہ یقین تھا کہ عثمان جھوٹی قسم نہیں کھاتے مگر بعض کہتے تھے کہ ہم عثمان کو جبھی بے قصور سمجھیں گے جب وہ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیں تا کہ ہم اس سے باز پرس کر کے اس خط کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ اگر حضرت عثمان نے یہ خط لکھا ہے تو ہم انہیں معزول کر دیں گے اور اگر مضمون عثمان کا ہے اور قلم مروان کا تو پھر ہم سوچیں گے کہ مروان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے مگر عثمان مروان کو حوالہ کرنے پر تیار نہ ہوئے بلوائیوں نے اب زیادہ اصرار کے ساتھ عثمان سے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیجئے تا کہ ہم اس سے باز پرس اور اس کی مجرمانہ حرکتوں کی تحقیقات کریں۔ مگر حضرت عثمان نے مروان کو پیش کرنے سے صاف انکار کر دیا اس کے بعد بہت سے واقعات تابڑ توڑ پیش آتے گئے جیسا کہ تاریخ کی بھی کتابوں میں وہ واقعات تفصیل سے موجود ہیں علیؑ نے بہت کوششیں کیں کہ بلوائیوں اور عثمان کے درمیان صلح مصالحت کرا دیں تا کہ خون ریزی کی نوبت نہ آئے۔ وہ پھر دوبارہ عثمان کے پاس آئے اور انہیں مشورہ دیا کہ آپ مجمع کے سامنے آئیے اور ان کے سامنے تقریر کیجئے جسے سب سن لیں اور ان سے جو وعدے اصلاح کے کئے گئے ہیں ان کی طرف سے انہیں تسلی ہو جائے آپ نے یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم تمام اسلامی ممالک آپ سے برگشتہ ہو چکے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پھر کوفہ یا بصرہ سے دوسرے قافلے نہ آدھمکیں آپ پھر کہیں گے کہ علیؑ ان لوگوں کو سمجھاؤ۔

عثمان باہر نکلے اور مجمع کے سامنے ایک تقریر کی اپنی ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا خطاؤں پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ تم لوگوں کے جتنے مطالبے ہیں سب پورے کئے جائیں گے مروان اور اس کے ساتھیوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیا جائے گا۔

عثمان کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا وہ خود بھی روئے اور انہیں روتا دیکھ کر دوسرے بھی رونے لگے یہاں تک کہ لوگوں کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں جب وہ مسجد کے منبر سے نیچے اترے اور گھر میں آئے تو دیکھا کہ مروان سعید بن عاص اور بنی امیہ کے کچھ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں یہ لوگ عثمان کی تقریر میں شریک نہ تھے لیکن اس تقریر کی ان کو اطلاعیں مل چکی تھیں جب عثمان بیٹھ گئے تو مروان نے پوچھا حضور میں کچھ کہوں یا خاموش رہوں عثمان نے کہا کہو کیا کہتے ہو؟ مروان نے گویا عثمان کو سرزنش کرتے ہوئے کہا آپ نے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا کہ لوگوں کی جرائتیں اور بڑھا دیں عثمان نے گویا پچھتاتے ہوئے کہا اب تو جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا کہی ہوئی بات واپس لینا میرے بس میں نہیں مروان نے کہا لوگ آپ کے دروازے پر مثل پہاڑ کے ٹھٹ لگائے ہیں آپ ہی نے انہیں ایسا کرنے کی ہمت دلائی ہے کوئی کسی ظلم و زیادتی کی فریاد کرتا ہے دوسرا کسی عامل کے معزول کرنے کا تقاضہ کرتا ہے آپ نے اپنی خلافت پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر آپ صبر و سکوت سے کام لیتے تو آپ کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔

عثمان نے کہا تو جاؤ تم ہی ان لوگوں سے گفتگو کرو مجھے تو اب ان سے گفتگو کرتے اور واپس لوٹاتے بڑی شرم آرہی ہے۔

یہ اجازت پا کر مروان دروازہ پر آیا، مروان نے کہا:

''یہ کیسی بھیڑ تم لوگوں نے لگا رکھی ہے جیسے تم لوگ گھر لوٹنے کے لئے آئے ہو تمہارا منہ کالا ہو، تم یہ ارادہ کر کے آئے ہو کہ ہماری حکومت ہم سے چھین لو خدا کی قسم اگر تم نے ہمارے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو ہم بھی وہ سلوک کریں گے کہ یاد رکھو گے جاؤ اپنے گھروں کو جاؤ ہم اپنے اختیارات پر کسی کے غلبہ کو ہرگز برداشت نہ کریں گے''۔

یہ سن کر لوگ ناکام و نامراد برا بھلا کہتے اور دھمکیاں دیتے واپس آئے بعض لوگوں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا۔ حضرت علیؑ کے لئے ممکن تھا کہ وہ پھر عثمان کے پاس نہ جائے نہ انہیں کوئی رائے مشورہ دیتے کیونکہ عثمان نے علیؑ کی بات رد کر کے مروان کی باتوں پر توجہ دی تھی، لیکن بوڑھے خلیفہ کے حال پر ان کا ترس لوگوں کے درمیان صلح و مصالحت کی دلی خواہش اور ہلکی سی امید کہ شاید عثمان راہ راست کی طرف پلٹ آئیں ان باتوں نے علیؑ کو مجبور کیا کہ وہ پھر سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں جب رات ہوئی اور عثمان اپنی بیوی نائلہ کے مشورہ سے حضرت علیؑ کے پاس عذر و معذرت کے لئے آئے تو حضرت علیؑ نے کہا:

''منبر رسول پر تقریر کرنے اور ہر قسم کے وعدے کرنے کے بعد آپ گھر میں چلے گئے اور مروان نے باہر نکل کر لوگوں کو گالیاں دیں اب اس کے بعد باقی ہی کیا رہ جاتا ہے اور میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں عثمان نے اپنے کو بہت برا بھلا کہا۔ حضرت علیؑ نے پھر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

خدا کی قسم میں نے سب سے زیادہ لوگوں کو آپ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جب بھی میں آپ کے سامنے کوئی ایسی بات پیش کرتا ہوں جس کے متعلق مجھے امید ہوتی ہے کہ آپ اس پر راضی و خوش ہوں گے مروان آ کر میری ساری کوششوں کو غارت کر کے رکھ دیتا ہے آپ اس کی باتیں مان لیتے ہیں اور میری باتیں پس پشت ڈال دیتے ہیں''۔

علیؑ نے سچ ہی کہا تھا اس مرتبہ پھر مروان نے عثمان کے خلاف سارا معاملہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ بلوائیوں نے پھر اپنے مطالبہ پر زور دینا شروع کیا کہ ہم سے جتنے وعدے کئے تھے وہ وعدے پورے کئے جائیں بلوائیوں نے زور دیا کہ مروان کو جس نے سارے وعدے اور قول و قرار غلط کرائے ہمارے حوالے کیا جائے تا کہ ہم اس سے بدلہ لیں عثمان مروان کے بارے میں پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے اور انہوں نے حوالے کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور ادھر بلوائی بھی اپنی بات پر اڑ گئے کہ مروان سے بہر حال ہم اپنا معاملہ چکا کر رہیں گے۔ جب بلوائیوں کی بغاوت و شورش حد سے زیادہ بڑھ گئی اور عثمان نے بھی ضد پکڑ لی کہ چاہے کچھ ہو جائے

ہم مروان کوکسی صورت سے تم لوگوں کے حوالہ نہ کریں گے تو اب بپھرے ہوئے مجمع نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور یہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ بلوائیوں نے عثمان کے گھر تک پانی جانے پر بھی بندش کردی، حضرت عثمان نے بالا خانے سے جھانک کر مجمع پر نظر کی اور پوچھا کیا تم میں علیؑ بھی ہیں لوگوں نے کہا نہیں، پوچھا سعد ہیں، کہا نہیں، کہا کیا کوئی شخص علیؑ تک میرا یہ پیغام پہونچادے گا کہ وہ ہمیں پانی پلانے کی کوشش کریں جب حضرت علیؑ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ اپنی مشہور و معروف جرأت و بے خوفی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے آپ نے پانی سے تین بھرے ہوئے مشکیزے اپنے اعوان و انصار اور اپنے بھائیوں کے ہمراہ عثمان کے پاس بھیجے اور اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ جس طرح ہو یہ پانی عثمان تک پہونچاؤ چاہے پہونچانے میں تمہیں اپنی جان کی قیمت تک کیوں نہ ادا کرنی پڑے پانی لے جانے والوں اور بلوائیوں میں جھڑپ بھی ہوگئی دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے مگر علیؑ کے آدمیوں نے عثمان تک پانی پہونچا ہی دیا۔

اس طرح علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اپنی کتاب زندگی میں غیر معمولی علوی شجاعت و دلیری کی نئی فصل کا اضافہ کیا یہ وہی بہادری و دلیری تھی جس کی وجہ سے ایک طرف تو آپ ظلم و جور لوٹ کھسوٹ ذخیرہ اندوزی اور منافع پرستی پر برہمی و غضبناکی میں سب سے زیادہ تھے دوسری طرف بنی آدم کی محبت و شفقت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے انہیں آدمیوں میں سے عثمان بھی تھے جنہیں بنی امیہ نے اپنے پھندوں میں پھانس لیا تھا اور لوگوں کے دلوں تک پہونچنے کے راستہ سے بھٹکا دیا تھا اور انصاف کا راستہ اختیار کرنے میں صد ہا رکاوٹیں کھڑی کردی تھیں اب عثمان گھر میں محصور تھے بلوائی ان کے قتل پر کمر بستہ تھے اور انہوں نے پانی تک ان پر بند کردیا تھا۔

یہ بلوائی اب عثمان کے خون کے پیاسے تھے جیسے ہی حضرت علیؑ کو یہ خبر ملی وہ بعجلت تمام گھر سے نکلے اپنے ساتھ ساتھ اپنے فرزند حسنؑ و حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور چند مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد کو لیتے ہوئے۔

یہاں تک کہ جب آپ بلوائیوں کے مقابل پہونچے تو آپ نے ان کے سامنے تقریر کی ان سے وعدے کیے کہ تمہارے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کی تلافی کی جائے گی اور آپ نے بلوائیوں کو وہاں سے ہٹا دیا پھر اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے عثمان کے پاس آئے اس امید میں کہ سب مل کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوئی راہ نکالیں لیکن لوگوں میں اتفاق نہ ہوسکا آپ عثمان کے پاس سے نکل کر مسجد جامع میں نماز کے قصد سے پہونچے لوگوں نے فرمائش کی کہ ابوالحسن آپ نماز پڑھائیے آپ نے انکار کیا کہ نہیں میں تنہا نماز پڑھوں گا پھر مسجد سے رخصت ہو کر دولت سرا کو تشریف لے گئے اور حسنؑ و حسینؑ کو صحابہ کے فرزندوں کے ساتھ جن کی لوگوں کے دلوں میں عزت و توقیر تھی روانہ کیا اور تاکید کی دارالخلافہ کی نگرانی کرتے رہیں حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا اپنی

تلوار لیکر عثمان کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو اس کا موقع نہ دو کہ عثمان کو کوئی ضرر پہونچا سکے۔

بلوائیوں کی نیت بھی نہ تھی کہ وہ عثمان کو ضرر پہونچائیں وہ تو اس وقت صرف یہ چاہتے تھے کہ عثمان اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور خلافت سے دست کش ہو جائیں اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک شخص جس کا نام نیار بن عیاض تھا اور وہ صحابہ میں سے تھا بلوائیوں کی اگلی صف میں کھڑا ہوا اور اس نے حضرت عثمان کو باآواز بلند قسمیں دے کر کہا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیے آپ کا بال بیکا نہ ہوگا وہ خلافت سے دست برداری کی ترغیب ہی دلا رہا تھا کہ کثیر بن صلت کندی نے جو حضرت عثمان کے ہمراہیوں میں سے ان کے گھر میں تھا ایک تیر مار کر نیار بن عیاض کو مار ڈالا مصر والوں اور دیگر بلوائیوں نے چلا کر کہا ابن عیاض کے قاتل کو ہمارے حوالے کیجئے، عثمان نے کہا میں ایسے شخص کو جو میری مدد کر رہا ہے تمہارے حوالے کیسے کر سکتا ہوں۔

بلوائیوں نے دروازے پر یلغار کی جو فوراً ہی بند کر دیا گیا بلوائی آگ لگانے پر تیار ہو گئے اور انہوں نے دروازہ میں آگ لگا دی اور اس کے چھت کو جلا ڈالا پھر ہر طرف سے بلوائیوں نے دار الخلافہ پر تیروں کی بارش شروع کر دی یہاں تک کہ امام حسنؑ زخموں سے لہولہان ہو گئے جو اپنے پدر بزرگوار کے حکم کی بنا پر عثمان کے دروازہ پر کھڑے پہرے دے رہے تھے اور کسی کو اندر جانے نہیں دیتے تھے حضرت علیؑ کے دوسرے ساتھیوں کے سر بھی زخمی ہو گئے بلوائی ڈرے کہ کہیں حسنؑ اور ان کے ہمراہیوں کو زخمی دیکھ کر بنی ہاشم اور ان کے ہمدرد قریش والے خلاف نہ ہو جائیں ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے کچھ بلوائیوں نے کہا اگر بنی ہاشم آگئے اور انہوں نے حسنؑ و حسینؑ کے چہرے پر خون دیکھ لیا تو وہ لوگوں کو مار بھگائیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عثمان کی جان بچ جائے گی اور ہم جو چاہتے ہیں وہ پورا نہ ہوگا ایسا کریں کہ دیوار پھاند کر ہم لوگ گھر میں گھس جائیں اور عثمان کو مار ڈالیں کسی کو خبر بھی نہ ہوگی بلوائیوں نے جو رائے قائم کی تھی اس کو عمل میں لانے پر فوراً تیار ہو گئے محمد بن ابی بکر اور ان کے دو ساتھی محمد بن ابی خرم انصاری کے گھر کے ذریعہ حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہوئے جب ان کے پاس پہونچے تو ان کے پاس ان کی بیوی نائلہ کو پایا محمد بن ابی بکر کے دونوں ساتھیوں نے تیز حربے سے ان کو کاری زخم لگا کر قتل کر دیا اور جس راستے سے یہ تینوں آئے تھے اسی راستے سے واپس چلے گئے۔ نائلہ نے چیخ کر کہا۔ امیر المومنین کو لوگوں نے قتل کر ڈالا۔ یہ چیخ حسنؑ و حسینؑ اور ان کے ساتھ جو صحابہ کے فرزند تھے ان کے کانوں میں پہونچی یہ لوگ گھر میں داخل ہوئے دیکھا تو خلیفہ قتل ہو چکے تھے یہ لوگ ان پر جھک کر رونے لگے۔

لیکن علیؑ جو عثمان سے بڑھ کر عثمان کے دشمنوں کو ان سے دفع کرنے پر قادر تھے بشرطیکہ وہ علیؑ کے باتوں پر کان دھرتے انہیں جیسے ہی خبر ملی دوڑے ہوئے عثمان کے گھر پہونچے انتہائی غضب ناک و برہم وہاں جیسے ہی حسنؑ و حسینؑ پر نظر

پڑی ان سے کہا تم دروازے پر جب موجود تھے کیسے امیر المومنین قتل ہوگئے؟ پھر آپ نے ان دونوں فرزندوں کو طمانچے لگائے۔ محمد بن طلحہ عبداللہ ابن زبیر و دیگر فرزندان مہاجرین و انصار کو برا بھلا کہا۔ طلحہ جلدی سے آگے بڑھے اور کہا یہ آپ کو کیا ہوگیا کہ آپ حسنؑ وحسینؑ کو مار بیٹھے۔ آپ نہ کسی کو ماریئے نہ برا بھلا کہئے اگر وہ مروان کو حوالے کر دیئے ہوتے تو کبھی قتل نہ کئے جاتے۔[1]

اس طرح عثمان قتل ہوئے جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا وہ دو قسم کے لوگ تھے ایک تو وہ تھے جو حق کے لئے غضب ناک ہوئے حضرت عثمان سے توبہ کے طالب ہوئے انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کیا ان لوگوں نے ان کا گھر گھیر لیا اور ان کا کام تمام کر دیا ان لوگوں میں حجاز، مصر و عراق اور تمام اسلامی شہروں کے مسلمان شامل تھے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہیں مال غنیمت نے دیوانہ و سرگشتہ کر دیا تھا اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ایک قائد تھا جس کی اطاعت کی جاتی تھی اور اس قسم کے لوگوں نے انہیں محاصرہ میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ پہلی قسم کے لوگوں کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں دوسری قسم کے لوگوں کے متعلق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ زبردست سازش کی فصل میں کیونکہ حضرت علیؑ کے ساتھ جو سلوک اور مکر و فریب کیا گیا اس کا ان لوگوں سے گہرا تعلق ہے۔

اس موقع پر ہم ذرا ٹھہر کر بعض ہم عصر مولفین سے دو دو باتیں کرنا چاہتے ہیں ان امور و واقعات کے متعلق جن کا فتنۂ قتل عثمان سے گہرا تعلق ہے۔

---

[1] حضرت عثمان کے قتل و ہلاکت کے کیا اسباب ہوئے، کن لوگوں نے ان کے قتل کے اسباب فراہم کئے ہم تفصیل سے حضرت امیر المومنین حصہ ثانیہ میں صفحہ ۲۴۹ سے ۵۶۸ تک بحث کر چکے ہیں اس لئے یہاں جارج جرداق کی عبارتوں پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تبصرہ کرنے کے لئے صفحات بھی کافی درکار ہوں گے۔ عیسائی مصنف نے واقعہ قتل عثمان کے سلسلہ میں جتنی باتیں لکھی ہیں انہیں بہت کچھ علما اہل سنت کی من گھڑت روایات سے متاثر ہو کر لکھی ہیں بغیر اس کی تحقیق کئے کہ یہ باتیں صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ حدیثیں گڑھنے والوں نے دنیا کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے کہ اکابر صحابہ حضرت عثمان کے بڑے مددگار و جانثار تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں تک کو نثار کر دیا اپنے فرزندوں کو عثمان کی نصرت کے لئے بھیجا حالانکہ تاریخ پکار پکار کر کہتی ہے کہ وہ سخت ترین دشمن تھے عثمان کے قتل ہونے ہی تک نہیں بلکہ قتل ہونے کے بعد بھی ان کی عداوت کا وہی حال رہا۔

حضرت علیؑ کے متعلق یہ امر ثابت و مسلم ہے کہ آپ قتل کے موقع پر مدینہ میں موجود ہی نہ تھے چہ جائیکہ آپ ان کے قتل ہونے پر گریہ و بکا کرتے کسی کو زد و کوب کرتے کسی کو برا بھلا کہتے کسی پر لعنت کرتے علامہ ہیثمی اسی قسم کی ایک موضوع حدیث کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الظاھر ان ھذا ضعیف الان علیا لم یکن بالمدینۃ حسین حصر عثمان ولا شھد قتلہ

ظاہر و واضح امر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جب عثمان محصور ہوئے تو آپ مدینہ میں تھے ہی نہیں نہ قتل کے موقع پر موجود تھے (مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۹۳)

حضرت عثمان نے امیر المومنین سے فرمائش کی تھی کہ آپ اپنی جائیداد ینبع پر چلے جایئے تاکہ خلافت کیلئے آپ کا نام لوگ نہ لیں یہ فرمائش کوئی ایک مرتبہ نہیں کی گئی بلکہ کئی مرتبہ جیسا کہ خود امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ:

عثمان نے مجھے آب کشی والا اونٹ بنالیا ہے ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ آپ یہاں سے ینبع چلے جایئے جب میں ینبع چلا جاتا ہوں تو کہلا بھیجتے ہیں کہ جلد آ کر خبر لیجئے جب آ کر ان کی مصیبت دفع کر دیتا ہوں تو پھر حکم دیتے ہیں ینبع چلے جایئے"

پھر امیر المومنین جن کی ذات عدل و انصاف کا سرچشمہ تھی کیسے ممکن تھا کہ حسنؑ وحسینؑ کو معاذ اللہ زد و کوب کرتے اور دیگر فرزندان صحابہ کو برا بھلا کہتے آخر ان لوگوں کا قصور کیا تھا۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ لوگ حفاظت پر متعین کئے گئے تھے تو دروازہ پر متعین ہوئے تھے کہ کسی کو عثمان کے گھر میں جانے نہ دیں قتل کرنے والے دروازے سے گئے ہی نہیں وہ دوسرے کے مکان سے ہو کر عثمان کے گھر میں داخل ہوئے اور قتل کر کے اسی راستے سے واپس چلے گئے اس میں حسنؑ وحسینؑ یا کسی اور کی کیا خطا تھی دروازے سے اگر کسی کو آنے دیتے تو الزام بھی دیا جا سکتا تھا کہ انہوں نے کوتاہی کی روکا نہیں۔

بعض معاصرین کی غلط بیانیاں اوران پر تبصرہ

دنیا میں ایسے بھی مصنفین ہیں کہ انہیں نہ تو تاریخی حقائق کی پروا ہے اور نہ زندگی کے حالات اور ماحول کی فکر حضرت عثمان کے خلاف مظلومین نے جو انقلابی کوششیں کیں اس کے عجیب وغریب اسباب بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ کے حادثوں کو ایک خاص شخص کی مرضی وارادہ پر موقوف کرتے ہیں جس نے اطراف واکناف مملکت کا دورہ کیا اور لوگوں کو حضرت عثمان اور ان کی حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا"

ان انشاپردازوں کی توجیہات کوئی شک نہیں کہ آپ کو ہنسنے پر مجبور کردیں گے کیونکہ ان کی تحریروں کی غرض وغایت فقط یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کے واقعی ذمہ دار جو افراد تھے ان سے باز پرس نہ ہو ورنہ پھر لوگ ان مصنفین کے ایمان ہی پر گرفت کرنے لگیں گے یہ مصنفین بالکل ان لوگوں جیسے ہیں جو پانی کی دھار کو نیچے سے اوپر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اپنے پڑھنے والوں کو بالکل غافل اور سادہ لوح سمجھتے ہیں انہیں لوگوں میں کتاب عائشہ والسیاستہ کے مولف سعید الافغانی بھی ہیں ان بزرگ نے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ یقین دلانے کی پوری کوشش کی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مملکت اسلامیہ کے اندر جو انقلابات رونما ہوئے حضرت عثمان کا قتل اور ان کے قتل کے بعد جو اہم واقعات ہوئے وہ سب صرف ایک شخص عبداللہ بن سبا کے وجود اور اس کی حرکتوں کے سبب ہیں۔ اس قسم کے دعوے اور افترا و بہتان کا صریحی مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرت عثمان اور ان کے وزیر مروان کے زمانہ کی حکومت آئیڈیل اور مثالی حکومت تھی اور بنی امیہ اور انکے عمال و جاگیر دار سرزمین عرب میں انسانی بھائی چارہ اور عدالت اجتماعی کے پیامبر تھے مگر کیا کیا جائے کہ ایک اکیلے شخص عبداللہ بن سبا نے بنی امیہ کے عمال اور جاگیرداروں کی تمام صلاحیتیں اور نیکیاں برباد کردیں کیونکہ اس نے ہر ہر صوبہ وضلع کا دورہ کرنا شروع کیا اور اس دورہ میں حضرت عثمان کے خلاف ان کے امراء اور عمال کے خلاف جو صالحین بھی تھے اور مصلحین بھی لوگوں کو برگشتہ کرنا شروع کیا اگر یہ ایک اکیلا نہ ہوتا تو لوگ مروان کی نعمتوں، ولید کے انصاف اور معاویہ کے علم میں امن وچین اور خوشحالی و بارغ البالی کی زندگی بسر کرتے۔ اس قسم کا دعویٰ حقائق پر بہتان خلائق پر ظلم اور بعض نظریات کی بہت رکیک حمایت ہے اس کے ساتھ ہی ان بنیادی حقائق سے جن پر تاریخ کی بنا ہے لوگوں کو گمراہ بنانا ہے کیونکہ اس قسم کی ناکام کوششیں کرنے والے کا مقصد محض یہ ہے کہ ایک زمانہ بلکہ بہت سے زمانوں کے تمام واقعات کی ذمہ داری ایک شخص کے سر ڈال

دی جائے جس نے شہر شہر گھوم پھر کرلوگوں کو حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا اور تمام رعایا حکومت کے خلاف صف بستہ ہوگئی کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے کہ ایک اکیلا شخص ان کے ممالک میں گھومتا پھرا تھا۔ رہ گئی حکومت کی کیفیت حاکم کی سیاست، اقتصادی و معاشرتی نظام کی ابتری مقربین حکومت کی سرکشی، خزانے میں والیوں کی من مانی اور کاروائیاں بنی امیہ کا لوگوں کی گردنوں پر تسلط ڈپلومیسی چھوڑ کر پالیسی اختیار کرنا، عوام جن ہستیوں کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے ہوں جیسے ابوذر، عمار یاسر وغیرہ ان کی ان ذلت و توہین ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ یہ امور مولف کی نظر میں انقلابی تحریک اور اموی حکومت کے خلاف لوگوں کی بغاوت کا باعث ہوئے۔ بلکہ حضرت عثمان کے خلاف جو کچھ بھی شور وغوغا ہوا وہ سب عبد اللہ بن سبا کی وجہ سے ہوا جس نے لوگوں کو ائمہ کی اطاعت سے روکا اور ان کے درمیان شر وفساد کا باعث ہوا کتنی خطرناک ہے یہ ذہنیت کہ ایسے اہم واقعات جو مسلسل اور ایک دوسرے سے مربوط تھے اور جن کا اس وقت کی سوسائٹی سے گہرا تعلق تھا اور اقتصادی و معاشرتی نظام سے پوری وابستگی تھی کی توجیہ و تعلیل یہ کی جائے کہ ان سارے واقعات کا اصلی سبب ایک اکیلے شخص کی سازشی کارروائیاں تھیں جس نے شہر شہر گھوم پھر کر پاکیزہ معاشرہ میں فتنہ و فساد کی تخم ریزی کی جیسا کہ سعید افغانی کہتے ہیں اور پاکیزہ معاشرہ سے ان کی مراد مروان بن حکم کا معاشرہ ہے۔

دیکھئے یہ سعید افغانی مولف کتاب عائشہ والسیاستہ عبد اللہ ابن سبا یا ابن السودا کو کتنی اہمیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور لاشعوری طور پر کتنا معاویہ کو آسمان پر چڑھاتے اور ابوذر غفاری ایسی جلیل القدر شخصیت کو پوچ و لچر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ معاویہ، معاویہ تھے اور ابوذر ابوذر۔ لکھتے ہیں ''عبد اللہ بن سبا نے اسلامی ممالک کا دورہ کیا ایک ایک گوشہ میں گھوما پھرا اس نے اپنی گمراہیوں کی اشاعت کی ابتدا سرزمین حجاز سے کی پھر شام کی طرف مڑا شام اس وقت ایک تجربہ کار اور دوراندیش آدمی کے ہاتھ میں تھا یعنی معاویہ ابن ابی سفیان جنھوں نے اس کی خطرناکی کو فوراً ہی سمجھ لیا۔ اور اُسے نکال باہر کیا۔ لیکن باوجود ان کی انتہائی احتیاط کے اس کی مفسدہ پردازی کی کچھ چھینٹیں ان پر بھی گئیں ابن سبا نے اندازہ کیا اور تخم ریزی کی اور معاویہ کے خلاف ایک بزرگ صحابی کو برانگیختہ کر دیا ایسا بزرگ صحابی جس کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر شام والے یقین رکھتے تھے۔ معاویہ جو بردبار بھی تھے اور ڈپلومیٹ بھی وہ بہت عاجز ہو گئے اور خلیفۂ وقت عثمان سے درخواست کی کہ انہیں شام سے نکال لیں۔ یہ بزرگ ابوذر صحابی ہیں اور ان کا واقعہ مشہور ہے۔ (عائشہ والسیاستہ)

اس جملہ کا خلاصہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانۂ حکومت میں اسلامی سلطنت کے صوبے بڑی خوشحالی و فارغ البالی کے عالم میں تھے خصوصاً شام کا صوبہ اس وقت ایک دوراندیش اور تجربہ کار یعنی معاویہ کے ہاتھ میں تھا اور جناب ابوذر

جو بزرگ ترین مصلح تھے وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اگر یہ ابن سبا ان کے پاس نہ آتا اور انہیں بیدار نہ کرتا۔ پھر اس عبداللہ بن سبا نے ابوذر کو بیدار بھی کیا تو فتنہ و فساد پھیلانے گمراہ کرنے اور خرابیاں پیدا کرنے کے لئے کیونکہ عبداللہ بن سبا اس مولف کے خیال میں تمام فتنہ و فساد کی جڑ تھا اور اسلامی ممالک کے دورہ سے اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ فتنہ و فساد برپا کرے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر نے وہی کیا جو عبداللہ ابن سبا چاہتا تھا یعنی گمراہیوں کی اشاعت مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد اور انہیں ائمہ کی اطاعت سے منحرف کرنا۔

ابوذر کے اقدامات (مولف مذکورہ کے خیال میں) اہل عرب اہل اسلام سے اور تاریخ کے لئے خطرہ تھے کیونکہ انہوں نے فقراء کو اغنیاء کے خلاف برانگیختہ کیا۔ اسی وجہ سے معاویہ بھی ان سے تنگ ہوئے اور انہوں نے ابوذر کو شام سے نکال کر نئے عربی مسلمانوں اور تاریخ پر رحم کیا۔

غور کیجئے کیا اس مولف سعید افغانی کی منطق، ان حاکموں کی منطق یاد نہیں دلاتی جو ہر حق کے طلبگار کو باغی، مفسد اور فتنہ انگیز قرار دیتے ہیں۔

کیا یہ بات آپ کو دہشت میں نہیں ڈالتی کہ قدیمی مورخین کو فتنہ کے اسباب معلوم ہو جائیں لیکن آج کل کے مورخین کو معلوم نہ ہوں حالانکہ آج کل کے مورخین کے ذرائع معلومات کہیں زیادہ ہیں بہ نسبت قدیمی مورخین کے ذرائع معلومات کے عائشہ والسیاسۃ کے مولف حضرت عثمان کے خلاف انقلابی تحریک کی نسبت عبداللہ بن سبا کی سرگرمیوں کی طرف دیتے ہیں اور طبری اور ان کے پہلے اور بعد کے مورخین اس کی صحیح توجیہ کرتے ہیں اور ایسے اسباب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو واقعی سمجھ میں آنے والے ہیں۔

علامہ طبری نے جہاں اور بہت سے اسباب لکھتے ہیں یہ بھی لکھا ہے"وہ لوگ جنہیں نہ تو اسلام میں سابقیت حاصل تھی نہ اسلام میں ان کا کوئی درجہ تھا ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو سابقین اسلام تھے اور جنہیں بڑی اہمیت وہ وجاہت حاصل تھی پھر یہی سابقین اسلام جو سواد اعظم تھے داد و دہش کی منفعت کرتے اور اس کو زیادتی قرار دیتے کیونکہ خود ان کا حصہ بہت کم ہوا کرتا نئے اسلام لانے والے یا بدو عرب یا آزاد شدہ غلام جب ان سے ملتے تو ان کی باتیں ان کے دل پر اثر انداز ہوتیں، اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت عثمان کے مخالفین کی تعداد بڑھتی جاتی یعنی وہ لوگ جو حضرت عثمان کے مخالف تھے وہ زیادہ تھے اور جو لوگ حضرت عثمان سے راضی تھے وہ کم تھے یہاں تک کہ فتنہ و فساد غالب آ گیا۔

یقیناً یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سوشنے سمجھنے میں اسی قسم کی غلطی دوسرے معاصرین سے بھی ہوئی ہے جیسے احمد امین

مصنف فجر الاسلام وغیرہ، ان کا خیال ہے کہ ابوذر غفاری سیدھے سادھے آدمی تھے انہیں عبداللہ بن سبا نے اپنی طرف کھینچا اور مزد کی خیالات پر انہیں فریفتہ کیا تا کہ شہروں کی فضا خراب کرنے میں اس کے مددگار ہوں۔

اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مزدکی خیالات پر ابوذر کی فریفتگی کے ثبوت میں انہوں نے ابوذر کا یہ قول پیش کیا ہے جسے طبری نے نقل کیا ہے کہ ابوذر شام میں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے دولت مندو! فقراء کے ساتھ ہمدردی کرو جو لوگ سونا چاندی خزانہ میں جمع کرتے ہیں انہیں جہنم کی بشارت ہے۔ (فجر الاسلام ص ۱۱۰)

کون پوچھے احمد امین سے کہ دولت مندوں سے یہ مطالبہ کہ وہ فقیروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں کیا صرف مزدکی نظریہ ہے اور خالص اسلامی نظریہ نہیں؟ اور کیا ابوذر کے اس قول میں کہ اے دولت مندو فقیروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ اور بشر الذین یکنزون الذهب الفضة میں جو قرآن کی آیت ہے گہری وابستگی نہیں؟ کیا ابو بکر و عمر بھی وہی نہیں کرتے تھے جو ابوذر کہتے تھے۔ یہ دونوں فقیروں کے ساتھ ہمدردی کرتے اور مالداروں سے سختی سے احتساب کرتے، ابوبکر و عمر کے لئے بھی احمد امین نے کیوں نہیں ابن سبا کے علاوہ کوئی دوسرا مزدکی ایجاد کرلیا کہ وہ کہہ سکتے کہ ابوبکر عمر نے فلاں مزدکی کی شاگردی اختیار کی اور اسی سے مزدکی خیالات و نظریات حاصل کئے۔

دوسری جگہ احمد امین فجر الاسلام میں عبداللہ بن سبا کو بانی مبانی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی شخص نے ابوذر غفاری کو اشتراکیت کی تبلیغ پر آمادہ کیا اور یہی سرغنہ ہے ان بلوائیوں کا جو دیار و امصار سے حضرت عثمان پر یورش کرکے آئے۔ اسی ابن سبا نے چاہا کہ مسلمانوں کے دین کو فاسد کردے، اس نے شہروں میں بہت سے مضر عقائد کی اشاعت کی۔ یہ ابن سبا بہت سے شہروں میں گھوما پھرا تھا حجاز میں بصرہ میں کوفہ میں شام میں اور مصر میں لہٰذا قوی امکان ہے کہ اس نے عراق یا یمن کے مزدکیوں سے مزدکی نظریات و افکار حاصل کئے ہوں اور ابوذر نے بھی ان نظریات و افکار کو اچھا سمجھ کر اپنا لیا ہو''۔

کتنے غضب کی بات ہے کہ مولف فجر الاسلام خود اپنے دل سے سوال نہیں کرتے کہ ابوذر کے اسلامی نظریات میں نئی کونسی بات رونما ہوئی؟ کیا خود اسلام کی تعلیمات سے یہ بات نہیں کہ اغنیاء پر فقراء کے حقوق ہیں اور تمام مسلمان برابر ہیں اور سونا، چاندی جمع کرنے والوں کی پیشانی پہلو اور پیٹھ جہنم میں اسی سونے چاندی سے داغے جائیں گے جیسا کہ قرآن کی آیت کہتی ہے۔ تو ان نظریات و خیالت میں جن کے ابوذر حامل تھے اور جن کی تبلیغ کرتے تھے آخر وہ کون سے نئے مزدکی خیالات ہیں؟ ابوذر کا ٹکراؤ تو محض ان لوگوں سے تھا جن سے خود اسلام نے جنگ کی اور جنہیں نار جہنم کی دھمکی دی تھی۔

پھر ابوذر ایسے بزرگ انسان جو پانچویں مسلمان تھے پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی ابوبکر و عمر کے رفیق شیعیان علیؑ کے سر گروہ کیا خود نہیں سمجھ سکتے تھے کہ مال تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ ہر ایک کو اس سے جینا ہے ایک در شخص کا حق نہیں کہ وہ اسے خزانوں میں جمع کر کے رکھے؟ پھر کیا ابوذر ایسے آدمی یہ سمجھتے نہ تھے کہ وہ مال جو تمام مسلمانوں کا مال ہے حضرت عثمان کے عہد میں اس گنتی کے چند آدمیوں نے اپنا خاص حق بنا لیا ہے، ظلم و جور کی حکمرانی ہے۔ اسلام کی تعلیمات اس کے خلاف ہیں لہٰذا مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس کے خلاف قدم اٹھائیں۔

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا ابوذر اس کے محتاج تھے کہ عبداللہ بن سبا ان کو بتائے کہ عثمان اپنے اعزا اور انصار کو حکومت میں، عہدہ و مناصب میں، مال و دولت میں ترجیح دے کر قیصر کسریٰ کے راستہ پر چلنے لگے ہیں اور اس کے بتانے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ حکام گمراہ ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کو پتہ چلا کہ ہم محروم رہے گھاٹے میں رہے جس کے نتیجہ میں ابوذر غفاری بھی برہم ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی برہم ہوئے۔

ان مولفین نے عبداللہ بن سبا اور مزدکیہ کو تو سمجھ لیا لیکن ابوذر اور اسلام کو سمجھ نہیں پائے۔ انہیں ابن سبا کی باغیانہ تحریک اور خلیفہ کے خلاف لوگوں کو ابھارنا تو ہولناک معلوم ہوا لیکن حضرت عثمان کے وہ افعال و حرکات ہولناک معلوم نہ ہوئے جن پر مسلمان ان سے ناراض ہوئے جن حرکات پر ہر زمانہ میں ہر حاکم پر ہر قوم ناراض ہوتی ہے یعنی گنتی کے لوگوں کو اکثریت پر ترجیح دینا اور ان گنتی کے لوگوں کا حاکم کی مدد اور رائے سے ہر چیز پر مسلط ہو۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ دور دراز کے خشک چشموں سے پانی کا سوال کرتے ہیں اور قریب کے سمندر سے سوال نہیں کرتے"۔

وہ واقعات جو حضرت عثمان کی ہلاکت کا باعث ہوئے ان میں بہت سے واقعات کے بارے میں محققین کے درمیان اختلاف ہے سب سے بڑا اور نمایاں واقعہ جس میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ محمد بن ابی بکر اور اس خط کا واقعہ ہے۔ جو مدینہ سے بھیجا گیا تھا اور جس میں حضرت عثمان نے پرانے حکم ابن ابی سرح کو حکم دیا تھا کہ نئے حاکم محمد بن ابی بکر کو پہونچتے ہی قتل کر دینا اس واقعہ کو ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں۔

اس موقع پر ذرا ٹھہر کر اس قصہ سے بحث کرنا چاہئے جسے بعض لوگوں نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ بعض نے انکار کیا۔ بعض محققین نے اس کے صحیح ہونے پر اطمینان ظاہر کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس کی صحت کو بعد از عقل قرار دیا ہے؟ جو لوگ محمد بن ابی بکر اور خط والے قصہ کے منکر ہیں اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ان میں ہم ڈاکٹر طہٰ حسین کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ تاریخ اسلام اور تاریخ عرب میں ان کی رایوں کو بہت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی مشہور کتاب الفتنۃ الکبریٰ کی پہلی جلد

عثمان میں رقم طراز ہیں:

اس موقع پر اس خط کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس کے متعلق روایان حدیث کہتے ہیں کہ مصر والے جب حضرت عثمان کے وعدوں سے مطمئن ہو کر اپنے وطن واپس جا رہے تھے تو راستہ میں انہوں نے ایک غلام کو پکڑا جو ابن ابی سرح کے نام خط لے کر جا رہا تھا۔ خط پا کر مصر والے پلٹ پڑے۔ یہ قصہ میرے خیال میں بالکل بے بنیاد اور سراسر من گڑھت ہے۔ اس کے من گڑھت ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ صحابہ پیغمبرؐ اس خط کے متعلق مصر والوں سے قریب قریب الجھ پڑے اور ان سے پوچھا کہ جب تم علاحدہ علاحدہ راستوں پر جا رہے تھے کوفہ والوں نے کوفہ کا راستہ اختیار کیا بصرہ والوں نے بصرہ کا اور تم لوگوں نے مصر کا تو کوفہ و بصرہ والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ ایسا ایسا خط تم لوگوں کے ہاتھ لگا ہے۔ اس سوال کا مصر والوں سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور ان لوگوں نے کہا آپ لوگ جو بھی سمجھتے ہوں ہم کو اس شخص عثمان کی کوئی حاجت نہیں ہم نہیں چاہتے کہ عثمان خلیفہ رہیں ہم تو ان کو معزول کر کے اور ان کی جگہ دوسرا خلیفہ بنا کر رہیں گے۔

یہ بات کسی عقل میں آنے والی نہیں اور نہ کوئی شخص اسے قبول ہی کرے گا کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا مکر و فریب کریں ان کی ایک جماعت سے وعدے کریں کہ ہم تمہاری مرضی کے مطابق مصر کے حاکم کو معزول کر کے نیا حاکم مقرر کئے دیتے ہیں پھر وہ اس عامل کے پاس پوشیدہ طریقہ پر خط بھیجیں کہ جیسے ہی یہ لوگ تمہارے پاس تمہاری معزولی اور نئے حاکم کے تقرر کا پروانہ لیکر پہونچیں۔ تم انہیں قتل کر ڈالنا۔

یہ بات بھی عقل میں آنے والی نہیں اور نہ کوئی شخص اس کو قبول کرے گا کہ مروان ایسی جرأت و جسارت کرے کہ وہ عثمان کی طرف سے خط لکھے اس خط پر ان کی مہر لگائے اور اس خط کو انہیں کے غلام کے ہاتھ انہیں کے اونٹ پر بٹھا کر روانہ کرے۔

بات بالکل معمولی ہے کوفہ و بصرہ اور مصر اور دیگر اطراف کے بلوائیوں سے حضرت عثمان نے وعدہ کیا ہوگا کہ تمہارے مطالبے منظور ہیں اس وعدے پر انہیں اطمینان ہو گیا پھر انہیں پتہ چلا کہ خلیفہ نے اپنے وعدے پورے نہیں کئے وہ سب غیظ و غضب میں بھرے پلٹ پڑے کہ قصہ ختم ہی کر ڈالنا چاہئے اور اس وقت اپنے گھروں کو واپس نہ جانا چاہئے جب تک عثمان کو معزول کر کے یا قتل کر کے خلافت کا معقول بندوبست نہ کر لیا جائے جب یہ لوگ مدینہ پہونچے تو دیکھا کہ اصحاب پیغمبرؐ ان سے جدال و قتال پر کمر بستہ ہیں انہیں صحابہ پیغمبرؐ سے لڑنا منظور نہ ہوا یہ لوگ از راہ مکر و فریب مدینہ سے واپس ہو گئے جب اطمینان ہو گیا کہ اکابر صحابہ نے کمریں کھول ڈالیں اپنے اسلحے رکھ کر گھروں میں اطمینان سے بیٹھ رہے تو یہ سب بلوائی پلٹ پڑے اور بغیر

کشت وخون اور لڑے بھڑے مدینہ پر چھاگئے۔" (الفتنۃ الکبریٰ جلد اول عثمان)

تاریخ کا ہر وہ واقعہ جسے کچھ لوگوں نے صحیح ثابت کرنے پر اور کچھ لوگوں نے اسکو غلط ثابت کرنے پر زور دیا ہو بیشک اس قابل ہے کہ اس کے متعلق شک وشبہ کیا جائے خصوصیت کے ساتھ وہ واقعات جن سے فرقہ وارانہ اغراض پورے ہوں یا اور کسی مذہب کی تائید وتوثیق ہوتی ہو اور یہ شک وشبہ اس وقت تک دور نہیں ہوسکتا جب تک خود تاریخ سے اس کا ایسا ثبوت نہ پیش کردیا جائے جس سے انکار کرنا ممکن ہو یا اس کی ایسی تحلیل وتوجیہ کی جائے جو بجائے خود شاہد وثبوت کا کام دے۔ اس خط والا واقعہ یقیناً اس لائق ہے کہ استاد جلیل طہٰ حسین کو شک وشبہہ میں مبتلا کرے اور جن وجوہ سے ڈاکٹر طہٰ حسین کو اس واقعہ میں شکوک وشبہات لاحق ہوئے ہیں وہ وجوہ بھی قابل تسلیم تھے بشرطیکہ کچھ ایسی باتیں موجود نہ ہوتیں جو ان وجوہ کو تسلیم کرنے میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔

لیکن یہ بات جو ڈاکٹر طہٰ حسین نے کہی ہے کہ جب صحابہ کرام نے کوفہ وبصرہ والوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کی راہیں تو جداگانہ تھیں تم لوگ اپنے اپنے شہروں کی طرف جارہے تھے تو کیسے معلوم ہوگیا کہ مصر والوں کو ایسا ایسا خط ہاتھ لگا ہے اور اس سوال کا جواب کوفہ وبصرہ والوں سے کچھ دیتے بن نہ پڑا تو یہ بات ایسی نہیں کہ جس کی وجہ سے خط والے قصہ کا سرے سے انکار ہی کردیا جائے۔ کیونکہ یہ بات قطعی ویقینی ہے روایات کی بنا پر بھی اور واقعات کے تسلسل کے لحاظ سے بھی کہ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ انہیں مصر کی طرف روانہ کردیا۔ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو جو عہد نامہ لکھ دیا تھا اس پر محمد کو بھی پورا بھروسہ تھا اور ان کے ساتھیوں کو بھی یہ لوگ بھروسہ کرکے مدینہ سے روانہ بھی ہوگئے لیکن ابھی یہ لوگ مصر تک پہونچنے نہ پائے تھے کہ الٹے پیروں مدینہ واپس پلٹ پڑے تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر لوگ غیظ وغضب میں بپھرے ہوئے واپس کیوں ہوئے؟ موقع کی تاک میں کیوں رہے کہ بغیر لڑے بھڑے مدینہ میں داخل ہوجائیں نہ تاریخ بتاتی ہے اور نہ خط والے قصہ کے منکرین بتاتے ہیں کہ آخر الٹے پیروں واپس پلٹ پڑنے کی وجہ کیا تھی لے دے کے یہی ایک خط کا قصہ ہے جو محمد اور ان کے ساتھیوں کی واپسی کے سبب میں بیان کیا جاتا ہے۔

پھر وہ مہاجرین وانصار جنہیں حضرت عثمان نے محمد بن ابی کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ جاکر باشندگان مصر اور ابن ابی سرح کے حالات کی جانچ پڑتال کریں اور محمد بن ابی بکر کی حکومت کے لئے فضا کو سازگار بنائیں یہ سب کے سب حضرت عثمان کے مطیع وفرماں بردار تھے اور اگر سب نہیں تو کچھ لوگ ان صحابہ میں ضرور ایسے تھے جنہیں حضرت عثمان کے اعوان وانصار کا درجہ حاصل تھا تو جب محمد کے ساتھ کے مہاجرین وانصار حضرت عثمان کے مطیع وحمایتی بلکہ ان کے اعوان وانصار میں سے تھے تو

کس کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ لوگ اپنے جی سے ایک جعلی خط حضرت عثمان کی طرف سے بنالیں اور اگر یہ کہا جائے کہ مہاجرین اور انصار نے نہیں بنایا کسی اور نے بنایا تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان لوگوں نے اس کے صحیح ہونے اور حضرت عثمان ہی کا نوشتہ ہونے کا اقرار کیسے کرلیا۔ اور اگر خط کا قصہ سرے سے من گھڑت ہی مان لیا جائے کہ کوئی خط پکڑا ہی نہیں گیا تو پھر اسے بھی مان لیجئے کہ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی اس خط کی وجہ سے مدینہ پلٹے نہیں بلکہ اس خط کا قصہ حضرت عثمان کے دشمنوں نے ان کی ہلاکت کے بعد گڑھ ڈالا تو پھر اس موقع پر سوال ہوتا ہے کہ مورخین و رواۃ جن میں ڈاکٹر طہٰ حسین بھی شامل ہیں اس خط کا اقرار کر کے یہ کیوں کہتے ہیں کہ صحابہ پیغمبرؐ نے بلوائیوں سے اس خط کے متعلق بحث و تکرار اور اعتراض کیا کہ کوفہ و بصرہ والوں کو کیسے اس خط کا پتہ چلا حالانکہ سب اپنی اپنی راہ لگ چکے تھے مصر والے مصر کی طرف بصرہ والے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

لہٰذا خط کے متعلق تو انکار کیا ہی نہیں جاسکتا خود ڈاکٹر طہٰ حسین کو اقرار ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ نے بلوائیوں سے خط کے بارے میں بحث کی اور بہت تکرار ہوئی اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ خط لکھا تو کس نے لکھا اور کس نے محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ مہاجرین و انصار اور ابن ابی سرح کے مخالفین کی ہلاکت کی سازش کی؟

ڈاکٹر طہٰ حسین کو یقین نہیں آتا کہ ایسی حرکت حضرت عثمان سے سرزد ہوئی وہ لکھتے ہیں:

”نہ یہ بات عقل میں آنے والی ہے نہ قبول ہی کئے جانے کے لائق کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا مکر و فریب کریں کہ مصر والوں سے تو ابن ابی سرح کو معزول اور محمد ابن ابی بکر کو حاکم مقرر کرنے کا وعدہ کریں پھر خفیہ طور سے ابن ابی سرح کو لکھ بھیجیں کہ ان لوگوں کو پہونچتے ہی مار ڈالے“۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا حق ہے۔ واقعاً یہ بات نہ عقل میں آنے والی ہے نہ قبول کئے جانے کے لائق کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا مکر و فریب کریں لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضرت عثمان مزاج کے بہت نرم تھے اور یہی مزاج کی نرمی اکثر اوقات انہیں بنی امیہ کی خواہش و ارادہ کے مطابق کام کرنے پر مجبور کر دیتی تھی اور بنی امیہ مکر و فریب، افترا و بہتان جرأت و جسارت میں جیسی مہارت رکھتے تھے وہ دنیا جانتی ہے۔ حضرت عثمان کے سوانح حیات ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ کسی کام کا حکم دیتے پھر وہ حکم واپس لے لیتے اس پر شرمندگی و ندامت کا اظہار کرتے یہاں تک کہ رونے لگتے۔ اس کا ثبوت کہ بنی امیہ حضرت عثمان کے پیچھے پڑ کر ان کو سلامت روی اور اخلاق پسندیدہ کے خلاف ایسا کام کرنے پر مجبور کر دیتے تھے جس پر انہیں فوراً ہی شرمندہ و نادم ہونا پڑتا وہ انتہائی بدسلوکی ہے جو انہوں نے ابوذر کے ساتھ کی۔ حضرت عثمان نے ابوذر کو انتہائی

ذلیل وخوار کیا مارا پیٹا پھر انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح ابوذر راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ پھر وہ ابوذر پر انتہائی غضبناک ہوئے اور انہیں ربذہ جلاوطن کر کے ان کو ان کے اہل وعیال کو بھوکا مار ڈالا۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بزرگ ترین صحابی پیغمبر عبداللہ بن مسعود کی انتہائی تذلیل وتحقیر کی ان کے حکم سے ایک شخص نے اٹھا کر انہیں زمین پر پٹک دیا جس اسے ان کی پڑی پسلی چور ہوگئی ان کا مشاہرہ بند کیا پھر فوراً ہی ان سے معذرت کے خواہاں ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ ان کے حالات زندگی میں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو حکم دیتے کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جایئے پھر آدمی دوڑاتے کہ جلد واپس آیئے اور میرے پاس ہی رہئے۔ ایسا انہوں نے کئی مرتبہ کیا یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو کہنا پڑا کہ عثمان مجھے آبکشی والا اونٹ بنا دینا چاہتے ہیں کہ میں آتا جاتا رہوں ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ یہاں سے چلے جایئے پھر کہلا بھیجا کہ جلد آیئے پھر اس وقت انہوں نے آدمی بھیجا ہے کہ آپ مدینہ چھوڑ دیجئے"۔

حضرت عثمان عبداللہ ابن ابی سرح کو کھلی چھوٹ دیتے ہیں کہ مصر کے باشندوں کے ساتھ جیسا برتاؤ چاہو کرو اور ابن ابی سرح مصر والوں پر انتہائی مظالم ڈھاتا ہے۔ مصر والے اس کی شکایت لے کر مدینہ آتے ہیں حضرت عثمان تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں جس میں مصر والوں کی مدح وثنا کرتے ہیں توبہ وندامت کا اظہار کرتے ہیں استغفار فرماتے ہیں یہاں تک کہ رونے لگتے ہیں ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو بدل کر تمہاری پسند کا حاکم مقرر کر دیں گے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ دارالخلافہ واپس جاتے ہیں وہاں مروان بیٹھا ہوتا ہے مروان انہیں بہکا کر ان تمام باتوں سے انہیں پھیر دیتا ہے جن کا ابھی ابھی وہ مصر والوں سے وعدہ کر کے آئے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان اپنے کئے ہوئے وعدوں میں سے ایک وعدہ بھی پورا نہیں کرتے۔

ابوذر اور عبداللہ بن مسعود کا معاملہ ان کے نزدیک محمد بن ابی بکر کے معاملہ سے آسان نہ تھا اور نہ ان دونوں کی اصلاح کی اپیل، ان کے خویش واقارب پر، مصر والوں کے ایک مرتبہ مدینہ کے دارالخلافہ پر اور ایک مرتبہ مصر کے گورنر پر چڑھائی سے زیادہ گراں تھی، جب حضرت عثمان اپنے خویش واقارب کی خواہش وارادہ کے مطابق ابوذر اور عبداللہ بن مسعود سے بدسلوکی کر سکتے تھے تو محمد یا مصر والے کس شمار قطار میں تھے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ محمد ابن ابی بکر حضرت عثمان کی سیاست کے مخالفین میں سے تھے اور ابن ابی سرح عثمان کا خاص آدمی تھا ان کی سیاست اور طرز حکومت کو دل وجان سے پسند کرتا تھا۔ لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت عثمان محمد بن ابی بکر کو عبداللہ ابن ابی سرح کی جگہ حاکم مقرر کر کے اور مصر والوں سے ان کے مصائب کی تلافی کا وعدہ کر کے پچھتائے ہوں پھر مروان اور اپنے دیگر خویش واقارب کے دباؤ

سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہوں۔

ہم نے اس خط والے واقعہ کا جو ذکر کیا تو اس سے ہماری غرض ان لوگوں کی تائید و حمایت کرنا نہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ خط لکھنے والے حضرت عثمان ہی تھے ہم نے صرف یہ واضح کرنے کے لئے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان کی نرم مزاجی سے مروان اور آل حکم جو حضرت عثمان کے تمام امور کے مالک و مختار بنے ہوتے تھے کتنا فائدہ اٹھاتے اور کیسے کیسے مکر وفریب کرتے رہتے۔

لہٰذا اگر یہ بات عقل میں آنے والی اور قبول کئے جانے کے لائق نہیں کہ عثمان مسلمانوں کے ساتھ اس طرح مکر و فریب کریں تو یہ بات تو یقیناً عقل میں آنے والی اور قبول کئے جانے کے لائق ہے کہ مروان حضرت عثمان پر دباؤ ڈال کر اپنی مرضی وخواہش کے مطابق کام کرالے۔

اب ہم پھر ڈاکٹر طہٰ حسین کی عبارت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ خط کا قصہ سرے سے من گڑھت قصہ ہے دو سببوں سے جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے پھر اس قصہ کے من گڑھت سمجھنے کی تیسری وجہ بھی ہے جو ہمارے خیال میں انتہائی کمزور وجہ ہے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"نہ یہی بات عقل میں آنے والی اور قبول کئے جانے کے لائق ہے کہ مروان حضرت عثمان کے ساتھ ایسی جرأت کرے اور آپ کی طرف سے خط لکھ کر آپ کی مہر لگا کر آپ ہی کے غلام کے ہاتھ اسے روانہ کرے"۔

ہم کہتے ہیں مروان کا حضرت عثمان کے ساتھ ایسی جرأت و جسارت کرنا اور آپ کی طرف سے خط لکھ کر آپ کے غلام کے ساتھ روانہ کرنا تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب کی بات ڈاکٹر طہٰ حسین کی ہے جو مروان ایسے شخص سے اس قسم کی حرکت کے سرزد ہونے کو بعید از عقل قرار دیتے ہیں وہ مروان جو حکومت کو اپنی حکومت اور دنیا کو اپنی دنیا سمجھتا اور عوام الناس کو اپنا غلام اور نوکر چاکر سمجھتا تھا کہ جسے چاہے زندہ رکھے اور جسے چاہے مار ڈالے۔

اب ہم ڈاکٹر طہٰ حسین کے ان روایات کو بعید از عقل سمجھنے پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جو بتاتی ہیں کہ وہ خط مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور ساری سازش اس کی سیاست اور طرز حکومت کا نتیجہ تھی کیونکہ عہد عثمان میں عملی حیثیت سے اصل میں وہی حاکم تھا۔

چند باتوں کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

پہلی بات یہ کہ تمام روایات متفقہ طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت علیؑ مصر کے ایک وفد کو لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے اس وفد میں عمار بھی تھے اور طلحہ و زبیر بھی اور سعد بن ابی وقاص بھی آپ کے ہاتھ میں وہ خط تھا اور ساتھ میں وہ غلام اور اونٹ آپ

نے خط کے بارے میں حضرت عثمان سے بحث کی اور کچھ دیر کے بعد صحابہ کو پتہ چلا کہ یہ خط مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ان لوگوں نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ مروان کو ہمارے سامنے پیش کیجئے تا کہ ہم اس سے پوچھ گچھ کریں حضرت عثمان مروان کو پیش کرنے پر تیار نہ ہوئے جس پر صحابہ غیظ وغضب کے عالم میں ان کے پاس سے واپس ہوئے اس روایت کو ہم تفصیل سے گزشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں۔

دوسری بات مروان کا نظریہ ہے عثمان کی خلافت کے متعلق کیا حضرت عثمان مروان کی نظر میں ویسے ہی خلیفہ تھے جیسے ابو بکر وعمر یا مروان کی نظروں میں بنی امیہ کی ایک فرد تھے اور ضروری تھا کہ بنی امیہ عثمان کے ذریعہ اس اقتدار و حکومت کو واپس پلٹائیں جسے اسلام نے ملیامیٹ کر دیا تھا موقع غنیمت تھا حکومت بہت طولانی انتظار کے بعد بنی امیہ تک پہونچی تھی لہٰذا اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانے کا سوال ہی نہ تھا۔

مروان کی تاریخ اموی روح سے اسی طرح لبریز تھی جس طرح اسفنج دریا کے اندر پانی سے لبریز ہوتا ہے۔ خلافت کا مسئلہ اس کے دل میں اس کی زبان پر اس کے تصورات میں حضرت عثمان کا مسئلہ نہ تھا وہ عثمان جو قریشی تھے مہاجر تھے پیغمبرؐ کے صحابی اور آپ کی رسالت کے سچے دل سے معتقد تھے اور جنہیں حضرت عمر نے ممبران شوریٰ میں سے رکھا تھا بلکہ حضرت عثمان کا معاملہ مروان کے دل میں اس کی زبان پر اس کے تصورات میں اس عثمان کا مسئلہ تھا جو بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔

خلافت کا مسئلہ مروان کے نزدیک عادلانہ حکومت، ظالم کے خلاف مظلوم کی طرف داری حقوق عامہ کی رعایت ونگہداشت اور پیغمبرؐ وشیخین کی سیرت پر چلنے کا معاملہ نہ تھا بلکہ یہ بادشاہت تھی جسے ابو بکر وعمر اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھے اور اپنی اولاد کو اس بادشاہت کا وارث نہ بنایا، حضرت عثمان پر جو اموی تھے لازم تھا کہ وہ اس غلطی کو نہ دہرائیں جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کا احساس رہے کہ خلافت ہم سے اور ہم تک ہے بلکہ حضرت عثمان پر لازم ہے کہ وہ عوام کے ساتھ وہی روش رکھیں جو ایک محتاط بادشاہ کی روش ہوتی ہے اپنے غلاموں اور رعایا کے ساتھ۔ ہوشیار اور دور اندیش بادشاہ اس موقع ہی نہیں دیتا کہ وہ کم پر ناراض اور زیادہ کی لالچ کریں اور اگر عثمان اس طرح حکومت کرنے سے عاجز رہیں تو اس کے لئے مروان موجود ہے جو انہیں مشورہ دیتا رہے اور حاکم و رعایا کے ہر چھوٹے بڑے معاملات اس کی نظر سے گزرتے رہیں۔ مروان کی حقیقت وکیفیت، اور اپنے زمانہ کے معاملات کے متعلق اس کے جو تصورات تھے اس کو ہم گزشتہ دو فصلوں "قریش کے دو خاندان" اور "قتل عثمان کی حقیقت" میں بیان کر چکے ہیں یہاں ضرورت نہیں کہ ہم ان باتوں کو پھر دہرائیں اس موقع پر اشارۃً اتنا کہہ دینا ضروری تھا اس لئے ہم نے یہ کچھ لکھا۔ مروان کا یہ جملہ ہم بھولے نہیں ہیں جو اس نے بلوائیوں سے کہا تھا۔

"یہ تم لوگ کس لئے اکٹھا ہوئے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم ہماری سلطنت و بادشاہت کو ہمارے ہاتھ سے چھیننا چاہتے ہو"۔

اس وقت خلافت حقیقت میں مروان کی بادشاہت تھی۔ رعیت کا حق نہ تھا کہ وہ سر اٹھائیں اور اپنے بادشاہ سے اپنے معاش اور اپنی آزادی کا تقاضا کریں مروان خاندان بنی امیہ کا بادشاہ تھا اور لوگ اس کے غلام تھے۔

جو شخص خلیفہ اور خلافت کو اس نظر سے دیکھتا ہو اور اپنے انہیں مذکورہ بالا تصورات کے لحاظ سے احکامات صادر کرتا ہو اسے کیسے یہ بات گوارا ہوسکتی تھی کہ عوام الناس اس حکومت میں جو اس کے رشتہ دار عثمان کی حکومت (یا یوں کہا جائے کہ خود مروان کی حکومت تھی کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں) طمع کریں اور بادشاہ ان کی مرضی کے آگے سر جھکا دے اور اس عامل کو معزول کردے جو بنی امیہ کا خاص آدمی تھا اور اس کے بدلے محمد بن ابی بکر کو حاکم مقرر کرے جو عثمان کی حکومت کے مخالف اور علی ابن ابی طالبؑ کے جاں نثاروں میں تھے۔

پھر یہ بات بھی ہم نہیں بھول سکتے کہ بلوائی اور صحابہ کرام جو عثمان سے ناراض تھے انہیں لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ محمد بن ابی بکر کو عامل مقرر کردو۔ اس بارے میں مروان سے کوئی رائے نہیں لی گئی تھی اور مروان اپنے اقتدار پر ایسے حملے برداشت کرنے پر کسی طرح تیار نہیں ہوسکتا تھا۔

اور جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مروان کا نظریہ خلافت کے متعلق کیا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ اس فضیلت کو نظر انداز کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہوسکتا تھا جو چھن کر دوبارہ پلٹ آئی تھی اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ مروان حضرت عثمان کو خلیفۃ المسلمین کے بجائے اموی خاندان کا چشم و چراغ اور اموی ریاست و حکومت کا نمائندہ سمجھتا تھا تو اب یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی کہ مروان اپنے رشتہ دار اور حمایتی حضرت عثمان پر ہر طرح کی جرأت کرسکتا تھا لیکن یہ جرأت و جسارت ہمارے آپ کے نزدیک جرأت و جسارت تھی مروان کے نزدیک نہیں، بلکہ مروان تو اپنے تصورات کی بنا پر اپنے حق کی حفاظت کررہا تھا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کو یہ بات بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ مروان حضرت عثمان کے خلاف ایسی جرأت کیسے کرسکتا تھا کہ وہ ان کے نام سے ان کی مہر لگا کر ایسا خط لکھ ڈالے حالانکہ مروان کی جرأت و جسارت کے ایک دو نہیں بیسیوں شواہد تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں مروان ہی نے اصحاب پیغمبر اور عثمان پر جرأت کی تھی جب کہ اس نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا تھا کہ آپ ان تمام صحابہ کو قتل کرڈالیں جو آپ کی حکومت پر معترض ہیں یعنی علیؑ ابن ابی طالبؑ، عمار بن یاسر، ابوذر غفاری وغیرہ۔

اس مروان نے حضرت عثمان اور عبداللہ بن مسعود پر جرأت کی جب کہ اس نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ ابن مسعود کوفہ کو آپ کے خلاف کرچکے ہیں اب انہیں اس کا موقع نہ دیجئے کہ یہ شام کو خراب کریں۔ حضرت عثمان نے اس کے مشورہ کو

بے چون وچرا تسلیم کرلیا تھا۔

اسی مروان نے جناب ابوذر اوران کے رخصت کرنے پر علیؑ وفرزندان علیؑ وعقیل وعباس پر جرأت کی تھی وہ اپنی جرأت سے اس وقت تک باز نہ رہا جب تک علیؑ نے اس پر لعنت نہ فرمائی اس کے مرکب کو تازیانہ سے نہ مارا اور قریب تھا کہ خود اس کی بھی تازیانہ سے خبر لیتے۔

اسی مروان نے انتہائی سخت اور نازک موقعوں پر عثمان پر جرأت کی، باہر سے آئے ہوئے وفود کو ڈانٹ ڈپٹ کر اور گالیاں دے کر دار الخلافہ سے بھگا دیا اور عثمان اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے رہے۔

اسی مروان نے عمار وعثمان پر جرأت کی جبکہ اس نے عثمان کو صاف صاف مشورہ دیا تھا کہ عمار کو قتل کر ڈالئے۔

مروان کی جرأتیں حضرت عثمان پر ان باتوں سے بھی بڑھ کر تھیں اس نے نائلہ زوجہ عثمان تک کے خلاف جرأت کی اور عثمان اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے رہے۔ اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ نائلہ زیرک دانا خاتون تھیں، انہیں مروان کی سیاست انتہائی ناپسند تھی وہ اپنے شوہر کو برابر نصیحت کیا کرتیں کہ علیؑ کے مشوروں پر عمل کیجئے، جب حضرت عثمان نے مصر وکوفہ و بصرہ کے وفود کے سامنے آکر تقریر کی جس میں اپنی کوتاہیوں کا اقرار کیا اور ان کے متعلق توبہ واستغفار کی اور ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ ہم حالات کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس تقریر کے بعد جب عثمان گھر میں آئے تو مروان نے کوشش کی کہ عثمان جو کچھ وعدہ کر آئے ہیں ان وعدوں سے انہیں برگشتہ کردے۔ اس نے اس طرح گفتگو کا آغاز کیا۔

امیر المومنینؑ میں خاموش رہوں یا کچھ بولوں" نائلہ زوجہ عثمان نے کہا نہیں تم خاموش ہی رہو۔ تم لوگ خدا کی قسم عثمان کی جان لے کر اور ان کے بچوں کو یتیم بنا کر رہو گے۔ عثمان ایسے عہد وپیمان کر چکے ہیں جن سے پھرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مروان نے کہا تمہیں اس سے کیا سروکار؟ خدا کی قسم تمہارا باپ مرگیا اور اسے اچھی طرح وضو کرنا بھی نہیں آتا تھا۔ تو جب مروان حضرت عثمان کی موجودگی میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی بیوی کے ساتھ ایسی گستاخی وبے ادبی کرسکتا تھا تو حضرت عثمان کی لاعلمی میں اس کی حضرت عثمان کے نام سے خط لکھ ڈالنے کی جرأت وجسارت کون سے تعجب کی بات ہے؟

حضرت عثمان کے عہد کے سبھی لوگ واقف تھے کہ مروان حضرت عثمان کے ساتھ کیسی کیسی گستاخیاں اور کیسی کیسی جرأت کرتا رہتا تھا لوگوں نے مروان کی ان گستاخیوں کو چھپایا نہیں بلکہ زجر وتوبیخ کی حیثیت سے عثمان کو بھی متنبہ کردیا لیکن پھر بھی حضرت عثمان مروان کے کہنے سے باہر اور اس کے مشورے پر عمل کرنے سے منکر نہ ہوئے کیا حضرت علیؑ نے عثمان کے پاس آکر عوام کی ترجمانی کرتے ہوئے نہیں کہا تھا۔

آپ مروان سے جبھی خوش ہوں گے اور وہ آپ سے تب ہی راضی ہوگا جب وہ آپ کو دین سے برگشتہ اور عقل سے کنارہ کش بنادے بلکہ سیدھے اور کمزور اونٹ کی طرح جہاں چاہے لے جائے۔

مروان کی جراتوں ہی نے دوسروں کو بھی ہمت دلائی کہ وہ بھی عثمان سے اسی طرح گستاخانہ پیش آئیں ہم جبلہ ابن عمرہ ساعدی کا واقعہ ذکر کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ عثمان کا گزر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن میں جبلہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عثمان نے سلام کیا لوگوں نے جواب سلام دیا۔ جبلہ نے لوگوں کو ٹوکا کہ کیوں تم لوگ ایسے شخص کے سلام کا جواب دیتے ہو؟ مروان ہی کی جرأت وجسارت دیکھ کر جبلہ کی یہ ہمت ہوئی عثمان سے کہنے کی۔

''خدا کی قسم میں یہ زنجیر آپ کی گردن میں ڈال دوں گا ورنہ آپ اپنے خبیث رشتہ داروں کو اپنے سے الگ کیجئے''۔

کون پوچھے ڈاکٹر طہٰ حسین سے کہ جبلہ بن عمرہ کی یہ گستاخی زیادہ بعید از عقل ہے یا مروان کی یہ گستاخی کہ اس نے عثمان کی طرف سے ان کی مہر لگا کر ایسا خط لکھ ڈالا۔ جبلہ عوام الناس کی ایک فرد تھے جب وہ عثمان کے ساتھ ایسی گستاخی ان کے خلاف ایسی جرأت کر سکتے تھے تو پھر مروان جو حضرت عثمان کا بہت ہی چہیتا داماد تھا اسے بہت کچھ درخور بھی آپ کے مزاج میں حاصل تھا وہ کیوں نہیں ایسی جرأت کر سکتا تھا؟

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

عظیم ترین سازش

ان (بنی امیہ) نے ہر حق کے لئے باطل ہر استوار کے لئے کج ہر زندہ کے لئے قاتل ہر دروازہ کے لئے کنجی اور ہر رات کے لئے چراغ فراہم کیا۔

(امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ)

ذمہ داران قتلِ عثمان

وہ مجھ سے ایسے حق کے طلب گار ہیں جس کو خود انہوں نے ادا نہیں کیا۔ اور ایسے خون کا انتقام مجھ سے لینا چاہتے ہیں جس کو خود انہوں نے بہایا ہے۔ (علیؑ ابن ابی طالبؑ)

وائے ہو طلحہ پر میں نے انہیں اتنا اور اتنا سونا دیا اور وہ اب میرا خون بہانا چاہتے ہیں۔ (عثمان)

لیکن اے معاویہ تم نے یہ چاہا کہ میں قتل کر ڈالا جاؤں اور تم یہ دعویٰ کر بیٹھو کہ خون عثمان کا قصاص لینے کا حقدار میں ہوں۔ (عثمان)

نعثل کو قتل کر ڈالو۔ (عائشہ)

خدا کی قسم میں چرواہے تک کو ملاقات کے وقت عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتا۔ (عمرو بن عاص)

ہم مذکورہ بالا صفحات میں پوری وضاحت سے بیان کر چکے کہ حضرت عثمان کے خلاف نفرت و بیزاری کی لہر جس طرح مدینہ کے عوام میں دوڑی اسی طرح دیگر ممالک اور سرحدوں پر مقیم عوام کے دلوں میں بھی پیدا ہوئی۔ شروع شروع تو لوگوں کے دلوں میں کبیدگی اور بیزاری پیدا ہوئی۔ اس کے بعد زبان پر شکایتیں شروع ہوئیں پھر ان شکایتوں نے آگے بڑھ کر نافرمانی کی شکل اختیار کر لی نافرمانی اس حد کو پہونچی کہ محاصرہ کی نوبت آئی اور محاصرے کا اختتام ان کی ہلاکت پر ہوا۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی سیاست پر جن لوگوں نے اعتراضات کئے اور انہیں نیک مشورے دیئے وہ معمولی افراد

نہیں تھے بلکہ کبار صحابہ تھے حضرت عثمان بجائے اس کے کہ ان کے مشوروں پر عمل کرتے اپنی قابل اعتراض روش اور خاندان پرستی چھوڑتے۔ انہوں نے اور ان کے خویش و اقارب نے ان کبار صحابہ کو طرح طرح کی عقوبتیں اور ہولناک سے ہولناک سزائیں دیں۔ ان کبار صحابہ نے حضرت عثمان کی سیاست اور طرز عمل پر اعتراضات کئے تو جاہ و اقتدار کی لالچ مال و دولت کی طمع یا حکومت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض اسلام کا سچا درد دل میں رکھنے عدالت پر جان دینے اور خاندان پرستی اور بلا استحقاق ترجیح سے متنفر ہونے کی بنا پر اعتراضات کئے وہ منتخب روزگار مسلمین تھے وہ صدر اول کے مسلمان تھے انکا عہد اسلام کا تابناک عہد تھا انہیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس تھا ایسی ذمہ داریاں جو پیغمبروں کی ذمہ داریوں سے ملتی جلتی تھیں۔

علیؑ نے عثمان کی اس سیاست اور طرز عمل پر جو اعتراض کیا کہ وہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو بڑی بڑی جاگیریں بغیر کسی استحقاق کے دے دیتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ علیؑ خود کسی جاگیر و جائیداد کے خواہش مند تھے ان کی مالی سیاست پر ان کا اعتراض اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ سرمایہ داری و دولت مندی کی طرف میلان رکھتے تھے۔ علیؑ کی مال و دولت سے بے نیازی ساری دنیا جانتی ہے اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ خاندان پرستی اور اقربا نوازی کی سیاست جو عثمان اختیار کئے ہوئے تھے اور وہ اموی ذہنیت جو ان کی سیاست میں صاف نمایاں تھی علیؑ کا اس سیاست اور اس اموی ذہنیت پر اعتراض اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خود اپنے خاندان والوں کی فلاح و بہبود اور برتری کے خواہاں تھے علیؑ کے متعلق ان باتوں کا وہم وگمان بھی ناممکن ہے۔ علی علیہ السلام اسلام کے رکن، پیغمبرؐ کے ابن عم ان کے داماد اور ان کے جگر گوشوں کے باپ تھے، علیؑ ہی کا یہ قول تھا قیمۃ الانسان ما یحسنہ ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عمل کے لحاظ سے ہے جس کا عمل جتنا زیادہ بہتر ہوگا اتنی ہی اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی۔ آپؑ کے اس فقرے نے ان تمام خاندانی اور قبائلی شرافت کو خاک میں ملا دیا جو انسان اپنے خاندان وقبیلہ سے بطور میراث پاتا ہے۔

ابوذر و عمار اور انہیں جیسے دیگر صحابہ کبار کی مخالفت اور عثمانی سیاست سے بیزاری بھی انہیں وجوہ سے تھی جن وجوہ سے علیؑ بیزار تھے موضوع اور غایت کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا۔ اسی وجہ سے ان حضرات کی مخالفت اس نوعیت کی نہ تھی کہ اس کا اختتام عثمان کی ہلاکت پر ہو۔ ان حضرات کی خواہش محض یہ تھی کہ عثمان اموی ذہنیت سے باز آئیں خاندان پرستی و اقربا نوازی کی سیاست ترک کر دیں۔ مظلومین کے ساتھ انصاف ہو جبر و تشدد دور ہو اور وہ راہ راست اختیار کریں یہ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ قتل کر ڈالے جائیں۔

ایسی سلطنت جیسی حضرت عثمان کے زمانہ میں اسلامی تھی اور جس کی حدیں انتہائی وسیع ہو چکی تھی فطری بات تھی کہ ایسی

سلطنت میں ایک اور طرح کی مخالفت جنم لے۔ یہ مخالفت ان لوگوں کی تھی جو حکومت و اقتدار کے طلبگار مزید نعمتوں کے خواہش مند اور اپنا دائرہ اثر و اقتدار بڑھانے کی فکر میں تھے اس امید میں کہ اگر موجودہ حاکم ہٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا شخص ہماری پسند کا مسند حکومت پر متمکن ہوتا ہے تو ہماری وجاہت ہمارا اثر و اقتدار پہلے سے زیادہ بڑھ جائے گا۔ اس قسم کی مخالفت تاریخ کے ہر دور میں اور روئے زمین کے ہر شہر میں ہوتی رہی ہے اور حاکم وقت کے حوالی موالی اپنا کام نکالنے کے لئے اپنا طرز عمل بدلتے رہتے ہیں جیسا رنگ دیکھتے ہیں ویسا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔

اس قسم کے مخالفین حضرت عثمان کے زمانہ میں ایک ہی جیسے تھے حضرت عثمان کی جن لوگوں پر نظر عنایت تھی اور جو ان کی داد و دہش سے اپنا گھر بھر رہے تھے وہ بھی مخالف تھے اور وہ بھی جو کسی مالی منفعت سے محروم ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان سے ناراض و شاکی تھے۔ نیز عثمان کے مخصوص اعزہ و رشتہ داران کے عمال اور ان کے اعوان و انصار بھی جنہیں حضرت عثمان نے لوگوں ہی کی گردنوں پر نہیں بلکہ اپنے اوپر بھی تسلط دے رکھا تھا حضرت عثمان کے اصل قاتل یہی لوگ ہیں۔

یہ بات کہ حضرت عثمان نے کیونکر خود اپنی ہلاکت کے اسباب فراہم کئے مروان اور حضرت عثمان کے مخصوصین نے کیسے ساری دنیائے اسلام کو عثمان سے برگشتہ و مخالف کیا اس کو ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس حقیقت کو ان لوگوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا جو حضرت عثمان سے نزدیکی تعلق رکھنے والے اور ان کی حالت سے زیادہ واقف تھے محمد بن مسلمہ جو حضرت عثمان کے مقربین سے تھے۔ جب مرنے لگے تو کسی نے کہا عثمان قتل کئے گئے انہوں نے جواب دیا عثمان نے خود اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ حضرت عثمان کی بیوی نائلہ مروان اور حضرت عثمان کے مخصوصین کو خطاب کر کے یہ فقرہ کہتی ہیں: فانتم واللہ قاتلوہ و میتموا اطفالہ۔ خدا کی قسم تم لوگ عثمان کو قتل کر کے اور ان کے بچوں کو یتیم بنا کر رہو گے۔ اور حضرت عثمان سے خطاب کر کے کہتی ہیں۔ فانك متی طعمت مروان قتلك۔ اگر آپ نے مروان کی بات مان لی تو یہ آپ کو قتل کر کے رہے گا۔

رہ گئے حضرت عثمان کے اموی عمال و حکام ان کے وہ اعوان و انصار جنہیں عثمان نے لوگوں کی گردنوں پر سوار کر رکھا تھا اور دیگر مخالفین جن میں بعض حضرت عثمان کی عنایتوں سے بہرہ اندوز تھے اور بعض ان سے شاکی تھے ان کا ہم عنقریب ایک ایک کر کے ذکر کریں گے کیونکہ انہیں لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف ایسی عظیم ترین سازش کی جیسی سازش مشرق میں کبھی نہ ہوئی۔ سازش انہیں لوگوں کی ہوئی تھی جنہوں نے عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارا ان کے خلاف صف بستہ کیا اور ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ وہ سازش یہ تھی کہ ان لوگوں نے علیؑ پر یہ تہمت لگائی کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا

ہے۔وہ حضرت عثمان کی خون آلود قمیص لے گئے اور یہ کہنا شروع کیا کہ ہم خون کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔

معاویہ بن ابوسفیان جو بزعم خویش حضرت عثمان کے قصاص کے طلبگار تھے درحقیقت اپنے اور اپنی اولاد کے لئے شام میں بادشاہت وسلطنت کی بنیاد مضبوط کرنے کی فکر میں تھے ان کی کوشش تھی کہ پہلے شام میں ہماری حکومت مضبوط ہو جائے پھر روز بروز ہم اس کا دائرہ وسیع کرتے جائیں آس پاس کے ممالک پر قابض ہوں پھر ساری اسلامی سلطنت کے مطلق العنان فرمانروا بن جائیں۔انہوں نے نہ حضرت عثمان کی ان کی زندگی میں کوئی پرواکی نہ ان کے مرنے کے بعد۔انہیں بس غرض تھی تو صرف اس سے کہ حضرت عثمان ہمیں زیادہ سے زیادہ اقتدار کا مالک بناتے جائیں۔اور ایسا موقع فراہم کردیں کہ ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔حضرت عثمان کے متعلق اگر انہیں کوئی فکر تھی تو بس یہی فکر کہ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ آزادی وخودمختاری عنایت کریں ہم جو کچھ کریں اس پر ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہو وہ ہمارے لئے آڑ بن جائیں اور ان کی آڑ میں پائیدار سلطنت قائم کرنے کی ہماری تمنائیں پوری ہو جائیں۔

جب حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے تب بھی ان کی ہلاکت کی انہیں اتنی پروا نہ تھی جتنی فکر اس بات کی کہ موقع بہترین ہے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرنے والے خلیفہ کا وارث بن جانا چاہئے اور نئے خلیفہ سے گلوخلاصی حاصل کرنی چاہئے۔

جس وقت حکومت ان کے ہاتھ آگئی اور وہ مملکت اسلامیہ کے بلاشرکت غیرے حکمراں بن گئے تو انہوں نے قاتلین عثمان کے ساتھ کیا کیا؟ اگر معاویہ کو واقعاً عثمان کی ہلاکت کا صدمہ ہوتا تو اب جبکہ ہر شخص کی جان ان کی مٹھی میں تھی وہ قاتلین عثمان کو چن چن کر قتل کر سکتے تھے۔حکومت ہاتھ آنے کے بعد وہ عثمان کے قصہ کو اسی طرح بھول گئے جس طرح یہ بھول گئے کہ ہمیں عثمان کے قاتلوں سے انتقام لینا ہے۔حالانکہ اسی انتقام خون عثمان کے بہانے انہوں نے علم بغاوت بلند کیا لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا اور نئے خلیفہ سے سرکشی کی۔سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں بلوائی حضرت عثمان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے وہ اگر چاہتے تو شام سے بہت بڑا لشکر بھیج سکتے تھے وہ شام کے مستقل گورنر تھے حضرت عثمان نے انہیں بہت ڈھیل بھی دے رکھی تھی وہ جو چاہتے تھے کر ڈالتے تھے ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا شام کا لشکر موجود ہی تھا وہ پورے لشکر کو حضرت عثمان کی مدد کے لئے بھیج سکتے تھے محاصرہ کے پہلے بھی اور محاصرہ ہو جانے کے بعد بھی بلکہ ان کے لئے تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حضرت عثمان کو سمجھاتے بجھاتے کہ عامۃ المسلمین کی مخالفت پر اڑے رہنا ٹھیک نہیں رائے عامہ کو ٹھکرانا مناسب نہیں لیکن انہوں نے کوئی بات بھی نہ کی۔صرف اسی لئے کہ وہ بہت دنوں سے اس لالچ میں تھے کہ عثمان کے بعد یہ حکومت ہمارے ہی ہاتھ آئے ان کی تمام ذہنی صلاحیتیں فکروتدبیر اسی خواہش پر مرکوز تھی کسی اور طرف ان کا دھیان ہی نہ تھا۔

جس دن کہ حضرت عثمان نے بگڑے ہوئے حالات سدھارنے کے لئے اپنے مخصوصین کی کانفرنس کی تھی جس میں معاویہ بھی شریک تھا اور وہ کانفرنس بغیر کوئی تجویز پاس کئے ناکامی پر ختم ہوگئی اسی دن سے معاویہ نے اپنے چنگل خلافت پر گڑو دیئے کیونکہ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ عثمان ضرور مارے جائیں گے انہوں نے دیکھا کہ شام ہمارے ہاتھ میں ہے اس کے باشندے ہمارے مطیع وفرمانبردار ہیں اگر عثمان قتل ہوگئے تو ہمیں ایک بہترین حربہ ہاتھ لگ جائے گا اسی حربہ سے کام لے کر اور انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر کے ہم اپنا دلی مقصد حاصل کرلیں گے وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت عثمان کے عاملوں میں مجھ سے بڑھ کر قوت واقتدار والا کوئی نہیں نہ مجھ سے بڑھ کر کوئی لشکر فراہم کرنے معززین ورؤساء قبائل کو ڈرادھمکا کر یا دادو دہش کے ذریعہ اپنا طرف دار بنانے پر قادر ہے لہذا اسی دن سے خلافت کا سودا ان کے سر میں سمایا اور وہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں مصروف ہوگئے خود انہوں نے یہ فقرہ کہا تھا:

انہ لیس احد اقوی منی علی الامارۃ وان عمر استعملنی ورضی سیرتی

حکومت کی صلاحیت وقوت مجھ سے زیادہ کوئی نہیں رکھتا حضرت عمر نے مجھے عامل مقرر کیا اور وہ ہماری سیرت پر راضی بھی رہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

معاویہ کے دل میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ حضرت عثمان کا قتل ہونا ہی ضروری ہے کیونکہ انہیں شام میں اتنی قوت و طاقت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ حکومت پر آسانی سے قابض ہو سکتے تھے۔

علامہ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا تو حضرت عثمان نے معاویہ کو خط لکھا جس میں تاکید کی تھی کہ میری مدد کو فوراً پہونچو معاویہ ایک بہت بڑی جمعیت لے کر مدینہ روانہ ہوئے جس جگہ سے شام کی سرحد شروع ہوتی تھی وہاں پہونچ کر لشکر والوں سے کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں امیر المومنین (عثمان) کے پاس صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ وہ حضرت عثمان کے پاس پہونچے حضرت عثمان نے ان سے پوچھا لشکر کیا ہوا۔ معاویہ نے کہا میں لشکر پیچھے چھوڑ کر آپ کے پاس آپ کی رائے معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں یہاں سے پلٹ کر جاؤں گا اور لشکر لے کر آپ کے پاس پہونچ جاؤں گا حضرت عثمان نے کہا:

لا الہ الا اللہ ولکنک یا معاویۃ اردت ان اقتل فتقول انا ولی الثار ارجع فجئنی بالناس

معاویہ ایسا نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم چاہتے ہو میں مارا جاؤں اور تمہیں یہ دعویٰ کرنے کا موقع مل جائے کہ عثمان کے

خون کا انتقام لینے کا میں حقدار ہوں۔ فوراً جاؤ اور لوگوں کو میری مدد کے لئے لاؤ۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

حضرت عثمان کے قتل ہونے کے ایک عرصہ بعد جب معاویہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان کے گھر میں بھی گئے حضرت عثمان کی صاحبزادی عائشہ وا ابتاہ ہائے بابا جان کہہ کر رونے لگیں معاویہ نے عائشہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا بھتیجی لوگوں نے میری اطاعت کرلی میں نے انہیں امن دیا ہم نے ایسی بردباری کا مظاہرہ کیا جس کے نیچے غیظ وغضب پنہاں تھا لوگوں نے ہماری ایسی اطاعت ظاہر کی جس کے نیچے کینہ وعداوت پنہاں ہے ہر شخص کے ہاتھ میں تلوار ہے اُسے اپنے مددگاروں کا بھی پتہ ہے اگر ہم ان کے ساتھ غداری کرتے ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ غداری کریں گے ہم نہیں کہہ سکتے کہ جیت ہماری ہوگی یا ان کی اس وقت اس بات کو غنیمت سمجھو کہ امیر المومنین کی بیٹی اور امیر المومنین معاویہ کی بھتیجی کہلاتی ہو اگر میں تمہاری خاطر سے طلب قصاص کے لئے اٹھوں اور معاملہ دگرگوں ہو کر حکومت میرے ہاتھ سے نکل جائے تو اس وقت تم معمولی عورت رہ جاؤ گی۔

تو عثمان کا قصہ معاویہ کے دل میں اور ان کی زبان پر اس وقت آ کر ختم ہوگیا جب خود امیر المومنین بن گئے اور عثمان کی دختر امیر المومنین کی بھتیجی حالانکہ جب تک خلافت علیؑ کے ہاتھ میں رہی یہی قصہ عثمان کتنی سخت گتھی بنا ہوا تھا اب حکومت معاویہ کے ہاتھ میں تھی اور معاویہ کے لئے موقع تھا کہ وہ اپنے باپ ابوسفیان کی اس وصیت کو پوری کریں جو اس نے حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر ہونے پر کی تھی۔

''اے فرزندان امیہ اس حکومت سے اس طرح کھیلو جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہمیشہ تمہارے لئے اس حکومت کا آرزومند رہا اب یہ حکومت تمہارے بچوں تک بطور میراث پہونچے گی''۔

معاویہ کے بعد خلافت اس کے فرزند یزید کی طرف پھر امیہ کے سارے بچوں کی طرف جانے والی تھی۔ حضرت علیؑ نے معاویہ کو جو خطوط لکھے ان میں صریحی تذکرہ اس کا ہے کہ حضرت عثمان نے جب معاویہ سے مدد مانگی تو معاویہ نے ان کی مدد سے گریز کیا نہ خود آئے نہ کسی لشکر کو روانہ کیا محض اس فکر میں کہ عثمان مارے جائیں اور ان کے بعد یہ حکومت ہمارے ہاتھ آئے۔

ایک خط میں آپ معاویہ کو لکھتے ہیں:

ثم ذکرت ما کان من امری و امر عثمان فلك ان تجاب عن هذه لرحمك منه فانیا کان اعدی له واعدی الی مقاتله امن بذله له نصرته فاستقعده واستکفه ام من استنصره فتراخی عنه وبث المنون الیه حتیٰ اتی قدره علیه۔

پھر تم نے میرے اور عثمان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے تو ہاں اس میں تمہیں حق پہونچتا ہے کہ تمہیں جواب دیا جائے کیونکہ ان سے تمہاری قرابت ہوتی ہے اچھا تو پھر (سچ سچ) بتاؤ کہ ہم دونوں میں ان کے ساتھ زیادہ دشمنی کرنے والا اور ان کے قتل کا سروسامان کرنے والا کون تھا؟ وہ کہ جس نے اپنی امداد کی پیشکش کی اور انہوں نے اُسے بٹھا دیا اور روک دیا یا وہ کہ جس سے انہوں نے مدد چاہی اور وہ ٹال گیا اور ان کے لئے موت کے اسباب و مہیا کئے یہاں تک کہ انکے مقدر کی موت نے انہیں آگھیرا۔

دوسرے مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

فانك انما نصرت عثمان حيث كان النصر لك و خذلته حيث كان النصر له

تم نے عثمان کی وہاں مدد کی جہاں خود تمہارا کام بنتا تھا اور ان کی مدد سے اس وقت گریز کیا جب عثمان کے کامیاب ہونے کا امکان تھا۔

مطلب یہ ہے کہ عثمان کے مرنے کے بعد تو تم ان کی حمایت و نصرت پر کمر بستہ ہو گئے کیونکہ ان کے انتقام کا نعرہ بلند کر کے ہی تم لوگوں کو اپنی غرض پوری کرنے کئے لئے اکٹھا کر سکتے تھے لیکن جس وقت عثمان زندہ تھے اور تمہاری مدد ان کو فائدہ پہونچا سکتی تھی تم نے ان کی مدد نہ کی وہ محاصرہ میں رہے اور تم اپنی فوجوں کو ان تک پہونچنے سے روکے رہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

جو کچھ حضرت عثمان کی ہلاکت کے بارے میں جو کچھ بنی امیہ اور ان کے نمودار افراد معاویہ اور مروان کے متعلق کہا گیا وہی باتیں ان تمام لوگوں کے متعلق کہی جا سکتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں بلکہ علیؑ کے تمام دشمنوں اور ان کے خلاف سازش کرنے والوں کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہیں حضرت عثمان کی ہلاکت کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر تھی نہ کہ علیؑ پر۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی رہے ہوں جن کے ہاتھ خون عثمان سے رنگین نہ رہے ہوں مگر یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ وہ عثمان کی ہلاکت پر خوش ضرور ہوئے عمرو بن عاص جن کا علیؑ کے خلاف سازشوں اور ان پر بہتان تراشیوں میں بڑا ہاتھ رہا یہ ہر شخص کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکاتے اور ان کی ہلاکت کی ترغیب دیتے کیونکہ عثمان نے انہیں مصر کی حکومت سے معزول کر دیا تھا اس غم و غصہ میں وہ انتہائی سرگرمی سے لوگوں کو عثمان کی مخالفت پر ابھارا کئے چنانچہ خود کہا کرتے۔

معززین ور وؤسا کا کیا ذکر میں چرواہوں تک کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتا۔

جب مدینہ میں فتنہ و فساد کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تو فلسطین چلے گئے جہاں مکان بنا رکھا تھا وہ اپنے قصر میں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس ان کے لڑکے محمد اور عبداللہ بھی تھے کہ ایک سوار مدینہ سے آتا نظر پڑا لوگوں نے اس

سے عثمان کا حال پوچھا معلوم ہوا کہ عثمان مارے گئے۔عمرو عاص نے کہا میں عبداللہ ہوں جب کسی زخم کو کھرچتا ہوں تو خون نکال کر رہتا ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ انہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا اور ان کی اسی حرکت کا ردعمل قتل عثمان کی صورت میں منظر عام پر آیا۔

طلحہ بن عبیداللہ جنہوں نے پہلے تو علیؑ کی بیعت کی پھر خون عثمان کے انتقام کے بہانے علیؑ سے جنگ وجدال پر کمربستہ ہو گئے انہوں نے لوگوں کو قتل عثمان پر ابھارنے میں بہت زیادہ حصہ لیا۔راویوں کا بیان ہے کہ عثمان نے طلحہ کے مقابلہ میں علیؑ سے کئی مرتبہ مدد چاہی علیؑ نے ہر مرتبہ ان کی فرمائش پوری کی اور طلحہ کے خلاف عثمان کی مدد کی۔چنانچہ ایک مرتبہ عثمان نے علیؑ سے مدد چاہی علیؑ طلحہ کے پاس گئے دیکھا کہ ان کے پاس بلوائیوں کا زبردست ہجوم ہے آپ نے محسوس کیا کہ عثمان کے محاصرہ میں طلحہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور طلحہ عثمان کا قصہ پاک کرنے کی فکر میں ہیں آپ نے انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا طلحہ یہ کیا سلوک تم نے عثمان کے ساتھ کیا ہے؟ آپ نے چاہا کہ طلحہ کو ان کی حرکتوں سے باز رکھیں مگر طلحہ نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔علیؑ نے کیا کیا کہ بیت المال تشریف لائے لوگوں سے کہا اسے کھولو۔کنجیاں نہیں ملیں آپ نے بیت المال کا دروازہ تڑوا دیا اور بیت المال میں جتنا درہم و دینار تھا سب ان لوگوں پر تقسیم کر دیا جنہیں طلحہ نے قتل عثمان کے لئے جمع کر رکھا تھا۔تمام مجمع طلحہ کے پاس سے ہٹ گیا اور طلحہ اکیلے رہ گئے عثمان کو جب معلوم ہوا تو انہیں بے حد مسرت ہوئی اور انھیں احساس ہوا (اگرچہ دیر کے بعد ہوا) کہ علیؑ سے بڑھ کر خیر خواہ ہمدرد اور مسلمانوں کے معاملات کو سنوارنے والا کوئی نہیں۔اس واقعہ کے بعد طلحہ عثمان کے پاس پہونچ کر معذرت کرنے لگے میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور تائب ہوں میں نے ایک امر کا ارادہ کیا تھا مگر خدا حائل ہو گیا۔حضرت عثمان نے کہا تم تائب ہو کر نہیں آئے۔بلکہ بے بس ہو کر آئے ہو اللہ تم سے سمجھے۔(تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۵۴،تاریخ کامل جلد ۳ ص ۷،تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۹۷)

طبری روایت کرتے ہیں کہ بلوائیوں کے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کرتے ہی طلحہ اپنے کو خلافت کا لئے تیار کرنے لگے انہیں یقین تھا کہ عثمان کے بعد لوگ ہم ہی کو خلیفہ بنائیں گے انہوں نے پہلی کارروائی یہ کی کہ بیت المال اور خزانوں پر اپنا قبضہ کر لیا کنجیاں اپنے قبضہ میں کر لیں اور اپنے پہریدار مقرر کر دیئے۔

محاصرہ کی سختی کے دنوں عثمان کہا کرتے:

اللهم اكفني طلحه فانه حمل هولاء والبهم علي والله لا رجوان يكون منها صفرا يسفك

دمه۔

خداوندا طلحہ کے مقابلہ میں میری مدد کر انہیں نے لوگوں کو برانگیختہ اور میرے خلاف صف بستہ کیا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ خلافت سے تو وہ محروم ہی رہیں گے اور ان کی جان بھی جائے گی۔

حضرت عثمان کا یہ فقرہ ثبوت ہے کہ حضرت عثمان کو پورا یقین تھا کہ طلحہ میرا قصہ پاک ہونے کے بعد خود خلیفہ بننے کے خواہاں ہیں۔حضرت عثمان نے طلحہ کو بیت المال میں کھلی چھوٹ دے رکھی تھی لیکن وہ ایسے آدمی تھے کہ خلافت سے کم پر راضی ہی نہیں ہوسکتے تھے۔حضرت عثمان محاصرہ کے آخری دنوں میں بار بار یہ فقرہ دہرایا کرتے۔

"خدا طلحہ کو ناس کرے میں نے انہیں اتنا اتنا سونا دیا اور اب وہ میرے خون کے پیاسے ہیں"

جن لوگوں نے حضرت عثمان کی محصوری کے واقعات قلم بند کئے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ جس دن عثمان قتل ہوئے اس دن طلحہ اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے اور عثمان کی طرف چھپ چھپ کر تیر چلاتے تھے۔یہ بھی روایت میں ہے کہ جب محاصرہ کرنے والوں کو عثمان کے گھر میں گھسنے کی راہ نہ ملی تو طلحہ ہی نے کسی انصاری کے گھر کی طرف سے انہیں عثمان کے گھر میں داخل کیا اور ان لوگوں نے جا کر قتل کیا۔

طبری نے حکیم بن جابر کے واسطے سے روایت کی ہے کہ جب عثمان محصور تھے علیؑ نے طلحہ سے کہا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم عثمان کو لوگوں سے بچاؤ طلحہ نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک ایسا نہیں ہوسکتا جب تک بنی امیہ پورا پورا قرضہ ادا نہ کردیں۔(تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۳۹)

عثمان کے مرنے پر حضرت علیؑ کہا کرتے خدا ابن صعبہ (طلحہ) کا برا کرے عثمان نے انہیں اتنا اور اتنا دیا اور انہوں نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔

طلحہ کے متعلق حضرت علیؑ کا ایک جملہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ وہی لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکانے والے تھے اور سب سے زیادہ انہیں کو لالچ تھی کہ کسی طرح عثمان مار ڈالے جائیں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

والله ما استعجل متجر و اللطلب بدم عثمان الا خوفا من ان يطالب بدمه لانه مظنه ولم يكن في القوم احرص عليه منه فارا دان يغالطها اجلب فيه ليلبس الامر و يقع الشك

قسم بخدا جلدی سے طلحہ نے اس ڈر سے انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر دیا کہ کہیں خود ان سے انتقام نہ لیا جائے کیونکہ ان کی ذات بھی آلودہ ہے لوگوں میں ان سے بڑھ کر عثمان کے خون کا پیاسا کوئی نہ تھا انہوں نے انتقام کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو مغالطہ

میں ڈالنا چاہا تاکہ حقیقت مشتبہ ہو جائے اور لوگ شک میں مبتلا ہو جائیں۔

زبیر بن عوام کے متعلق راویوں کا بیان ہے کہ بلوائیوں کو عثمان سے دور کرنے میں انہوں نے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی بلکہ کہنے والے تو یہ کہتے ہیں زبیر کا میلان بلوائیوں ہی کی طرف تھا۔انہوں نے عثمان کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ عثمان کا قصہ کہیں جلد پاک ہو انہیں بہت توقع تھی کہ عثمان کے بعد مجھی کو خلافت کے لئے منتخب کیا جائے گا۔انہوں نے علیؑ سے صاف صاف کھل کر کہہ بھی دیا تھا کہ ہم خود اپنے لئے خلافت چاہتے ہیں۔ چنانچہ جنگ جمل چھڑنے سے کچھ ہی لمحہ پہلے جب حضرت علیؑ زبیر سے ملے اور پوچھا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا۔تو انہوں نے جواب دیا آپ ہی باعث ہوئے ہیں ہمارے یہاں آنے کا۔ہم آپ کو خلافت کا سزاوار نہیں سمجھتے اور نہ اپنے سے زیادہ خلافت کے لئے لائق جانتے ہیں۔

حضرت عائشہ نے لوگوں کو جس شدت سے عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا وہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے انہوں نے بارہا عثمان پر ایسی ایسی تنقیدیں کی ہیں جو کلیجہ خون کر دینے والی تھیں بیسیوں مرتبہ انہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور ان کی جان لینے کی ترغیب دلائی۔

جس دن سے حضرت عثمان نے ان کے مشاہرہ میں تخفیف کی تھی اسی دن سے وہ عثمان سے انتہائی ناراض تھیں اور موقع کی تلاش میں رہتی تھیں ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عثمان کو منبر رسولؐ پر تقریر کرتے سنا انہوں نے پیغمبرؐ کا کرتا نکالا اور بآواز بلند مجمع کو دکھا کر کہا۔

یامعشر المسلمین ھذا جلباب رسول اللہ لم یبل و قد ابلی عثمان سنتہ

اے گروہ مسلمین پیغمبرؐ کا یہ پیراہن ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوا اور عثمان نے آنحضرت کی سنت کو خراب و برباد کر دیا۔

ابن ابی الحدید اپنے زمانہ کے علماء کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ جس کو بھی دیکھتیں اُسے عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتیں۔ابن الحدید بیان کرتے ہیں۔حضرت عائشہ نے پیغمبرؐ کے لباس میں سے ایک کپڑا نکالا اور اُسے اپنے مکان میں لٹکا دیا جو لوگ آپ سے ملنے کیلئے آتے آپ ان سے فرماتیں پیغمبرؐ خدا کا لباس ہے جو بوسیدہ نہیں ہوا اور آپ کی سنت کو عثمان نے کہنہ وفرسودہ کر دیا۔

بلاذری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عباس کا گذر حضرت عائشہ کی طرف سے ہوا اس سال عثمان نے ابن عباس کو افسرِ حج مقرر کر کے مکہ بھیجا تھا عائشہ نے ان سے یہ صریحی فقرہ کہا ابن عباس۔خدا نے تمہیں عقل، سمجھ اور قوت تقریر

عنایت کی ہے دیکھو لوگوں کو اس سرکش (عثمان) سے روگردان کر دو۔

بلاذری نے حضرت عثمان کے بارے میں عائشہ کا ایک فقرہ ایسا نقل کیا ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی کسی انسان کو کسی انسان سے اتنی نفرت و بیزاری رہی ہو جتنی عائشہ کو عثمان سے تھی حضرت عائشہ نے مروان سے کہا تھا۔

یامروان وددت واللہ لو انہ (ای عثمان) فی غرۃ من غوائری ھٰذہ وانی طرقت حملہ حتیٰ ایقیہ فی البحر۔

مروان قسم بخدا میرا جی تو چاہتا ہے کہ عثمان میرے ان تھیلوں میں سے ایک تھیلے میں ہوتے اور میں خود اٹھا کر لے جاتی اور سمندر میں انہیں ڈال دیتی۔

اکثر یہ فقرہ ان کی زبان پر رہا کرتا۔

اقلتوا نعثلاً (ای عثمان) فان نعثلاً قد کفر
نعثل کو قتل کر ڈالو نعثل کافر ہو گیا ہے۔

حضرت عائشہ اتنی شدت سے عثمان کی ہلاکت اور قتل کئے جانے کی خواہش مند تھیں کہ انہوں نے علانیہ لوگوں کو ان کے قتل کا حکم دینا شروع کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں پورا یقین تھا کہ عثمان کے قتل ہونے پر خلافت یقیناً علی کو نہیں بلکہ طلحہ کو ملے گی ان کی اس خوش خیالی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب مکہ میں انہیں عثمان کے قتل ہونے کی خبر ملی تو برجستہ بولیں۔

بعد النعثل ایہ یا صاحب الاصبع آیہ یا ابا مشبل! آیہ یا بن عم الکافی انظر الیٰ صبعہ وھو یبایع لہ حثو الابل۔

نعثل کا ستیاناس ہو، آہا انگلیوں والے، واہ اے ابو مشبل، کیا کہنا تمہارا اے چچا کے بیٹے میں گویا اپنی آنکھوں سے انکی انگلیوں کو دیکھ رہی ہوں اور ان کی بیعت کی جا رہی ہے۔

انگلیوں والے سے مراد طلحہ ہیں جنگ احد میں ان کی انگلیاں کٹ گئی تھیں اسی دن سے انگلیوں والے ان کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔

خود طلحہ کے فرزند محمد ابن طلحہ جب ان سے واقعہ قتل عثمان کی تفصیلات دریافت کی جاتیں تو اپنے باپ طلحہ اور حضرت عائشہ کو خون عثمان میں شریک قرار دیتے تھے جیسا کہ صاحب البدر التاریخ نے بھی صراحت کی ہے۔

کان اشد الناس علی عثمان طلحۃ والزبیر و عائشۃ

عثمان کے شدید ترین دشمن طلحہ وزبیر اور عائشہ تھیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابر تھے جنہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ اور انکے خلاف صف آرا کر کے ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے جیسے عبدالرحمان بن عوف جن کی دولت وثروت عثمان کے زمانہ خلافت میں کئی گنا بڑھ گئی تھی جب یہ بیمار پڑے اور لوگ ان کی مزاج پرسی کو آئے تو ان سے عبدالرحمان بن عوف نے کہا عثمان کا قصہ جلد ہی پاک کرو قبل اس کے کہ وہ اپنی حکومت میں ہاتھ پیر پھیلائیں۔ انہیں عثمان کے مخالفین اور ان کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنے والوں میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے بعد میں علیؑ سے جنگ کی اور ان سے خون عثمان کا مطالبہ کیا۔

صاحب حلیف مخزوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

فالاشداء من قریش علی عثمان رجعوا الیه بعد مصرعه و لعل موقف عائشه فی هٰذه الماساة اوضح صورة المتناقض الغریب المدهش فی موقف قتله عثمان من هٰؤلا القرشین الطامعین۔ قتلته عائشه بتحریضها العنیف السافر سعیها الحثیث النشیط وهی تامل عودة الحکم الی تیم فی شخص ابن عمها طلحه و قتله طلحة والزبیر و سعد ابن وقاص باموالهم ودسائهم وقتله معاویه وحزبه یتخلبهم و قتله مروان و آل الحکم و رفاقهم من آل ابی معیطبا نانیتهم واستخفائهم فلما قتل و صار الامروانی علی باجماع المسلمین انقلب هولاء جمیعاً دون توطئة ولا تمهید فاذا عثمان الظالم الکافر امس شهید مظلوم الیوم۔ (حلیف مخزوم ص ۱۸۳)

قریش میں جو لوگ عثمان کے شدید ترین مخالف اور دشمن تھے عثمان کے مرنے پر عثمان کے ہمدرد بن گئے اور غالباً اس المیہ میں عائشہ کا طرز عمل نسبت ان حریص قریشیوں کے طرز عمل کے حیرت انگیز و دہشت ناک تناقض اور دورنگی کی واضح مثال ہے حضرت عائشہ نے کھلم کھلا لوگوں کو برانگیختہ کر کے اور سرگرم کوششوں سے کام لیکر عثمان کو قتل کیا انہیں امید تھی کہ حکومت پھر بنی تیم (حضرت عائشہ کے خاندان) میں پلٹ آئے گی اور ان کے ابن عم طلحہ خلیفہ ہو جائیں گے عثمان کو طلحہ وزبیر و سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا اپنی دولت وسرمایہ اور اپنی سازشی کارروائیوں کے ذریعہ انہیں معاویہ اور ان کی جماعت نے قتل کیا کہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا مدد نہ کی۔ انہیں مروان اولاد حکم اور بنی معیط کے رفیقوں نے قتل کیا اپنی انانیت کی بنا پر اور عثمان کے معاملہ کو اہمیت نہ دے کر، جب عثمان قتل ہو گئے اور باجماع مسلین خلافت علیؑ تک پہونچ گئی تو یہ سب کے سب

بغیر کسی شہید و پیش بندی کے دفعتاً پلٹ گئے اب وہی عثمان جو کل تک ان کے نزدیک ظالم و کافر تھے آج مظلوم و شہید تھے۔

اس موقع پر سعید بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ کے ان فقرات کا نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ جو ان دونوں نے حضرت عائشہ کے لشکر سے ملاقات کے وقت خیبر میں کہے تھے جبکہ یہ لشکر علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے بصرہ کی طرف جارہا تھا ان دونوں کے فقروں میں صاف اقرار ہے اس بات کا کہ قتل عثمان کی ساری ذمہ داری طلحہ و زبیر پر ہے۔ سعید کی جب اس لشکر سے ملاقات ہوئی تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں آیا پوچھا:

مادر گرامی کہاں کا ارادہ ہے؟

عائشہ: بصرہ جارہی ہوں۔

سعید: بصرہ جا کر کیا کیجئے گا؟

عائشہ: قاتلین عثمان سے انتقام لوں گی۔

سعید: قاتلین عثمان تو یہ آپ کے ساتھ ہی ہیں کیوں نہیں انہیں قتل کر ڈالتیں؟

پھر سعید مروان کی طرف مخاطب ہو کر بولا: اور تم کہاں جارہے ہو؟

مروان: بصرہ

سعید: وہاں جا کر کیا کرو گے؟

مروان: قاتلین عثمان کا قصاص لوں گا۔

سعید: قاتلین عثمان تو یہ تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ انہیں دونوں طلحہ و زبیر نے عثمان کو قتل کیا ہے یہ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے جب مغلوب ہو گئے (علیؑ کی بیعت ہوگئی) تو انہوں نے کہا خون کو خون سے دھوئیں گے اور گناہ کو توبہ سے دفع کریں گے۔

اس کے بعد مغیرہ نے مجمع کو خطاب کر کے کہا:

اگر تم محض مادر گرامی کی معیت میں نکلے ہو تو اب انہیں پلٹا لے جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر قتل عثمان پر غضبناک ہوئے ہو تو تمہارے انہیں سرداروں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور اگر تم علیؑ سے کسی بات پر ناراض ہو تو بتاؤ وہ کون سی باتیں ہیں میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں ارے سال بھر میں دو ہنگامے۔ (الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص ۵۸)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

یہ تھا طرز عمل اور یہ تھی رفتار ان لوگوں کی جنہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا اور ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور جب عثمان قتل ہو گئے تو ان کی قمیص لیکر علیؑ سے انتقام خون عثمان کے طالب ہوئے۔ رہ گئے علیؑ تو ہم وہ واقعات اوپر

بیان کر چکے ہیں جو شاہد ہیں کہ اس فتنہ میں علیؑ کی کیا پوزیشن رہی۔

ہم بیان کر چکے ہیں علیؑ کو عثمان کے یہاں قربت و منزلت حاصل نہ تھی اور حضرت عثمان آپ سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔ مروان برابر عثمان کو مشورہ دیا کرتا کہ جب بھی ممکن ہو علیؑ اور صحابہ کو قتل کر ڈالئے غرض یہ تھی کہ ان پاکیزہ فطرت اور بے لوث انسانوں سے جو بنی امیہ اور ذی وجاہت افراد کی حرکتوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں چھٹکارا ملے اور کوئی ان کے کسی فعل پر خردہ گیری نہ کرے۔ لیکن علیؑ اپنی بلند نفسی اور شرافت طبعی کی وجہ سے کسی کے دشمن نہ تھے۔ نہ انہوں نے اپنی ذات کیلئے کسی سے کوئی نزاع وخصومت کی۔

علیؑ کی ذات سے اس سے کہیں بلند و برتر تھی کہ اگر عثمان ان سے مشورہ نہ لیتے تو علیؑ ان سے کینہ وعناد رکھتے اور اگر عثمان انہیں مقرب بارگاہ بناتے تو خوش ومسرور ہوتے۔ عثمان کی دوری اور نزدیکی آپ کے نزدیک یکساں تھی۔ علیؑ کو ان سب باتوں کی پرواہ نہ تھی اگر پرواہ تھی تو بس عوام الناس کی فلاح و بہبود دوستی واصلاح کی پرواہ تھی وہ نزاع وتکرار، اعتراض وانکار سے ہمیشہ دور رہے ہاں ظلم وجور کے دور کرنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرنے سے باز بھی نہ رہے۔

اسی لئے جب بھی عثمان کی نصیحت اور خیر خواہی ممکن ہوئی علیؑ نے ان کی خیر خواہی اور ناصحانہ مشورہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا چاہے یہ آپ کی خیر خواہی اور ناصحانہ مشورے حضرت عثمان کے خویش واقارب اور حوالی وموالی کو ناپسند ہی کیوں نہ ہوئے ہوں اور نہ کبھی آپ نے ان کی نصرت اور ان کے دشمنوں کو دور کرنے اور موت کے خطرے سے باہر نکالنے میں کوتاہی کی۔

بیسیوں مرتبہ حضرت عثمان کے مخالفین نے آپ سے خواہش کی کہ کارخلافت آپ اپنے ہاتھوں میں لے لیجئے مگر آپ نے ہر مرتبہ خفگی و برہمی کے ساتھ درخواست رد کردی اور ڈرا دھمکا کر انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیا نہ جانے کتنی مرتبہ آپ نے مخالفین کو فتنہ وفساد سے روکا اور انہیں حضرت عثمان سے جن کے مخصوصین ومقربین خود فتنہ وفساد کا مجسمہ تھے دور کیا۔

ایک مرتبہ بلوائی حضرت علیؑ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت عثمان کے مخصوصین اور ان کے مشیروں کی خیانت و غداری کا ثبوت پیش کیا یعنی وہ خط جو محمد ابن ابی بکر اور ان کے ہمراہیوں کو مصر جاتے وقت حضرت عثمان کے غلام سے ہاتھ لگا تھا اور اس خط میں حضرت عثمان کی طرف سے عبداللہ ابن ابی سرح عامل مصر کو تاکید کی گئی تھی کہ محمد ابن ابی بکر اور ان کے ساتھیوں کو کسی بہانے پہونچتے ہی ہلاک کر ڈالنا حالانکہ حضرت عثمان نے ان مصر والوں سے قسمیہ وعدہ اور عہد و پیمان کیا تھا کہ تمہاری شکایتیں دور کردی جائیں گی اور عبداللہ بن ابی سرح ظالم گورنر کو بدل کر دوسرا حاکم مقرر کردیا جائے گا۔

جب آپ نے بلوائیوں کی یہ شکایت سنی اور انہوں نے حضرت عثمان کی پیماں شکنی کا جو ثبوت پیش کیا تھا وہ ثبوت دیکھا تو آپ نے انہی مخالفین کو قصوروار ٹھہرایا کہ تم لوگ تو مدینہ سے رخصت ہو کر اپنے اپنے وطن جارہے تھے پھر ایک جگہ تم لوگ کیسے اکٹھا ہو گئے اور بصرہ و کوفہ جانے والوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ مصر والوں کو ایسا ایسا خط ہاتھ لگا ہے۔ حضرت علیؑ نے بلوائیوں کو قصوروار ٹھہرا کر ایک حیثیت سے حقیقت حال معلوم کرنا چاہی دوسری حیثیت سے ان کے غیظ وغضب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

جس وقت بلوائیوں نے حضرت عثمان کو نرغہ میں لے لیا تھا اس وقت حضرت علیؑ نے ان کے مشیروں اور خویش اقارب کی ناراضی کو نظر انداز کر کے جیسی گرانقدر نصرت و خیر خواہی عثمان کی اس کو ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

علیؑ کا مقصد یہی تھا کہ بلوائیوں اور حضرت عثمان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع نہ ہونے پائے جس کے نتیجہ میں ایسا حادثہ رونما ہو جس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت علیؑ کو پورا یقین تھا کہ فتنہ وفساد اور مسلمانوں کے افتراق و انتشار کا علاج صرف خونریزی ہی نہیں بلکہ بغیر خون ریزی کے بھی حالات سدھارے جاسکتے ہیں۔

علیؑ کی عالی ہمتی و پاک نفسی اس حد تک پہونچی تھی جس کا اندازہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ جس وقت عثمان دشمنوں کے نرغہ میں تھے اور بلوائیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا عثمان کبھی تو علیؑ کو حکم دیتے کہ مدینہ سے چلے جائیے اور کبھی اپنے اس حکم پر شرمندہ ہوتے اور قاصد دوڑاتے کہ فوراً مدینہ آجائیے علیؑ اسی حیرانی کے عالم میں عثمان کی ہر فرمائش پوری کرتے آپ نے ایک مرتبہ بھی ان سے نہ پوچھا کہ مدینہ سے کیوں باہر جانے کا حکم دیتے ہیں اور حکم دے کر پھر بلا کیوں لیتے ہیں۔

علیؑ کی روحانی عظمت یہ تھی کہ انہوں نے ہمیشہ دوسروں پر احسان کرنا چاہا اور سختی و پریشانی کے عالم میں ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے عثمان نے نہ جانے کتنی مرتبہ آپ کو مدینہ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تاکہ آپ اپنے چاہنے والوں عقیدت مندوں کی نظروں سے دور رہیں اور لوگ آپ کا نام نہ سننے پائیں آپ نے ہر مرتبہ ان کی فرمائش بے چون و چرا پوری کی اسی طرح نہ جانے کتنی مرتبہ عثمان نے آپ کو مدینہ بلا بھیجا کہ آکر بلوائیوں کو سمجھائیے اور ان سے میری حفاظت کیجئے اور آپ نے ہر مرتبہ ان کے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔

ایسا ایک مرتبہ نہیں بار ہا ہوا چنانچہ جب ایک مرتبہ ابن عباس علیؑ کے پاس عثمان کا یہ حکم لیکر پہونچے کہ مدینہ سے چلے جائیے تو آپ نے فرمایا:

ابن عباس! عثمان مجھے آب کشی والا اونٹ بنا دینا چاہتے ہیں جو آتا ہے اور جاتا ہے پہلے حکم بھیجا کہ مدینہ سے باہر چلے جائیے پھر کہلا بھیجا کہ جلدی آئیے اس وقت پیغام بھیجا ہے کہ مدینہ چھوڑ دیجئے خدا کی قسم میں نے ان کی طرف سے اتنا دفاع کیا

ہے کہ ڈرتا ہوں میں کہیں گنہگار نہ قرار دیا جاؤں۔

محمد ابن حنفیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: لو سیرنی عثمان الی کذا لسمعت واطعت۔ اگر عثمان مجھے چلے جانے کا حکم دے دیں تو میں ان کی اطاعت کروں گا۔ یہ آپ نے صرف اسلام کی حفاظت اور فتنہ وفساد کے اسباب مٹانے کی خاطر فرمایا تھا۔

خون عثمان سے علیؑ کی بے گناہی کی بہترین تصویر کشی آپ کا یہ فقرہ کرتا ہے جو آپ نے اپنے بارے میں معاویہ کو لکھا تھا۔

فطلب تنی بما لم تجن یدی و لسانی تم مجھ سے ایسی چیز کا بدلہ چاہتے ہو جس سے نہ میرے ہاتھ آلودہ ہیں نہ میری زبان ان کانت الذنب الیه ارشادی و ھدایتی فرب ملوم لا ذنب له میں نے جوان کو نیک مشورے دیئے اور انہیں راہ راست دکھائی اگر یہی میرا قصور ہے تو بہت سے ناکردہ گناہ ناحق قابل ملامت قرار دیئے جاتے ہیں۔

علیؑ نے عثمان کی زندگی میں بھی مدد کی اور ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور امکانی کوشش کی کہ ان کا راستہ سیدھا کر دیں تاکہ عثمان خود بھی استوار ہو جائیں اور عوام الناس بھی ان کے لئے استوار ہو جائیں۔ آپ نے اپنے دونوں فرزندوں کو ان کی حفاظت پر متعین کیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں فرزند عثمان کی حفاظت کرنے میں زخمی بھی ہوئے جب عثمان کو ان کے قاتلوں نے قتل کر ڈالا لوگوں نے از راہ ظلم وجور علیؑ پر یہ اتہام رکھ دیا کہ علیؑ خون عثمان میں شریک تھے کتنی سچی بات محمد ابن سیرین نے علیؑ اور علیؑ پر تہمت رکھنے والوں کے متعلق کہی ہے۔

ما علمت ان علیاً اتھم فی دم عثمان حتیٰ بویع فلما بویع اتھمه الناس۔

جب تک علیؑ کی بیعت نہ ہوئی تھی میں تو نہیں جانتا کہ کسی نے علیؑ پر خون عثمان کی تہمت رکھی ہو ہاں جب علیؑ کی بیعت ہوگئی تو تہمت رکھنے والوں نے آپ پر تہمت رکھ دی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علیؑ کی حکومت کے خلاف تیز وتند ہوائیں

ہم اے علیؑ آپ کے سوا کسی کو نہیں پاتے اور نہ آپ کے علاوہ کسی اور پر راضی ہیں ۔ (عثمان)

لیت هذه انطبقت علی هذه جب علیؑ کی خلافت پر مہاجرین وانصار نے اتفاق کر لیا تو اس خبر کو سن کر حضرت عائشہ نے کہا کہ کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ پڑتا ۔ (عائشہ)

عثمان تمہارے درمیان تھے تم نے ان کی نصرت و یاوری سے پہلو تہی کی تو اب یہ نیا انکشاف تم لوگوں پر کب ہوا اور کس وقت یہ رائے تم لوگوں کو سوجھائی دی ۔ (منذر بن جارود)

جب تک علیؑ کی بیعت نہ ہوئی تھی میں نہیں جانتا کہ کسی نے علیؑ پر خون عثمان کی تہمت لگائی ہو ہاں جب علیؑ کی بیعت ہو گئی تو تہمت لگانے والوں نے آپ کو خون عثمان سے متہم کر دیا ۔ (محمد بن سیرین)

حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد مدینہ میں کئی روز سناٹا رہا مہاجرین و انصار باشندگان مدینہ اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو تلاش تھی کہ کون یہ بار خلافت اٹھانے پر تیار ہوگا۔ مصر والے خصوصیت کے ساتھ علیؑ کو خلیفہ بنانے کے لئے کوشاں تھے مگر علیؑ برابر انکار کر رہے تھے اس کشاکش کے عالم میں آپ نے جمہور مسلمین کو خطاب کر کے جو ارشادات فرمائے اس میں آپ کے یہ فقرات بھی تھے۔

مجھے چھوڑ دو اور اس خلافت کیلئے میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈو ۔ اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو ۔ تو پھر جیسے تم ہو ویسا میں ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں میرا تمہارے دینوی مفاد کے لئے) امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔

آپ برابر اپنے انکار پر بنے رہے یہاں تک کہ مدینہ کی ساری آبادی آپ کے دروازہ پر سمٹ آئی ۔ سب کا اصرار تھا وہ اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے کہ آپ کو اندیشہ ہوا کہ اس ہجوم میں لوگ ایک دوسرے کو کہیں کچل نہ ڈالیں سب کی زبان پر یہی ایک فقرہ تھا۔

"ہم آپ کے علاوہ (اس امر خلافت کے لئے) کسی اور کو نہیں پاتے اور نہ آپ کو چھوڑ کر کسی اور کو خلیفہ بنانے پر ہم راضی ہیں آپ ہماری بیعت قبول کیجئے پھر نہ ہم میں اختلاف ہوگا نہ گروہ بندیاں ہوں گی"۔

اشتر نخعی نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت کی اور ان کے ساتھ سارے مجمع نے بیعت کی ہر ایک کی زبان پر یہی ایک بات تھی۔

''خلافت کے لئے علیؑ کے علاوہ اور کوئی موزوں نہیں''۔

اب ہر ایک کی زبان پر علیؑ کا نعرہ تھا لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ ہم نے ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جو ہماری ضرورتوں سے واقف، ہمارے حقوق کو پہچاننے والا، ہمارا مخلص، عالم، حکیم اور بمنزلہ حقیقی باپ کے ہے۔ سب کو خوشی تھی کہ علیؑ نے خلافت قبول کرلی۔ چونکہ سبھی ایک طویل مدت تک محرومی اور ذلت کی زندگی تیرو تاریک اموی دور خلافت میں بسر کر چکے تھے اس لئے ہر ایک نے آپ کی ذات سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

خود امیر المومنینؑ اپنی بیعت خلافت کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور میری بیعت پر لوگوں کی مسرت یہاں تک پہونچ گئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے اور بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے بیعت کرنے کے لئے بوڑھے بیمار بھی اٹھتے بیٹھتے ہوئے پہونچ گئے اور نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل کر دوڑ پڑیں''۔

جب جمعہ کا دن آیا اور امیر المومنینؑ بالائے منبر تشریف لے گئے تو کل تک جن لوگوں کو بیعت کرنے کا موقع نہ ملا تھا انہوں نے آج بیعت کی اس مجمع میں سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی پھر زبیر نے وہی طلحہ و زبیر جنہوں نے بیعت کے بعد کہا۔

''ہم نے اس عالم میں علیؑ کی بیعت کی کہ تلوار ہماری گردنوں پر تھی''

طلحہ و زبیر کے اس فقرہ کا مطلب کیا تھا؟

یہ نظریہ صرف طلحہ و زبیر ہی کا نظریہ نہ تھا بلکہ قریش کے اکثر و بیشتر افراد آپ کی خلافت کے متعلق یہی نظریہ رکھتے تھے۔ قریش والوں کو علیؑ کی خلافت پسند نہ تھی یا تو حسد کی وجہ سے یا اس اندیشہ کی بنا پر کہ ہم جس ریاست و حکومت جاہ و اقتدار کے خواہاں ہیں علی ہمیں دینے والے نہیں۔ نہ علیؑ کے ذریعہ ہماری مرادیں بر آئیں گی کیونکہ نامناسب محل و موقع پر اور نااہلوں کے ساتھ نیکی و احسان کرنا علیؑ جائز نہیں سمجھتے وہ بغیر استحقاق کے کسی کو دینے دلانے والے نہیں بیت المال کی دولت جو بھوکوں ننگوں کو ملنا چاہیئے وہ ضائع برباد جانے دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

اسی کے ساتھ اس بات کو بھی ملا لیجئے کہ ان لوگوں میں جتنے معززین و ذی وجاہت افراد تھے وہ سبھی خلافت کے متمنی تھے خصوصیت کے ساتھ طلحہ و زبیر اور قریش والوں کو علیؑ سے جو کینہ و عناد تھا اس کا ذکر آپ نے ایک مرتبہ نہیں بیسیوں بار کیا ہے۔ اور

صاف صاف الفاظ میں جن کی نہ کوئی تاویل کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی دوسرے معنی پہنائے جاسکتے ہیں قریش والوں سے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"مجھے قریش والوں سے کیا ربط میں نے ان سے کل ان کے کافر ہونے کی وجہ سے جنگ کی اور اب ان کی سرکشی کی وجہ سے جنگ کروں گا میں ان کے لئے جیسا کل تھا ویسا ہی آج ہوں"۔

قریش کی اکثریت علیؑ کو ناپسند کرتی تھی نہ جانے کتنے قریشیوں نے آپ پر سرکشی و زیادتی کی تلواریں کھینچی جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں نہ جانے کتنے باغی تھے جنہوں نے اپنے جال آپ کے لئے بچھائے سوا اس کے کہ یہ قریش والے جن میں پیش پیش طلحہ و زبیر تھے علیؑ کی بیعت سے بھاگنے کی کوئی راہ فرار ڈھونڈھ نہ سکے۔ اس لئے کہ تمام عربی و غیر عربی مفتوحہ ممالک خصوصیت کے ساتھ مصر کے باشندے علیؑ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانا ہی نہیں چاہتے تھے علیؑ ہی کی ذات ان تمام صفات پسندیدہ کا مجموعہ تھی جن صفات کو مخالفین عثمان خلیفہ کی شخصیت میں ڈھونڈھتے تھے عدل و انصاف، رعیت کے ساتھ مہربانی، بیت المال کو عوام کے مفاد میں خرچ کرنا اور اُسے اپنے خاندان کے لئے مخصوص نہ کرنا اور عادلانہ حکومت کی اگر کسی سے توقع کی جاسکتی تھی تو بس علیؑ ہی سے علیؑ کے سوا اور کسی سے ان باتوں کی امید نہ تھی۔

علیؑ کے دو بہت بڑے رقیب جو خلافت کے حریص تھے اور دوسروں کی بہ نسبت جنہیں اس خلافت کو پانے کی بہت زیادہ تمنا و آرزو تھی وہ طلحہ و زبیر تھے، مخالفین عثمان خلیفہ کی ذات میں جن صفات پسندیدہ کو دیکھنے کے آرزومند تھے ان میں سے کوئی صفت بھی ان دونوں میں موجود نہ تھی یہ دونوں بھی عثمان ہی جیسے تھے اور جن باتوں کی وجہ سے عوام الناس عثمان سے برگشتہ ہوئے وہ تمام باتیں طلحہ و زبیر میں بھی موجود تھیں اور یہ دونوں بھی حکومت و سلطنت دولت و اقتدار کے لئے جان دیتے تھے ہم گزشتہ صفحات میں طلحہ کے متعلق عثمان کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ:

"طلحہ کا ناس ہو میں نے انہیں اتنا اور اتنا سونا دیا اس کے باوجود وہ اب میری جان کے خواہاں ہیں"

عوام الناس کو ان امیدواران خلافت میں ان باتوں کی موجودگی کا پورا پورا اندازہ تھا اس میں کسی کو شک وشبہ نہ تھا یہی وجہ تھی کہ سب کے سب علیؑ کی طرف جھک پڑے اور طلحہ و زبیر کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی علیؑ کی بیعت کرلیں۔ (طلحہ و زبیر نے علیؑ کی بیعت خوشی خاطر کی تھی یا جبر و اکراہ سے اس کو ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں اور مشہور مصری عالم ڈاکٹر طہٰ حسین کا فیصلہ بھی نقل کر چکے ہیں کہ ان دونوں نے علیؑ کی خوشی خاطر بیعت کی اس امید میں کہ علیؑ اپنی خلافت میں ہمیں بھی شریک کرلیں گے لیکن جب علیؑ نے انہیں کار خلافت میں شریک نہ کیا تو نکث بیعت کر کے عائشہ سے جاملے اور یہ کہنے لگے کہ ہم

نے جبر واکراہ سے علیؑ کی بیعت کی ہے۔)

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ ان دونوں کے بیعت کرنے اور پھر شکست بیعت کرکے علم بغاوت بلند کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ دونوں فاجروں کا منہ لے کر بیعت میں داخل ہوئے اور بدعہدوں کا منہ لے کر نکل گئے''۔

مطلب یہ تھا کہ بگڑے ہوئے حالات کے سدھار کی خاطر جس طرح عوام الناس نے آپ کی بیعت کی تھی ان دونوں نے بیعت نہ کی اور ان دونوں کا خروج محض بدعہدی اور آپ کے صحیح و مناسب مسلک سے غداری ہے۔

علیؑ نے خلافت قبول کرکے پہلے ہی دن سے بگڑے ہوئے حالات سنوارنے کی سرگرمی سے کوشش شروع کردی۔ آپ نے ظالم حکام کو معزول کیا اور جن حکام کی روش عادلانہ قوانین کے خلاف تھی ان کی برطرفی کے فرمان جاری کئے۔ اور جن لوگوں نے بیت المال کی دولت غصب کرکے اپنا گھر بھر لیا تھا ان کی تلاش میں لگ گئے دشمنوں کی عداوت اور مخالفین کے کینہ وعناد کی آپ نے ذرہ برابر پروا نہ کی۔

علیؑ کو اپنے عہد خلافت میں تیرہ و تار دنوں کا سامنا کرنا پڑا صاحبان اثر واقتدار نے آپ کی دشمنی پر ایکا کرلیا تھا اسی طرح ذاتی منفعت کے خواہاں بھی جن کی تعداد بہت زیادہ تھی آپ کے مخالف تھے علیؑ نے طے کرلیا کہ ہم ان دونوں مورچوں پر لڑیں گے چاہے یہ دونوں مورچے کتنے ہی وسیع ہوں اور ان میں کتنا ہی فاصلہ ہو۔ آپ نے طے کرلیا کہ لوگوں میں عدل وانصاف عام اور ظلم وجور دور کرکے رہیں گے اور ایسی حکومت قائم کریں گے جو اقتصادی واجتماعی اور صحیح اخلاقی بنیادوں پر قائم ہو۔ آپ ان دونوں مورچوں پر ایسی محیر العقول ہمت سے ڈٹ گئے جو جھکنا نہیں جانتی تھی اور ایسی پامردی وثابت قدمی سے جس کی حدوں کا تصور ناممکن ہے اور ایسے یقین واطمینان سے جسے مصیبتیں متزلزل نہیں کرسکتی تھیں آپ نے عزم محکم کرلیا کہ تمام تاریکیاں ایک کرکے دور کردیں گے اور آفتاب کی کرنیں ہر ہموار و ناہموار زمین تک پہنچا کر رہیں گے چاہے جس طرح بھی ہو۔

اجتماعی انقلاب نے جیسے ہی علیؑ کو اپنا سردار اور قائد منتخب کیا تا کہ آپ معاشرہ کو راہ راست پر لگائیں بنی امیہ مدینہ میں اور مدینہ کے علاوہ دیگر شہروں میں ان کے جتنے حوالی موالی تھے جتنی دولت وثروت اور جتنے اسلحے ہتھیار تھے سب سمیٹ کر روپوش ہوگئے اور موقع ملتے ہی سب کچھ اپنے ساتھ لیکر مکہ بھاگ نکلے جہاں وہ چھپ کر آپ کی حکومت درہم برہم اور لوگوں کو آپ کے خلاف صف بستہ کرسکتے تھے اور اگر اس میں ناکامی ہوتی تو وہاں سے بھاگ کے معاویہ کے پاس چلے جانا بھی ممکن تھا۔ اگر ان لوگوں کی نیت خالص ہوتی اور منفعت عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت کے یہ لوگ طلب گار نہ ہوتے تو اس قسم کی

تدبیریں کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی لیکن حکومت کی تمنا اور اس امید نے کہ خلافت پھر ہم تک پلٹ آئے گی اور اگر ہم علیؑ کو اپنی راہ سے ہٹا سکے تو پھر ہمارے ہاتھ سے یہ خلافت کبھی نکلنے نہ پائے گی۔ انہیں ان تمام حرکتوں پر آمادہ کر دیا جو حرکتیں ان سے ظہور میں آئیں۔ پھر وہ بے تحاشہ دولت جو انہوں نے حضرت عثمان کے عہد خلافت میں جمع کی تھی وہ بھی ترغیب دلا رہی تھی کہ سب کچھ لیکر اس عدل گستر خلیفہ کے پاس سے بھاگ نکلو اور اس دولت کے ذریعہ قوت و طاقت میں اضافہ کرنے کی امکانی کوشش کرو۔

بنی امیہ نے جو منصوبے بنائے تھے اور مال و دولت اور اسلحے ہتھیار لیکر بھاگ جانے سے ان کا جو مقصد تھا وہ علیؑ سے مخفی نہ تھا اسی لئے آپ نے قریش کے لوگوں کے ساتھ سختی برتی اور مدینہ سے باہر جانے پر پابندی لگا دی غرض یہ تھی کہ یہ لوگ مدینہ سے باہر جا کر اس نئی حکومت کیلئے خطرہ نہ بن جائیں۔

ایسے سخت حالات میں بعض صحابہ جن میں طلحہ و زبیر بھی تھے امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

''ہم نے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ حدود قائم کئے جائیں گے آپ ان لوگوں کو جنہوں نے عثمان پر فوج کشی کی تھی سزا دیں۔ آپ نے فرمایا:

''اے بھائیو! تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میرے پاس (اس کی) قوت و طاقت کہاں ہے جبکہ آج فوج کشی کرنے والے اپنے انتہائی زوروں پر ہیں وہ (اس وقت) ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر مسلط نہیں اور عالم یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور صحرائی عرب بھی ان سے مل گئے اور اس وقت بھی وہ تمہارے درمیان اس حالت میں ہیں کہ جیسا چاہیں تمہیں گزند پہنچا سکتے ہیں کیا تم جو چاہتے ہو اس پر قابو پانے کی کوئی صورت نظر آتی ہے؟

ان لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا:

''قسم بخدا جیسا تم لوگ سوچتے ہو ویسا میں نہیں سوچتا جب یہ قصہ چھڑے گا تو اس معاملہ میں لوگوں کے مختلف خیالات ہوں گے کچھ لوگوں کی رائے تو وہی ہوگی جو تمہاری ہے اور کچھ لوگوں کی رائے تمہاری رائے کے خلاف ہوگی اور کچھ لوگوں کی رائے نہ ادھر ہوگی نہ ادھر اتنا صبر کرو کہ لوگ سکون سے بیٹھ لیں اور دل اپنی جگہ پر ٹھہر جائیں اور آسانی سے حقوق حاصل کئے جاسکیں۔

''تم میری طرف سے مطمئن رہو اور دیکھتے رہو کہ میرا فرمان تم تک کیا آتا ہے؟ پھر میرے پاس آنا''۔

یہ لوگ امیر المومنینؑ کی خدمت میں شک و شبہہ اور آپ کی حکومت اور لوگوں کے معاملہ میں اشتباہی کیفیت لیکر آئے

تھے آپ نے ایسا جواب دیا جو شک کو یقین سے بدل دینے والا تھا ان لوگوں نے آ کر آپ کی خلافت کی یہ شرط قرار دی کہ ان لوگوں پر حد جاری کی جائے جن پر نہ امیر المومنینؑ ہی کا قابو حاصل تھا نہ خود ان لوگوں کا کوئی بس چل سکتا تھا، مخالفین و قاتلین عثمان میں خود ان لوگوں کے غلام شریک تھے صحرائی عرب شریک تھے آپ نے انہیں ایسا مسکت جواب دیا کہ انہیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ بیشک آپ ان لوگوں کے زیادہ حالات سے واقف تھے آپ کی کوشش ان لوگوں کی کوششوں سے کہیں زیادہ بڑھی چڑھی تھیں اور آپ حالات کی نزاکت کو ان لوگوں سے زیادہ سمجھتے تھے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ جس بات کو امیر المومنینؑ سمجھے تھے اس سے ان لوگوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور جبکہ ضرورت صبر وسکون سے کام لینے کی تھی یہ لوگ جلد بازی پر تلے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کو یہ خوش فہمی تھی کہ عثمان کے قتل و ہلاکت کو سارے ہی مسلمان ایک نظر سے دیکھتے ہیں سبھی سمجھتے ہیں کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے اور ان کا قصاص لینا ضروری ہے امیر المومنینؑ نے صورت حالات سے زیادہ واقف وخبیر ہونے کی بنا پر ان کی یہ خوش فہمی دور کر دی اور جتا دیا کہ اگر اس وقت قصاص کی بحث اٹھائی جاتی ہے اور قاتلین عثمان سے خون عثمان کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو عوام کئی حصوں میں بٹ جائیں گے کسی کا نظریہ کچھ ہوگا کسی کا کچھ سب ایک رائے پر نہ ہوں گے جیسا کہ یہ لوگ سمجھے تھے۔

وہ لوگ جذبات وخواہشیں اور اپنے اغراض لیکر آئے تھے اور امیر المومنینؑ نے ان کے مقابلہ میں دلیل و منطق پیش کی انہوں نے آ کر بجائے امیر المومنینؑ سے خطاب کرنے کے یہ کہا اے علیؑ اس جملہ میں جو درشتی وقساوت اور جرأت وجسارت تھی وہ ظاہر ہے امیر المومنینؑ نے اس کا جواب یہ دیا بھائیو یہ لفظ جس نرمی و مہربانی رحم و کرم اور بے پناہ محبت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ لوگ آپ کے پاس یہ مطالبہ لے کر آئے کہ عثمان کے خون کا انتقام لیا جائے حالانکہ ان میں بہت سے ایسے تھے کہ جو خود قتل عثمان میں شریک تھے علیؑ نے اس مطالبہ کے جواب میں وہ بے نظیر عفو و درگزر پیش کیا جس کے سوتے آپ کے دل سے پھوٹ رہے تھے۔

آپ نے قریش والوں پر کڑی نظر رکھنی شروع کی تا کہ یہ لوگ فتنہ وفساد برپا نہ کرنے پائیں اور آپ کا موقف انتہائی درست اور دوراندیشی پر مبنی تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

آپ نے حضرت عثمان کے عاملوں کو ایک ایک کر کے معزول کرنا شروع کیا اس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا کہ کون

اس قابل ہے کہ حکومت پر باقی رکھا جائے اور کون اس قابل ہے کہ فوراً معزول کیا جائے اس لئے کہ ظلم وزیادتی فتنہ وفساد شریعت کے ساتھ تمسخر واستہزاء میں سبھی حد سے گزر چکے تھے ان کی ظلم وزیادتی ہی کی وجہ سے تمام مملکت اسلامیہ میں شدید ہیجان پیدا ہوا اور اس کے نتیجہ میں عثمان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا آپ ان کے عہدوں پر انہیں ایک لحہ کے لئے بھی برقرار رکھنے پر تیار نہ ہوئے حق و باطل ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے اور نہ ظلم و جور کا اس وقت تک انسداد ہو سکتا ہے جب تک اصل سبب ظلم و جور کا نہ دور کر دیا جائے۔ ابن عباس نے بھی مشورہ دیا اور یہی بہت سے لوگوں نے رائے دی کہ آپ ان عاملین عثمان کو اس وقت تک ان کے عہدوں پر برقرار رہنے دیجئے جب تک آپ کی حکومت کو استحکام نہ حاصل ہو جائے قدم جم جانے کے بعد ان کے ساتھ جو مناسب کارروائی سمجھئے گا کیجئے گا۔ امیر المومنین کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ اسلامی حکومت کے انتظام میں سیاسی جوڑ توڑ سے کام لیں اسی طرح یہ بات بھی پسند خاطر نہ ہوئی کہ آپ نفع پرستوں کو خوش کر کے اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کی کوشش کریں۔ آپ نے اپنی ذمہ داریوں پر اپنی عقل پر اپنی تلوار پر بھروسہ کیا اور اس بات پر جمے رہے کہ ان تاریکیوں کو ایک ایک کر کے دور کر کے رہیں گے۔

سب سے زیادہ آپ کو فکر شام کے علاقہ کی تھی معاویہ کے متعلق آپ کے جو نظریات وخیالات تھے اس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں آپ نے طے کر لیا کہ معاویہ کو بہر حال شام کی حکومت سے معزول کر کے رہیں گے ادھر معاویہ کو کد تھی کہ ہم آپ کی بیعت نہ کریں گے۔ زیاد بن حنظلہ امیر المومنینؑ کی خدمت حاضر ہوئے یہ پتہ چلانے کے لئے کہ آپ نے معاویہ کے متعلق کیا طے کیا تا کہ آپ کے ارادے سے لوگوں کو بھی آگاہ کر دیں امیر المومنینؑ نے زیاد سے فرمایا۔ زیاد تیار ہو جاؤ زیاد نے پوچھا:

امیر المومنین کس بات کے لئے آپ نے فرمایا شام پر فوج کشی کرنے کے لئے زیاد نے کہا حضور نرمی اور بردباری سے کام لینا زیادہ ٹھیک ہوگا آپ نے یہ شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ:

"تیز فہم دل، کاٹنے والی تلوار اور غیرت وحمیت والی ناک جب جمع ہوں گی تب ہی مظالم تم سے دور رہیں گے"۔

علیؑ نے معاویہ کی سرکوبی اور شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دیں آپ کی مستعدی کو دیکھتے ہوئے لوگوں میں بھی حرکت پیدا ہوئی کچھ تو آپ کی حمایت ونصرت پر کمربستہ تھے اور کچھ آپ کی مخالفت کا تہیہ کئے ہوئے۔ طلحہ وزبیر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"امیر المومنین ہمیں عمرہ بجالانے کے لئے مکہ جانے کی اجازت دیجئے اگر ہماری فراغت تک آپ یہیں مقیم رہے تو ہم آپ کے پاس پلٹ آئیں گے اور اگر آپ بھی ساتھ چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے"۔

آپ ان دونوں کی طرف تھوڑی دیر دیکھتے رہے پھر فرمایا:

''تمہارا اصل مقصد عمرہ بجالانا نہیں ہے بلکہ مجھ سے غداری کرنا ہے جہاں جی چاہے جاؤ طلحہ وزبیر مکہ روانہ ہو گئے''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بنی امیہ اور طلحہ وزبیر مل کر آپ کے خلاف سازشی کاروائیوں میں مصروف ہو گئے اور ہر قسم کے مکروفریب پر اتر آئے اور لوگوں کو آپ کے خلاف صف بستہ کرنے میں پانی کی طرح روپیہ بہانا شروع کیا۔ حضرت عثمان کے عاملوں نے جنہیں علیؑ نے معزول کر دیا تھا ان کی پوری پوری مدد کی ان لوگوں نے مکہ کو اپنا مستقر قرار دیا تھا اور ان کے قبضہ میں جتنی دولت جتنے اسلحے تھے سب مکہ پہونچا دیئے تھے۔ عائشہ بنت ابی بکر اور زوجہ پیغمبرؐ جنگی تیاریوں میں اسی وقت سے سرگرم عمل تھیں جس دن انہیں علیؑ کے خلیفہ منتخب کئے جانے کی خبر ملی تھی۔ عائشہ نے علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر کس طرح سنی اور سنتے ہی ان کی کیا کیفیت ہوئی اس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ مکہ سے واپسی میں جناب عائشہ جب مقام سرف میں پہونچیں تو وہاں عبد ابن ام کلاب سے ملاقات ہوئی جو ان کا ننہالی رشتہ دار تھا عائشہ نے اس سے مدینہ کا حال پوچھا۔

عبد ابن ام کلاب: لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اور قتل کرنے کے بعد آٹھ دن تک ٹھہرے رہے۔

عائشہ: اس کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا؟

عبد ابن ام کلاب: تمام اہل مدینہ نے متفق ہو کر راستہ پیدا کر لیا سب نے حضرت علیؑ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔

عائشہ: اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا کرے آسمان زمین پھٹ پڑے واپس لے چلو مجھے واپس لے چلو۔ حضرت عائشہ حج سے فارغ ہو کر مکہ سے مدینہ جا رہی تھیں مگر علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر سنتے ہی پھر مکہ واپس پلٹ پڑیں یہ کہتی ہوئی: قتل واللہ عثمان مظلوماً بخدا عثمان مظلومی کی حالت میں مارے گئے۔ خدا کی قسم میں ان کا انتقام لوں گی، عبد ابن ام کلاب نے پوچھا:

''یہ کیا؟ خدا کی قسم آپ ہی نے سب سے پہلے ان کی مٹی پلید کی آپ ہی کہا کرتی تھیں اقتلوا نعثلاً فقد کفر نعثل کو مار ڈالو یہ کافر ہو گیا ہے۔

عائشہ: لوگوں نے توبہ کرا کے مار ڈالا کہنے کو میں نے بھی کہا لیکن اب میری آخری بات پہلی بات سے بہتر ہے۔

عبد ابن ام کلاب: مادر گرامی بہت پھُس پھُسی معذرت ہے۔

اس موقع پر طبری نے چند شعر عبد ابن ام کلاب کے نقل کئے ہیں جن میں عبد نے قتل عثمان کی ساری ذمہ داری عائشہ

پر ڈالی ہے چنانچہ کہتا ہے "آپ ہی کی طرف سے ابتدا ہوئی آپ ہی کی طرف سے تغیرات نمایاں ہوئے آپ ہی سے آندھیاں چلیں، آپ ہی سے پانی برسا، آپ ہی نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا آپ ہی نے کہا کہ عثمان کافر ہو گئے ہم نے آپ کی اطاعت کی اور انہیں مار ڈالا ہمارے نزدیک تو عثمان کا قاتل وہی ہے جس نے ان کے قتل کا حکم دیا ہم پر نہ آسمان ٹوٹا نہ چاند سورج گہن میں آئے۔(تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۴۰ وغیرہ)

حضرت عائشہ مکہ واپس پلٹ پڑیں انہوں نے کسی بات کی طرف دھیان نہ دیا جب آپ مکہ پہونچ گئیں تو طلحہ آ کر آپ سے ملے اور انہیں بتایا کہ کیسے کیسے علیؑ خلیفہ ہوئے اور لوگوں نے طلحہ کے ساتھ کیا کیا انہوں نے کہا کہ:

لوگوں نے علیؑ کی بیعت کی پھر میرے پاس آئے اور مجھے اتنا مجبور کیا کہ آخر مجھے بیعت کرنا پڑی۔

حضرت عائشہ نے کہا: علیؑ ہماری گردنوں پر کیسے مسلط ہو سکتے ہیں جب تک علیؑ کی حکومت مدینہ میں ہے میں تو مدینہ واپس جانے والی نہیں۔

اسی وقت سے انہوں نے علیؑ کے خلاف ایک زبردست فتنہ انگیز تحریک شروع کی لوگوں کو ابھارنا شروع کیا کہ عثمان کے بدلہ میں علیؑ کو قتل کر ڈالو۔

اس مرحلہ پر حضرت عائشہ نے جو روش اختیار کی اس کا جائزہ لینے پر ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ علیؑ کی کتنی زبردست عداوت وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھیں۔ ان کے طرز عمل کی وضاحت کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان اسباب کی طرف اشارہ کرتے چلیں جن کی بنا پر عائشہ علیؑ سے کدورت رکھتی تھیں۔

عائشہ کی نفرت و بیزاری علیؑ سے بہت پرانی تھی اس کی تاریخ اس دن سے شروع ہوتی ہے جس دن کہ وہ پیغمبرؐ کے گھر میں آئی تھیں جیسا کہ اکثر مورخین کا خیال ہے۔

ایک بڑا سبب ان کی عداوت کا یہ تھا کہ وہ فاطمہؑ کے شوہر تھے فاطمہؑ خدیجہ کی دختر تھیں اور خدیجہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے اپنی شرافت و بزرگی اور پاکیزگی اخلاق کی وجہ سے پیغمبرؐ کے وجدان پر قبضہ کر رکھا تھا جب تک وہ زندہ رہیں پیغمبرؐ کے وجدان پر چھائی رہیں اور اپنے مرنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کے دل میں اس طرح گھر کئے رہیں کہ عائشہ اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لینے کے بعد بھی خدیجہ کو پیغمبرؐ کے دل و دماغ سے نکال نہ سکیں جامعہ ازہر کے آرگن مجلہ الازہر کی یہ عبارت غور کے قابل ہے۔

"عائشہ ان خصوصیات کے علاوہ جو اللہ نے انہیں دے رکھی تھیں بڑی بلند ہمت اور بزرگی و شرف کی آخری منزل پر پہونچنے کی انتہائی درپے تھیں۔ بہ نسبت دیگر ازواج کے انہیں پیغمبرؐ سے جو تقرب خصوصی حاصل تھا اسی پر انہوں نے قناعت

نہیں کی بلکہ ان کی خواہش ہوئی کہ پیغمبرؐ کے دل میں وہ جگہ حاصل کرلیں جو صدیقہ اولیٰ اور سب سے زیادہ چہیتی خدیجہ کو حاصل تھا جن کا ذکر کرتے پیغمبرؐ نہ تھکتے تھے جن کے ذکر پر خوش ہوتے اور جن کی وجہ سے ان کی سہیلیوں کی عزت کرتے اور ہمیشہ ان کی مدح وستائش میں تب اللسان رہتے۔ حضرت عائشہ اپنے حسن وناز وادا لطیف حیلوں اور طرح طرح کی صلاحیتوں اور عقلمندوں سے کام لیکر حضرت سید المرسلین معزز ترین بنی آدم کو یہ ذہن نشین کرانے کی بیکار ہی کوشش کر رہی تھیں کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو خدیجہ کے بدلے بڑی اچھی بیوی عنایت کی ہے۔ ان کو خدیجہ کی برتری تسلیم کر لینا چاہئے تھا اور حق واضح ہونے کے بعد بھی جھگڑا تکرار نہ کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایسی خاتون کے بارے میں جو تمام شریف ومعزز خواتین سے افضل و بہتر تھیں جو صدیقہ کبریٰ اور تمام مسلمانوں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے تھیں جھگڑا وتکرار برتری جتانا رشک وغیرت کرنا، بیکار وفضول ہے اس سے خدیجہ کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ ان کی عظمت وجلالت اور آشکار ہوئی اور ان کا ذکر ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید بن گیا۔ (الجامعۃ الازہر شمارہ ۱۰ جلد ۲۷ مئی ۱۹۵۶ء)

خود حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں:

جتنا میں نے خدیجہ پر رشک کیا اتنا پیغمبرؐ کی کسی دوسری بیوی پر نہیں حالانکہ خدیجہ کو میں نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن پیغمبرؐ اکثر و بیشتر ان کا ذکر کرتے رہتے۔ بسا اوقات آپ بکریاں ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجنے میں کسی مرتبہ کہا بھی کہ معلوم ہوتا ہے خدیجہ کے سوا دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں آنحضرت جواب دیتے، وہ ایسی تھیں اور ایسی تھیں اور مجھے ان سے اولاد بھی ہوئی۔

تو عائشہ اقرار کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ خدا خدیجہ کو اپنی تمام ازواج پر فضیلت دیتے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ خدیجہ کے ساتھ پیغمبرؐ کی یہ والہانہ محبت ووارفتگی جس طرح سے عائشہ کے دل میں خدیجہ کی طرف سے رشک اور جلن پیدا کرنے والی تھی اسی طرح سے فاطمہ کی طرف سے بھی ان کے دل میں جلن تھی کیونکہ فاطمہ انہیں سوگن خدیجہ کی بیٹی تھیں اور فاطمہ کی وجہ سے ان کے شوہر علیؑ اور ان کے بچوں حسنؑ وحسینؑ سے کدورت تھی۔

ایک اور سبب علیؑ سے کینہ وعناد رکھنے کا واقعہ افک بھی ہے جس میں علیؑ نے پیغمبرؐ کو مشورہ دیا تھا کہ یا رسولؐ اللہ خدا نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے عائشہ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں آپ کو مل جائیں گی اس بے سروپا واقعہ افک اور اس کے متعلق حضرت امیر المومنینؑ کا جو طرز عمل رہا ہم اس کو حضرت امیر المومنینؑ حصہ اولیٰ اور حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں بوضاحت سے لکھ چکے ہیں) پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عائشہ کو پوری امید تھی کہ عثمان کے مارے جانے کے بعد خلافت پھر ان کے خاندان بنی

تیم میں پلٹ آئے گی اور طلحہ خلیفہ منتخب ہو جائیں گے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی خبر ہلاکت سن کر اس امید میں کہ لوگوں نے طلحہ کو ضرور خلیفہ بنالیا ہوگا کس کس طرح انہوں نے مسرت کا اظہار کیا اور کیسے کیسے خوشی سے بھرے ہوئے فقرے کہے۔

حضرت عائشہ نے مکہ پہونچتے ہی جمعیت فراہم کرنی شروع کی حضرت علیؑ اور ان کی خلافت کے خلاف عائشہ کے اس علانیہ دشمنی وعناد نے بنی امیہ، طلحہ وزبیر اور ان کے ساتھیوں کے بازو اور مضبوط کر دیئے۔ علیؑ کی مخالفت اور ان سے جدال و قتال کرنے میں یہ بھی متحد و متفق تھے۔ علیؑ کے خلیفہ ہو جانے پر بنی امیہ کے جن افراد نے حجاز وغیرہ میں روپوشی اختیار کرلی تھی اس موقع کو غنیمت جان کر سبھی نے سر اٹھایا۔ انہوں نے نئے خلیفہ کے قریشیوں کے اس خروج و بغاوت سے جو تھری طاقت پر مشتمل تھی پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بھی طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ کے ہمنوا بن گئے اور جتنا زر ومال انہوں نے اپنی حکومت وعمل داری کے زمانہ میں مختلف ممالک سے ذخیرہ کیا تھا وہ سب ان لوگوں کے حوالہ کر دیا تا کہ جنگی تیاریاں زور و شور سے ہو سکیں اور علیؑ کی حکومت شروع ہی میں شکست وریخت ہو جائے جن جن مقامات پر وہ چھپے ہوئے تھے نکل کر مکہ پہونچ گئے اور عوام الناس کو علیؑ کے خلاف صف بستہ کرنے میں عائشہ کا ہاتھ بٹانے لگے بہانہ یہ تھا کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے عائشہ طلحہ اور زبیر ان کا قصاص لینے کے لئے اٹھے ہیں لہٰذا ان کا ساتھ دینا ضروری ہے معاویہ بن ابی سفیان نے اس موقع کو خصوصیت کے ساتھ اپنے لئے فائدہ مند سمجھا۔ اگر چہ معاویہ کا مقصد اور تھا اور طلحہ وزبیر کے مقاصد اور معاویہ خود خلیفہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے اور طلحہ وزبیر اپنی خلافت قائم کرنے کیلئے کوشاں تھے معاویہ کی دلی تمنا تھی کہ طلحہ وزبیر علیؑ سے ٹکرا جائیں فریقین میں سے ایک نہ ایک ضرور ختم ہو جائے گا اور جسے فتح ہوگی وہ کمزور پڑ جائے گا جس سے نپٹ لینا آسان اور جس کو ختم کر کے اپنی سلطنت قائم کر لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

حضرت عائشہ نے اپنی شخصیت اور زوجۂ رسولؐ ہونے کی وجہ سے ہزاروں ہزار کا لشکر مکہ میں تیار کرایا لشکر تیار ہونے کے بعد سرداران لشکر طلحہ وزبیر وغیرہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ لشکر روانہ ہو تو کس طرف سب سے پہلے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

اس موقع پر جو حضرات اس جمعیت کے سرغنے بنے ہوئے تھے اور علیؑ کے خلاف جدال وقتال میں پیش پیش تھے اگر ان کے حالات و واقعات کی چھان بین کی جائے اور یہ پتہ چلانے کی کوشش کی جائے کہ اتنی بڑی جمعیت فراہم کرنے سے ہر ایک کے مقاصد کیا تھے تو یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ یہ لوگ حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینے کے لئے اکٹھا نہ ہوئے تھے جیسا کہ ان لوگوں کا دعویٰ تھا اور نہ حالات کی درستی و اصلاح کیلئے جو ان کے دعویٰ کے مطابق علیؑ نہ کر سکے اور نہ ایسی چیز کے لئے جمع ہوئے تھے جس کو زبان سے کہتے اور اپنی تقریروں میں ظاہر کر کے لوگوں کو علیؑ کے خلاف برانگیختہ کرتے بلکہ یہ لوگ مختلف

اغراض و مقاصد کے تحت اکٹھا ہوئے تھے کوئی اس وجہ سے علیؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا تھا کہ اسے خلافت نہ ملی علیؑ کو مل گئی لہٰذا اپنی آرزوؤں کے خون ہو جانے کا بدلہ علیؑ سے لینا چاہتا تھا کوئی اس وجہ سے آیا تھا کہ اس کے دل میں علیؑ کی قدیمی عداوت و دشمنی تھی کوئی اس فکر میں اس جمیعت میں داخل ہوا تھا کہ کھویا ہوا خاندانی وقار دوبارہ حاصل کرے جس کا علیؑ کے خلیفہ رہنے کی صورت میں دوبارہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔

حضرت عائشہ کی خواہش تھی کہ یہ ساری جمیعت فوراً مدینہ کی طرف چل پڑے جو اسلامی دارالسلطنت تھا اور قبل اس کے کہ علیؑ ہمارے لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے لشکر فراہم کرسکیں ہم لوگ مدینہ پہونچ کر ان کی خلافت کی اینٹ بجادیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہمیں شام چلنا چاہئے کہ وہ بہت محفوظ جگہ ہے۔ بنی امیہ نے ایک زبان ہو کر اس رائے کو غلط قرار دیا۔ کیونکہ تمام بنی امیہ کا متفقہ نظریہ تھا کہ جن ممالک پر ہمارا اقتدار قائم ہے جہاں ہمارے قدم مضبوطی سے جمئے ہوئے ہیں ان ممالک کو کسی قسم کا خطرہ پیش نہ آنے دینا چاہیے۔ بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ معاویہ شام پر حکمرانی کررہے ہیں وہاں کے عوام ان کے فرمانبردار بھی ہیں اور متحد بھی اسی لئے بنی امیہ کی پوری کوشش تھی کہ شام کا علاقہ میدان جنگ نہ بننے پائے۔ ایک وجہ شام جانے سے روکنے کی یہ بھی تھی کہ بنی امیہ شام کے علاقہ کو آخری پناہ گاہ سمجھتے تھے انہیں خیال تھا کہ اگر کہیں علیؑ کے مقابلہ میں ہم لوگوں کو ہزیمت نصیب ہوئی تو جان بچانے کی آخری جگہ شام ہی ہے معاویہ مدتوں سے شام میں اپنی بادشاہت قائم کرنے میں لگے ہوئے تھے لہٰذا بنی امیہ ان کی راہ میں روڑے کیوں اٹکاتے اور کیوں نہیں علیؑ اور ان کے مخالفین کی توجہ دوسرے طرف پھیرنے کی کوشش کرتے تا کہ شام جو ان کے لئے اب جنت کی حیثیت رکھتا تھا میدان جنگ بن کر جہنم نہ بننے پائے۔

طلحہ و زبیر کی خواہش یہ تھی کہ نہ مدینہ کا رخ کیا جائے نہ شام کا بلکہ ہم لوگوں کو بصرہ چلنا چاہئے ان کا کہنا یہ تھا کہ بصرہ اور کوفہ میں ہمارے ہمدردوں کی تعداد زیادہ ہے یہ دونوں شہر بہ نسبت دیگر شہروں کے زیادہ مناسب تھے طلحہ و زبیر بصرہ چلنے والوں کی رائے دے کر بہت دور کی سوچ رہے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر باشندگان بصرہ یا باشندگان کوفہ کی مدد سے یہ جنگ ہم جیت لیتے ہیں تو خلافت ہم ہی دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ لگے گی یعنی علیؑ کو ہزیمت دے کر فتح حاصل کرنے میں جس کے اعوان و انصار زیادہ حصہ لیں گے وہی خلیفہ بنایا جائے گا۔

اس رائے کی بنی امیہ نے بھی سرگرمی سے موافقت کی سب نے حضرت عائشہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔

"ام المومنینؑ مدینہ کا خیال چھوڑ دیجئے ہمارے ساتھ جتنے لوگ ہیں وہ وہاں کے بلوائیوں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے آپ ہمارے ساتھ بصرہ تشریف لے چلیں۔ ممکن ہے وہاں کے لوگ ہم سے احتجاج کریں اور علیؑ ابن ابی طالب کی بیعت ہو جانے کا

عذر پیش کریں آپ انہیں بھی انتقام خون عثمان لینے پر اسی طرح آمادہ کریں گی جس طرح آپ نے مکہ والوں کو آمادہ کرلیا۔

بنی امیہ نے جی کھول کر جنگ کے ساز وسامان کی فراہمی میں روپیہ پیسہ خرچ کیا ایک منادی نے مکہ کی گلی کوچوں میں اعلان کیا کہ:

''حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر بصرہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں جس کو اسلام کی ہمدردی اور اعزاز دین منظور ہو اور مخالفین سے جنگ اور عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہو ہمارے ساتھ چلے جس کے پاس سواری اور سامان سفر نہ ہو ہم سے لے''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

جب حضرت عائشہ لشکر فراہم کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہونے پر بالکل تیار ہوگئیں تو جناب ام سلمہ زوجہ پیغمبرؐ نے آکر بہت سمجھانے کی کوشش کی کہا:

''کل تم ہی لوگوں کو عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتیں اور بد سے بدتر باتیں ان کے بارے میں کہا کرتیں تم نے ان کا نام ہی نعثل رکھ چھوڑا تھا اس نام کے علاوہ اور کسی نام سے تم انہیں یاد ہی نہیں کرتی تھیں''۔

پھر انہوں نے بہت زور دیا کہ گھر ہی میں بیٹھی رہو علیؑ کے خلاف فوج کشی نہ کرو جب دیکھا کہ عائشہ اپنے ارادہ سے باز آنے والی نہیں وہ ضرور ہی علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں گی تو آپ نے اپنے فرزند عمر ابن ابی سلمہ کو امیر المومنینؑ کی خدمت میں بھیج دیا اور ساتھ ہی حضرت کو یہ خط بھی لکھا:

''امیر المومنینؑ اگر خدا کی نافرمانی نہ ہوتی اور اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ میرا ساتھ چلنا آپ کو گوارا نہ ہوگا تو میں بھی اس جنگ میں آپ کے ہم رکاب رہتی۔ میں اپنے لڑکے عمر کو روانہ کر رہی ہوں قسم بخدا یہ مجھے اپنی جان سے پیارا ہے یہ آپ کے ساتھ ساتھ رہے گا اور ہر معرکہ میں شریک ہوگا''۔

حضرت عائشہ نے کوشش کی کہ دیگر ازواج پیغمبرؐ کو بھی اپنے ساتھ لے کر بصرہ جائیں مگر سب نے انکار کیا صرف حفصہ بنت عمر نے آمادگی ظاہر کی وہ علیؑ سے لڑنے کے لئے عائشہ کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئیں عبداللہ بن عمران کے بھائی نے یہ کہہ کر انہیں روکا اور کہا کہ جس طرح دیگر ازواج پیغمبرؐ اپنے گھروں میں بیٹھی ہیں تم بھی بیٹھی رہو۔

حفصہ عبداللہ بن عمر کے کہنے سے مجبور ہوگئیں اور انہوں نے یہ معذرت کہلا بھیجی کہ آپ کے ساتھ چلنے میں عبداللہ رکاوٹ بن گئے ہیں۔

سارا لشکر حضرت عائشہ کے جھنڈے کے تلے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں خیبر کے پاس اس لشکر سے اور سعید بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اس موقع پر ان دونوں کی حضرت عائشہ طلحہ وزبیر مروان وغیرہ سے جو گفتگوئیں ہوئیں

ان کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

پھر سعید بن عاص نے بنی امیہ کے عام منصوبے کے مطابق کوشش کی کہ ان لوگوں کو آپس ہی میں ٹکرا دے۔ تاکہ دونوں لڑ کر اپنی طاقت گنوا بیٹھیں اور حکومت اموی خاندان کی طرف پلٹ آئے اور کسی طرف جانے نہ پائے چنانچہ جب سعید بن عاص طلحہ و زبیر سے تنہائی میں ملا تو پوچھا:

اگر آپ لوگ کامیاب ہو گئے تو سچ بتایئے کسے خلیفہ بنایئے گا؟

طلحہ و زبیر: ہم دونوں میں سے جسے لوگ منتخب کر لیں۔

سعید بن عاص: نہیں آپ لوگوں کو چاہئے کہ عثمان کے کسی لڑکے کو خلیفہ بنائیں کیونکہ عثمان ہی کے خون کا انتقام لینے کے لئے آپ لوگ اٹھے ہیں۔

طلحہ و زبیر: عثمان کے لڑکے کو؟ ہم شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر ان کے چھوکروں کو خلیفہ بنائیں گے۔

سعید بن عاص: تب تو مجھے اسی کی کوشش کرنا چاہئے کہ خلافت عبد مناف کی اولاد سے نہ جانے پائے۔

جس طرح سعید بن عاص نے اس جمعیت میں تفرقہ اندازی کی کوشش کی اسی طرح مروان نے کئی مرتبہ پھوٹ ڈال کر ان لوگوں کو باہم ٹکرا دینا چاہا ایسی ترکیب سے جو مکر و فریب اور چالبازیوں کا بہترین نمونہ تھیں۔

امیر المومنینؑ کو اطلاع ملی کہ ایک بہت بڑا لشکر مکہ سے بصرہ روانہ ہوا ہے قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے بہانے آپ کو مسلمانوں کے باہمی افتراق اور آپس کی پھوٹ سے بے حد اذیت ہوئی آپ کو اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ مسلمانوں کے اس افتراق و انتشار کی اصلاح و درستی کی وہ تحریک جو ہم نے شروع کی ہے نہ جاری رہ سکتی ہے نہ انجام کو پہونچ سکتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے خروج و بغاوت سے دوسروں کو بھی جرأت و جسارت ہوگی دیگر صوبہ جات کے عثمانی حکام و عمال بھی معاویہ کی دیکھا دیکھی بغاوت کر بیٹھیں گے آپ کو جیسے ہی یہ خبر ملی آپ نے مدینہ والوں کو جمع کر کے یہ تقریر فرمائی:

"خداوند عالم نے اس امت کے ظالم کیلئے عفو درگزر اور اطاعت شعار اور استوار انسان کے لئے کامیابی اور نجات قرار دی ہے جو شخص حق کو سہار نہیں کر سکتا وہی باطل اختیار کرتا ہے دیکھو طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ نے میری حکومت و خلافت کو ناپسند کرنے پر ایکا کر لیا ہے اور لوگوں کو اصلاح کی طرف دعوت دی ہے۔ جب تک ان کی طرف سے مجھے تمہارے متعلق خطرہ نہ محسوس ہوگا میں صبر سے کام لوں گا اور جب تک وہ ہاتھ روکے رہیں گے میں بھی ہاتھ روکے رہوں گا اور اب تک ان کی طرف سے جو خبریں مجھے پہونچی ہیں انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

امیرالمومنینؑ نے چاہا کہ قبل اس کے کہ فتنہ اپنے شباب کو پہونچے شروع ہی میں اس کی روک تھام کردیجائے آپ نے مناسب سمجھا کہ قبل اس کے کہ مکہ والے مدینہ پہونچنے پائیں ان کو راستہ ہی میں روک دیا جائے کہ فتنہ وفساد اور کشت وخون سے بچنے کی یہی بہترین صورت ہے آپ نے مدینہ میں سہل بن حنیف کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور شام پر چڑھائی کرنے کے لئے جو لشکر فراہم کیا تھا اس لشکر کو لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ کوفہ و بصرہ کے بھی بہت سے لوگ راستہ میں آکر آپ سے مل گئے جب آپ اپنے لشکر کو لئے ہوئے ربذہ پہونچے تو پتہ چلا کہ طلحہ وزبیر مکہ سے روانہ ہو کر ربذہ سے بھی آگے جاچکے ہیں ان کی منزل مقصود بصرہ ہے آپ نے ربذہ میں کچھ دنوں قیام کرکے تیاریاں مکمل کیں اور اس عرصہ میں امکانی کوشش کی کہ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ نے حالات جتنے درہم و برہم اور خراب وفساد کردیئے ہیں وہ اب بھی سنبھل جائیں، آپ نے حضرت عائشہ کو یہ خط لکھ کر روانہ کیا۔

امابعد تم نے گھر سے باہر قدم نکال کر خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی ہے۔ تم ایسی چیز کی طالب ہو جس سے تمہیں دور کا بھی واسطہ نہیں اس کے ساتھ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا چاہتی ہو مجھے یہ تو بتاؤ کہ عورتوں کو لشکر کی قیادت سے کیا مطلب۔ تم یہ بھی دعویٰ کرتی ہو کہ میں خون عثمان کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ عثمان بنی امیہ سے تھے اور تم قبیلہ تیم بنی مرہ کی ایک عورت ہو۔ خدا کی قسم جن لوگوں نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے اور خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرنے پر تمہیں آمادہ کیا ہے ان کا گناہ قاتلین عثمان کے گناہ سے کہیں زیادہ عظیم و ہولناک ہے تم خود غضبناک نہیں ہوئیں تمہیں غضبناک بنایا گیا ہے اور خود سے ہیجان میں نہیں آئیں دوسرے لوگ تمہارے ہیجان میں آنے کے باعث ہوئے ہیں۔ عائشہ خدا سے ڈرو اور اپنے گھر واپس جاؤ اور خانہ نشین رہو۔ والسلام

حضرت کا پیغام یہ تھا کہ عائشہ کو ان کے خروج اور لشکر کی کمانداری میں معذور قرار دیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم خود غضب ناک نہیں ہوئیں لوگوں نے تمہیں غضب ناک بنایا ہے اور خود سے ہیجان میں نہیں آئیں دوسرے لوگ تمہارے ہیجان میں آنے کا باعث ہوئے۔ حضرت کے اس فقرے میں خواتین کے شعور و احساسات کا جو لحاظ اور عائشہ کی عزت وتوقیر کا جو پہلو ہے وہ ظاہر ہے۔ آپ نے یہ کہہ کر کہ دوسروں نے تمہیں نافرمانی پر آمادہ کیا ہے ان کے لئے اس فتنہ وفساد سے بچ نکلنے کی راہ بھی پیدا کردی تھی۔ آپ نے خطاوار ان لوگوں کو قرار دیا جنہوں نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں کی اس حرکت کو آپ نے قاتلین عثمان کے گناہ سے زیادہ عظیم و ہولناک قرار دیا پھر آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم خدا سے ڈرو اور اپنے گھر واپس جاؤ کہ اسی صورت میں ملک میں امن وامان قائم رہ سکتا ہے اور لوگ

بھی اسی صورت کو پسند کریں گے۔

مگر عائشہ نے اس نصیحت کی طرف ذرہ برابر توجہ نہ کی وہ جو ارادہ پہلے سے کر چکی تھیں اسی پر مضبوطی سے جمی رہیں انہوں نے امیر المومنینؑ کے اس ہمدردانہ پیام کے جواب میں یہ فقرہ کہلا بھیجا جو مختصر ہونے کے باوجود ان کی ذاتی عداوت جنگ و جدال کے قطعی تہیہ اور علیؑ کے متعلق ان کے نظریات وخیالات کا پورا پورا ترجمان تھا:

ابو طالب کے بیٹے اب صلح ومصالحت کی کوئی گنجائش نہیں ہم تمہارے حلقہ اطاعت میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے تمہیں جو کچھ کرنا ہو کرلو۔ والسلام۔

ایسا ہی جواب آپ کو طلحہ وزبیر نے بھی کہلا بھیجا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

جب حضرت عائشہ کا لشکر بصرہ کے قریب پہونچا تو سرداران لشکر نے آپس میں مشورہ کیا کہ بصرہ میں داخل ہوا جائے یا نہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ بصرہ میں علیؑ کے اعوان وانصار کی تعداد کچھ کم نہیں لہٰذا دوراندیشی یہی تھی کہ وہ پہلے رائے مشورہ کرلیں۔ اور بصرہ والوں سے خط وکتابت کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کس حد تک علیؑ کے وفادار ہیں۔ طے یہ ہوا کہ بصرہ میں داخل ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ بصرہ کے معززین واکابر کو علیؑ کے خلاف ابھارا جائے اور انہیں اپنا طرف دار بنانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ طلحہ وزبیر نے کعب بن سور قاضی کو یہ خط لکھ کر روانہ کیا۔

امابعد تم حضرت عمر کے مقرر کردہ قاضی، اہل بصرہ کے بزرگ اور یمن والوں کے سردار ہو عثمان نے تمہیں جو اذیتیں پہونچائی تھیں اس پر تم غضبناک ہوئے اب تمہیں چاہئے کہ جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہے ان پر غضبناک ہو"

کعب بن سور نے جواب میں لکھ بھیجا:

اگر عثمان ظالم ہونے کی وجہ سے قتل ہوئے تو تمہیں ان کا قصاص لینے کی کیا پڑی اور وہ کب قصاص لئے جانے کے لائق ہیں اور اگر وہ بحالتِ مظلومی قتل ہوئے تو دوسرے لوگ تم سے زیادہ ان کا قصاص لینے کے سزاوار ہیں اور اگر عثمان کا معاملہ ان لوگوں کے لئے جو ان کے قتل کے موقع پر موجود تھے مشکل تھا تو ان لوگوں کے لئے جو اس موقع پر موجود نہ تھے مشکل تر ہے۔

ان دونوں نے منذر بن جارود کو بھی ایک خط لکھا:

امابعد تمہارے باپ زمانہ جاہلیت کے رئیس اور اسلام میں سردار تھے تم کو اپنے باپ سے وہی منزلت حاصل ہے جو گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے کو اول نمبر آنے والے گھوڑے سے ہوتی ہے عثمان کو ایسے لوگوں نے قتل کیا جن سے تم بہتر ہو اور عثمان کے لئے وہ لوگ غضب ناک ہوئے جو تم سے بہتر ہیں۔ والسلام

منذر بن جارود نے جواب میں لکھا:

امابعد۔ میں نیکو کار لوگوں سے اسی صورت میں ملحق ہوں گا کہ میں اہل شر سے بہتر رہوں۔ عثمان کا حق جس طرح آج عائد ہوا ہے اسی طرح کل بھی واجب و لازم تھا وہ تمہارے ہی درمیان اور تم ہی لوگوں کے اندر تھے مگر تم لوگوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ان کی کوئی مدد نہ کی اب یہ نیا انکشاف تم پر کب ہوا ہے اور یہ جدید رائے تمہیں کب سجھائی دی ہے؟

حضرت عائشہ نے زید بن صوحان کو لکھا:

عائشہ بنت ابی بکر ام المومنین حبیبۂ رسولؐ کی طرف سے ان کے خالص بیٹے زید بن صوحان کے نام:

امابعد۔ میرا یہ خط پہونچتے ہی میری مدد کو روانہ ہو جاؤ اور اگر مدد کو نہ آؤ تو لوگوں کو علیؑ کی نصرت سے باز رکھنا۔

زید بن صوحان نے جواب میں لکھا:

زید بن صوحان کی طرف سے عائشہ بنت ابی بکر حبیبۂ رسول خداؐ کے نام:

امابعد۔ میں آپ کا خالص بیٹا ہوں بشرطیکہ آپ اس امر سے کنارہ کشی کر کے اپنے گھر واپس چلی جائیں ورنہ سب سے پہلا مخالف آپ کا میں ہی ہوں۔

عقد فرید، جمہرہ رسائل العرب اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں زید بن صوحان کا جواب ان لفظوں میں مذکور ہے:

آپ پر سلام ہو۔ امابعد۔ خداوند عالم نے آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ گھر سے نہ نکلیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جدال و قتال کریں تا کہ فتنہ برپا نہ ہو۔ جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کو آپ نے ترک کر دیا اور جس بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس سے آپ ہمیں روک رہی ہیں۔ آپ کی بات مانی نہ جائے گی اور نہ آپ کے خط کا جواب دیا جائے گا۔ والسلام

بنی امیہ نے طلحہ و زبیر اور عائشہ کی طرح اپنے اعوان و انصار کو علانیہ خطوط نہیں لکھے بلکہ انہیں جس کے متعلق بھی یہ امید ہوئی کہ وہ علیؑ کے خلاف ہماری مدد کرنے پر اور ان کی خلافت کی بنیادوں کو منہدم کرنے پر تیار ہوگا خفیہ خط و کتابت کی اس خفیہ خط و کتابت سے ان کی نفسیاتی کیفیت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے اگر وہ لوگ علیؑ سے عثمان کے خون کا قصاص لینے کے لئے نکلے ہوتے تو انہیں انفرادی طور پر اپنے انصار سے خط و کتابت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور اگر انہوں نے طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کی مدد میں علیؑ کے خلاف خروج کیا تھا تو انہیں عام لوگوں سے الگ رہ کر اپنے معاملات پر غور و فکر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی ساری کوششیں یہ تھیں کہ معاملات کا رخ ہماری طرف پھر جائے وہ انہیں لوگوں سے رابطہ پیدا کرتے تھے جن کے متعلق انہیں امید ہوتی تھی کہ یہ صرف ہمارے مددگار ہیں اسی لئے ان کی خط و کتاب عام طور پر خفیہ طور پر ہوا

کی۔

تو جبکہ سرداران لشکر عائشہ اہل بصرہ سے خط وکتابت کر رہے تھے۔ فرزندان ابوسفیان دمشق میں بیٹھے بیٹھے علیؑ کے تمام باغیوں کے حالات کا بھی جائزہ لے رہے تھے اور ان تمام لوگوں کے حالات کا بھی جو علیؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے دونوں ہی جماعتوں کے متعلق ان کے علاحدہ علاحدہ اندازے تھے اور سمجھتے تھے کہ دونوں کا انجام کیا ہوگا۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ طلحہ وزبیر وغیرہ علیؑ سے جنگ کر کے ان کی حکومت کو کمزور کر دیں پھر تو ہمارے لئے پورا موقع ہے کہ اسلامی سلطنت کو اموی حکومت کے قالب میں ڈھال لیں کیونکہ بنی امیہ میں اس وقت ہم سے بڑھ کر سطوت واقتدار کا کوئی مالک نہیں۔

معاویہ مخفی طور پر ہر اس شخص کو علیؑ کے خلاف برانگیختہ کرنے لگے جو علیؑ کی مخالفت پر آمادہ نہ تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ عائشہ وطلحہ وزبیر اور ان کے لشکر کے دوسرے سرغنہ افراد جیسے ہی علیؑ کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ آپس میں بھڑ جائیں گے ان کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی۔ یہ ساری ہنگامہ آرائی اور علیؑ کے خلاف صف بندی محض خلافت کے لئے تھی علیؑ کے مغلوب ہونے کے بعد طلحہ وزبیر کا اسی خلافت کے لئے آپس میں ٹکرا جانا لازمی تھا۔ ایسی صورت میں میدان بنی امیہ کے لئے خالی ہو جاتا طلحہ وزبیر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوتے اور بنی امیہ جن کے راس ورئیس معاویہ تھے جن کی طاقت شروع ہی سے محفوظ تھی بیچ میں کود پڑتے اور خلافت پر قابض ہو جاتے۔ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو ایک خط میں لکھا تھا:

عثمان کی مدد سب سے زیادہ ممبران شوریٰ پر فرض تھی کیونکہ انہیں نے عثمان کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ طلحہ وزبیر نے (عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر کے) ان کی مدد کی یہ دونوں شوریٰ کے ممبر تھے جس طرح آپ تھے اور اسلام میں جو اہمیت آپ کو حاصل ہے وہی ان کو بھی حاصل ہے ام المومنین عائشہ بھی عثمان کی مدد پر کمر بستہ ہوئیں لہٰذا آپ اس چیز کو ناپسند نہ کیجئے جسے ان لوگوں نے پسند کیا ہے اور اس چیز کو نہ ٹھکرائیے جس چیز کو ان لوگوں نے قبول کر لیا ہے۔

ذرا غور فرمائیے اس مکروفریب پر، سعد جو ممبران شوریٰ میں سے ایک ممبر تھے اور حضرت عمر نے جنہیں منجملہ دیگر امیدواران خلافت کے خلافت کا ایک امیدوار قرار دیا تھا ان کے جذبات میں ہیجان پیدا کر کے کس طرح انہیں بہکانے کی کوشش کی گئی ہے پھر یہ بھی دیکھئے کہ کتنی خوبصورتی سے اپنے دلی مدعا کو مخفی رکھ کر انہیں علیؑ کے مقابل کھڑا کرنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سعد بن وقاص سے یہ چال بازی یہ مکروفریب مخفی نہ رہ سکا وہ ان کے بچھائے ہوتے دام میں گرفتار نہ ہوئے اور معاویہ نے جس مقصد سے یہ خط بھیجا تھا وہ فوراً ہی تاڑ گئے۔

سعد ابن ابی وقاص بھی آخر قریشی ہی تھے جاہلیت واسلام میں بنی امیہ کی کیا حالت رہی ان کے ظاہری مقاصد کیا تھے

اور باطنی مقاصد کیا۔ اپنا کام نکالنے کے لئے وہ سختی درشتی اور چاپلوسی کے مختلف ہتھکنڈوں سے کس سے کس کس طرح کام لیتے رہے۔ وہ ان سب سے بخوبی واقف تھے۔ اسی لئے وہ ایسا منہ توڑ جواب دینے سے بھی باز رہے جس کا معاویہ کو وہم وگمان بھی نہ رہا ہوگا انہوں نے کھلے لفظوں میں علیؑ کی علوئے منزلت تسلیم کی ان کے مخالفین پر انہیں ترجیح دی اور تصریح کردی کہ علیؑ کو وہ فضائل و کمالات حاصل ہیں جو کسی کو بھی حاصل نہیں۔ انہوں نے ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ معاویہ جس نیت سے لوگوں کو علیؑ کے خلاف صف بستہ کررہے وہ نیت بھی ہمیں معلوم ہے اور وہ نیت یہی ہے کہ یہ خلافت وحکومت ہمارے ہاتھ لگ جائے لیکن ان کی یہ ساری کوششیں بیکار ہیں کیونکہ خلافت معاویہ جیسے انسان کے لئے جائز نہیں حضرت عمر پہلے ہی اس چیز کو سمجھ چکے تھے اسی لئے انہوں نے ممبران شوریٰ میں معاویہ کو نہیں رکھا۔ سعد نے معاویہ کو جواب میں لکھا:

امابعد۔ حضرت عمر نے ممبران شوریٰ میں انہیں لوگوں کو رکھا جن کے لئے خلافت جائز تھی ہم ممبران شوریٰ میں کوئی بھی دوسرے سے زیادہ حقدار نہ تھا سوا اس صورت کے کہ ہم کسی کی خلافت پر اتفاق کرلیتے۔ البتہ علیؑ کو وہ تمام خصوصیات وکمالات حاصل تھے جو ہم میں موجود تھے لیکن علیؑ میں جو خصوصی اوصاف تھے ان سے ہم خالی تھے۔ رہ گئے طلحہ وزبیر تو اگر یہ دونوں گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ اور خدا ام المومنین کو معاف فرمائے۔

اس جواب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علیؑ کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے والوں کے متعلق سعد کا نظریہ کیا تھا۔

وہ خطوط ومراسلات جو اصحاب جمل اور بصرہ کے درمیان آئے گئے نیز وہ خط وکتابت جو دیگر شہروں کے طرف داران اصحاب جمل اور غیر طرف داروں میں ہوئی ان کے مطالعہ کے بعد ایک طرف تو یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ اس فتنہ وہنگامہ کے حقیقی اسباب سے بخوبی واقف تھے دوسری علیؑ کی شخصیت بھی واضح ہوجاتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ جن لوگوں کی نیتیں سالم تھیں وہ علیؑ سے کتنی والہانہ محبت رکھتے تھے اور ان کے کردار وگفتار کو کتنا حق سمجھتے تھے اسی کے ساتھ ایک اور اہم بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ علیؑ کے اعوان وانصار نے اصحاب جمل کو فتنہ وفساد سے باز رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے انہیں سمجھایا اور امن وچین سے رہنے کی اور عقل وتدبر سے کام لینے کی دعوت دی۔ گویا وہ سب علیؑ کے قلب وزبان کے ترجمان تھے۔

علیؑ نے اپنے کردار وگفتار سے ان کے ذہن نشین یہ بات کردی تھی کہ فتنہ شیطانی عمل ہے صلح وسلامتی بہترین شے ہے مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے متمکن ہونے کے بعد علیؑ کا جو طرز عمل اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے رہا گویا علیؑ کے سبھی انصار آپ کے طرز عمل کو بالکل حق سمجھتے تھے۔

آخر یہ اصحاب جمل علیؑ سے چاہتے کیا تھے جبکہ ابھی ان کے قدم مضبوطی سے جمنے بھی نہ پائے تھے؟ آخر کس بات پر علیؑ کے انہیں اعتراض تھا جبکہ ان لوگوں نے علیؑ کی خلافت کی خبر سنتے ہی سخت ترین عداوت کا مظاہرہ کرنا اور لوگوں کو ان کے خلاف بر انگیختہ کرنا شروع کر دیا تھا وہ کس بات پر علیؑ سے برہم تھے جب کہ علیؑ کے دلائل و براہین کے مقابلہ میں ان کا ٹکنا ناممکن تھا بشرطیکہ وہ دلیل و منطق سے کام لیتے ہٹ دھرمی پر اڑے نہ رہتے اور قتل عثمان کی ذمہ داری کیونکر علیؑ پر ڈالتے تھے جبکہ وہ لوگ خود عثمان کے قاتل تھے؟

یہ سوالات برابر ان خطوط میں دہرائے جاتے جو علیؑ کے انصار اصحاب جمل کے نام لکھتے۔ نیز بصرہ والوں کے وفود جو ان لوگوں کے پاس آتے ان کی زبانوں پر بھی یہی سوالات برابر آتے رہتے چنانچہ عائشہ کا لشکر ابھی بصرہ کے جوار میں پہونچا بھی نہ تھا اور ان کے اور طلحہ و زبیر کے خطوط بصرہ والوں کے نام ابھی راستہ ہی میں تھے کہ عثمان بن حنیف عامل بصرہ نے ابی الاسود دوؤلی اور عمران بن حصین کو عائشہ کے پاس روانہ کیا کہ جا کر معلوم کرو کہ انہوں نے علیؑ کے خلاف کیوں خروج کیا ہے اور انہیں رائے دو کہ آپ جس مقصد سے گھر سے نکلی ہیں اس سے باز آئیے۔

پھر انہوں نے طلحہ و زبیر کے پاس بھی دوسرے وفود بھیجے۔ مگر ان حضرات نے وہی جواب دیا جو پہلے کہتے آئے تھے اور بصرہ میں زبردستی داخل ہونے پر تل گئے۔

عثمان بن حنیف کو یہ بات کسی طرح منظور نہیں ہوسکتی تھی انہوں نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ہتھیاروں سے لیس کیا اور انہیں لیکر محلہ مرید کی طرف چل کھڑے ہوئے جہاں عائشہ کا لشکر پڑاو ڈالے تھا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو طلحہ آگے بڑھے اور دونوں فوجوں کے درمیان کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں اللہ تعالی کی حمد وثنا کرنے کے بعد حضرت عثمان کا ذکر کیا ان کے فضائل بیان کئے ان کی مظلومیت کے واقعے دہرائے اس کے بعد لوگوں کو ان کے خون کا بدلہ لینے کی ترغیب دی طلحہ کے بعد زبیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر کی جب یہ دونوں تقریر کر چکے تو دائیں طرف سے ان کے ساتھیوں نے پکار کر کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا بالکل درست اور سچ کہا لیکن بائیں طرف سے عثمان ابن حنیف کے ساتھیوں نے آواز دی کہ جو کچھ کہا بالکل غلط کہا آپ لوگوں نے پہلے علیؑ کی بیعت کی پھر اس کو توڑ کر ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا اس طرح ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے شور وغل مچنے لگا آخر حضرت عائشہ کھڑی ہوئیں آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''لوگ عثمان پر اعتراض اور ان کے عہدیداران کی برائیاں کرتے تھے وہ مدینہ میں آ کر ہم سے صلاح و مشورہ

کرتے تھے۔ عثمان کی نسبت جب ہم ان لوگوں کی شکایتوں پر غور کرتے تو انہیں بے گناہ پرہیزگار راست گفتار اور ان ہنگامہ برپا کرنے والوں کو گنہگار اور دروغ گو پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ اور جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو بے قصور اور بلاسبب عثمان کے گھر میں گھس گئے اور جس خون کا بہانا ناجائز تھا ان کو بہایا جس مال کا لینا درست نہ تھا اس کو لوٹا جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا اس کی بے حرمتی کی"۔

بصرہ والوں نے ناگواری ظاہر کر کے اور چیخ پکار مچا کر حضرت عائشہ کی بات کاٹ دی اس پر حضرت عائشہ چیخ کر بولیں۔ لوگو! خاموش رہو، مجمع خاموش ہو گیا۔ انہوں نے پھر تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"بتحقیق امیر المومنین عثمان نے تغیر وتبدل کیا پھر وہ برابر (اپنی خطاؤں کو) توبہ سے دھوتے رہے یہاں تک کہ وہ بحالت توبہ مظلوم قتل ہوئے اس طرح ذبح کئے گئے جس طرح اونٹ ذبح کیا جاتا ہے۔ دیکھو قریش نے اپنے تیر نشانوں پر چلائے اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے منہ زخمی کر لئے عثمان کو قتل کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچا اور نہ عثمان کے قتل کرنے میں وہ جادہ اعتدال پر گامزن ہوئے، خدا کی قسم انہیں سخت وہولناک بلاؤں کا سامنا کرنا ہوگا ایسی بلائیں جو سوتوں کو بیدار کر دیں اور بیٹھے ہوؤں کو کھڑا کر دیں اور ان پر ایسی قوم مسلط ہو جائے گی جو ان پر رحم نہ کھائے گی اور انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے گی"۔

دیکھو عثمان مظلوم قتل ہوئے ان کے قاتلوں کو ڈھونڈھو اور جب ان پر قابو پالو تو انہیں قتل کر ڈالو پھر خلافت کے معاملہ کو شوریٰ پر رکھو، شوریٰ کے ممبران وہ ہوں جنہیں امیر المومنین عمر بن خطاب مقرر کر گئے تھے اور ان میں وہ شخص داخل نہ ہو جو قتل عثمان میں شریک رہا ہو۔

اسی طرح تقریر میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا:

تم لوگوں نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بیعت کر لی جماعت سے مشورہ کئے بغیر زور وزبردستی سے اور غصبی طور پر۔

اس طرح حضرت عائشہ عوام الناس کو علیؑ کے قتل پر ابھارنے لگیں ان کا کہنا تھا کہ لوگوں نے علیؑ کی جو بیعت جماعت کے مشورہ کے بغیر کی وہ زور وزبردستی اور غصبی بیعت تھی۔ علیؑ قتل عثمان میں شریک تھے لہٰذا ان کو قتل کرنا ضروری ہے اور چونکہ وہ قتل عثمان میں شریک تھے لہٰذا خلافت کے مسئلہ کو از سر نو طے کرنے کے لئے حضرت عمر کے منتخب کردہ ممبران شوریٰ کی جو کمیٹی بیٹھے گی اس میں علیؑ شریک نہ کئے جائیں گے۔

حضرت عائشہ کی اس تقریر نے بہت سے سامعین کو دہشت میں ڈال دیا۔ بہت سے لوگوں نے چھتے ہوئے سوالات

ان سے کئے انہیں سوالات کرنے والوں میں احنف بن قیس تھے۔ جاریہ بن قدامہ سعدی تھے، جاریہ نے حضرت عائشہ کی تقریر ختم ہونے پر ان سے خطاب کر کے کہا:

ام المومنین خدا کی قسم عثمان کا قتل کیا جانا اتنا اہمیت نہیں رکھتا جتنا یہ امر ہولناک ہے کہ آپ جیسی شخصیت مسلمانوں سے لڑنے کے لئے گھر سے نکلے آپ نے اس پردہ کو جو خدائے تعالیٰ نے آپ کے لئے بنایا تھا چاک کر دیا اور اس حرمت کو جو خدا نے آپ کے لئے مقرر کی تھی توڑ دیا۔ آپ یہ سوچیئے کہ جو شخص آپ سے لڑنے کا ارادہ کرے گا وہ ضرور آپ کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کرے گا آپ ان باتوں پر غور کیجئے اگر آپ اپنی مرضی سے اس لشکر کے ساتھ آئی ہیں تو آپ کے لئے بہتر ہے کہ واپس مدینہ تشریف لے جائیں اور اگر ان لوگوں نے جبر کر کے آپ کو اپنے ساتھ بلایا ہے تو اس کے خلاف آپ لوگوں سے مدد طلب کیجئے میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔

اسی طرح اور بہت سے لوگوں نے طلحہ و زبیر پر سوالات کی بھر مار کی ان لوگوں کو جواب دیتے نہ بن پڑا بڑی دیر تک بحثا بحثی ہوتی رہی جس کا اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلا سوا اس کے کہ طلحہ و زبیر اور عائشہ غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو کر جنگ و جدال پر پہلے سے زیادہ اڑ گئے۔

اس لشکر کی قائد اعظم خود حضرت عائشہ تھیں چونکہ وہ اونٹ پر بیٹھ کر فوج کی کمان کر رہی تھیں اس لئے اس جنگ کا نام جنگ جمل پڑ گیا۔ حضرت عائشہ ہی کی طرف سے فرامین جاری ہوتے اور وہی دوسرے درجے کے سپہ سالاروں کا تقرر کرتی تھیں اور خطوط لکھ لکھ کر اپنے نام سے ان کے ان کے پاس روانہ کرتیں جن کے متعلق انہیں امید ہوتی کہ وہ علیؑ کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دیں گے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں جناب عائشہ کے خطوط اس مضمون کے ہوا کرتے:

عائشہ دختر ابی بکر ام المومنین حبیبہ رسول اللہؐ کی طرف سے ان کے فلاں خالص بیٹے کی طرف۔

اما بعد جب تم کو میرا یہ خط ملے میری مدد کو چل کھڑے ہو اور آ کر میری مدد کرو۔

اور اگر تم میری مدد کو نہ آسکو تو تم کم سے کم اتنا کرو کہ لوگوں کو علیؑ کا ساتھ دینے سے روکو۔

بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہی اور بہت سے لوگوں نے لبیک کہنے اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

خداوندا گواہ رہنا

اسے (یعنی عثمان بن حنیف کو) مار ڈالو۔ (عائشہ)

ایک ہزار سوار ہوتے تو میں انہیں لے کر علیؑ کی طرف چل کھڑا ہوتا، قوی امید تھی کہ میں انہیں یہاں پہونچنے سے پہلے ہی راستہ میں قتل کر ڈالتا۔ (زبیر)

میں نے تم لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ تم ہمارے ان بھائیوں کے حرکات اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اگر یہ لوگ واپس چلے گئے تو یہی ہم چاہتے ہیں اور اگر اپنی ضد پر جمے رہے تو ہم ان کا علاج نرمی وملائمت سے کریں گے۔ (علیؑ)

کیا تم اے ابولیقظان (عمار) مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ (زبیر)

نہیں اے ابواللہ (عمار)

علیؑ نے باغی جماعت پر حملہ کیا معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا ایک کوندا ہے۔

حضرت عائشہ کا لشکر انتہائی سرد اور برفیلی رات میں بصرہ کے اندر گھس آیا۔ ان دونوں نے بصرہ کے بہت سے باشندوں کو مسجد کے اندر قتل کر ڈالا۔ پھر عثمان بن حنیف عامل بصرہ کے گھر میں گھسے ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کی اور ذلت و تحقیر کی، مارا پیٹا اور جی کھول کر ان کی درگت بنائی۔

طلحہ وزبیر کو عثمان بن حنیف کے ساتھ لشکر والوں کی یہ بدسلوکی بہت ناگوار گزری کیونکہ یہ بھی پیغمبرؐ کے کبار صحابہ میں سے تھے (ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں بہت تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ بصرہ میں عثمان بن حنیف کے ساتھ جتنی بدسلوکیاں ہوئیں وہ سب طلحہ وزبیر کے حکم پر) ان لوگوں نے حضرت عائشہ سے جا کر اپنے رنج کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ نے اس کے جواب میں فرمان صادر کیا ابن حنیف کو قتل کر ڈالو حکم کی تعمیل ہونے ہی والی تھی کہ ایک عورت نے فریاد کرتے ہوئے کہا:

ام المومنین میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں ابن حنیف پر ترس کھائیے ان کے صحابی ہونے کا خیال کیجئے۔

حضرت عائشہ نے کچھ دیر تامل کر کے فرمایا: اچھا انہیں قتل نہ کرو قیدی بنالو (تاریخ طبری وغیرہ)

حضرت عائشہ کے لشکر کے کسی افسر نے حکم دیا۔

انہیں خوب مارو اور ان کی ڈاڑھی کے بال نوچ ڈالو۔

لشکر والوں نے خوب جی کھول کر زدوکوب کیا۔ اور سر ڈاڑھی، بھنوؤں کے بال اور پلکیں اکھاڑ ڈالیں پھر قید کر دیا۔

طلحہ وزبیر نے دونوں لشکروں کے درمیان گھوم پھر کر تقریریں کرنا شروع کیں جن میں لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ علیؑ سے عثمان کے خون کا بدلہ لیں زبیر تقریر کر رہے تھے کہ بنی عبدالقیس کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اس نے زبیر کو مخاطب کر کے کہا آپ ذرا چپ رہیں میں کچھ چاہتا ہوں۔ پھر اس نے اصحاب جمل میں جو مہاجرین تھے ان کو مخاطب کر کے کہا:

"اے حضرات مہاجرین آپ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دعوت اسلام قبول کی اس فضیلت میں آپ اوروں سے زیادہ ہیں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپ نے ایک شخص کو منتخب کر کے خلیفہ بنالیا ہم لوگوں میں سے کسی سے مشورہ نہیں لیا ان کی وفات کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ بغیر ہم لوگوں کے مشورہ کے کرلیا ہم سب اس امر پر راضی ہو گئے دوسرے خلیفہ کے بعد چھ آدمیوں پر امر خلافت رہا آپ لوگوں نے پھر بغیر ہمارے مشورہ کے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی پھر آپ ہی لوگ ان سے بددل ہوئے اور بغیر ہماری صلاح کے ان کو قتل کرڈالا۔ اب جناب امیرؑ سے بیعت کی اس بارے میں بھی ہم سے کچھ نہ پوچھا ہم لوگوں نے ان دونوں کی امارت سے انکار نہ کیا اور آپ کی تجویزوں کو ہر طرح سے جائز رکھا اب کیا بات ہوئی کہ علیؑ سے آپ لڑائی پر آمادہ ہو گئے؟ کیا انہوں نے مال غنیمت خود لے لیا اور آپ کو اس میں سے کچھ نہ دیا؟ یا کوئی ناحق کارروائی ان سے ظاہر ہوئی؟ کیا کوئی ان سے گناہ سرزد ہوا یا وہ کسی فعل ناجائز کے مرتکب ہوئے جس سے استحقاق خلافت باطل ہو گیا اس کے علاوہ سوال یہ بھی ہے کہ آپ ہم کو اپنے ساتھ کیوں لینا چاہتے ہیں؟ اس شخص نے اپنی تقریر اس جملہ پر ختم کی۔

"جب ان تمام باتوں میں سے کوئی بات نہیں تو پھر آخر آپ لوگوں نے یہ ہنگامہ کیوں کھڑا کر رکھا ہے"

اس تقریر کا کوئی جواب بن نہ پڑا سب کے لبوں پر مہریں لگ گئیں مگر زور زبردستی کی زبان منطقی استدلال کے علاوہ ہوتی ہے طلحہ وزبیر کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور چاہا کہ اس کا کام تمام کر ڈالیں مگر اس کے قبیلہ والے اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے خون ریز جنگ ہوئی اور اصحاب جمل نے اس شخص کو اس کے قبیلہ کے ستر آدمیوں کے ساتھ مار ڈالا۔

اصحاب جمل نے اہم مقامات اپنے ہاتھ میں لے لئے بصرہ کی آمدنی خراج اور بیت المال پر قبضہ کرلیا زبیر اور ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیر نے بیت المال کی ساری دولت کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر ڈالا۔

ان حرکتوں پر سب سے زیادہ پریشانی حکیم بن جبلہ کو تھی جو علیؑ کے اطاعت گزار اور محبت کا دم بھرنے والے تھے انہوں نے اپنے بہت سے اعوان وانصار کو اکٹھا کیا اور انہیں ساتھ لے کر اصحاب جمل سے بھڑ گئے طلحہ وزبیر کے متعلق ان کا کہنا تھا:

"ان دونوں نے خوشی کی خاطر علیؑ کی بیعت اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کیا اب یہ ان کے مخالف بن کر جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں اور انتقام خون عثمان کے طالب ہیں ان دونوں نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈال دی حالانکہ ہم

ایک ہی شہر کے باشندے اور ایک دوسرے کے پڑوسی تھے خداوندا ان دونوں کی نیت عثمان کا قصاص لینے کی نہیں"۔

حکیم بھی قتل ہوئے ان کے فرزند اور ان کے بھائی بھی مارے گئے ان کے مارے جانے کے بعد طلحہ و زبیر نے بصرہ کے بے شمار باشندوں کو ہولناک طریقہ سے تہہ تیغ کیا۔ اصحاب جمل کا اب بصرہ پر مکمل قبضہ تھا یہ لوگ مطلق العنان فرمانروا بنے ہوئے تھے اہل بصرہ نے خوشی کی خاطر یا بادل ناخواستہ طلحہ و زبیر کی بیعت کر لی۔ بصرہ پر قابض ہو جانے کے بعد جمل والوں پر ایک نشہ کی کیفیت طاری تھی۔ طلحہ و زبیر کی بیعت ہو جانے کے بعد زبیر نے کہا:

"ہزار سوار ہوتے تو میں انہیں لے کر علیؑ کی طرف چل کھڑا ہوتا قوی امید تھی کہ میں انہیں یہاں پہونچنے سے پہلے ہی راستے میں قتل کر ڈالتا"۔

حضرت عائشہ نے حفصہ بنت عمر بن خطاب کو جو مدینہ میں تھیں اپنی کامیابی کی خوش خبری لکھ بھیجی:

امابعد۔ میں تمہیں مطلع کرتی ہوں کہ علیؑ مقام ذی قار پر آ کر ٹھہر گئے ہیں بہت خائف اور مرعوبیت کے عالم میں مقیم ہیں کیونکہ انہیں ہمارے ساز و سامان اور بے پناہ جمعیت کی خبر مل چکی ہے وہ اس وقت بمنزلہ اشقر کے ہیں آگے بڑھے تو اس کے پیر کٹ جائیں اور اگر پیچھے ہٹے تو نحر ہو جائے۔

طلحہ و زبیر علیؑ کی مخالفت میں انتہائی رکاکت پر اتر آئے اور ان کے متعلق نت نئے پروپگنڈے شروع کئے۔ پروپگنڈے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق باتیں مشہور کی جائیں۔ باطل کو حق کر کے دکھایا جائے شر کو خیر ظاہر کیا جائے اور رائی کو پہاڑ کر کے دکھایا جائے پروپگنڈے بازی کی احتیاج انہیں لوگوں کو ہوتی ہے جو باطل پرست ہوتے ہیں اور اپنی باطل پرستی سے فائدہ اٹھانے کے متمنی ہوتے ہیں جن کی کارگزاریوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور جنہیں پروپگنڈے کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد عوام الناس ہمیشہ کے لئے اپنے ذہن سے نکال باہر کرتے ہیں اس لئے کہ انسانی طبیعت دھوکہ فریب کو قبول نہیں کرتی زندگی مکر و فریب سے استوار نہیں ہو سکتی اور زمانہ حق بات ہی کو قبول کرتا ہے اور حق ہر چیز سے بزرگ و برتر ہے۔

وہ پروپگنڈہ جس کے ذریعہ طلحہ و زبیر نے بصرہ والوں کو علیؑ سے برانگیختہ کرنے کی کوشش کی جیسا کہ ابن ابی الحدید نے مدائنی سے اور واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ "طلحہ و زبیر نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا:

"بصرہ والو! اگر علیؑ فتح یاب ہو گئے تو تمہیں وہ چن چن کر قتل کر ڈالیں گے تم اپنی عزت و حمیت کی حفاظت کرو علیؑ ہر حرمت کو برباد کر دیں گے اور عزت کو خاک میں ملائیں گے اور ہر ذریت کو قتل کر ڈالیں گے۔ عورتوں کو قیدی بنالیں گے ان

سے اس طرح لڑو جس طرح انسان اپنی عزت بچانے کے لئے لڑتا ہے اور اپنے اہل وعیال کی رسوائی کے مقابلہ میں جان دے دینے کو ترجیح دیتا ہے“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اس کھلی ہوئی عداوت اور اس منظم حملہ کے باوجود امیر المومنینؑ نے فوری کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ منتظر رہے کہ دیکھیں عائشہ وطلحہ وزبیر اور ان کے لشکر والے اس کے بعد کون سا قدم اٹھاتے ہیں شاید اب بھی یہ بغاوت کرنے والے کشت وخون سے پرہیز کریں کیونکہ جس بہانے سے یہ کشت وخون پر کمر بستہ ہوئے ہیں وہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے شاید ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس جنگ وجدال میں جس طرح وہ پیش قدمی کر رہے ہیں خلافت کی مٹی پلید ہو جائے گی عوام الناس جنہوں نے علیؑ کی عدالت ان کے زہد و پرہیز گاری اور ثابت قدمی سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔

آپ نے ربذہ سے خطوط اور قاصد کوفہ والوں کی طرف روانہ کئے اور انہیں اصحاب جمل کے مقابلہ پر آنے کی دعوت دی کوفہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری نے آپ کی مدد سے گریز کیا بلکہ دوسروں کو بھی آپ کی مدد کے لئے جانے سے روکا امیر المومنینؑ نے اسی وقت انہیں برطرف کر دیا۔

اصحاب جمل کے بصرہ پر قابض ہو جانے کے بعد بنی عبد القیس بصرہ سے نکل کر ذی قار اور بصرہ کے درمیان ایک مقام پر آ کر مقیم ہو گئے انہیں انتظار تھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ آجائیں تو ہم ان کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ کوفہ سے ۹ ہزار جنگ آزما سپاہی امیر المومنینؑ کے سایہ میں آپ کی مدد کے لئے چل کھڑے ہوئے اور مقام ذی قار میں آ کر آپ سے مل گئے امیر المومنینؑ نے ان کے سامنے ایک طولانی تقریر کی جس میں فرمایا:

”میں نے تمہیں اس لئے بلایا کہ تم اہل بصرہ کے مقابلہ پر میرا ساتھ دو۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اصلاح کی کوشش کروں اگر اہل بصرہ باز آگئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا لیکن اگر انہوں نے کجی اختیار کی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو بھی ہم ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں گے اور لڑائی سے اس وقت تک گریز کریں گے جب تک وہ ظلم اور لڑائی کی ابتدا نہ کریں ہم اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور ہر حال میں فساد کے مقابلہ میں اصلاح کو ترجیح دیں گے“۔

اس موقع پر ہر شخص یہ جائزہ لینے پر مجبور ہے کہ دونوں فریق میں کتنا عظیم فرق تھا ایک طرف اصحاب جمل تھے جنہوں نے علیؑ پر ایسا الزام لگایا تھا جو انہیں خود اپنے اوپر لگانا چاہئے تھا علیؑ اس الزام سے قطعاً پاک وصاف تھے ان لوگوں نے ناحق اتہام والزام لگا کر علیؑ کی بیعت توڑ دی اور ان کے حلقۂ اطاعت سے خارج ہو گئے خود بھی ان سے جنگ کرنے پر کمر بستہ ہوئے

اور دوسروں کو بھی ان کے خلاف صف بستہ کیا حالانکہ وہ تمام لوگ علیؑ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو چکے تھے۔

ان لوگوں نے علیؑ کے ایک شہر پر چڑھائی کر دی وہاں کے عامل کی انتہائی اہانت وتحقیر کی ان کے ڈاڑھی کے بال اکھاڑ ڈالے انہیں مارا پیٹا قید میں ڈال دیا پھر بصرہ سے نکال باہر کیا ان کے اعوان وانصار اور دوستداروں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور بری طرح انہیں تہہ تیغ کیا بصرہ کے بیت المال کو آپس میں بانٹ لیا حالانکہ وہ تمام مسلمانوں کا بلا تفریق وامتیاز مال تھا پھر اور جو کچھ کیا سو کیا ہی یہ بھی چاہا کہ ہزار سوار لیکر علیؑ پر چڑھ دوڑیں اور انہیں ناگہانی طور پر قتل کر ڈالیں۔

دوسری طرف امیر المومنینؑ تھے امام برحق جن کی تمام لوگوں نے بیعت کر لی تھی حالانکہ علیؑ نے بیعت قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا تھا مگر لوگوں ہی نے ان پر ہجوم کر کے انہیں بیعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو نہیں پاتے آپ ہماری بیعت قبول کر لیجئے پھر نہ ہم میں افتراق ہوگا نہ اختلاف چنانچہ علیؑ نے مجبور ہو کر لوگوں کی بیعت قبول کی انہیں مجبور کرنے والوں نے دوسروں کو علیؑ کی بیعت کرنے کی دعوت دی جس نے خوشی خاطر علیؑ کی بیعت کر لی علیؑ نے قبول کر لیا جس نے انکار کیا علیؑ نے اسے چھوڑ دیا بیعت کرنے پر کوئی زبردستی نہیں کی۔ یہ سب کچھ ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اب علیؑ نے دیکھا کہ کچھ افراد لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکا رہے ہیں آپ کے اعوان وانصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور از راہ ظلم آپ کی جماعت میں فتنہ وفساد برپا کر رہے ہیں آپ کے عاملوں اور خزانچیوں سے متصادم اور آپ کے پیروؤں پر حملہ آور ہو رہے ہیں کچھ لوگوں کو دھوکہ فریب سے قتل کر ڈالتے ہیں کچھ لوگوں کو قید کر کے مار ڈالتے ہیں پھر آپ کی گھات میں رہتے ہیں تاکہ آپ کو خلافت سے الگ کر دیں اور از راہ ظلم وجور آپ کو قتل کر ڈالیں۔ آپ کو یہ سب خبریں ملتی ہیں مگر آپ اپنے ظالموں کے خلاف دل میں انتقام کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے نہ کسی سے کینہ وعداوت رکھتے ہیں اور نہ سختی وبے رحمی سے کام لیتے ہیں بلکہ آپ اپنے اعوان وانصار کو اکٹھا کر کے ایسی تقریر فرماتے ہیں جس کے ایک ایک لفظ سے ایسی انسانیت پھوٹی پڑتی ہے جس سے انبیاء کی انسانیت بھی فوقیت نہیں لے جاسکتی آپ فرماتے ہیں:

اے کوفہ والو! ہم نے تمہیں اس لئے دعوت دی ہے کہ تم بصرہ کے ہمارے بھائیوں کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دو الخ۔

علیؑ نے اتنے ہی رحم وکرم اور محیر العقول فراخ دلی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک انسان کا جس قدر عفو ودرگزر سے کام لینا ممکن ہے اصحاب جمل کے ساتھ آپ نے انتاہی عفو ودرگزر سے کام لیا آپ نے طلحہ وزبیر کے پاس بصرہ میں سفیر بھیجے اور انہیں سرکشی وزیادتی سے باز رہنے اور نیکی وبہتری میں تعاون اور ہاتھ بٹانے کی دعوت دی پھر آپ نے دوسرے بہت سے سفیر طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ کے پاس روانہ کئے اور محبت والفت اتحاد واتفاق کی دعوت دی۔

ہم ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ علی اپنے مخالفین کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے اور منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے رعایا اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے لحاظ سے خود اپنی ذمہ داریاں کیا سمجھتے تھے اور لوگ کیوں آپ کی طرف مائل تھے۔

جب امیر المومنینؑ بصرہ کے قریب پہونچے تو بصرہ کے کچھ لوگوں نے ایک شخص کلیب جرمی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا تا کہ آپ کے اور اصحاب جمل کے معاملات کی تحقیق کرے اور یہ اشتباہی کیفیت دور ہو جو ان لوگوں کو تذبذب میں ڈالے ہوئے تھی۔

امیر المومنینؑ نے تمام حالات بے کم و کاست بیان کئے کہ کس طرح ان لوگوں نے خوشی خاطر بیعت کی اور پھر بیعت کر کے امارت و حکومت کے لالچ میں شکست بیعت کر کے اب لڑنے پر آمادہ ہیں کلیب کو یقین ہوگیا کہ علیؑ ابن ابی طالب حق پر ہیں اور اس نے امیر المومنینؑ سے اس کا اقرار بھی کرلیا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا تو پھر تم بھی میری بیعت کرلو۔ کلیب نے کہا میں کچھ لوگوں کا پیامبر بن کر آیا ہوں جب تک ان کے پاس واپس نہ جاؤں کوئی کام کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ اگر یہی لوگ تم کو سبزہ اور پانی کے تلاش میں روانہ کرتے اور تم واپس جا کر بتاتے کہ فلاں سمت اور فلاں جگہ سبزہ اور گھاس موجود ہے مگر وہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے نشان و پتہ پر نہ جائیں بلکہ مخالف راستہ اختیار کریں جہاں نہ سبزہ ہو نہ چشمہ آب تو اس موقع پر تم کیا کروگے ان لوگوں کی پیروی میں تم بھی وہی راستہ اختیار کروگے یا تم ادھر کا رخ کروگے جدھر تم سبزہ و چشمہ دیکھ آئے تھے اس نے کہا میں تو اسی طرف جاؤں گا جدھر چشمہ و سبزہ ہوگا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تو پھر ہاتھ بڑھاؤ اور میری بیعت کرو اس شخص نے کہا خدا کی قسم آپ کے حجت تمام کردینے اور قائل کردینے کے بعد آپ کی مخالفت کرنے کی کوئی گنجائش میرے لئے باقی نہیں رہتی آپ ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

جب اصحاب جمل آپ کے مقابل صف بستہ ہوئے تو آپ نے اپنے لشکر والوں کو خطاب کر کے فرمایا:

”لوگو! اپنے آپ کو قابو میں رکھو ان لوگوں پر نہ ہاتھ اٹھاؤ نہ زبان سے کچھ کہو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں تم پر جو زیادتی ہو اس پر صبر کرنا اور خبردار اپنی طرف سے پہل نہ کرنا۔۔۔۔۔۔کیونکہ کل بروز قیامت جھگڑا اسی سے ہوگا جس نے آج جھگڑا کیا۔

اسی اسلوب سے علیؑ صلح و مصالحت کے لئے کوششیں کرتے رہے اور یہی خواہش لے کر آپ ۲۰ ہزار سپاہیوں کی جمعیت لے کر بصرہ روانہ ہوئے تا کہ وہاں اصحاب جمل کے آمنے سامنے ہو کر انہیں ظلم و سرکشی سے باز رکھنے اور محبت و یک جہتی

پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

آپ کی نرم مزاجی عافیت پسندآئی اس حد کو پہونچی ہوئی تھی کہ اس وقت بھی جب کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو چکے تھے اور جھڑپ ہونے والی ہی تھی اور صلح ومصالحت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی آپ نے انتہائی کوشش کی کہ جدال وقتال سے الگ ہی رہیں۔ چنانچہ آپ طلحہ وزبیر کو دیکھ کر آگے بڑھے نہ ہاتھ میں تلوار تھی نہ جسم پر زرہ، یہ واضح کرنے کے لئے کہ ہم جنگ کے خواہاں نہیں صلح وسلامتی کے خواہاں ہیں ہمارے دل میں نیکی ہی نیکی ہے بدی کا شائبہ تک نہیں آپ نے پکار کر فرمایا:

"اے زبیر! ذرا ہمارے پاس آنا، زبیر ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے امیر المومنینؑ کی طرف بڑھے حضرت عائشہ نے جو زبیر کو علیؑ کی طرف جاتے دیکھا تو چیخ کر بولیں، ہائے لڑائی۔

انہیں پورا یقین تھا کہ زبیر علیؑ کے مقابل جاتے ہی یقیناً مارے جائیں گے۔ علیؑ کا دشمن ان سے مقابلہ کر کے موت ہی سے ہمکنار ہوگا چاہے وہ کتنی ہی زبردست شجاعت وبہادری کا حامل کیوں نہ ہو۔ حضرت عائشہ اور ان کے اردگرد کے لوگوں نے جب دیکھا کہ بجائے لڑنے بھڑنے کے علیؑ وزبیر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے ہیں تو ان کی بدحواسی کا ٹھکانا نہیں رہا۔

علیؑ دیر تک انہیں لپٹائے رہے اس لئے کہ بڑے دل میں محبت کی جڑیں کبھی کٹتی نہیں۔

علیؑ نے بہت ہی محبت اور برادرانہ لب ولہجہ میں زبیر سے باتیں شروع کیں اور پوچھا:

"وائے ہو تم پر کس سبب سے تم نے ہمارے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔

زبیر نے کہا عثمان کے خون نے ہم انہیں کا انتقام لینے کے لئے آئے ہیں۔

علیؑ نے کہا ہم دونوں میں سے جس کے ہاتھ عثمان کے خون سے رنگین ہوئے ہوں خدا اسے قتل کرے۔

طلحہ وزبیر نے عثمان کی ہلاکت میں جو کردار ادا کیا تھا۔ اسے خود جتنا طلحہ وزبیر جانتے تھے اتنا ہی علیؑ بھی جانتے تھے اور دوسرے لوگ بھی اور عبداللہ بن عباس بھی جنہوں نے حضرت علیؑ کو ان کے خلیفہ ہونے پر رائے دی تھی کہ آپ طلحہ کے فرزند کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیجئے اور زبیر کے فرزند کو کوفہ کا اور معاویہ کو شام کی حکومت پر اس وقت تک باقی رکھئے جب تک یہ ہیجانی کیفیت دور نہ ہو جائے اور لوگوں کے دلوں کو سکون واطمینان نہ نصیب ہولے اور قاتلین عثمان اور ان کے طالبان انتقام کا غیظ وغضب برطرف نہ ہو جائے۔

یہ سب باتیں علیؑ کے پیش نظر تھیں علیؑ کے کانوں میں ابھی تک طلحہ وزبیر کا یہ فقرہ گونج رہا تھا کہ ہم اس شرط پر آپ کی بیعت

کررہے ہیں کہ ہم آپ کے کارِ خلافت میں برابر کے شریک رہیں گے۔

تو یہ ساری کارروائیاں حصول خلافت کے لئے حیلہ ووسیلہ تھیں انتقام خون عثمان کسی کے پیش نظر نہ تھا۔

قبل اس کے کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف بستہ ہوں امیر المومنینؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ صفیں قائم کریں جب صفیں قائم ہوگئیں تو آپ نے تقریر فرماتے ہوئے کہا:

''دیکھو کوئی تیر نہ پھینکنا کوئی نیزہ نہ چلانا اور نہ تلوار کا وار کرنا تاکہ حجت تمہاری قائم رہے''

چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اصحاب جمل نے تیر بارانی کرکے امیر المومنینؑ کے ایک ساتھی کو قتل کرڈالا۔ علیؑ نے باآواز بلند کہا ''خداوندا تو گواہ رہنا'' پھر دوسرا آدمی آپ کے لشکر کا مارا گیا آپ نے فرمایا خداوندا تو گواہ رہنا۔ پھر عبد بن بدیل مارے گئے اور ان کی میت ان کے بھائی اٹھائے ہوئے امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے امیر المومنینؑ نے فرمایا خداوندا تو گواہ رہنا اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو اذن جہاد دے دیا اور گھمسان کا رن پڑنے لگا۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ باغیوں پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑے آپ کی تلوار معلوم ہوتی تھی جیسے آتشی کوڑا ہو آپ نے قریش کے لشکر کو ان کی صفوں سے پیچھے ڈھکیل دیا نہ میمنہ باقی رہا نہ میسرہ نہ قلب لشکر صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں پیادہ فوج جس کے سردار زبیر تھے شکست کھا کر بھاگ نکلی زبیر اب علیؑ کے سپاہیوں کے نرغہ میں تھے مگر کسی نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ نکل جانے کا راستہ دے دیا عمار بن یاسر نے بہت سخت حملہ کیا۔ جب زبیر عمار کی تلوار کی بالکل زد میں آگئے تو بولے ابوالیقظان (عمار کی کنیت) کیا تم مجھے قتل کرڈالو گے؟

عمار ان کے پاس سے یہ کہتے ہوئے ہٹ گئے۔ نہیں اے ابوعبداللہ (زبیر کی کنیت) تمہیں قتل کرنا ہمیں منظور نہیں۔

عمار کا یہ سلوک زبیر کے ساتھ بالکل اس سلوک جیسا تھا جو عمار کے استاد (علیؑ ابن ابی طالبؑ) نے جنگ صفین میں عمرو عاص کے ساتھ کیا تھا۔ جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ اس لئے کہ وہ مثالی انسانیت کی درسگاہ جس کے علی ابن ابی طالبؑ راس و رئیس تھے اس درسگاہ میں لوگوں کے نفوس اچھی طرح خمیر کئے جاتے اور اخلاق کو ان کے پوری طرح پختہ کیا جاتا تازندگی کی عزت وتوقیر کی جاتی اور میدان جنگ تک میں اس کا احترام کیا جاتا جہاں قاتل اور مقتول دونوں کی زندگی ذلیل وحقیر ہوتی ہے عمار کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ اپنے دشمن زبیر کی زندگی کی پکار کو نہ سنیں جب تک زبیر ان کے تلوار کی زد میں تھے۔

جیسا کہ خود علیؑ ابن ابی طالبؑ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی تھی کہ وہ عمرو عاص جیسے دشمن کی زندگی کی آواز پر کان نہ دیں۔ لوگوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ عمار نے دفعتاً اپنی تلوار زبیر سے ہٹالی اور بڑی خندہ جبینی سے کہا نہیں اے ابوعبداللہ میں تمہیں

قتل کرنا نہیں چاہتا۔

زبیر میدان جنگ سے ہٹ کر رخصت ہوگئے اور وادی السباع چلے گئے۔ ان کا پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ جیسا کہ بعض رواۃ کا بیان ہے۔ جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ اسی وقت ان کے دل میں پیدا ہوگیا تھا جب علیؑ ان سے ملے تھے۔ معانقہ کیا تھا۔ اور پرانی محبتوں کی یاد دلائی تھی اور زبیر کے نفس میں انصاف کا احساس جاگ اٹھا تھا لیکن حضرت عائشہ اور زبیر کے فرزند عبداللہ نے ان کی اس کنارہ کشی کے ارادے پر خوب خوب طعن و تشنیع کی تھی اسی وجہ سے وہ میدان جنگ میں موجود رہنے پر مجبور ہوگئے یہاں تک کہ عمار اور زبیر میں یہ واقعہ پیش آیا اور وہ اپنے لشکر کو خیرباد کہہ کر وادی السباع روانہ ہوگئے۔

حضرت عائشہ اپنی تقریروں سے فوجیوں کی شجاعت وغیرت کو ابھارتیں ان کے سینوں میں آتش انتقام کو ہوا دیتیں اس وقت انکے لشکر کی تعداد ۳۰ ہزار تھی حضرت عائشہ نے اپنے ہوا خواہ و جاں نثار ایک ایک قبیلہ ایک خاندان کا نام لے کر پکارنا شروع کیا اور ان کی شجاعت و بہادری کی تعریف کرتیں ان کے دلوں میں لڑائی کی رغبت پیدا کرتیں ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کی آگ تیز سے اور تیز تر ہوگئی گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ ہتھیار پھینک پھینک کر جانباز ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

حضرت عائشہ کا علم ان کے اونٹ پر استادہ تھا اور اس کی حفاظت میں جان دینے والے چاروں طرف سے اسے اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ ایک جب قتل ہوجاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ لڑائی شدت اختیار کرتی گئی مگر فتح یابی کے آثار کسی فریق کو نظر نہیں آتے تھے۔ حضرت عائشہ کے سپاہی بھی اسی شجاعت و مردانگی سے لڑ رہے تھے۔ جس شجاعت و مردانگی سے علیؑ کے سپاہی لڑ رہے تھے ایسی شدید جنگ ہو رہی تھی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہزاروں نیزے اس طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے کہ ان نیزوں پر سے ہو کر بڑے سے بڑا لشکر گزر سکتا تھا۔ دونوں طرف کے جوانوں کی بہادری وشجاعت کو بڑھانے میں اشعار کا کافی دخل تھا شعر جوانوں کے لئے مہمیز کا کام کرتے تھے ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دونوں فریق اس جنگ کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ بہت سی روایتیں اس کے متعلق مورخین نے نقل کی ہیں منجملہ ان روایات کے یہ بھی ہے کہ جب حضرت عائشہ کا کوئی جوان یہ رجز پڑھتا:

"اے مادر گرامی۔ اے زوجہ پیغمبرؐ اے ہدایت یافتہ رسولؐ کی بیوی ہم فرزندان صبہ ہیں ہم بھاگتے نہیں جب تک ہم کٹے ہوئے سروں کو زمین پر لڑھکتے نہیں دیکھ لیتے ہیں"

تو اس کے جواب میں علیؑ کے لشکر کا کوئی جوان یہ رجز پڑھتا۔

''اے مادر گرامی اے بے رحم و نامہربان ماں جن سے بڑھکر ہم نے کوئی بے رحم نہیں دیکھا ماں تو اپنے فرزند کو غذا دیتی ہے اور اس پر انتہائی مہربان ہوتی ہے آپ نہیں دیکھتیں کہ کیسے کیسے بہادر مرد زخموں سے سسک رہے ہیں اور ان کے ہاتھ پیر کٹ چکے ہیں''

حضرت عائشہ کے اونٹ کی مہار جو شخص ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اسے قتل ہوتے دیکھ کر قبیلہ ازد کا ایک جوان لپک کر آگے بڑھتا کہ مرنے والے کی جگہ اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لے۔ راستہ میں علیؑ کا ایک سپاہی زخموں سے چور پڑا ہوا تھا ازدی نوجوان نے علیؑ کے سپاہی پر پیر رکھ کر اس کے جسم کو روندتے ہوئے کہا:

'تم نے علیؑ کی بات سنی ان کا حکم بجالائے قبل اس کے کہ تم تلوار کا مزہ چکھتے تم نے ازواج پیغمبرؐ کی نصرت و یاری نہ کی۔

پھر اس ازدی نوجوان نے حضرت عائشہ کو خطاب کر کے کہا۔

''اے مادر گرامی اے عائشہ آپ خوف نہ کریں۔ قبیلہ ازد والے شریف الطبع اور پاکیزہ خصلت ہیں''

اس ازدی کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے لشکر سے ایک نوجوان نکلا اور اس نے جواب میں یہ رجز پڑھا۔

ازد والوں کے لئے میں نے اپنی تلوار نیام سے باہر نکال لی ہے اس تلوار سے میں ان کے جوان و پیر کو ماروں گا جس کے بھی ہاتھ بلند اور دراز ہوں۔

منجملہ ان بہت سے اشعار کے جو اس موقع پر پڑھے گئے ذیل کے اشعار بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان اور ان کے عہد کے متعلق لوگوں کے کیا نظریات تھے حضرت علیؑ کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا جس میں عثمان کی حکومت پر طعن و تشنیع تھی۔

''ان کی حکومت پہلے زمانہ کے طاغوتوں کی حکومت تھی انہوں نے مال غنیمت ہتھیایا اور کار خلافت میں ظلم و تعدی سے کام لیا خداوند عالم نے ان کے بدلے بہترین خلیفہ عنایت کیا''۔

اس رجز سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ طلحہ و زبیر نے بصرہ والوں میں علیؑ کے خلاف جو زبردست پروپگنڈہ کیا تھا کہ اگر علیؑ بصرہ میں داخل ہو گئے تو سب کی عزت لوٹ لیں گے پھر ان دونوں نے بصرہ والوں سے خواہش کی تھی کہ اپنے اہل و عیال کی ذلت و رسوائی دیکھنے سے بہتر یہ ہے کہ مرجانا گوارا کرو۔ یہ پروپگنڈہ ان کا بصرہ والوں پر ذرا بھی اثر انداز نہ ہو سکا۔

اسی جنگ جمل جنگ میں حضرت عائشہ کی طرف سے ایک نوجوان نے یہ رجز پڑھا۔

''اگر آج ہم سے علیؑ بچ نکلے یا ان کے فرزند حسنؑ و حسینؑ بچ گئے تو زبردست گھاٹا ہے اس صورت میں انتہائی طویل حزن و

اندوہ کے ساتھ مروں گا"۔

پھر اس نے تلوار سے حملہ کیا اور مارا گیا۔ایک دوسرا بہادر یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔

میں ان لوگوں کو مارتا ہوں مگر ابوالحسن کو نہیں دیکھتا۔

"بے شک یہ بھی ایک رنج واندوہ ہے منجملہ دیگر آلام کے۔

اس جنگ میں سب سے بہتر و خوبصورت رجز مالک اشتر کا تھا جو جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے ایک دستہ فوج کے افسر تھے اور جنہیں بعد میں آپ نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔

"جب لڑائی اپنے دانت پوری طرح کھول دیتی ہے اور گھمسان کے دن تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور لڑائی غم و غصہ میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتی ہے"۔

ہم ایسی لڑائی میں ہمیشہ آگے آگے رہتے ہیں پیچھے نہیں رہتے۔ ہمارے دشمن ہمارے سامنے ہیچ ہیں اور لوگ اس لڑائی کے دن سے ڈرتے ہوں میں تو ہرگز نہیں ڈرتا۔ نہ مجھے نیزے کا ڈر ہوتا ہے نہ تلوار کے واروں کا خوف۔

اتنے لوگ اس جنگ میں مقتول ہوئے کہ لاشوں سے بصرہ کی زمین پٹ گئی حضرت علیؑ اس صورت حال سے بے حد متردد تھے آپ نے ایک تجویز سوچی اور اسی تجویز کے ذریعہ ممکن تھا۔کہ دونوں طرف کے بچے کچھے افراد زندہ رہ جائیں آپ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عائشہ کے اونٹ کے پیر کاٹ ڈالو اس حکم کے صادر ہوتے ہی بہادروں نے بڑھ کر اونٹ کے پیر پر تلوار ماری اونٹ بلبلا کر گرنے لگا جو لوگ اونٹ کے گرد وپیش تھے اس کے گرتے ہی بھاگے سارے لشکر نے راہ فرار اختیار کی طلحہ و زبیر بھی مارے گئے۔ زبیر کی ہلاکت کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ایک روایت یہ ہے کہ عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے وادی السباع تک ان کا پیچھا کیا اور پیچھے سے ان کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا حضرت علیؑ کو جب ان کے قتل کئے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ بے حد محزون ہوئے اور آپ نے زبیر کے قاتل پر لعنت فرمائی رہ گئے طلحہ تو انہیں مرواں بن حکم نے قتل کیا جو علیؑ سے جنگ کرنے میں طلحہ کے دوش بدوش رہا تھا۔اس نے تیر چلا کر انہیں قتل کیا اور کہا کہ آج کے بعد پھر مجھے عثمان کا بدلہ لینے کا موقع نہ ملے گا"۔

مروان کے نفسیاتی کیفیات اور اس کے حالات و واقعات سے واقف افراد آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ مروان نے کوئی نئی حرکت نہیں کی تھی بلکہ بنی امیہ کا عام طریقہ اس نے اختیار کیا اور وہ یہ کہ خلافت کی تمنا جو بھی دل میں رکھتا ہو اس کو راستہ سے ہٹا دینا ضروری ہے تاکہ روئے زمین بنی امیہ کے لئے خالی ہو جائے۔ رہ گیا خود یہ مروان تو یہ قید کر کے امیر المومنینؑ کے پاس لایا گیا

اسے امید تھی کہ علیؑ معاف کر دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت علیؑ نے اسے معاف کر دیا۔

جنگ کا نتیجہ بڑا ہولناک نکلا سترہ ہزار آدمی حضرت عائشہ کے لشکر کے مارے گئے اور ایک ہزار ستر آدمی حضرت علیؑ کی سپاہ کے قتل ہوئے ان غریبوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ سوا اس کے کہ علیؑ کے دشمنوں کی حرص وطمع نے انہیں موت سے ہمکنار کیا۔

حضرت علیؑ کے بعض اصحاب نے چاہا کہ حضرت عائشہ کو قتل کر ڈالیں (کہ وہی اس تمام ہنگامہ وفساد کی بنیاد تھیں) حضرت علیؑ فوراً اس کی روک تھام کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے اپنے لشکر والوں میں منادی کرادی۔

''کسی زخمی کا کام تمام نہ کیا جائے کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے نہ کسی راہ فرار اختیار کرنے والے پر حملہ کیا جائے جو بھی ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے جو گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اسے بھی امان ہے''۔

دنیا میں آج تک جتنی لڑائیاں ہوئیں خواہ کسی زمانہ میں یا کسی شہر میں ان کی پوری تاریخ دیکھ جائیں آپ کو علیؑ جیسا نہ کوئی شریف النفس انسان ملے گا نہ دریا دل اور فیاض طبیعت نہ علیؑ کے طرز عمل سے بڑھ کر شریفانہ طرز عمل آپ کو نظر آئے گا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد آپ نے ان مقتولین کی لاشوں پر نظر کی جن سے زمین پٹی ہوئی تھی اس اندوہناک منظر کو دیکھ کر آپ کا دل تڑپ اٹھا کتنی کتنی آپ نے کوششیں کیں کہ اس کشت وخون کی نوبت نہ آئے مگر آپ کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

''خداوندا ہمیں بھی بخش دے اور ان لوگوں کو بھی یہ ہمارے بھائی تھے مگر ان لوگوں نے ہم پر ظلم وزیادتی کی تھی''

پھر آپ نے فریقین کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھی۔

عائشہ کو آپ نے انتہائی عزت واحترام کے ساتھ ان کے گھر مدینہ واپس بھیج دیا۔

مُعاویہ اور عمرو عاص

"قریش کا ذکر رہنے دو۔ ان لوگوں نے مجھ سے لڑنے پر اسی طرح ایکا کرلیا ہے جس طرح مجھ سے پہلے رسول اللہؐ کی جنگ پر ایک ہو گئے تھے"۔ (علیؑ ابن ابی طالبؑ)

تم کو میرے متعلق جو خبر ملی ہے اگر وہ سچ ہے تو تمہارے گھر کا اونٹ اور تمہاری جوتی کا تسمہ تم سے بہتر ہے۔ (علیؑ ابن ابی طالبؑ)

ہر شخص حق بات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا حق بولنے اور حق پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے خلاف جو منظم سازش چل رہی تھی وہ جنگ جمل کے خاتمہ اور اصحاب جمل کی ہزیمت ہی پر تمام نہیں ہوئی اس لئے کہ آپ کے خلاف لوگوں کی تمنائیں اور آرزوئیں اور آپ کی عداوت و دشمنی کے اسباب ابھی تک باقی تھے آپ کے خلاف سازشیوں کا ایک گروہ حجاز میں تھا تو ایک گروہ شام میں اور دونوں جگہوں کے سازشیوں کے بے شمار اعوان و انصار تھے۔ حجاز میں عائشہ کے انصار و طلحہ کے مددگار اور زبیر کی جماعت تھی ان اعوان و انصار پر طلحہ و زبیر اور عائشہ کے سرغنہ و عمال ولاۃ تھے جنہوں نے عہد عثمانی میں خوب فائدہ اٹھائے عیش و مسرت کا وافر سامان ذخیرہ کیا تھا۔ اور اب علیؑ کی خلافت میں انہیں نہ منفعت کی کوئی امید تھی اور نہ ذخیرہ اندوزی کا موقع تھا۔

علیؑ کے اعوان و انصار جو حجاز میں تھے وہ سب مفلس و نادار خستہ حال مومنین تھے یا صحابہ کرام اور متقی و پرہیزگار افراد علیؑ کی سیرت حجاز والوں میں بعینہ وہی سیرت تھی جو آپ کے ابن عم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تھی دونوں کی سیرت میں کوئی فرق نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو زمانہ کے لحاظ سے تھا اس مشابہت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ علیؑ کے دشمن زیادہ تر قریش کے لوگ تھے اور یہی قریش والے اس سے پہلے پیغمبرؐ کے دشمن رہ چکے تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"تم قریش کو گمراہی میں دوڑنے دو افتراق انگیزی کی سرگرمیوں کا خیال نہ کرو نہ غرور میں ان کی منہ زوری کی پروا کرو انہوں نے جنگ پر اسی طرح ایکا کرلیا ہے جس طرح رسولؐ اللہ کی جنگ پر ایک ہو گئے تھے"

شام معاویہ میں خلیفہ برحق علیؑ کے خلاف مکر و فریب میں مصروف اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے برانگیختہ کرنے میں سرگرم تھے انہوں نے شام کے خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے دونوں ہاتھوں سے اپنے اعوان و انصار کو دولت لٹا رہے تھے اور زمین کی انواع و اقسام کی نعمتوں کے لوگوں سے وعدے کر رہے تھے ان کے پاس بہت بڑا لشکر موجود تھا جس کے قائد

اور مطلق العنان فرمانروا خود وہ تھے وہ لشکر ایسا تھا جس کی مختصر تعریف یہ ہے کہ:

''وہ احمق تنخواہ داروں کا لشکر تھا۔ معاویہ ان کی تنخواہ کے مالک تھے اور وہی اس بات کے نگران کہ جہاں تک ہوسکے یہ سپاہی عقل سے کورے ہی رہیں۔

ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے معاویہ کے لشکر کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی اور یہ بھی کہ معاویہ کو پورا یقین تھا کہ ہمارے حریف علیؑ ابن ابی طالب حق پر ہیں اور ان پر میرا فتح یاب ہونا مشکل نہیں اس لئے کہ میں ان سے ایسے جاہل اور نادان لوگوں کو لے کر جنگ کروں گا جن میں صلاحیت ہی نہیں کہ وہ ظلم و انصاف یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ علیؑ و معاویہ کے درمیان فرق کرسکیں۔

''صفین سے حضرت علیؑ کا لشکر جب واپس ہوگیا تو ایک شخص کوفہ کا رہنے والا اونٹ پر سوار دمشق میں آیا ایک شامی شخص اس کے پیچھے پڑ گیا اور کہا یہ اونٹنی تو ہماری ہے جو جنگ صفین میں تم نے ہم سے چھین لی تھی۔ یہ مقدمہ معاویہ کے سامنے پیش ہوا اس شامی نے دمشق کے پچاس گواہ پیش کر دیئے ہر ایک نے گواہی دی کہ ہاں یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے معاویہ نے کوفہ والے کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور حکم دیا کہ یہ اونٹنی اس شامی کے حوالے کر دی جائے۔ مرد کوفی نے معاویہ سے کہا خدا آپ کا بھلا کرے یہ اونٹ ہے اونٹنی نہیں ہے۔ معاویہ نے کہا اب جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا جب مجمع پراگندہ اور اجلاس برخاست ہوگیا تو معاویہ نے خفیہ طریقہ پر اس مرد کوفی کو دوبارہ بلا بھیجا اور پوچھا کہ تمہارا اونٹ کس قیمت کا تھا۔ جتنی قیمت اس نے بتائی اس کی دوگنی قیمت معاویہ نے ادا کر دی اور بھی سلوک کیا پھر کہا کوفہ کو جب واپس پہونچنا تو علیؑ سے کہہ دینا میں آپ کے مقابلہ پر ایک لاکھ آدمی ایسے لیکر آؤں گا جو اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے''۔

شام والوں کے متعلق معاویہ کے اس فقرہ کی تائید جاحظ نے بھی کی ہے اور دکھایا ہے کہ آخر کیوں شام والے معاویہ کے اتنے مطیع و فرمانبردار تھے وہ دیکھتے ہیں:

''شام والوں کی اطاعت کا سبب یہ تھا کہ وہ بڑے کودن اور خر دماغ تھے ان میں تقلید اور ایک رائے پر جمے رہنا کا مادہ بہت تھا نہ تو وہ غور و فکر کرتے اور نہ پیٹھ پیچھے کی باتوں کے متعلق پوچھ گچھ کرتے''۔

ہم نے ابھی اوپر کہا کہ علیؑ کے دشمنوں کی ان کے خلاف سازشیں جنگ جمل ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ جنگ جمل تو امیر المومنینؑ اور آپ کی حکومت کے خلاف عظیم ترین سازش کی ایک کڑی تھی حضرت علیؑ نے عائشہ و طلحہ و زبیر کے لشکر کی سرکوبی کے بعد معاویہ کی تادیب کے لئے تیاریاں کرنا شروع کیں علیؑ کا مقصد محض یہ تھا کہ مکارم اخلاق اور اعمال صالحہ کی طرف لوگوں کی

رہبری کریں اور ظالموں کو رعیت پر ظلم کرنے سے روکیں اور ایسی حکومت کی بنیاد رکھیں جو حقوق رعیت کے پاس ولحاظ کو اپنا اولین فریضہ سمجھتی ہو۔

علیؑ کا طریقہ اور روش ان لوگوں کی روش اور طریقہ کے بالکل برعکس تھی جو طاقت وروں کی چاپلوسی اور خوشامد کرتے باغیوں کی خطائیں معاف کر کے ان کی مدد حاصل کرتے اور صاحبان نفوذ و اقتدار سے حکومت و بادشاہت قائم کرنے میں اعانت کے خواہاں ہوتے ہیں۔

ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ علیؑ رعایا سے اپنی خدمتوں کا کوئی صلہ نہیں چاہتے تھے مگر صرف یہ کہ وہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

آپ یہ فقرہ اکثر فرمایا کرتے کہ لا بغیر ثمن لو کان له وعاء۔ یعنی اگر علم وحکمت اور عدل و داد کسی پیمانہ میں آسکتے تو میں بغیر کسی اجر وصلہ کے تمہارے لئے ناپ دیتا۔ مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس کے لئے با صلاحیت نفوس اور سمجھنے والی عقلیں مل جائیں۔

معاویہ ایسا پیمانہ نہ تھے جس میں اس علم وحکمت اور عدل و داد کی گنجائش ہوتی عدالت اور حقوق عامہ ان کے ہاتھوں محفوظ نہ تھے۔ عدالت اور حقوق عامہ اگر معاویہ کے ہاتھوں میں چھوڑ دیئے جاتے تو اس کا قطعی اطمینان نہ تھا کہ وہ بے کم وکاست یہ دونوں چیزیں رعیت تک پہونچا دیں گے۔ اسی وجہ سے علیؑ نے انہیں شام کی حکومت پر برقرار نہیں رکھا۔ اگر علیؑ حق میں سستی اور عقل و وجدان کی پسند کے خلاف کام کرنے پر تیار ہوتے تو یہ ہوسکتا تھا کہ وہ معاویہ کے ساتھ دنیا سازی اور ظاہر داری کا برتاؤ کرتے۔

معاویہ نے علیؑ کی بیعت نہ کی اور نہ ان کے کسی حکم کو مانا۔ ان کا یہ طرز عمل بین ثبوت ہے اس کا کہ وہ حکومت و بادشاہت پر خود قابض ہونے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کی مخالفت اور جنگ جمل سے انہیں اپنی طاقت بڑھانے کا اور موقع مل گیا۔

جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد امیر المومنینؑ نے معاویہ کے پاس خطوط روانہ کئے جن میں آپ نے انہیں سرکشی سے باز آنے کی تلقین کی تھی اور دعوت دی تھی کہ جس طرح سارے مسلمانوں نے میری بیعت کر لی ہے تم بھی میرے بیعت قبول کرو منجملہ خطوط کے آپ کا یہ خط بھی تھا:

امابعد۔ میری بیعت جو مدینہ میں منعقد ہوئی تھی تمہیں بھی شام میں لازم تھی کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی

بیعت کی تھی انھوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے۔ اور اس کی بنا پر جو حاضر ہے اسے پھر نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہوا سے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین او انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کر لیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں گے کیونکہ وہ مومنوں کے طریقہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہولیا ہے اور جدھر سے وہ پھر گیا ہے اللہ بھی اُسے اُدھر سے پھیر دے گا۔ اور اسے جہنم میں جلائے گا اور یہ کیا ہی برا انجام ہے۔

طلحہ وزبیر نے خوشی خاطر میری بیعت کی پھر ان دونوں نے اپنی بیعتیں توڑ ڈالیں ان کا بیعت توڑنا ویسا ہی تھا جیسے سرے سے انکار کرنا میں نے ان کے حیلے حوالے قبول نہیں کئے ان پر حجت تمام کی جب وہ قائل نہ ہوئے تو مجبوراً ان سے جنگ کی یہاں تک کہ حق غالب ہوا اور خدا کا حکم ظاہر ہو کر رہا اگر چہ ان لوگوں پر انتہائی شاق گذرا اور اے معاویہ جس چیز کو تمام مسلمانوں نے قبول کر لیا ہے تم بھی قبول کر لو مجھے ہر چیز سے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ تم سلامتی اور عافیت قبول کرو۔

اور تم نے عثمان کے قاتلوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے تو پہلے میری بیعت میں داخل ہو جاؤ جس میں سب داخل ہو چکے ہیں پھر میری عدالت میں ان لوگوں پر مقدمہ دائر کرنا تو میں کتاب خدا کی رو سے تمہارا اور انکا فیصلہ کروں گا لیکن یہ جو تم چاہ رہے ہو (یعنی خلافت تو یہ وہ دھوکا ہے جو بچہ کو دودھ سے روکنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ میری جان کی قسم اگر تم اپنی نفسانی خواہشوں سے دور رہ کر عقل سے دیکھو تو سب لوگوں سے زیادہ مجھے خون عثمان سے بری پاؤ گے۔ مگر یہ کہ بہتان باندھ کر کھلی ہوئی چیزوں پر پردہ ڈالنے لگو اور یہ سمجھ لو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں بروز فتح مکہ رسول اللہؐ نے آزاد کیا تھا ان آزاد کردہ لوگوں کے لئے نہ خلیفہ ہی ہونا جائز ہے نہ شوریٰ کے ممبران ہی سے وہ ہو سکتے ہیں۔ میں تمہارے پاس اور تمہارے علاقہ شام کے لوگوں کی طرف جریر بن عبداللہ کو بھیج رہا ہوں جو مہاجرین مومنین سے ہیں ان کے ہاتھوں پر میری بیعت کرو۔ ولا قوۃ الا باللہ۔

معاویہ نے جواب میں لکھا:

اپنی جان کی قسم آپ کی بیعت جن لوگوں نے بھی کی ہو آپ عثمان کے خون سے پاک وصاف ہوتے تو آپ مثل ابوبکر و عمر و عثمان کے ہوتے مگر تمام مہاجرین کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور انصار کو ان کی مدد سے روکا۔ جاہلوں نے آپ کی اطاعت کی اور ضعیف آپ کی وجہ سے قوی ہو گئے اہل شام آپ سے لڑے بغیر مانیں گے نہیں جب تک آپ قاتلین عثمان کو ان کے

---

[1] اس جملہ کی تشریح حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں دیکھیں۔

حوالے نہ کر دیں گے پھر اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے شوریٰ سے طے کیا جائے گا حجاز والے اسی وقت تک لوگوں کے حاکم تھے جب تک کہ وہ حق کے طرف دار تھے لیکن جب حق سے علاحدہ ہو گئے تو اب شام والے لوگوں پر حکومت کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔

طلحہ و زبیر پر آپ نے جو حجت قائم کی تھی وہ شام والوں پر نہیں قائم ہو سکتی ہے۔ طلحہ و زبیر نے آپ کی بیعت کر لی تھی مگر ہم نے تو آپ کی بیعت نہیں کی۔ رہ گئی آپ کی فضیلت و بزرگی اسلام میں اور پیغمبرؐ سے آپ کی قرابت و رشتہ داری تو یہ ایسی چیز ہے جس کا میں انکار نہیں کر سکتا۔ فقط والسلام۔

معاویہ کے اس جواب سے ان کی اصل نیت ظاہر ہو جاتی ہے وہ ایک کے بعد دوسرے رکاوٹ اور ایک گتھی کے بعد دوسری گتھی پیدا کرتے جا رہے تھے تا کہ علیؑ کی بیعت نہ کرنے پر جے رہیں ایسی رکاوٹیں اور ایسی گتھیاں کہ اگر ایک دور ہو جائے معاویہ کے لئے بیعت سے فرار کی راہ مسدود ہو جائے تو وہ دوسری گتھی پیدا کر لیں اور بیعت نہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ لیں۔ معاویہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ علیؑ ان کی باتوں سے دھوکہ کھانے والے نہیں، علیؑ اپنی جگہ پوری طرح مطمئن ہیں قتل عثمان سے انہیں دور کا بھی تعلق نہیں یہ حیلہ تو چل نہیں سکتا کہ آپ چونکہ قتل عثمان میں شریک رہے ہیں اس لئے ہم آپ کی بیعت نہ کریں گے اس سے ہاتھوں نے دوسرا بہانہ تراشا کہ ہم مان بھی لیں کہ آپ قتل عثمان میں شریک نہیں رہے اور جن لوگوں نے ابو بکر و عمر کی بیعت کی تھی انہیں لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور آپ سزاوار بھی تھے خلافت کے تو آپ نے قاتلین عثمان کو پناہ دے رکھی ہے انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔

پھر خون عثمان سے علیؑ کی برأت اور بے گناہی ثابت ہونے کے بعد بھی معاویہ آپ کی خلافت کا اقرار کرنے پر تیار نہ تھے ان کا کہنا تھا کہ خلافت کا مسئلہ پھر سے طے ہو اور مسلمان پھر سے مشورہ کر کے کسی کو خلیفہ منتخب کریں۔ اور یہ رائے مشورہ حجاز و عراق میں نہ ہو اس لئے کہ حق کا وجود اب نہ عراق میں رہا نہ حجاز میں بلکہ ان دونوں مقامات سے نکل کر شام میں حق اقامت گزیں ہے اب صرف شام ہی والوں کو حق ہے کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کریں کیونکہ وہی لوگوں کے حاکم و فرماں روا ہیں۔

ان شرائط کے بعد اب معاویہ کے علاوہ اور کون خلیفہ ہو سکتا تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علیؑ ابن ابی طالبؑ نے غیر معمولی ضبط و تحمل سے کام لیا لیکن یہ ضبط و تحمل کسی تردد یا سستی و کاہلی کی بنا پر نہ تھا۔ اس لئے کہ اس وقت عرب والے دو طبقوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان دونوں طبقوں میں سے ایک طبقہ کا غالب یا مغلوب ہونا لازمی تھا چاہے ان دونوں طبقوں میں ہر لحاظ سے کتنا ہی عظیم فرق رہا ہو۔ ایک طرف کمزور و ضعیف ناتواں افراد تھے جو اطمینان و عافیت کی

زندگی بسر کرنا چاہتے تھے ایسا اطمینان و عافیت جو انہیں بھی نصیب ہو اور ان کے بھائیوں کو بھی اور یہ اطمینان و عافیت عدل و انصاف کے ذریعہ ہو پیغمبرؐ کے سچے صحابی تھے جو شریفانہ زندگی بسر کرنے اور بھائی چارے کے خواہاں تھے اور پاکیزہ ملک چاہتے تھے جس میں تمام لوگ ایک جگہ رہیں نہ کوئی محروم ہو نہ محروم کرنے والا۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جو ظلم و جور کے ذریعہ اپنا گھر بھرنا چاہتے تھے لوٹ مار غصب و ظلم اور بھوکے ننگے عوام کے خلاف راحت کی زندگی بسر کرنے کے متمنی تھے۔

پہلے طبقہ کے سرگروہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔حق و انصاف کے جتنے بھی طلب گار تھے وہ علیؑ پر جان دیتے تھے۔اور دوسرے طبقہ کے سردار معاویہ ابن ابوسفیان تھے اور ہر وہ شخص جو ظلم و جور کا خوگر تھا وہ ان کا پیرو تھا۔ پہلے طبقہ والوں کا انعام ان کا نفس اور وجدان تھا۔ دوسرے طبقہ والوں کا انعام معاویہ کے خزانے تھے۔سیکڑوں مثالیں اس کی ہیں کہ معاویہ کی طرف کے لوگ جو عدل گستر اور منصف مزاج تھے۔معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر علیؑ سے آملے اور علیؑ کی طرف جو نفع پرست و جاہ پسند تھے۔وہ علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس پہونچ گئے۔ہم یہاں چند اشخاص کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کی رفاقت اختیار کی اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ زیادہ تر کس طبیعت کے لوگ تھے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ کا ساتھ دینے کی وجہ کیا تھی۔

حضرت علیؑ نے ایک شخص یزید بن حجیہ تیمی کو رے اور دیگر علاقوں کا عامل مقرر کیا اس نے مال کثیر اکٹھا کیا اور اپنے لئے خاص کر لیا۔حضرت علیؑ کو جب خبر ملی تو آپ نے بلا کر اُسے قید کر دیا اور سعد نامی ایک شخص کو پہریداری پر متعین فرمایا۔سعد جب سو گیا تو یزید قید خانہ سے نکل کر اپنی سواری پر بیٹھا اور دمشق بھاگ کر معاویہ سے جاملا اور سعد کے متعلق اس نے یہ اشعار کہے:

''سعد کو دھوکہ دے کر میں اپنی سواری پر بیٹھا اور شام چلا آیا اور اس شخص کو اختیار کیا جو افضل تھا سعد جب سو رہا تو میں بھاگ نکلا اور سعد تو گمراہ و سرگشتہ غلام ہے۔

اس یزید بن حجیہ نے حضرت علیؑ کے متعلق ہجو پر مشتمل اشعار کہہ کر عراق میں بھیجے اور بتایا کہ میں آپ کا دشمن ہوں معاویہ نے انعام و اکرام سے اس کو نوازا جس پر اس نے معاویہ اور اہل شام کی مدح کی اور خیال ظاہر کیا کہ شام کی سرزمین مقدس سر زمین ہے اور شام والے اہل ایمان و یقین ہیں کہتا ہے:

میں نے دیگر لوگوں کے مقابلہ میں شام والوں سے محبت کی اور حزن واندوہ سے عثمان پر رویا شام کی سرزمین مقدس سر زمین ہے اور شام کے رہنے والے اہل یقین اور قرآن کے پیرو ہیں۔

ایک اور شخص قعقاع بن سعد کو حضرت نے کسکر کا حاکم مقرر کیا اس نے وہاں دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹی اپنا گھر بھرا

اپنی ضرورتوں میں صرف کیا اس کے خرچ کا یہ عالم کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی اور مہر میں ایک لاکھ درہم دیئے اور جب اُسے پتہ چلا کہ حضرت علیؑ کو ہماری ان حرکتوں کی خبر پہونچ گئی تو اسے خوف ہوا کہ حضرت بغیر سزا دیئے نہیں رہیں گے اس نے اموال المسلمین سے جتنا مال جمع کیا تھا سب لے کر شام کی راہ لی۔

نجاشی کے شراب پینے پر حضرت نے اس پر حد جاری کی یہ نجاشی حضرت علیؑ کے اعوان و انصار سے تھا اسے یہ زعم تھا کہ چونکہ میں علیؑ کے اعوان و انصار سے ہوں لہٰذا مجھے خصوصی مراعات ہونی چاہیۓ اُسے یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ جس طرح علیؑ دوسرے لوگوں کو ان کی خطاؤں پر سزا دیتے ہیں اسی طرح مجھے بھی سزا دی جائے وہ بھاگ کر معاویہ کے پاس چلا گیا کیونکہ معاویہ نے اسے پناہ دی تھی شام پہونچ کر اس نے حضرت علیؑ کی ہجو میں یہ شعر کہا:

میری طرف سے کون یہ خبر علیؑ کو پہونچادے گا کہ اب میں محفوظ ہوں مجھے کوئی خوف لاحق نہیں۔

نجاشی پر جب حد جاری کی گئی تو بہت سے یمانی لوگ آپ سے بگڑ گئے کیونکہ نجاشی بھی یمانی تھا بہت سے یمانی آپ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ سے جا ملے۔

جس طرح دنیا کے طلب گار افراد کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اسی مناسبت سے آپ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے پاس جانے والوں کی تعداد بھی زیادہ تھی ہر شخص نہ تو حق برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور نہ حق کہنا اور حق کرنا ہر شخص کے لئے ممکن ہے اسی طرح ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی کہ علی علیہ السلام کو دوست رکھے جو حق کے بارے میں بہت سخت تھے اپنے متعلق بھی اپنے عزیزوں و رشتہ داروں کے متعلق بھی اور تمام خلائق کے متعلق بھی وہ کسی کی خوشی و رضامندی کے لئے حق سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا جب علیؑ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ حق کے معاملہ میں اتنے سخت تھے تو آپ کو چھوڑ کر معاویہ سے آپ کا وہ عامل کیوں نہ جا ملتا جسے آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ تم نے مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہوئے کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ میں ایسی مار ماروں گا کہ جو تمہیں تہی دست بوجھل پیٹھ والا اور بے آبرو کر کے چھوڑے گی۔

اسی طرح وہ عامل آپ کا ساتھ چھوڑ کر کیوں نہ بھاگتا جسے حضرت نے لکھا تھا:

''مجھے معلوم ہے کہ تم نے بیت المال کی زمین کو صفاچٹ میدان کر دیا ہے اور جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جما لیا ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں تھا اسے نوش جان کر لیا ہے تو تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو۔

پست فطرت افراد ایک مجسمۂ حق انسان کی بلند منزل تک کیونکر پہونچ سکتے تھے اور ان کے سردار یا حاکم کو علیؑ کا یہ قول

کیونکر گوارا ہو سکتا تھا۔

تمہارے متعلق مجھے جو خبریں پہونچی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو تمہارے گھر کا اونٹ اور تمہاری جوتی کا تسمہ تم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

سرمایہ دار صاحبان نفوذ و اقتدار، سونا چاندی خزانوں میں جمع کرنے والے جفا پیشہ افراد ان کے شر کائے کار اور ظلم کو پسند کرنے والے کیونکر گوارا کر سکتے تھے کہ علیؑ خلیفہ مقرر ہو جائیں وہ علیؑ جو دولت و مال کو تمام لوگوں کی بھلائی میں خرچ کرنا چاہتے تھے جو ظالموں اور ان کے شرکائے کار سے برسر جنگ تھے لوگوں کو ان کے برخلاف برانگیختہ کرتے اور ظلم پسند کرنے والوں پر لعنت فرماتے تھے۔

غاصبین کیونکر منظور کر سکتے تھے کہ ان کا حاکم ایسا شخص ہو جس کا مقولہ یہ ہو کہ:

بخدا کانٹوں پر سونا اور طوق و سلاسل میں جکڑا جانا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس بات کے کہ میں کسی بندے پر ظلم کروں یا معمولی سے معمولی چیز غصب کروں۔

کیونکر نہیں یہ لوٹ کھسوٹ کرنے والے اس شخص سے برگشتہ ہوتے جو علانیہ کہتا تھا کہ ظلم اور ظالمین اور بغیر حق کے مال و جائیداد ہتھیا لینے والوں سے جدال و قتال میرا فریضہ ہے مجھ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور مجھے بروز قیامت اس کا جواب دینا ہوگا۔ اگر علیؑ اس ذمہ داری کو لازمی نہ سمجھتے ہوتے تو وہ معاملات کو اسی ڈھرے پر چلنے دیتے جس پر وہ اب تک چلے آرہے تھے۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے کوئی ہڑپ کر جانے والا ہوتا کوئی ہڑپ ہو جانے والا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''اگر خداوند عالم نے علماء سے یہ وعدہ نہ لے لیا ہوتا کہ وہ ظالم کی بے انتہا شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کاندھے پر ڈال دیتا۔ یعنی جس طرح خلافت چل رہی تھی اسی طرح چلتے دیتا، اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے''۔

غدار افراد اپنے معاملات کی باگ دوڑ اس شخص کے ہاتھ میں دینا اور اسے حاکم تسلیم کرنا کیسے قبول کرتے جو ان غداروں اور اپنے زمانہ کے لوگوں کے متعلق یہ نظریہ رکھتا تھا کہ:

''وہ شخص غداری نہیں کر سکتا جو یہ جانتا ہو کہ بازگشت کیونکر ہوگی ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس کے اکثر لوگ غدر و فریب کو عقل مندی سمجھ کر کرتے ہیں اور جاہلوں نے اس غدر و فریب کو حیلہ کی خوبی کی طرف نسبت دے رکھی ہے۔

اسی وجہ سے علیؑ سے انحراف کرنے والے صاحبان اقتدار اور ناجائز ذریعہ سے بنے ہوئے سرمایہ دار تھے اور وہ لوگ جن کی تمنا تھی کہ معاویہ بیت المال اور لوگوں کی گاڑھی کمائی سے ہمارا گھر بھر دیں۔

رہ گئے وہ منحرف افراد جو ان صاحبان اقتدار اور دولت مندوں کے علاوہ تھے تو یہ وہ لوگ تھے جنہیں یہ تمیز نہ تھی کہ ہمارے لئے کیا چیز بہتر ہے اور کیا چیز مضرت رساں ان کے علاوہ اور بہت سے عقل سے کورے افراد۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت عرب والے کئی جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے ہر جماعت کسی صاحب اقتدار یا رئیس قبیلہ کی فرمانبردار تھی یہ لوگ آنکھ بند کر کے اس صاحب اقتدار یا رئیس قبیلہ کی پیروی کرتے کبھی یہ نہ پوچھتے کہ آپ اگر ناراض ہیں تو کیوں ناراض ہیں اور راضی ہیں تو کیوں راضی حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ کے ایسے لوگوں کا بار ہا ذکر کیا ہے آپ کے فقرات میں درد و کرب بھی ہے رنج و ملال بھی اور ایک دانشمند چاہنے والے باپ کی ناراضگی بھی اپنے نادان فرزندوں پر جو اپنی فلاح و بہبودی سے منحرف ہو کر جانتے ہوئے یا بے جانے ہوئے اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہوں حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں:

''میں خدا سے شکوہ کرتا ہوں ان لوگوں کے متعلق جو جہالت و نادانی، کی زندگی بسر کر رہے ہیں''۔

ان لوگوں کو خطاب کر کے آپ فرماتے ہیں:

دشمن تمہاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔

باغیوں کے خلاف جدال و قتال کی جب ان لوگوں کو دعوت دی جاتی اس وقت ان لوگوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''بعض تو بہت ہی جبر و اکراہ سے آتے ہیں بعض جھوٹے بہانے کرتے ہیں اور بعض جان بوجھ کر نصرت و مدد سے پہلوتہی کرتے ہیں''۔

پھر آپ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

''ان میں پوچھنے والا سمجھانا چاہتا ہے اور جواب دینے والا (بے جانے بوجھے جواب کی) زحمت اٹھاتا ہے جو ان میں درست رائے رکھتا ہے اکثر خوشنودی و ناراضگی کے تصورات سے صحیح راستے سے موڑ دیتے ہیں اور جو ان میں عقل کے لحاظ سے پختہ ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ایک نگاہ اس کے دل پر اثر کر دے اور ایک کلمہ اس میں انقلاب پیدا کر دے۔

امیر المومنینؑ نے اپنے اس آخری فقرہ میں اپنے زمانہ کی معزز شخصیتوں کی مزاجی کیفیت بڑی عمدگی سے بیان کی ہے

آپ فرماتے ہیں کہ:

اس زمانہ میں اگر کچھ لوگ سوجھ بوجھ والے ہیں بھی تو ان کی سوجھ بوجھ پر ان کی ہوا و ہوس غالب ہے ان کی رائے ان کی خوشی یا ناراضی کے تابع ہے اگر وہ کسی سے خوش ہو جاتے ہیں تو ناجائز اور بغیر حق کے اس کے موافق فیصلہ صادر کر دیتے ہیں اور جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو محض اپنی ناراضی کے سبب غلط اور ناجائز فیصلہ کر دیتے ہیں رہ گئے وہ لوگ جو عقل کے لحاظ سے پختہ ہوتے ہیں تو دل پسند چیزوں پر ان کی ایک نگاہ ان کے دل کو اس مسلک سے جس پر وہ اب تک قائم تھے موڑ دینے کے لئے کافی ہے اور ایک صاحب اقتدار یا رشوت دینے والے یا ذی وجاہت شخص کا ایک فقرہ ان کو باطل کی حمایت اور ظالم کا مددگار بنا سکتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اصحاب جمل کی شکست کے بعد جب علیؑ ابن ابی طالبؑ کے خلاف سازشی کاروائیوں کا مرکز شام میں منتقل ہو گیا تو بنی امیہ کے سرکردہ معاویہ بن ابی سفیان جو پہلے ہی سے سرداران قبائل اور صاحبان اثر و اقتدار کو علیؑ کے خلاف برانگیختہ کرنے میں سرگرم تھے اور شدت اور مستعدی سے کام لینے لگے کوشش تھی کہ جتنا جلد ہو سکے علیؑ پر کاری ضرب لگائی جائے اور پوری تیاریوں سے اتنا سخت حملہ کیا جائے کہ ان کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بج جائے انہوں نے حضرت علیؑ کا پہلا خط پاتے ہی جس میں آپ نے انہیں لکھا تھا کہ جس طرح سب نے بیعت کر لی ہے تم بھی بیعت کرو ہر اس شخص کو جس سے انہیں مدد کی امید تھی خطوط لکھے کہ جتنا جلد ہو سکے میرے پاس شام پہونچو۔ جن لوگوں کو انہوں نے خطوط لکھے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم شخصیت عمرو عاص کی تھی معاویہ نے حضرت علیؑ کا خط پاتے ہی طلبی کا فوراً ہی ان کو خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا:

امابعد۔ جنگ جمل کے واقعات اور طلحہ و زبیر اور عائشہ کا انجام تمہیں معلوم ہوا ہوگا بصرہ سے بھاگ کر مروان میرے پاس آچکا ہے اب یہ جریر بن عبداللہ بیعت کے متعلق علیؑ کا خط لے کر ہمارے پاس آئے ہیں، میں تم سے بغیر ملے کوئی جواب دینا نہیں چاہتا جلدی آجاؤ تاکہ رائے مشورہ کرلوں۔

جب عمرو عاص نے معاویہ کا یہ خط پڑھا تو اپنے بیٹوں عبداللہ اور محمد سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا جواب دینا چاہئے عبداللہ نے کہا:

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت رحلت فرمائی آپ سے راضی تھے ابو بکر و عمر بھی مرتے وقت آپ سے خوش تھے اب اگر معاویہ کا ساتھ دے کر آپ نے تھوڑی سی دنیا کے لئے اپنے دین کو فاسد کر لیا تو کل بروز قیامت آپ بھی جہنم میں ہوں گے اور معاویہ بھی۔

پھر عمرو عاص نے اپنے دوسرے بیٹے محمد سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ محمد نے کہا:

آپ اس معاملہ میں جلدی کیجئے جا کر معاویہ سے مل جائیے کہ پہلے پہونچ کر راس و رئیس بن جانا کہیں بہتر ہے کہ بعد میں جا کر دم چھلا بنئے۔

جب صبح ہوئی تو عمرو عاص نے اپنے غلام وردان کو بلا کر کہا سواری تیار کرو تھوڑی دیر کے بعد کہا سواری کھول دو تین مرتبہ ایسا ہوا ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ سواری تیار کرو دوسری مرتبہ کہتے ہیں کہ سواری کھول دو۔ وردان نے کہا حضور آپ سٹھیا گئے ہیں اگر کہئے تو میں آپ کے دل کی بات کہہ دوں عمرو عاص نے کہا کہو کیا کہتے ہو وردان نے کہا:

اس وقت دنیا و آخرت دونوں آپ کے دل میں ہیجان برپا کئے ہوئے ہیں آپ سوچتے ہیں کہ آخرت علیؑ کے ساتھ ہے مگر دنیا نہیں اور معاویہ کے ساتھ دنیا ہے اور آخرت نہیں آپ انہیں دونوں کے درمیان تذبذب میں ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ گھر میں بیٹھے رہئے اگر دین والے کامیاب ہوئے تو آپ ان کے حلقہ میں بسر کیجئے گا دنیا والے غالب ہوئے تو وہ ہر حال میں آپ کے ضرورت مند ہوں گے۔

مگر معاویہ نے جو وعدے عمرو عاص سے کر رکھے تھے وہ ایسے معمولی نہ تھے کہ عمرو عاص انہیں نظر انداز کر دیتے اور اپنے غلام کی نصیحت اور اپنے فرزند عبداللہ کا مشورہ مان کر خاموش گھر میں بیٹھ رہتے وہ علیؑ کے خلاف ہو کر بنی امیہ اور معاویہ سے جا ملے۔

علیؑ کے خلاف سازشی کارروائیوں میں چونکہ عمرو عاص معاویہ سے کم نہیں ان کے برابر ہی تھے اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے حالات مختصر طور پر ذکر کرتے چلیں تا کہ آپ کو ان گہرے اسباب کا اندازہ ہو سکے کہ کیوں انہوں نے علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کی رفاقت کو پسند کیا اور اس رفاقت کی کیا قدر و قیمت تھی۔

اسلام لانے سے پہلے ہی عمرو عاص کی سیاست کا پہلا نمونہ جو دیکھنے میں آیا وہ سودے بازی اور منفعت پرستی تھی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہوں نے اپنے اس سودے بازی کی کیفیت کو خود واضح طریقہ پر بیان کیا ہے۔

جنگ خندق سے واپسی پر میں نے قریش کے بعض ایسے آدمیوں کو جمع کیا جو اکثر میری رائے سے اتفاق کیا کرتے تھے اور میری بات توجہ سے سنا کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا خدا کی قسم مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمدؐ کا ستارہ عروج پر پہونچنے والا ہے اس حالت میں ہمارے لئے بہتر ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں سکونت اختیار کر لیں کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمدؐ کے تابع ہو کر رہنے سے بہتر ہے اگر محمدؐ نے ہماری قوم پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس

طرح ہم ان کی دسترس سے باہر رہیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو پھر ہمارے وارے نیارے ہیں۔ انہوں نے میری تائید کی اور کہا کہ آپ کی رائے بہت درست وصائب ہے میں نے ان سے کہا اچھا نجاشی کے لئے کچھ سوغاتیں لے چلو۔۔۔۔ الخ

مصر کے ڈاکٹر حسین ابراہیم حسن جو عمرو عاص کے بڑے مداح ہیں اور جنہوں نے عمرو عاص کتاب لکھ کر لندن سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے عمرو عاص کے اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قریش کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں ان کا چھوٹا بڑا اسلام کو مٹانے کے درپے تھا لڑائیوں میں رسول اکرم ﷺ کی ہر فتح اور ان کی ہر شکست ان کی ہمتوں کو پست کرنے کے بجائے ان کے جوش کو اور زیادہ بھڑکانے کا موجب ہوتی تھی لیکن جب انہیں پے درپے شکستوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ان کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے اور تمام سربرآوردہ اشخاص انہیں داغ مفارقت دے گئے تو ان کے نوجوانوں میں سخت اضطراب برپا ہوا اور انہوں نے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچنا شروع کیا ایک طرف انہیں تاریکی دکھائی دیتی تھی دوسرے جانب امید کی روشن کرن جلوہ دکھا رہی تھی انہیں معلوم تھا کہ اگر اب بھی وہ اسلام کی روز افزوں قوت کا ساتھ دیں تو بالآخر وہ فائدے میں رہیں گے لیکن ساتھ ہی وہ ڈرتے بھی تھے کہ ایسا کرنے سے عزت وجاہت جو انہیں اپنی قوم میں حاصل ہے جاتی رہے گی اور وہ آزادی بھی ان سے چھن جائے گی جس سے وہ اب تک بہرور ہوتے رہے تھے بعض لوگ تو ایسے تھے جنہوں نے تمام مشکلات وخوف وخطر کو نظرانداز کرتے ہوئے مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کر لی اور بعض جو تردد میں بہت بڑھے ہوئے تھے انہوں نے اسلام کے خلاف سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور جب ان پر عین الیقین کی طرح یہ ظاہر ہو گیا کہ محمدؐ بہر حال قریش پر غالب آنے والے ہیں تو انہوں نے بھی موقع کھو جانے سے پہلے فائدہ حاصل کرنے کی ٹھان لی اور فتح مکہ سے پہلے اسلام میں داخل ہو گئے پہلے گروہ میں سرفہرست خالد بن ولید اور دوسرے گروہ میں عمرو بن العاص جو جزیرۂ عرب کو چھوڑ کر سرزمین حبشہ چلے گئے تھے تاکہ وہاں جا کر حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ اور نجاشی کے باہمی تعلقات بہت اچھے ہیں عرب میں اسلام کی کامیابی عروج کو پہونچنے والی ہے اور مکہ کا سقوط اب کچھ دن کی بات ہے تو خیال کیا کہ کیوں نہ وہ بھی ان لوگوں میں اپنی جگہ بنا لیں جو سبقت کر کے اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ کام جو آخر کار مجبوراً کرنا پڑے گا پہلے ہی سے بہ رضا و رغبت کر لیں''۔

''عمرو عاص'' ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ترجمہ شائع کردہ ادارہ مکتبہ جدید لاہور صفحہ ۴۴۔ ۴۳۔

موقع ومحل سے فائدہ اٹھانے کی خواہش عمرو عاص کے دل میں ہمیشہ زندہ رہی اس معاملہ میں ان کی کیفیت ٹھیک ان سرداران قبائل اور ذی وجاہت افراد جیسی رہی جن سے ابوبکر وعمر نے بھی جنگ کی اور عمر وعلیؑ نے بھی ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ عمرو عاص نے مصر کی گورنری کے زمانہ میں کافی دولت اکٹھا کی تھی حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ نصف دولت بیت المال میں داخل کر دو عمرو عاص نے حیلے بہانے کئے مگر حضرت عمر کی تسلی نہیں ہوئی انہوں نے عمرو عاص کو لکھا:

"خدا کی قسم تمہارے جعل وفریب اور طمع کی ہوئی باتوں سے میں دھوکا کھانے والا نہیں ہوں"

تم لوگ مالوں کے خزانوں پر چڑھ بیٹھے ہو تم لوگوں کو کسی امر کا خوف نہیں ہوتا۔۔۔سنو تم لوگ عار کو جمع کرتے اور نار کو میراث میں چھوڑتے ہو میں محمد بن مسلمہ کو تمہاری طرف روانہ کرتا ہوں اپنی دولت کا آدھا حصہ ان کے حوالے کر دو"۔

جب یہ خط لے کر محمد بن مسلمہ عمرو عاص کے پاس پہونچے تو عمرو عاص نے ان کے لئے رنگ برنگ کے کھانے پکوائے مگر محمد بن مسلمہ نے اس کے کھانے سے انکار کیا عمرو عاص نے پوچھا کیا تم ہمارے ہاں کھانا حرام سمجھتے ہو محمد ابن مسلمہ نے کہا اگر تم میرے سامنے وہ کھانا رکھتے جو عام طور پر مہمانوں کے لئے رکھا جاتا ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوتا لیکن تم نے میرے پاس وہ طعام منگایا ہے جو شر کا مقدمہ (یعنی رشوت کی غذا ہے) یہ کھانا میرے سامنے سے ہٹاؤ اور جتنا مال واسباب تمہارے پاس ہو آدھا میرے حوالے کر دو۔ مجبوراً عمرو عاص نے اپنی کل چیزوں سے آدھی آدھی ان کے حوالے کر دیں یہاں تک کہ ان کے پاؤں کی دو جوتیاں رہ گئیں محمد بن مسلمہ نے اس میں سے بھی ایک پاؤں کی عمرو عاص کے لئے چھوڑ دی عمر عاص نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ان سے برداشت نہ ہو سکا محمد بن مسلمہ سے کہا:

"خدا لعنت کرے اس زمانہ پر جس میں عمر بن خطاب کی طرف سے عامل بنا گیا۔ خدا کی قسم مجھے عمر کے باپ خطاب کی حالت بھی معلوم ہے کہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے پھرتا تھا اور اس کے بیٹے عمر کے سر پر بھی ویسا ہی ایک گٹھا ہوتا اور ان دونوں کو اتنا کپڑا بھی میسر نہیں تھا کہ اپنا بدن ڈھانپ سکتے۔ بس ایک لنگوٹی تھی جو ان کی پنڈلی تک بھی نہیں پہونچتی تھی اور خدا کی قسم میرے باپ عاص کی یہ شان تھی کہ سونے کی گھنڈیاں لگی ہوئی ریشمی قبائیں پہننے پر بھی خوش نہیں ہوتے تھے"۔

اس واقعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عمرو عاص مال و دولت اور حکومت واقتدار سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے کتنے حریص تھے نیز اس واقعہ سے معززین اور ذی وجاہت لوگوں کی پیچیدہ ذہنیت بھی بہت کچھ الم نشرح ہو جاتی ہے انہیں حضرت عمر اور ان کے باپ خطاب میں اس کے سوا اور کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئی کہ وہ دونوں مفلس وقلاش تھے، انہیں اتنا کپڑا بھی میسر نہ تھا کہ وہ اپنا پورا جسم ڈھانک سکتے وہ دونوں اپنے ہاتھ سے کام کرتے لکڑیوں کا گٹھر سر پر لاد کر لاتے اور اپنے باپ

عاص میں اسے کوئی خوبی نظر نہ آئی سوا اس کے کہ وہ ریشم کے کپڑے پہنتا تھا۔

یہ خیال کرنا نادانی ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر کے اس سلوک پر جو باتیں زبان سے نکالیں وہ فوری ہیجان اور وقتی غم وغصہ کا نتیجہ تھیں ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ چونکہ حضرت عمر اور ان کے باپ دونوں غریب تھے لہٰذا حقیر تھے اور میرا باپ چونکہ دولت مند تھا لہٰذا وہ خطاب سے بہتر تھا اور میں عمر سے بہتر ہوں عمرو عاص کا نظریہ ہی یہ تھا کہ سب انسان ایک جیسے نہیں بلکہ ایک شریف ہے اور دوسرا ذلیل اور شرافت کا معیار صرف نسب ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جس کا خاندان اونچا اور جس کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہے وہ شریف ہے اور جس کا خاندان گھٹیا ہے وہ ذلیل ہے شریف کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو غیر شریف کو حاصل نہیں اور لوگوں کا فریضہ ہے کہ شریف کی اطاعت وفرمانبرداری کریں تمام مورخین کا اتفاق ہے اس پر کہ مصر کے انتظام وانصرام کے بارے میں عمرو عاص کا نظریہ یہ تھا کہ جو شخص بلاد مصر کی اصلاح وترقی کا خواہاں ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ پست طبقہ کے لوگ اونچے درجے کے لوگوں کی اگر کچھ شکایت کریں تو اس پر دھیان نہ دے۔(الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص ۱۲۵)

اس طرح قدیمی ہوا وہوس عمرو عاص کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی نسب والے کو لوٹ کھسوٹ نخوت اور سر بلندی کے وہ تمام تمام حقوق حاصل تھے جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہ تھے موافق حالات اور موقع محل سے فائدہ اٹھانا ان کا پیدائشی حق تھا عمرو عاص کے دل میں کچھ دیر کے لئے یہ کشاکش رہتی کہ اپنے ضمیر و وجدان کو زندہ رکھیں یا نفع اندوزی کے لئے ضمیر و وجدان کا خون کر ڈالیں لیکن جلد ہی وہ ضمیر و وجدان کا گلا گھونٹ کر نفع اندوزی پر کمر بستہ ہو جاتے جیسا کہ معاویہ کے بلانے پر ان کے نفس کی کشاکش ہم بیان کر چکے ہیں تھوڑی دیر کے لئے تو ان کے دل میں یہ کشمکش ضرور پیدا ہوئی کہ علیؑ کا ساتھ دیں یا معاویہ کا لیکن یہ کشمکش فوراً ہی دور ہو گئی اور انہوں نے شام جانے پر کمر باندھ لی۔

مورخین ورواۃ عمرو عاص کی طرف چند اشعار بھی منسوب کرتے ہیں جو انہوں نے معاویہ کے یہاں جاتے ہوئے راستہ میں کہے تھے ان اشعار میں انہوں نے کھل کر علیؑ ومعاویہ دونوں کے متعلق اپنے نظریات بیان کر دیئے ہیں علیؑ ان کی نگاہ میں بہت کچھ تھے اور معاویہ دوسری چیز تھے ان کے سینہ میں گویا دو دل تھے۔ایک ان کو معاویہ کے پاس جانے سے روکتا تھا اور دوسرا حکم دیتا تھا کہ معاویہ سے ضرور جا ملو۔وہ اپنے قصیدہ کو ان اشعار پر ختم کرتے ہیں:

فاخترت من طمعی دنیا علی ابصر	وما معی بالذی اختار برھان
انی لا عرف ما فیھا وابصرہ	وفی ایضاً لما اھواہ الوان

لکن نفسی تحب العیش فی شرف ولیس یرضیٰ بذل العیش انسان

میں نے سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی لالچ کے سبب دنیا اختیار کی حالانکہ دنیا اختیار کرنے کے لئے کوئی مضبوط وجہ نہ تھی۔ دنیا اختیار کرنے میں جو نقصانات ہیں ان کو میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس دنیا کی رنگ برنگی خواہشیں مجھ میں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ میرا نفس عزت وشرف کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے ذلت کی زندگی بسر کرنے پر کون انسان راضی ہوگا۔

عزت وشرف کی زندگی عمرو عاص کے خیال میں آج کے دن منحصر تھی مادی منافع اور اموی وعدوں میں جیسا کہ پہلے حضرت عمر کے عہد میں عزت وشرف کا معیار ان کے نزدیک یہ تھا کہ ان کا باپ حریر وریشم کا لباس پہنتا تھا اور ذلت کی زندگی آج ان کے نزدیک علیؑ کی نصرت ویاری تھی جو نہ خود سودا بازی کرتے نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے کہ وہ آپ سے سودا بازی کریں جس طرح کل ان کے نزدیک حضرت عمر اور ان کے باپ کا فقیرانہ لباس پہننا ذلت وخواری تھی۔

جس وقت عمرو عاص معاویہ کے یہاں پہونچے تو معاویہ نے کہا:

اے ابوعبداللہ میں تمہیں اس شخص (علیؑ ابن ابی طالبؑ) سے جہاد کی طرف دعوت دیتا ہوں جنہوں نے خدا کی نافرمانی کی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی فتنہ وفساد برپا کیا اور جماعت کو پراگندہ کیا الخ۔

عمرو عاص نے کہا اگر میں علیؑ سے جنگ کرنے میں تمہارا ساتھ دوں تو تم مجھے دوگے کیا؟ یہ جانتے ہی ہو کام کتنا ہولناک وخطرناک ہے۔

معاویہ نے کہا جو تم مانگو عمرو عاص نے کہا میں تو مصر کی حکومت مانگتا ہوں۔

اس کے بعد معاویہ اور عمرو عاص میں بہت سی مکروفریب کی باتیں ہوئیں دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کررہے تھے ہر ایک کو اپنا فائدہ مدنظر تھا۔

اس باہمی دھوکا دہی اور ایک دوسرے کو فریب دینے کا خاتمہ سودے بازی پر ہوا عمرو عاص نے معاویہ کو خلیفہ مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور معاویہ نے عمرو عاص کو مصر اور مصر کے باشندے حوالے کردیئے اور پوری طرح خودمختار بنادیا کہ مصر اور باشندگان مصر کے ساتھ جو سلوک چاہنا کرنا مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا یہ سودے بازی علیؑ کی نظروں میں کیسی تھی؟ آپ ان دونوں شاطروں کی باہمی ملاقات کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس نے اس وقت تک معاویہ کی بیعت نہیں کی جب تک یہ شرط اس سے منوا نہ لی کہ وہ اس بیعت کی قیمت ادا کرے اس بیعت کرنے والے کے ہاتھوں کو فتح و فیروز مندی نصیب نہ ہو اور خریدنے والے کے معاہدے کر ذلت ورسوائی حاصل ہو (لو اب وقت آگیا کہ) تم جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کے لئے ساز وسامان مہیا کرلو"

اس سودے بازی کے متعلق آپ مزید فرماتے ہیں:

"مجھے خبر ملی ہے کہ عمرو عاص نے معاویہ کی بیعت یوں ہی نہیں کی بلکہ پہلے اس سے یہ شرط منوالی۔کہ اس کے بدلے میں صلہ دینا ہوگا اور دین کے چھوڑنے پر ایک ہدیہ پیش کرنا ہوگا"۔

عمرو عاص نے نفع پرستی اور اپنا کام نکالنے پر اسی حد تک اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے معاویہ کو آمادہ کیا کہ علیؑ کے خلاف پروپگنڈہ کی ایک باقاعدہ ومنظم مہم چلائی جائے تاکہ آگے چل کر ان سے جب لڑائی کی نوبت آئے تو اس پروپگنڈہ سے خاصی مدد ملے چنانچہ من جملہ اور مشوروں کے انہوں نے معاویہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ:

"اپنے بھروسہ کے لوگوں کو تمام شہروں میں بھیج دو یہ لوگ جا کر اس بات کا پروپگنڈہ کریں کہ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے"۔

حالانکہ عمرو عاص اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؑ عثمان کے خون سے بالکل پاک وصاف ہیں جس طرح انہیں یہ معلوم تھا کہ خود ہمارا عثمان کے قتل میں بہت بڑا ہاتھ رہا ہے جیسا کہ ہم گزشتہ فصل "قاتلین عثمان میں بیان کر چکے ہیں"۔

اور جب صفین کی لڑائی ٹھنی اور معاویہ نے عمرو عاص سے خواہش کی کہ شام والوں کو علیؑ کے مقابلہ میں صف بستہ کرو تو اس وقت بھی انہوں نے معاویہ کی درخواست اس وقت تک منظور نہ کی جب تک اپنے صلہ اور معاویہ کے متعلق پھر سے بات پکی نہ کر لی اور پختہ عہد و پیمان نہ لے لیا انہوں نے معاویہ سے کہا:

"میں اسی شرط پر تمہارا ساتھ دوں گا کہ جب علیؑ قتل ہو جائیں اور تمہاری حکومت مستحکم ہو جائے تو مصر میرے حوالے کر دیا جائے گا"۔

ایک اور ثبوت اس بات کا کہ سودے بازی اور اپنا فائدہ مدنظر رکھنے میں عمرو عاص امتیازی حیثیت رکھتے تھے یہ بھی ہے کہ جب مشہور واقعہ تحکیم میں عمرو عاص اور ابوموسیٰ اکٹھا ہوئے اور دونوں طرف سے آئے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگوں نے اپنی رائیں دیں کہ کس کو خلیفہ بنانا چاہئے۔ابوموسیٰ نے عبداللہ بن عمر بن خطاب کا نام پیش کیا اور لوگوں سے شد و مد سے کہنا شروع کیا کہ بیعت کئے جانے کے لائق اگر کوئی ہے تو وہ عبداللہ بن عمر ہیں اور انہوں نے کئی مرتبہ یہ بھی کہا:

خدا کی قسم اگر میرا بس چل جائے تو میں عمر بن خطاب کا نام زندہ کر کے رہوں۔

اس وقت عمرو عاص نے ابو موسیٰ سے کہا:

''اگر آپ عبداللہ بن عمر کو محض ان کی دینداری ہی کی وجہ سے خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو پھر میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں نہیں بناتے اس کی صلاحیت اور فضل وشرف کو آپ بخوبی جانتے ہیں''۔

یہ کیفیت تھی، عمرو عاص کے سودے بازی جو گئے تھے معاویہ کی طرف سے حکم بن کر مگر ذراسی گنجائش جو اپنے قائدے کی نظر آئی تو معاویہ کے برخلاف اپنے بیٹے کا نام پیش کر دیا، انہیں اس کا بھی خیال نہ رہا کہ ہم جنگ صفین میں معاویہ کے لشکر کے سپہ سالار تھے اور ان سے کامیابی کی صورت میں مصر کی حکومت کا عہدو پیمان لے چکے ہیں ان کی طرف سے اس تحکیم میں وکیل بن کر آئے ہیں اور اس تحکیم کی نوبت ہماری ہی تدبیروں اور چالاکیوں سے پیش آئی ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ معاویہ وعمرو عاص دونوں ہی کو اس بات کا یقین تھا کہ ہم علیؑ پر ظلم وزیادتی کر رہے ہیں دونوں اپنے دل کی گہرائیوں سے معتقد تھے کہ علیؑ ہم سے بہتر ہیں دونوں اپنے اپنے ذاتی فائدے کے لئے کوشاں تھے۔ دیکھنے میں معاویہ و عمرو عاص ایک دوسرے کے رفیق اور ہم دم ساز تھے۔ لیکن باطناً دونوں ایک دوسرے سے شدید عداوت رکھتے تھے ان کے چہروں کے رنگ زبان سے نکلے ہوئے فقرات دونوں کی اندرونی عداوت کو ظاہر کر دیتے تھے جنگ صفین کے بعد ایک مرتبہ معاویہ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا سب سے زیادہ حیرت انگیز کیا چیز ہے؟''

حاشیہ نشینوں میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ جب عمرو عاص کی نوبت آئی تو وہ بولے سب سے عجیب ترین چیز یہ ہے کہ باطل حق پر غالب آجائے۔

عمرو عاص کا اشارہ معاویہ وعلیؑ کی طرف تھا۔

معاویہ نے فوراً جواب دیا نہیں سب سے عجیب ترین چیز یہ ہے کہ ایک شخص کسی شخص سے بے خوف ہوتے ہوئے بھی کہ وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اسے ایسی چیز دے دے جس کا وہ مستحق نہ ہو، یہ اشارہ عمرو عاص کی طرف تھا جنہیں معاویہ نے حکومت مصر حوالے کر دی تھی حالانکہ معاویہ کو عمرو عاص سے کوئی خطرہ لاحق نہ تھا اور نہ عمرو عاص مصر کی حکومت کے سزاوار تھے۔

دوسرا ثبوت اس بات کا کہ عمرو عاص علیؑ ومعاویہ کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے وہ خود عمرو عاص کا اقرار واعتراف ہے کہ ہم دھوکا کھا گئے اور ہم سے بڑی غلطی ہوگئی کہ علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے معاویہ کا ساتھ دیا۔ عمرو عاص کے اس اقرار واعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کے اعوان وانصار اخلاقی حیثیت سے کتنی پستی میں تھے اور جانتے بوجھتے بھی اپنے نفس کے ساتھ

خیانت کر رہے تھے جب حضرت علیؑ کی شہادت ہوگئی اور معاویہ بلاشرکت غیرے تمام ممالک اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے تو انہوں نے عمرو عاص کو مصر کی حکومت حوالے کرنے میں ٹال مٹول شروع کی ادھر عمرو عاص کے تقاضے بڑھنے لگے کہ جو وعدہ کر چکے ہو اسے پورا کرو۔

معاویہ اب بھی ٹال مٹول کرتے رہے ان کا دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا تھا کہ مصر کی حکومت عمرو عاص کے حوالے کی جائے۔ اس پر عمرو عاص نے ایک طولانی قصیدہ لکھ کر معاویہ کے پاس بھیجا جس کے چند اشعار یہ تھے:

معاویة الفضل لا تنس لی و عن منهج الحق لا تعدل

نصرناك من جهلنا یا ابن هند علی السید الاعظم الافضل

وما كان بینكما نسبة فاین الحسام من المنجل

واین الثریا و این الثریٰ واین معاویه من علی

معاویہ وہ انعام جس کا تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو اسے بھولو نہیں، راہ راست سے منحرف نہ ہو۔

اے ہند کے بیٹے ہم نے جہالت کے سبب بزرگ ترین اور افضل ترین سردار (علی ابن ابی طالبؑ) کے خلاف تمہاری نصرت و یاری کی۔

تم کو علیؑ سے نسبت ہی کیا کہاں تلوار اور کہاں ہنسیا، کہاں کہکشاں اور کہاں زمین کا آخری طبقہ اور کہاں معاویہ اور کہاں علیؑ۔

اسی قصیدہ کے فوراً ہی بعد معاویہ نے عمرو عاص کو مصر کی حکومت حوالے کی۔

معاویہ و عمرو عاص جنہیں لین دین کے مصالح نے ایک جگہ اکٹھا کر دیا تھا۔ اندرونی طور پر ایک دوسرے سے کتنی شدید نفرت کرتے تھے اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جس وقت معاویہ نے تحکیم کی سازش کو مضبوط کرنے اور ابو موسیٰ اشعری کی حماقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے عمرو عاص کو روانہ کیا تو کوئی ایسا فقرہ کہہ گئے جس سے عمرو عاص کو رنج پہونچا اس پر عمرو عاص نے معاویہ کی ہجو میں ایک شعر کہا جو کافی مشہور ہے۔ اس پر معاویہ نے اپنے ہم نشین عبد الرحمان ابن ام حکم کو حکم دیا کہ اس شعر کا جواب دو اور تم بھی اس کی ہجو کہو۔ عبد الرحمان نے عمرو عاص کی ہجو میں بہت سے اشعار کہے ان اشعار میں دھمکیاں بھی دی گئی تھیں لعنت بھی کی گئی تھی اور علیؑ کے مقابلہ سے بروز صفین بھاگ نکلنے پر طعن و تشنیع بھی کی گئی تھی عبد الرحمان نے کہا تھا:

دع البغی الذی اصبحت فیه فان البغی صاحب العین

الم تهرب بنفسك من علیؑ بصفین و انت بها صننین

حذار ان تلاقیك المنایا وكل فتیً سیدركه لمنون

جس بغاوت وسرکشی میں تم پڑے ہوا سے چھوڑ دو بغاوت کرنے والا ملعون ہے۔کیا تم بروز صفین علیؑ کے مقابلہ سے اپنی جان لے کر بھاگے نہیں، تمہیں اپنی جان کی بڑی پرواتھی اور ڈرتے تھے کہ کہیں موت کا سامنا کرنا نہ پڑے حالانکہ ہر جوان کو ایک دن موت پالینے والی ہے۔

ایسے دونوں شخصوں کے متعلق کوئی شخص کیا کہہ سکتا ہے کہ کہاں تو دونوں مقتول خلیفہ کے خون کے طالب اور علی کو ظالم قرار دے کران سے انتقام لینے پر باہمی سمجھوتا کئے ہوئے تھے ایک دوسرے کو ایسی دھمکیاں دیتے ہیں ایک دوسرے پر سب وشتم کرتے ہیں ایک دوسرے کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔

پہلے زمانہ کے لوگوں کو جوان حادثات اور فتنہ وفساد و رونما ہونے کے پہلے ہی دنیا سے گزر چکے تھے انہیں معاویہ کی حقیقت بھی اچھی طرح معلوم تھی اور عمر وعاص سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے کہ یہ دونوں کتنے حریص اور فوائد ومنافع کی لالچ میں کس حد تک ڈوبے ہوئے ہیں۔حضرت عمر جو بڑے قیافہ شناس اور لوگوں کی طبیعتوں سے بخوبی واقف تھے انہوں نے اپنے مرنے سے چند لمحے پہلے لوگوں کو معاویہ اور عمر وعاص کی طرف سے پوری طرح ہوشیار کر دیا تھا آپ نے کہا تھا:

”اے اصحاب محمدؐ ایک دوسرے کے خیر خواہ رہنا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم پر عمر وعاص معاویہ بن ابی سفیان غالب آجائیں گے“۔

بعد میں آنے والوں نے بھی حضرت عمر کی اس قیافہ شناسی اور دور بینی کی تائید وتوثیق کی مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی گزری ہے جو بہت سے امور ومعاملات میں عقل ووجدان کو حکم بناتے اور ان دونوں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے ہیں ان لوگوں نے معاویہ وعمر وعاص دونوں کو اس بنا پر خائن قرار دیا ہے کہ انہوں نے علیؑ سے جنگ کی جو خلیفہ برحق تھے جیسا کہ فرقہ معتزلہ کا مسلک ہے معتزلی حضرات لوگوں کے اعمال وافعال کے تجزیہ اور تنقید میں بہ نسبت دیگر اسلامی فرقوں کے زیادہ بے باک گزرے ہیں ان میں سے اکثر حضرات نے معاویہ وعمر وعاص سے اظہار بیزاری کیا ہے۔جیسا کہ صاحب الملیہ والامل نے تصریح کی ہے اور ان دونوں کو اموال عامہ کا چور اور ڈاکو قرار دیا ہے۔(دیکھئے کتاب فجر الاسلام ص ۲۰۴)

معاویہ ٹھیک ویسے ہی تھے جیسا کہ علیؑ نے ان کی تصویر کشی کی ہے: رحب البلعوم مندحق البطن یاکل ما تجدو یطلب مالا یجد۔وسیع حلقوم ابھری ہوئی توند والے جو پاتے کھا جاتے اور جو نہ پاتے اس کی تلاش میں رہتے۔اور عمر وعاص کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

جھوٹ بات کہتے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتے اگر کسی سے کوئی چیز مانگتے تو اس کے لئے پیچھے پڑ جاتے اور جب خود

ان سے کوئی چیز مانگی جاتی تو بخل سے کام لیتے اور اگر عہد و پیمان کرتے تو اس کو توڑ ڈالتے۔

یہ تمام صفتیں دونوں میں مشترک تھیں ان صفات میں شریک ہونے کی وجہ سے دونوں ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔ وسیع حلقوم والا جب بڑے شکم کا ہوگا تو لازمی ہے کہ جو پائے وہ چٹ کر جائے اور جو نہ پائے اس کی فکر میں رہے اُسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام اور نہ وہ عدل و انصاف کے مفہوم سے آشنا ہوتا ہے نہ ظلم و جور کے نہ اسے حسن وقبح کی خبر ہوتی ہے نہ فضیلت و کمینگی کی اور انسان جب دروغ گو ہوتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے کوئی چیز مانگتے وقت پیچھے پڑ جاتا ہے خود نجاست سے کام لیتا ہے عہد و پیمان کر کے توڑ ڈالتا ہے تو اس کی یہ تمام حرکتیں ذاتی منفعت اور شخصی فائدہ کے لئے ہوتی ہیں۔ تو امیر المومنینؑ کے فقرات کا مفہوم یہی نکلا کہ ان دونوں کے عمل کا دارومدار ذاتی منفعت تھی۔ لہٰذا ان دونوں کو غداری و خیانت پر ایکا کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔ اور وہ بھی اس وقت جبکہ ایکا کرنے ہی میں دونوں کا فائدہ تھا اگرچہ اندرونی طور پر ایک کو دوسرے سے قلبی لگاؤ نہ ہو اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

”میں نے ان دونوں بدکاروں کا خط پڑھا جو خدا کی نافرمانی کرنے میں ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہیں“ الخ (یعنی معاویہ و عمر عاص)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

علیؑ کے دشمنوں نے علیؑ کے خلاف بہت مستحکم اور منظم طریقہ پر سازش کی۔ سازش کرنے والے بے شمار تھے اور ان کی غرض و غایت بھی جداگانہ تھیں کوئی کسی وجہ سے علیؑ کے خلاف سازش کر رہا تھا کوئی کسی غرض سے لیکن اس بات پر سب متفق تھے کہ علیؑ ہم پر حکمرانی نہ کرنے پائیں وہ حاکم اور ہم ان کے تابع فرمان نہ ہوں اس سازش کو منظم اور مضبوط بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ معاویہ کا تھا۔ اصل کرتا دھرتا وہی تھے دوسرے لوگ ان کے اعوان و انصار تھے اسی موقع پر کہنا پڑتا ہے کہ جنگ جمل بھی جو ہوئی تو معاویہ ہی کی وجہ سے ہوئی۔ اگر پردہ کے پیچھے بیٹھ کر معاویہ اس جنگ کے سامان فراہم نہ کرتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی علیؑ کی بیعت ہوئی فوراً ہی معاویہ نے بنی عمیس کے ایک شخص کو خط دے کر زبیر کے پاس روانہ کیا جس میں لکھا تھا:

”معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے امیر المومنین عبداللہ الزبیر کے نام۔ بعد سلام واضح ہو کہ میں نے آپ کے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے انہوں نے بڑی خوشی سے آپ کو امیر المومنین بنا دیا ہے۔ اب آپ کو چاہئے کہ کوفہ و بصرہ والوں کو اپنے ساتھ ملا لیں کیونکہ اگر ان دونوں شہروں کے لوگوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تو آپ کے لئے راستہ بالکل صاف ہے آپ کے بعد میں نے طلحہ بن عبید اللہ کے لئے بیعت لی ہے۔ اب آپ کو چاہئے کہ علیؑ سے عثمان کے انتقام کا مطالبہ کریں اور لوگوں کو

اپنی طرف بلائیں آپ دونوں کی طرف سے اس معاملہ میں پوری کوشش اور جلدی ہونی چاہئے خدائے تعالیٰ آپ دونوں کو کامیاب اورآپ کے دشمنوں کو غائب وخاسر کرے"۔

جب یہ خط زبیر کے پاس پہونچا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور طلحہ کو بھی یہ خط دکھلایا۔ معاویہ کی اس خیر خواہی سے دونوں دھوکا کھا گئے ۔اسی وقت ان دونوں نے معاویہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اپنی بیعتیں توڑ دیں۔ اور حضرت علیؑ سے آمادہ پیکار ہوگئے ۔جس کے نتیجے میں جنگ جمل پیش آئی۔ معاویہ کی مراد برآئی کہ خلیفہ وقت علی ابن ابی طالبؑ اور طلحہ وزبیر امیدواران خلافت آپس میں لڑ جائیں اور دونوں کی طاقت کمزور ہوجائے ۔جنگ جمل کا خاتمہ ہوتے ہی معاویہ نے ذی اثر سرداران قبائل اور معززین قریش کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے ایک کا سیم وزر سے گھر بھر دیا تو دوسرے سے طرح طرح کے وعدے کئے جس کسی سے بھی توقع ہوئی کہ وہ علیؑ کے خلاف ہماری مدد کرے گا یا مدد نہ بھی کرے تو نہ ہمارا ساتھ دے گا نہ علیؑ کا اُسے مالا مال کر دیا۔ اور جس کے متعلق انہیں اندازہ ہوا کہ یہ نہ تو ہماری مدد کرے گا اور نہ ہماری بغاوت اور سرکشی پر چپکا تماشائی بنا رہے گا اسے ختم کرنے دھوکے دینے اور گمراہ کرنے کی امکانی کوشش کی۔ علیؑ کے خلاف معاویہ کی سازشی کارروائیوں میں سب سے بڑے مددگار عمر وعاص تھے وہ عمر وعاص جن کا معاویہ کے ساتھ گٹھ جوڑ معلوم ہونے پر بھی آپ کو گوارہ نہ ہوا کہ آپ ان کی چاپلوسی اور انھیں راضی کرنے کی کوشش کریں جس طرح آپ سخت وقت پڑنے پر ہر قسم کی سازشی کاروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے پاک وصاف رہے۔ صداقت وحقانیت کا دامن آپ سے چھوٹنے نہ پایا اسی طرح معاویہ اور عمر وعاص کا گٹھ جوڑ بھی آپ کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ چنانچہ آپ نے عمر وعاص کو خط لکھا:

"تم نے اپنے دین کو ایک ایسے شخص کی دنیا کے پیچھے لگا دیا ہے جس کی گمراہی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے جس کا پردہ چاک ہے جو اپنے پاس بٹھا کر شریف انسان کو بھی داغدار اور سنجیدہ بردبار شخص کو بے وقوف بناتا ہے تم اس کے پیچھے لگ گئے اور اس کے بچے کچھے ٹکڑوں کے خواہش مند ہو گئے جس طرح کتا شیر کے پیچھے ہولیتا ہے اس کے پنجوں کو امید بھری نظروں سے دیکھتا ہوا۔ اور اس انتظار میں کہ اس کے شکار کے بچے کچھے حصہ میں سے کچھ آگے پڑ جائے اس طرح تم نے اپنی دنیا وآخرت دونوں کو گنوایا حالانکہ اگر حق کے پابند رہتے تو بھی تم اپنی مراد کو پالیتے۔ اب اگر اللہ نے مجھے تم پر اور فرزند ابوسفیان پر غلبہ دیا تو میں تم دونوں کو تمہارے کرتوتوں کا مزا چکھا دوں گا۔ اور اگر تم میری گرفت میں نہ آئے اور میرے بعد زندہ رہے تو جو تمہیں اس کے بعد درپیش ہوگا وہ تمہارے لئے بہت برا ہوگا۔

والسلام"

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

گرد آلود ہوائیں

وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے جن کی تلوار تاریکیوں کو چاک چاک کر دیتی اور دشمنوں پر بجلی کی کڑک کی طرح ٹوٹتی اور تیز و تند ہواؤں کی طرح انہیں تتر بتر کر دیتی ان کے آنکھوں کے آنسو آبشاروں سے بدل چکے تھے اور ان کے دل کی نرمی اور مہربانی آگ برسا رہی تھی۔

وہ فقیروں کے لئے آندھیوں کے مقابلہ میں سر چھپانے کی جگہ کمزوروں کے لئے سیلاب کے مقابلہ میں دیوار تھے اور چلچلاتی دھوپ میں رات جیسا سایہ تھے۔

وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے جن کے بارے میں اور جن کی تلوار کے بارے میں لوگوں کے ساتھ زمانہ بھی عنقریب پکار اٹھے گا لا سیف الا ذو الفقار و لا فتیٰ الا علیؑ۔ کوئی تلوار نہیں سوا ذوالفقار کے اور کوئی جوان نہیں سوا علیؑ کے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد معاویہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے زیادہ جنگجو شامیوں کا لشکر لے کر منزلیں طے کرتے ہوئے عراق کی طرف روانہ ہوئے اور صفین کی وادی میں پہونچ کر نہر فرات کے کنارے رقہ سے قریب ٹھہرے اور پیش و مستی کر کے کشادہ اور ہموار زمین پر اپنی فوجیں اتار دیں صفین ایک وادی ہے فرات کے نزدیک اس وادی اور فرات کے درمیان بکثرت درخت اور پانی کے چشمے تھے۔

حضرت علیؑ بھی کوفہ سے اپنا لشکر لے کر مدائن اور رقہ ہوتے ہوئے صفین کی طرف بڑھے آپ کا ارادہ تھا کہ لطف و مدارات سے کام لے کر معاویہ کو سرکشی سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے اور اگر نہ مانیں گے تو بدرجۂ مجبوری تلوار کے ذریعہ ان کو سیدھا کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب آپ صفین پہونچے تو آپ نے دیکھا کہ معاویہ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر ہے جس نے دریا کی طرف اپنے مورچے قائم کر لئے ہیں تاکہ آپ کا لشکر پانی تک نہ پہونچنے پائے آپ نے معاویہ کے پاس کہلا بھیجا۔

''ہم لوگ یہاں پانی کے لئے لڑنے نہیں آئے ہیں اگر تم سے پہلے ہم یہاں پہونچ گئے ہوتے تو تمہیں کبھی پانی سے نہیں روکتے''۔

عمرو عاص نے معاویہ کو بہت سمجھایا کہ علیؑ اور ان کے لشکر کو پانی سے نہ روکو علیؑ کی شجاعت و بہادری سے دنیا واقف ہے ان کے ساتھ جنگ آزما بہادروں کا لشکر ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ پیاسے رہیں۔ معاویہ نے کہا خدا کی قسم یہ پہلی کامیابی ہے خدا

مجھے حوض کوثر سے سیراب نہ کرے اگر یہ لوگ اس دریا کا پانی پی لیں ہاں ہم سے جیت جائیں تو بات دوسری ہے۔ معاویہ کے ہمراہیوں کی ہمتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ انہوں نے علیؑ کے منہ پر یہ فقرہ کہا "ایک قطرہ بھی تمہیں نہیں ملے گا یہاں تلک کہ تم پیاسے مرجاؤ" فوجی لحاظ سے علیؑ کی پوزیشن بہت کمزور تھی لیکن آپ نے مالک اشترؑ کو گھاٹ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور انہوں نے اپنی محیر العقول شجاعت سے کام لے کر معاویہ کے سپاہیوں کو مار بھگایا اب دریائے فرات امیر المومنینؑ کے لشکر کے قدموں میں تھا۔ علامہ ابن قتیبہ کی روایت کی بنا پر عمرو عاص نے معاویہ کی اس ہزیمت پر خوش ہوتے ہوئے کہا:

"معاویہ! اب بتاؤ اگر یہ لوگ تم پر اسی طرح پانی آج بند کر دیں جس طرح تم نے بند کر دیا تھا تو کیا ان کی طرح پانی کے لئے تم بھی لڑ سکتے ہو؟ لیکن جو حرکت تم نے مباح سمجھی علیؑ بھی مباح نہیں سمجھیں گے"۔

امیر المومنینؑ کے بعض ساتھیوں نے چاہا کہ ہم بھی معاویہ اور ان کے لشکر کے ساتھ وہی برتاؤ کریں۔ اور پانی بند کر دیں جس طرح انہوں نے ہم پر پانی بند کر دیا تھا لیکن اس مرد عظیم و بزرگ نے ان ساتھیوں کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور آپ نے اپنے دشمنوں کے لئے بھی پانی اسی طرح کھلا رکھا جس طرح آپ کے ساتھیوں کے لئے تھا آپ کے ہمراہیوں نے بہت اصرار کیا کہ "امیر المومنینؑ آپ بھی ان پر اسی طرح پانی بند کر دیجئے جس طرح انہوں نے آپ پر پانی بند کر دیا تھا۔ ایک قطرہ بھی انہیں پینے نہ دیجئے انہیں پیاس کی تلوار سے مار ڈالئے جنگ و جدال کی ضرورت ہی نہیں انہیں ہاتھوں سے پکڑ لیجئے"۔

آپ نے فرمایا: "انہوں نے جیسی حرکت کی ویسی حرکت میں نہیں کر سکتا۔ ان کے لئے گھاٹ کا راستہ کھول دو اگر معاویہ کے لشکر والوں میں ذرا بھی شرافت ہوتی تو وہ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ کر سکتے تھے کہ علی کیا ہیں اور معاویہ کیا؟ کون حق پر ہے اور کون باطل پر اور یہ سمجھ سکتے تھے کہ علیؑ کے مقابلہ میں معاویہ کی نصرت و مدد کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے اس شخص کی مدد کرنا جو پیغمبرؐ سے برسر پیکار ہو اور جیسے چور ڈاکوؤں کی مدد کرنا۔

عمرو عاص تو جو کچھ دین و ایمان رکھتے تھے وہ بہت پہلے سے مصر کی حکومت کے بدلے فروخت کر چکے تھے۔ ورنہ معاویہ کی نصرت و مدد پر ان کے جمے رہنے کی اور کیا توجیہ کی جاسکتی ہے جبکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ علی ابن ابی طالبؑ ایسے مجسمۂ حق کے مقابلہ میں معاویہ مگس کے پر برابر بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

صفین کی لڑائی میں شام والوں نے علیؑ کو گالیاں دیں آپ کی شان میں ناسزا کلمات کہے معاویہ نے یہ سب کچھ کہنا اور سننا پسند کیا بلکہ غالباً خود لوگوں کو اکسایا صاف لفظوں میں حکم دیا جیسا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں علیؑ پر سب وشتم کرنے کا دستور ہی مقرر کر رکھا تھا۔ یہ حرکت معاویہ کی پیشانی پر وہ کلنک کا ٹیکہ ہے جو مٹائے نہیں مٹ سکتا اسی حرکت سے انہوں نے ہمیشہ

کے لئے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے کو ذلیل وخوار بنالیا۔

عراق والوں نے جب اہل شام کو اس طرح سب وشتم کرتے سنا تو انہوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہا آپ کو جب یہ خبر ملی تو اسے آپ نے اپنے لشکر والوں کی ذلت اور ان کی شرافت وفضیلت کو داغدار بنانے کی حرکت سمجھا آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ تقریر کی جو آپ کے دستور اور نظام حکومت میں ایک تابناک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے آپ نے اپنے ہمراہیوں کو تلقین کی کہ تمام خلائق سے خواہ وہ دوست ہوں یا دشمن خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آئیں۔آپ نے ارشاد فرمایا:

”میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو اگر تم ان (شام والوں) کے کرتوت کھولو اور ان کے صحیح حالات پیش کرو تو ایک ٹھکانے کی بات اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریق کار ہوگا۔تم گالم گلوج کے بجائے یہ کہو:

خدایا ہمارا ایمان بھی محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تاکہ حق سے مجرحق کو پہچان لیں اور گمراہی وسرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑیں“۔

علیؑ نے جیسا کہ ان کی ہمیشہ کی عادت تھی انتہائی کوشش کی کہ جدال وقتال کی نوبت نہ آئے بلکہ صلح وصفائی ہو جائے۔ مگر آپ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکے ایک عرصہ تک آپ نے مروت ومردانگی کا دروازہ کھلا رکھا لیکن شامیوں میں عقل وشعور کا اتنا فقدان تھا کہ ان میں نیک وبد میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے پر آپ قادر نہ ہوسکے۔

آپ کے ہمراہیوں کو بڑی حیرت تھی کہ آخر آپ جنگ شروع کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کر رہے ہیں کیوں نہیں ہمیں دو دو ہاتھ لڑنے کی اجازت دیتے۔آپ نے فرمایا:

”تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس وپیش کیا۔ یہ اس لئے ہے کہ میں موت کو ناگوار جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں تو خدا کی قسم مجھے ذرا برابر خوف نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے اور اسی طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ مجھے اہل شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ تامل ہے تو خدا کی قسم میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی التوا میں نہیں ڈالا مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چوندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے اگر چہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہرحال یہ خود ہوں گے۔

جب حضرت علیؑ کو پوری طرح یقین ہوگیا کہ شام والے اپنی گمراہی سے ہرگز باز نہ آئیں گے وہ فسق وفجور کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اس میں اور ڈوبے رہیں گے اور جنگ لامحالہ ہو کر رہے گی تو آپ نے دونوں صفوں کے درمیان اور اپنے سپاہیوں اور

معاویہ کے لشکر والوں کے ساتھ فرمایا:

"خداوندا! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری خوشنودی اسی میں ہے کہ میں نوک شمشیر اپنے شکم پر رکھوں اس پر جھک جاؤں اور اتنا زور ڈالوں کہ وہ میری پیٹھ توڑ کر باہر نکل جائے تو تو بہتر جانتا ہے کہ میں ضرور ایسا کر گزرتا خداوندا میں وہی کچھ جانتا ہوں جو تونے ہمیں تعلیم کیا ہے آج کے دن اس سے بڑھ کر کوئی نیک کام میں نہیں جانتا کہ ان بدکاروں سے جہاد کیا جائے اگر اس کے علاوہ کوئی اور عمل زیادہ موجب ہوتا تیری رضا کا تو میں یقیناً اس کے کرنے سے باز نہ آتا"

پھر آپ نے فرمایا:

"اے اس زمین کے پروردگار جسے تونے انسانوں کی قیام گاہ اور حشرات الارض اور چوپایوں اور لاتعداد دیکھی اور ان دیکھی مخلوق کے چلنے پھرنے کا مقام قرار دیا ہے اے مضبوط پہاڑوں کے پروردگار جنہیں تونے زمین کے لئے میخ اور مخلوقات کے لئے (زندگی) کا سہارا بنایا ہے (اے اللہ) اگر تونے ہمیں دشمنوں پر غلبہ دیا تو ظلم سے ہمارا دامن بچانا اور حق کے سیدھے راستہ پر برقرار رکھنا اور اگر دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیا تو ہمیں شہادت نصیب کرنا اور فریب حیات سے بچائے رکھنا"۔

جنگ شروع ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے عمروعاص نے بطور رجز کچھ اشعار نظم کئے جس میں اپنے مکروفریب اور چالاکیوں کا بڑے فخر سے ذکر کیا تھا یہ اشعار لکھ کر انہوں نے حضرت علیؑ کے پاس بھیجے ان میں ایک شعر یہ بھی تھا:

ابوالحسنؑ ہماری طرف سے بے خوف نہ رہنا ہم جب کسی معاملہ کو ہاتھ میں لیتے ہیں تو اسے خوب مضبوط کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب حضرت علیؑ کے کسی ہمراہی نے دیا۔

اپنی لڑائی میں ابوالحسن سے بچ کے رہنا جو شیر بیشہ شجاعت اور شیروں کے باپ ہیں چوکنے اور انتہائی ہوشیار ہیں تمہیں اس طرح پیس کر رکھ دیں گے جس طرح ہاون دستہ میں کوئی چیز کوٹی جائے۔ اے نادان! تیری عقل کیسی ماری گئی یہاں تک کہ تو ہاتھ کاٹتا اور دانت پیستا ہے"

قبائل ربیعہ و مضر کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؑ کے طرف داروں میں تھے انہوں نے ایک دوسرے کو پکار کر کہا۔

وائے ہو تم پر کیا تم کو جنت کا اشتیاق نہیں۔

یہ کہہ کر پوری طاقت سے شام کے لشکر پر وہ پل پڑے ان کی صفیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اتنے آدمی مارے کہ شامیوں کے لشکر میں نمایاں کمی محسوس ہونے لگی سارا لشکر بدحواس ہو گیا قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص عمرو بن ثور نے رجز کے یہ اشعار پڑھے:

”میں ان شامیوں کو اپنی تلوار سے مارتا ہوں مگر ان میں معاویہ نہیں دکھائی دیتے جو کج نگاہ اور بڑے شکم والے ہیں انہیں آتش جہنم نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ وہاں بھونکنے والے کہتے ہیں ان کے پڑوسی ہیں وہ انتہائی سرکش اور باغی اور گمراہ ہیں۔

قبائل ربیعہ ومضر والوں کو یقین محکم تھا کہ ہم حق کی مدد کر رہے ہیں ان کا ایک شاعر کہتا ہے:

حق کی حمایت ونصرت میں قبیلہ ربیعہ والوں نے انتہائی سرعت سے کام لیا حق ہی ان کی شاہراہ ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

فریقین کے درمیان انتہائی ہولناک اور سخت ترین جنگ ہوئی اور بہت بڑی تعداد میں لوگ مقتول ہوئے علیؑ ابن ابی طالبؑ شام والوں پر ناگہانی موت کی طرح ٹوٹ پڑے جس پر بھی وار کیا اُسے واصل جہنم کیا وہ نیزہ نہیں چلا رہے تھے بلکہ قضاو قدر نیزہ زنی کر رہی تھی۔

فتنہ کے جس سرغنہ پر حملہ آور ہوئے وہ موت کو اپنے سر پر دیکھ کر بزدلی کے مارے بھاگ نکلا ڈر کی یہ کیفیت کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

علیؑ کی محیر العقول شجاعت ودلیری ہر لحظہ تازہ نمونے اور نئے نئے معجزے پیش کر رہی تھی اس وقت علیؑ زرہ بھی تھے قلعہ بھی تھے اور سپر بھی انہیں دشمن کے حملے کا کوئی خوف نہ تھا وہ انتہائی بے پروائی وبے خوفی سے نیزہ وشمشیر کے مقابلہ پر ڈٹ جاتے اور اپنی پیشانی سے نور کی بجلیاں بدکاروں پر گرا رہے تھے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے بڑے بڑے سورما بدحواس ہو کر بھیڑ بکریوں کی طرح آپ کے سامنے سے بھاگتے تھے۔

میری آنکھیں گویا وہ منظر دیکھ رہی ہیں کہ آپ سپید رنگ کے گھوڑے پر سوار ہیں جس جس طرف گھوڑا رخ کرتا ہے ہمائے سعادت اپنے پر پھیلائے اس کے سر پر سایہ فگن ہے اور جہاں جہاں اس کی ٹاپیں پڑتی ہیں وہاں وہاں اس کے آتشیں نقش ابھر آتے ہیں۔

میری آنکھیں آپ کے دست مبارک کو دیکھ رہی ہیں کہ جب آپ ذوالفقار کو بلند کرتے ہیں تو وہ دراز ہو کر پوری فضا پر چھا جاتی ہے یہاں تک کہ افق کے کناروں کو چھونے لگتی ہے اور ہر جگہ حق کے نور کی بہت سی نشانیاں چھوڑ جاتی ہے۔

میری آنکھیں ایک جنگ آزما بہادر کو دیکھ رہی ہیں جو موت کے مہلکوں میں بار بار ڈوب جاتا ہے اور صحیح وسالم نکل آتا ہے وہ جب تلوار باہر نکال کر وار کرتا ہے یا دشمن کی طرف لپکتا ہے تو بڑے بڑے بہادروں کے کلیجے منہ کو آجاتے ہیں سروں کی بوچھار ہونے لگتی ہے لاشوں سے زمین پٹ جاتی ہے ہر جانب اور ہر سمت لوگوں کے لب وزبان اور حلقوم سے ہزاروں ہزار

فریادیں بلند ہوتی ہیں کہ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں یہ اسلام کے شہسوار اور حق وعدالت کے علمدار ہیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جنہوں نے جزیرہ عرب کے ہولناک شیر عمرو بن عبدود کو اس دن جب کہ جنت زیر سایہ شمشیر تھی خاک میں ملا دیا تھا علیؑ اس دن کمسن تھے مگر ایمان کے لحاظ سے بہت ہی بزرگ۔

یہ وہی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جنہوں نے قلعہ خیبر کا در اکھاڑ لیا تھا ایسے وقت میں جبکہ بڑے بڑے سورماؤں کے بدن میں خوف و دہشت کے مارے تھرتھری پڑی ہوئی تھی علیؑ نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اس کو سپر بنا لیا وہ دروازہ اپنی غیر معمولی گراں باری کے باوجود علیؑ کے ہاتھ میں اتنا ہی سبک تھا جیسے طائر کا پر و بال۔

یہ وہی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ اگر انہیں تن تنہا روئے زمین کے باشندوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑے تو انہیں پروا نہ ہو نہ ذرا بھی ہراساں ہوں اور اپنی محیر العقول دلیری سے کام لیتے ہوئے ان سب پر ٹوٹ پڑیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جنہیں کوئی پروا اس کی نہ ہوتی کہ وہ خود موت پر جا پڑے ہیں یا موت ان کی طرف نکل پڑی ہے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جو جہاد و قتال کے اس مفہوم و معنی سے واقف تھے جس سے دوسرے آگاہ نہ ہو سکے دوسرے اور مقصد سے جنگ کرتے تھے علیؑ اور مقصد سے۔

علیؑ نے زہد کے ذریعہ جہاد کو سر بلندی عنایت کی اور دوسرے زاہدوں نے گوشہ عافیت کو بے بسوں کمزوروں کی محبت و ہمدردی نے علی علیہ السلام کو مضبوط قلعوں کے سر کرنے پر آمادہ کیا غریبوں ناداروں کی محبت میں انہوں نے دشمنوں کے محلات زمین کے برابر کئے انہوں نے جنگ اس لئے کی کہ مکارم اخلاق کی بلند ترین منزل پر فائز تھے عوام کی محبت نے انہیں اس ہولناک لڑائی لڑنے پر مجبور کیا۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جن کی تلوار کی بجلیاں تاریکیوں کو روشن کر دیتی ہے اور دشمنوں کے سروں پر بجلیاں گراتی ہے اور گرد آلود ہواؤں کے جھکڑ چلاتی ہے۔

بڑے بڑے ہولناک د مہیب دشمن علیؑ کی ہیبت سے راہ فرار اختیار کرتے آپ کی آنکھوں سے بجائے آنسوؤں کے چنگاریاں جھڑتیں اور عوام کی محبت آپ کے سینہ میں مثل آتش فروزاں تھی۔ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ جب اپنی تلوار بے دینوں پر کھینچ لیتے ہیں تلوار ان بے دینوں کے منہ پر خندہ زن ہوتی ہے جس طرح مرد پارسا شوخ چشم گنہگار پر متبسم ہوتا ہے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ جب آپ کی شمشیر فضا میں چمک کر گرتی ہے تو بنی امیہ کے چنگل میں گرفتار عوام چیخ پڑتے

ہیں ہماری جانیں تجھ پر قربان اے حق کی تلوار وظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے والے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جو فقیروں کے لئے آندھیوں کے مقابلہ میں سر چھپانے کی جگہ ہیں کمزوروں کے لئے سیلاب کے مقابلہ میں دیوار اور بے بسوں کے لئے مہلکوں سے بچنے کا ذریعہ ہیں اور چلچلاتی دھوپ میں رات جیسا سایہ ہیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ جن کے قدم جہاں پڑتے ہیں زمین سبزہ سے لہلہا اٹھتی ہے اس زمین پر باران رحمت ہوتا ہے چہرۂ مبارک کے آپ سے نہریں رواں ہیں اور آپ کی محبت کے سبب دریا کی موجوں میں جوش وخروش ہے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ ہر پاک دل آپ کا نام سن کر خوش ہوتا ہے لیکن ناپاک دل اندوہگیں اور افسردہ ہو جاتے ہیں۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جن کے بارے میں اور جن کی تلوار کے بارے میں زمانہ عنقریب پکار اٹھے گا کہ **لا سیف الا ذو الفقار ولا فتیٰ الا علیؑ** کوئی تلوار تلوار کہے جانے کی مستحق نہیں سوا ذوالفقار کے اور کسی کو جواں مرد کہنا زیبا نہ ہوگا سوا علیؑ ابن ابی طالبؑ کے۔

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں، اے فتنہ پرور درندو بھاگو ان سے ورنہ تمہیں نہ کسی پہاڑ پر پناہ ملے گی نہ کسی ہموار زمین میں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

زمین کے گوشہ گوشہ سے صدائیں جو بلند ہوئیں وہ قطعی ویقینی ہیں شامیوں کو اہل عراق کی شجاعت اور قوت ایمان کے سبب شدید ترین نقصانات پہونچے تلواروں کی ضرب اور نیزوں کے وار سے ان کا دم نکل گیا اور زمین ان کے پیروں کے نیچے ہلنے لگی۔ جو نیزہ کی زد پر آیا اُسے عراق والوں نے نیزوں سے مار گرایا اور جو تلوار کے سامنے آیا تلوار نے اس کا سر اڑا دیا ان کی صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں ان کی آگ بجھ گئی وہ سرکش ظالم اور راہ راست سے منحرف تھے ان کا سپہ سالار بھوکوں کو بھوکا اور پیاسوں کو پانی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

۳ مہینے ۲۰ دن صفین میں دونوں فوجیں برسرپیکار رہیں ۹۰ جھڑپیں ہوئیں اس مدت میں طولانی جنگ ہوتی رہی مگر سب سے سخت اور گھمسان کی لڑائی مکمل دو ہفتے ہوئی یہ وہی گھمسان کی لڑائی ہے جو واقعہ ہریر کے نام سے موسوم ہے۔ اس گھمسان کی لڑائی اور خونی جنگ میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی دونوں طرف کے قتل ہوئے دونوں طرف لڑنے والوں میں بھائی بھائی تھے۔ دوست دوست تھے خاندانی اعزہ تھے ایک نے دوسرے کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ قبیلہ ازد والوں نے اس جنگ کے موقع پر کہا تھا ''ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کاٹ رہے ہیں یہ ہمارے دست و بازو ہیں جنہیں ہم اپنی تلواروں سے قطع کر رہے ہیں''۔ جنگ کے دوران میں حضرت علیؑ کے سپاہی چار مرتبہ معاویہ کے خیمہ تک پہونچ گئے اور قریب تھا کہ انہیں گرفتار

کرلیں جب معاویہ کو یقین ہوگیا کہ ہمارے لشکر کی ہزیمت و پسپائی کوئی گھڑی کی بات ہے ان کے ہاتھ کانپنے لگے دل بیٹھنے لگا خوف و دہشت کے مارے ہاتھ پیر ڈھیلے ہونے لگے دل کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی کوئی صورت ہی نظر نہ آتی تھی سوا اس کے کہ جس طرح بن پڑے جان بچا کر بھاگ نکلیں انہوں نے اپنا گھوڑا منگایا اور بیٹھ کر بھاگ نکلنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔

ادھر علیؑ ابن ابی طالبؑ اپنی شمشیر زنی سے صفوں پر صفیں الٹتے جاتے تھے جو جماعت بھی سامنے آئی ٹوٹ پھوٹ گئی پیر جمنے بھی نہ پائے کہ راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ معاویہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جہاں تک ہوسکے لڑے جاؤ علیؑ کے حملوں کو روکتے رہو انہیں امید تھی کہ شیطان ان کے لئے اور عمرو عاص کے لئے کوئی راہ نکال دے گا اب دونوں فریق پھر سے ایک دوسرے پر پل پڑے اور تین روز تک ہولناک جنگ ہوتی رہی مورخین کا بیان ہے کہ ان آخری تین دنوں میں جیسی گھمسان کی جنگ ہوئی اور جتنے لوگ قتل ہوئے اسلام میں کبھی بھی ایسی جنگ نہیں ہوئی۔

"ابن قتیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے نصف شب میں کوچ کرنے کی منادی کرائی جب معاویہ نے اونٹوں کی آواز سنی تو فوراً عمرو عاص کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ عمرو عاص نے کہا میرا خیال ہے کہ علیؑ بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں جب ہی صبح ہوئی تو دیکھنے میں آیا کہ علیؑ اپنے ہمراہیوں کو لے کر ان کے سر پر آپہونچے ہیں معاویہ نے عمرو عاص سے کہا تم تو کہہ رہے تھے علیؑ بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں؟ عمرو عاص ہنسے اور کہا یہ علیؑ کی تدبیروں میں سے ایک تدبیر ہے اس وقت معاویہ کو یقین ہوگیا کہ اب موت سر پر آپہونچی اسی وقت اہل شام نے فریاد بلند کی ہمارے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے"۔

شام والے انتہائی خستہ حال ہو چکے تھے ان میں جنگ کرنے کی ذرا بھی صلاحیت باقی نہ رہی تھی انہوں نے نیزوں پر قرآن باندھے اور پہاڑ کی بلندی پر جا کر پناہ لی اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابوالحسن کتاب خدا نہ ٹھکرائیے آپ کتاب خدا پر عمل کرنے کے سب سے زیادہ حقدار اور اس کے فیصلہ کی پابندی کرنے کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں۔

یہ چال عمرو عاص نے چلی تھی۔ علیؑ کے ہمراہی عمرو عاص سے شدید نفرت کرتے تھے کیونکہ بقول مورخین انہوں نے اپنا دین دنیا کے عوض میں بیچ ڈالا اور معاویہ کو علیؑ پر ترجیح دی تھی۔

علیؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ صرف جان بچانے کے لئے تدبیر کی گئی ہے قرآن سے ان لوگوں کو واسطہ نہیں یہ تو صرف چالبازی ہے۔ اس لئے آپ نے تحکیم کو قبول نہیں کیا مگر آپ کے ہمراہیوں میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ کیا قرآن سے فیصلہ کرنے کو قبول کرلیا جائے؟ اس لئے کہ لڑائی تو اس لئے لڑی جا رہی تھی کہ کتاب خدا پر عمل ہو اور اب شام والے خود کتاب خدا پر عمل کرنے کی دعوت دے رہے تھے کیا شام والوں کی درخواست ٹھکرا دی جائے؟ اس نظریہ والوں کو احساس ہوگیا تھا کہ اب جبکہ فتح و کامرانی

ہمارے قدم چوم رہی ہے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے اہل عراق کے یہ دونوں فریق اپنی اپنی رائے پر سختی سے جمے ہوئے تھے ایک فریق کا اصرار تھا کہ لڑائی بند کردی جائے دوسرا فریق لڑائی جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا لیکن علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اپنے دشمنوں سے وہ مصیبتیں نہ اٹھائیں جو انہیں اپنے ہمراہیوں کی طرف سے اٹھانی پڑیں۔

جبران خلیل کہتا ہے علیؑ کی کیفیت اس پیغمبر جیسی تھی جو اپنے قوم کے علاوہ دوسری قوم کے لئے اور اپنے زمانہ کے علاوہ دوسرے زمانہ کے لئے مبعوث ہوا ہو کیونکہ آپ سے قریب ترین تعلقات رکھنے والے اصحاب بھی آپ کو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ آپ کے لشکر میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ رہے جو خشک مزاج اور درشت خصلت تھے وہ عہدو پیمان کر کے پیمان شکنی کرتے اور آپ کے خلاف ہنگامے کھڑے کرتے رہتے وہ لوگ بھی جو آپ کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور وہ لوگ بھی جو بادل ناخواستہ آپ کی مدد و نصرت کر رہے تھے دونوں کی ایک ہی کیفیت تھی انہیں لوگوں میں سے ایک اشعث بن قیس بھی تھا۔ جو انتہائی حریص اور ہوا و ہوس کا مجسمہ تھا اس کی نیتیں ہمیشہ خراب رہیں اور اس نے علیؑ کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ غداری کی لیکن سب سے بڑی اور نمایاں غداری اس جنگ صفین میں ظاہر ہوئی۔ جب معاویہ کی فوج والوں نے قرآن نیزے پر بلند کئے اور ہر طرف سے یہ دہائی آنے لگی کہ یہ قرآن ہمارے تمہارے درمیان ہے آؤ اس کے ذریعہ ہم فیصلہ کرلیں تو یہ حضرت علیؑ کے پاس پہونچا اور کہا:

'میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اس پر رضامند ہیں کہ شام والوں کی بات مان لی جائے اور قرآن سے فیصلہ کرانے کو قبول کرلیا جائے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں معاویہ کے پاس جاؤں او پوچھوں کہ ان کا منشاء کیا ہے"

اس موقع پر اہل عراق کے دونوں گروہوں۔ ایک وہ جو جنگ جاری رکھنے پر مصر تھا دوسرا وہ جو جنگ بند کرنے اور قرآن سے فیصلہ کرانے پر اصرار کر رہا تھا۔ میں نزاع و تکرار حد سے زیادہ بڑھ گئی اشعث نے دوبارہ آکر حضرت علیؑ سے ضد کی کہ قرآن سے فیصلہ کرانے کی درخواست منظور کرلینی چاہئے حضرت علیؑ اور آپ کے اصحاب کسی طرح اس پر تیار نہیں ہوتے تھے رفتہ رفتہ اشعث کے ہم خیالوں کی تعداد بڑھتی گئی بعض لوگوں کی تو جرأت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے علیؑ ابن ابی طالب کو دھمکیاں بھی دے ڈالیں اور کہا:

"اے علیؑ آپ کتاب خدا کے فیصلہ کی طرف آئیے جبکہ آپ کو اس کی طرف بلایا جارہا ہے ورنہ ہم انہیں تلواروں سے آپ کو قتل کر ڈالیں گے جس طرح عثمان کو قتل کیا تھا یا آپ کو پکڑ کر معاویہ کے حوالے کردیں گے معاویہ نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم کتاب خدا کے فیصلے پر عمل کریں، ہم نے ان کی یہ درخواست منظور کرلی ہے۔ خدا کی قسم آپ کو بھی یہ بات ماننی ہی پڑے

گی ورنہ ہم آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو کہہ چکے ہیں"۔

حضرت علیؑ کی پوزیشن اس وقت انتہائی نازک ہو چکی تھی دو ہی صورتیں تھیں یا تو آپ ایسی صورت اختیار کرتے کہ نتیجہ میں خود آپ ہی کے لشکر میں فتنہ وفساد پھوٹ پڑتا یا پھر ان بلوائیوں کی مرضی کے آگے سر جھکا دیتے۔

صورت حال کی نزاکت اس وقت اور انتہاء کو پہونچ گئی جب اشعث بن قیس کی سرکردگی میں بلوائی آپ کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ اپنے سپہ سالار مالک اشترؑ کو میدان جنگ سے واپس بلا لیجئے ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت علیؑ نے بادل ناخواستہ مالک اشترؑ کو واپس بلا لیا اور بے بس و مجبور ہو کر تحکیم قبول کر لی۔ معاویہ اور شام والوں نے اپنی طرف سے عمرو عاص کو حکم مقرر کیا اشعث نے حضرت علیؑ سے کہا ہم آپ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کرتے ہیں۔

عمرو عاص مکر و فریب کا پتلا تھے اور ابوموسیٰ بے وقوفی کی حد تک سادہ لوح علیؑ عمرو عاص کو اچھی طرح جانتے تھے اور ابو موسیٰ کو بھی۔ آپ نے فرمایا:

"ابوموسیٰ اشعری مجھے پسند نہیں اس شخص نے عین وقت پر میرا ساتھ چھوڑا اور لوگوں کو میری مدد سے روکا پھر جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ میں نے ہی اسے امان دی البتہ میں ابن عباس کو حکم مقرر کرتا ہوں۔"

اشعث اور اس کے ساتھیوں نے کہا:

"ہم تو بس ایسے آدمی کو چاہتے ہیں جو آپ اور معاویہ دونوں کے لئے یکساں ہو کسی سے کوئی وابستگی نہ رکھتا ہو۔

اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ حضرت علیؑ سے کس حد تک غداری کرنے پر تل گئے تھے یہ فقرہ کہنے والے یا تو معاویہ کی طرف سے کام کر رہے تھے۔ یا معاویہ کی مدد کرنا انہیں منظور تھا امیر المومنین کسی طرح ابوموسیٰ کو حکم بنانے پر تیار نہ ہوئے آپ نے فرمایا:

"اچھا اگر تم ابن عباس کو حکم بنانا نہیں چاہتے تو اشترؑ کو بنالو"

مگر بلوائیوں کو یہ بات بھی منظور نہ ہوئی کیونکہ اشعث بن قیس حد سے زیادہ مالک اشترؑ سے جلتا تھا مالک اشترؑ مجسمہ صدق و وفا تھے ارادوں میں اٹل۔ دور اندیش اور میدان جنگ کے ہیرو۔ ان میں سے کوئی بات بھی اشعث میں نہ تھی اشترؑ نے اپنی انہیں صفات کی وجہ سے علیؑ کے دل میں وہ جگہ پیدا کر لی تھی جو نہ اشعث کو نصیب ہوئی نہ کسی دوسرے کو۔ اشعث نے پھر کر کہا:

''یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی بھڑکائی ہوئی ہے ہم تو اشتر ہی کے حکم کے نیچے دبے ہوئے ہیں''

حضرت علیؑ کے رفقاء کی ایک نہ چلی وہ تھک کر عاجز آگئے مخالفین کی تعداد حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی غالباً لڑائی کا طویل عرصہ تک جاری رہنا بھی ایک سبب تھا آپ کے ہمراہیوں کی انقلاب ماہیت کا مدت دراز تک جنگ جاری رہنے کی وجہ سے وہ تھک گئے تھے ان کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں اور وہ دل و جان سے چاہتے تھے کہ لڑائی رک جائے اسی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کیا اور آپ کے خلاف اشعث کی ہمنوائی کی جب امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کی یہ ضد اور ہٹ دھرمی دیکھی اور اپنے رفقا و انصار کی کمی کا اندازہ کیا تو آپ نے فرمایا:

''تم لوگ ابوموسیٰ ہی کو حکم بنانے پر تلے ہوئے ہو''۔ ان لوگوں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا جب مجھے کچھ اختیار ہی نہیں تو تم جانو جو جی چاہے کرو۔

حضرت علیؑ کے لشکر میں سے جن سپاہیوں نے تحکیم قبول نہیں کی تھی اور وہ لڑائی ہی جاری رکھنے پر تلے ہوئے تھے انھوں نے اس بات پر بے حد ناپسندیدگی ظاہر کی کہ کتاب خدا کے بارے میں کسی کو حکم بنایا جائے ان کا نظریہ انتہائی غلط نظریہ ہے، جبکہ معاملہ پوری طرح واضح و روشن تھا تو پھر کس بات کے لئے حکم بنایا جائے اور کیوں بنایا جائے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہ علیؑ حق پر تھے اور معاویہ اور ان کے ہمراہی گمراہی اور باطل پر تھے اسی وجہ سے معاویہ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کی گئی بے شمار افراد امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کے مقتول ہوئے اور وہ سب کے سب دل سے اعتقاد رکھتے تھے کہ ہم علیؑ کی مدد کر کے حق کی مدد کر رہے ہیں لہٰذا پھر علیؑ اپنے حق پر ہونے میں شک کیوں کر رہے ہیں اور انہوں نے حکم بنانا منظور کیوں کر لیا۔

ان سپاہیوں میں سے کسی ایک نے ایک فقرہ ایجاد کیا لا حکم الا للہ فیصلہ کا حق بس خدا ہی کو ہے (یہی فقرہ آگے چل کر خارجیوں کا نعرہ بن گیا اور اس میں ان کے مختلف عقائد سمٹ کر آگئے)

کہنے والے کے منہ سے یہ فقرہ نکل کر بجلی کے طرح سارے لشکر میں سرایت کر گیا جتنے سپاہی جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی نعرہ تھا لا حکم الا للہ ہر طرف اسی نعرہ کی گونج سنائی دیتی تھی بہت تیزی سے لشکر کے ایک سرے دوسرے سرے تک لہری دوڑ گئی اور تحکیم کے مخالفوں نے اسی نعرہ کو اپنی علامت بنالیا اور آگے چل کر یہی ان کا لائحہ عمل رہا اور ان کے نئے مذہب کے دستور اساسی کی حیثیت اسے حاصل ہوئی۔

یہ لوگ حضرت علیؑ کے علانیہ دشمن بن گئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ آپ اپنی غلطی بلکہ اپنے کفر کا اقرار کیجئے (معاذ اللہ) کیونکہ آپ نے حکم بنانا منظور کر لیا حالانکہ فیصلہ کا حق بس خدا ہی کو ہے دوسرے یہ کہ آپ نے معاویہ سے جو قول و قرار کیا ہے

اس سے پھر جائیے اگر آپ ایسا کیجئے تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کے ساتھ ہو کر معاویہ سے جنگ کریں گے ورنہ ہم آپ ہی کے خلاف لڑنے پر کمربستہ ہو جائیں گے۔

امیر المومنینؑ نے ان کی تجویز قبول نہیں کی اب تو جنگ بند ہو چکی تھی فریقین میں معاہدہ ہو چکا تھا کہ دونوں طرف کے حکم جو فیصلہ کر دیں گے اس کی پابندی فریقین پر لازم ہوگی اب عہد و پیمان کر کے اس کو کیونکر توڑا جا سکتا تھا جبکہ وفائے عہد آپ کی سرشت میں داخل تھی پھر علیؑ اپنے کفر کا اقرار کیونکر کر سکتے تھے جبکہ آپ نے ایک لحہ کے لئے بھی کفر نہیں کیا اور نہ کبھی بھی ناپسندیدہ فعل کے مرتکب ہوئے نہ کسی کے ساتھ آپ نے بدسلوکی کی اگر علیؑ بھی انہیں لوگوں میں سے ہوتے جنہیں عہد و پیمان قول وقرار کی کوئی پروا نہیں ہوتی جیسے معاویہ وعمروعاص تو خوارج کی پیش کش پر آپ ضرور راضی ہو جاتے انہیں طرف دار بنالیتے اور ان کو ساتھ لے کر معاویہ سے جنگ جاری رکھتے اور بالآخر فتح یاب ہو کر رہتے۔

ایسی ہی نازک صورت حال میں امیر المومنینؑ نے اپنی بے بسی اور خوارج کی سرکشی و بغاوت کو پیش نظر رکھ کر دکھے ہوئے دل سے فرمایا:

اے وہ قوم جسے دھوکا دیا گیا اور دھوکا کھا گئی دھوکا دینے والے کے مکر و فریب کو جانتے سمجھتے ہوئے بھی مبتلائے فریب ہوئی اور اسی پر ضد اور ہٹ دھرمی سے اڑی رہی اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی اور گم کردہ راہ ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگی حالانکہ حق پوری طرح روشن و آشکار تھا پھر بھی اس سے روگردانی کی راستہ نمایاں اور واضح تھا مگر اسے چھوڑ کر غلط راستہ پر جا پڑی قسم اس ذات کی جس نے دانہ کو شگفتہ کیا اور روح خلق فرمائی اگر تم علم کو اس کے معدن سے حاصل کرتے اور بھلائیوں کو اس کی جگہ سے جمع کرتے اور واضح ونمایاں راستہ اختیار کرتے اور حق کی شاہراہ پر گامزن ہوتے تو راستے تمہیں خوش آمدید کہتے اور حق کی نشانیاں تمہارے لئے نمایاں ہو جاتیں پھر تم میں کوئی نادار ناداری کا شکار نہ ہوتا اور نہ کسی مسلم یا کافر پر ظلم ہوتا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

تحکیم کا جو نتیجہ ہوا وہ معلوم ہے خوارج نے امیر المومنینؑ کے خلاف بغاوت کر دی آپ نے اپنی قدیمی عادت کے مطابق انتہائی کوشش کی کہ یہ لوگ بغاوت سے باز آجائیں اور ان سے جنگ کی نوبت نہ آئے۔

خوارج کا کہنا تھا کہ ان دونوں ابوموسیٰ اور عمروعاص نے خدا کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور حکم مان کر ہمارے بھائی یعنی حضرت علیؑ کے لشکر والے کافر ہو گئے کیونکہ یہ اپنے دین میں انسانوں کو حکم بنانے پر راضی ہو گئے۔ ہم اب ان سے جدا ہو رہے ہیں اور خدا کا شکر کہ بہ نسبت تمام خلائق کے ہم بھی حق پر ہیں۔

جو کچھ ہوا غلط ہوا یا صحیح

دونوں فریق میں سے کس فریق نے بھی علیؑ کو ٹھیک سے نہیں پہچانا۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھنے اور خوارج کی سرگزشت ذکر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم دو خاص واقعوں پر روشنی ڈالتے چلیں جو جنگ صفین میں پیش آئے کیونکہ ہمارے خیال میں یہ دونوں واقعات واضح ثبوت ہیں اس کا کہ علیؑ اپنے مقصد میں کامیاب رہے کیونکہ اصل کامیابی دلوں کا جیتنا ہے نہ کہ دشمن کے شہر کے قلعہ پر اپنا علم نصیب کر دینا۔

ان دونوں واقعات کو خصوصیت کے ساتھ ہم اس لئے وضاحت سے پیش کر رہے ہیں کہ بہت سے محبان علیؑ اور آپ کی سیرت کے دلدادہ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ان دونوں واقعات میں مصلحت کے خلاف عمل کیا آپ نے معاویہ اور ان کے فوجیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس برتاؤ کے وہ مستحق نہ تھے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ چاہتے تو بغیر لڑے بھڑے کامیاب ہو جاتے اور اگر جنگ کی نوبت بھی آتی تو ایسی خون ریز جنگ نہ ہوتی نہ لڑائی اتنا طول پکڑتی۔

پہلا واقعہ تو وہ ہے جو ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرات پر قبضہ پانے کے بعد فرات کا پانی دشمنوں کے لئے بھی اسی طرح کھلا رکھا جس طرح اپنے ساتھیوں کے لئے حالانکہ پہلے انہیں دشمنوں نے آپ پر بندش آب کر دی تھی اور کہا تھا کہ ہم ایک قطرہ بھی نہ دیں گے یہاں تک کہ آپ پیاسے مر جائیں لیکن علیؑ نے معاویہ کے لشکر کو دریا سے مار بھگایا اور دریا پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد ان کے لئے گھاٹ کا راستہ کھلا رکھا۔

معاویہ نے جس وقت گھاٹ پر قبضہ کیا تھا تو کہا تھا کہ یہ پہلی کامیابی ہے اور ہمیں ہر گز منظور نہیں کی عراق والے دریا سے پانی لینے پائیں لڑ بھڑ کر غالب آجائیں تو بات دوسری ہے معاویہ نے اس کے لئے سخت قسمیں بھی کھائی تھیں لیکن علیؑ نے جب بہادرانہ طریقہ پر شامیوں کو دریا سے بھگا دیا تو فرمایا کہ جس طرح ہم پانی پی رہے ہیں تم بھی پی سکتے ہو۔

دوسرا واقعہ عمرو عاص کا ہے کہ وہ اثنائے جنگ میں علیؑ کے ہاتھ لگ گئے مگر آپ نے انہیں قتل نہیں کیا اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے جب گھمسان کا رن پڑتے اور کثرت سے لوگوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے ایک ٹیلہ کی طرف بلندی سے پکار کر کہا اے معاویہ! معاویہ نے جواب دیا۔ آپ نے فرمایا ہم لوگوں کی وجہ سے خواہ مخواہ یہ لوگ ایک دوسرے کا خون کیوں بہائیں لوگوں کو چھوڑ دو خود میدان میں آؤ ہم تم لڑ کر اس کا فیصلہ کرلیں جو فتح یاب ہو وہی خلیفہ ہو"۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا ٹھیک تو ہے علیؑ نے بڑے انصاف کی بات کہی ہے۔

معاویہ نے ہنس کر کہا عمرو عاص تم لالچ میں پڑ گئے مطلب یہ تھا کہ اگر وہ علیؑ سے لڑنے کے لئے نکلتے ہیں تو لا محالہ مارے جائیں گے اور ان کے مارے جانے پر عمرو عاص ان کی تمنائے خلافت کے وارث بن جائیں گے یعنی خلافت کے لئے راستہ ہموار ہو جائے گا۔

عمرو عاص نے کہا خدا کی قسم تمہاری عزت اسی میں رہے گی کہ تم ضرور علیؑ سے مقابلہ کرو معاویہ نے کہا بخدا تم تو مذاق کر رہے ہو، ہم علیؑ کا مقابلہ اپنی پوری جمعیت لے کر کریں گے مطلب یہ تھا کہ انفرادی طور پر علیؑ سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی ان سے جمعیت ہی کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

مورخین بیان کرتے ہیں عمرو عاص نے معاویہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا افسوس علیؑ کے مقابلہ میں بزدلی دکھاتے ہو اور اپنے خیر خواہ پر تہمت دھرتے ہو خدا کی قسم اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی مرنا پڑتا تب بھی میں علیؑ سے لڑنے سے گریز نہ کرتا۔

عمرو عاص علی علیہ السلام کے مقابلہ کو نکلے پلک جھپکتے ہی آپ نے نیزہ کا وار کر کے زمین پر گرا دیا پھر شعلہ آتش کی طرح آپ کی تلوار ان کے سر پر چمکی اور قریب تھا کہ ان کا قصہ پاک ہو جائے مگر عمرو عاص برہنہ ہو گئے علیؑ منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے اس لئے کہ علیؑ شرم و حیا اور طبعی شرافت کی وجہ سے کسی کی شرمگاہ پر نظر نہیں کرتے تھے۔

دوست داران علیؑ ابن ابی طالبؑ اور آپ کی کامیابی کے متمنی حضرات میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں آپ نے ان دونوں مواقع پر اپنے مصالح نظر انداز کر دیئے جس وقت آپ نے دشمن سے جنگ کر کے دریا پر قبضہ کر لیا تھا اس وقت آپ کا حق تھا کہ آپ بھی اسی طرح بندش آب کر دیتے جس طرح کچھ دیر پہلے ان لوگوں نے بندش آب کر رکھی تھی یہ حق آپ کا دو حیثیتوں سے تھا۔

ایک تو یہ کہ جنگ میں ہر وہ حیلہ و تدبیر جائز ہے جس کی وجہ سے دشمن سپر ڈالنے لڑائی سے کنارہ کشی کرنے پر مجبور ہو جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ لڑنے بھڑنے کی اس میں طاقت نہ رہے معاویہ نے انہیں باتوں کو پیش نظر رکھ کر دریا پر قبضہ کر لیا تھا اور کہا تھا یہ پہلی کامیابی ہے۔

دوسرے یہ کہ علیؑ نے بزور شمشیر دریا پر قبضہ کیا تھا اب یہ دریا آپ کے ہاتھوں میں مال غنیمت کی حیثیت رکھتا تھا اور جنگی قوانین کے مطابق آپ کا حق تھا کہ آپ معاویہ کو اس پانی سے محروم کر دیتے۔

اسی طرح عمرو عاص کو بھاگنے کا موقع دے کر بھی آپ نے اپنے مصالح کے خلاف کام کیا۔ عمرو عاص دشمن کی فوجوں

کے سپہ سالار تھے سیاسی جوڑ توڑ کے ماہر اور آپ کے جانی دشمن تھے۔انہوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کر کے بہت بڑی جمعیت آپ کے مقابلہ لا کر کھڑی کر دی تھی جب آپ کی ذوالفقار ان کے سر پر پہونچی اور آپ کے نیزے نے انہیں پچھاڑ دیا اگر آپ انہیں قتل کر ڈالتے تو تین حیثیتوں سے آپ انہیں قتل کر دینے کے حقدار تھے:

ایک تو یہ کہ جنگی قوانین کے مطابق عمر وعاص کا قتل کرنا درندگان شام سے ایک ہولناک درندہ کا قتل کرنا ہوتا ان کے قتل ہو جانے پر ان کے ماتحتوں کے پیر اکھڑ جاتے وہ بھاگ نکلتے معاویہ کا دست راست کٹ جاتا اور آپ سب سے بڑے مکار ودغا باز اور بااثر دشمن کو ہلاک کئے ہوتے۔

دوسرے یہ کہ عمر وعاص ایسے لشکر کے سردار تھے جو آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کے حلقہ سے باہر اور آپ کے اور آپ کے رفقا کے خون کا پیاسا تھا۔

تیسرے یہ کہ مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ خود عمر وعاص علیؑ کے مقابلہ پر نکلے تھے اور جنگ کے لئے انہوں نے للکارا تھا اگر عمر وعاص بہادری میں علیؑ کے ٹکر کے ہوتے اور ان کو موقع ملتا تو یقیناً وہ علیؑ کو زندہ نہ چھوڑتے اور نہ علیؑ ان کی تلوار سے بچ پاتے اس صورت میں علیؑ بھی اگر اپنے اس دشمن کو قتل کر ڈالتے تو کوئی بھی ان کی ملامت نہ کرتا۔

اس حیثیت سے کہ علیؑ سردار لشکر تھے اور ان دونوں مواقع پر کامیابی ان کے ہاتھ میں تھی لہٰذا ان کے لئے لازم تھا کہ وہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں جنگ کا دستور یہی ہے سپہ سالاران فوج کی اصل خوبی یہی ہے کہ وہ جنگ جیتنے کا معمولی سے معمولی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اس نقطۂ نظر سے اعتراض کرنے والوں کا اعتراض صحیح ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا علیؑ صرف سردار لشکر تھے کیا ہم اب تک علیؑ کے متعلق جتنا لکھ چکے ہیں اس کو دیکھنے کے بعد ان کی شخصیت میں ذرا بھی دورنگی کسی طرح کا بھی تضاد نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو وہ تمام فضائل انسانی میں درجۂ کمال پر فائز ہوں اشیا اور ان کے وجود اور معانی کو وسیع النظری سے دیکھیں اور دوسری طرف اتنے تنگ نظر اور مفاد پرست ہوں کہ فتح یابی وکامرانی کی طمع انکے تمام اقدار اور اصولوں کو ان سے چھین لیتی ہو؟ دوسرے سرداران لشکر کی طرح لڑائی جیت لینے اور موقع سے فائدہ اٹھانے ہی پر ان کی نظر نہیں رہتی تھی بلکہ عقلی وانسانی اصول کی حفاظت ورعایت انسانی اقدار کا پاس ولحاظ بھی ملحوظ رہتا تھا۔

علیؑ ہمیشہ علیؑ رہے اپنے تمام مکارم وفضائل وکمالات سے وابستہ اور اپنے تمام اخلاقی اصول کے حامل ایک لحمہ کے لئے بھی ان کے صفات وکمالات ان سے جدا نہیں ہوئے جیسے وہ جنگ جمل میں تھے ویسے ہی جنگ صفین میں رہے۔

علیؑ جنہوں نے اپنے خون کے پیاسوں اور ایسے دشمنوں کے لئے جنہوں نے آپ پر پانی بند کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم ایک قطرہ پانی کا تمہیں نہ دیں گے یہاں تک کہ تم پیاسے مرجاؤ وہی علیؑ ہیں جو پند و نصیحت کے موقع پر فرماتے ہیں:

''اپنے ناراض بھائی کو نیکی و احسان کر کے راضی کرو اور اس پر انعام و اکرام کر کے اس کے شر کو اپنے سے دور کرو''۔

نیز یہ کہ: اس بھلائی کا کیا فائدہ جسے برائی کے ذریعہ حاصل کرو۔

نیز یہ کہ: نیکی و احسان کر کے دشمن کو قابو میں لاؤ کہ اس طرح کی کامیابی زیادہ شیریں ہے''

وہی علیؑ جنہوں نے عمرو عاص کو چھوڑ دیا تھا انہیں کا مقولہ تھا:

''راہ خدا میں جہاد کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے کا درجہ اس شخص سے بڑھا ہوا نہیں جو دشمن پر قابو پانے کے بعد اسے گزند نہ پہونچنے دے ایسا شخص ملائکہ سے قریب تر ہے۔

یہ وہی علیؑ ہیں جنہوں نے اپنے قاتل کے بارے میں جنگ صفین کے بعد کہا تھا:

اگر تم اس کو معاف کر دو گے تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہوگا۔

علیؑ جنہوں نے جنگ صفین کے مذکورہ بالا آخر دونوں واقعوں میں اپنے مصالح نظر انداز کر دیئے وہی علیؑ تھے جنہوں نے جنگ جمل میں اپنے مقتول اعداء پر گریہ کیا تھا۔

بے شک ایک عظیم شخصیت کے حدود وہ نہیں ہیں جو بعض محبان علیؑ علیؑ کے لئے چاہتے ہیں علیؑ کے صفات و مکارم ذات کسی سردار لشکر جیسے نہیں جس کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ دشمن پر جس طرح بھی ہو غلبہ حاصل کیا جائے وہ فتح یابی و کامرانی سے بہتر اور اہم کسی چیز کو سمجھتا ہی نہیں مکارم الاخلاق اور فضائل انسانی جن کا جنگی قوانین میں کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا اور نہ عوام الناس انہیں کوئی اہمیت دیتے ہیں شریف و بلند ہمت انسانوں کے اخلاق اور نیک طبیعت انسانی کے وجدان اور عقلیں ان کا پاس و لحاظ ضروری و لازم سمجھتی ہیں۔

بے شک علیؑ کے مکارم اخلاق اس سے کہیں بلند و برتر تھے کہ آپ انسانوں کو پانی سے محروم کرتے چاہے وہ آپ کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں اور آپ کو یقین ہی اس کا کیوں نہ ہو کہ پانی بند کر کے ان پر فتح پالینا بہت آسان ہے اور دشمن لامحالہ سپر ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔ مروجہ قوانین ان اقسام کی تدبیروں کو صلح و حرب میں جائز قرار دیتے ہیں مگر علیؑ اپنے لئے اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کیونکہ آپ کے مکارم اخلاق نے نفوس بشر کے احترام و مراعات میں خود ایسے دستور اور قوانین وضع کئے تھے جو تمام تر مروجہ قوانین سے بلند و بالا تھے۔

علیؑ کے اخلاق کی پاکیزگی اور شریف النفسی اس سے بہت ارفع واعلیٰ تھی کہ محض اس وجہ سے کہ مروجہ قوانین اور جنگی اصول کے مطابق عمروعاص کو مارڈالنا جائز تھا آپ دشمن کی زندگی کو حقیر وذلیل سمجھتے اور جبکہ عمروعاص آپ کی تلوار کی زد پر تھے۔ان کو ہلاک کرڈالتے آپ کی شرم وحیا بلند ہمتی اوشرافت طبعی ہرگز اجازت نہ دیتی تھی کہ آپ حیااور کرم کے مخالف کوئی کام کریں۔

علیؑ نے ان دونوں مزکورہ بالا واقعات میں محیر العقول طرزعمل اختیار کر کے تاریخ بشر میں کئی زریں اوراق اور درخشندہ صفحات کا اضافہ کردیا۔مردانگی اور چیز ہے اور دلیری اور چیز مردانگی پورے طور پر دلیری کے مفہوم کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے اور مزید برآں شریف النفسی پاکیزگی اخلاق بندگان خدا کا ساتھ محبت وشفقت خلائق کے ساتھ حسن سلوک کو بھی شامل ہے ایسا شخص جو ان تمام صفات کا جامع ہو وہ عام انسانوں کے مقابلہ میں مافوق العادت انسان ہے اور دنیا کے تمام ارباب عقل و دانش کے نزدیک مبارک ومحترم ہے۔

دلیری اگر صرف دشمن پر چڑھ دوڑنے اور لڑ بھڑ کر فتح یاب ہوجانے کا نام ہے تو مردانگی صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں دشمن پر چڑھ دوڑنے اور لڑ بھڑ کر فتح یاب ہوجانے کے ساتھ ساتھ خدا ترسی،علم،بردباری،محبت مہربانی اور فداکاری کی بھی شرط ہے۔دلیر شخص فتح یابی اور تسلط وغلبہ حاصل کرنے کے لئے کسی حد بندی یا کسی شرط کا قائل نہیں ہوتا۔اسے تو محض اس سے غرض ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ہو اپنے دشمن پر حملہ کر کے اسے زیر کرے۔لیکن جوان مرد دوشمن کی طرف پیش قدمی کرنے اور فتح یابی کے لئے ایک مخصوص روش اور قاعدہ کا پابند ہوتا ہے جوانمرد انسان اس کامیابی سے ہرگز خوش نہیں ہوتا جو مکارم اخلاق اور انسانی شرافت کے مطابق نہ ہو وہ جان ہی دے دینا قبول کرتا ہے مگر خلاقی اقدار اور انسانی شرافت پر آنچ آنے دینا اسے گوارا نہیں ہوتا۔اگر جوانمردی اور مردانگی کے اوصاف ابتدائے افرینش سے لے کر آج تک کسی ذات میں جمع ہوئے ہیں تو وہ فقط علیؑ کی ذات ہے۔

کتنی حیرت کی بات ہے؟ کیا علی ابن ابی طالبؑ ایسے انسان سے یہ بات ممکن تھی کہ وہ آدمیوں کو خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوں اس پانی سے روک دیں جس سے وحوش وطیور چرند پرند اور جانور تک سیراب ہوتے ہیں۔

کیا علیؑ ابن ابی طالب کو یہ بات گوارا ہو سکتی تھی کہ وہ ایسے آدمی کو قتل کرڈالیں جو علیؑ سے اس بات کا خواہش مند ہو کہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی زندہ رہے دوسروں کی طرح وہ بھی چاند سورج کو دیکھے روٹی کھائے پانی پیئے خواہ یہ شخص کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

کیا صفین کے ان دونوں واقعات کو دوست داران علیؑ ان باتوں سے بالکل ملتا جلتا نہیں پاتے جن باتوں کی وجہ سے آپ کے معترضین وناقدین آپ کی سیاست پر اعتراض کرتے ہیں ان معترضین کا کہنا ہے کہ علیؑ نے ایک سے زیادہ غلطیاں کیں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ نے خلیفہ ہوتے ہی معاویہ کو معزول کر دیا جبکہ ضروری تھا کہ آپ کچھ دن توقف کر لیتے اور اپنی حکومت کو مستحکم بنا لیتے دوسری غلطی یہ کہ آپ نے طلحہ وزبیر کو ناراض کر دیا ان کو ملائے رکھتے تو نہ جنگ جمل برپا ہوتی نہ آپ کی طاقت کمزور ہوتی تیسری غلطی یہ کہ آپ اپنے ولاۃ وعمال پر بہت سختی کرتے انہیں لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دیتے۔ حالانکہ آپ کو چاہئے تھا کہ ان کو راضی رکھتے تا کہ وہ دل وجان سے آپ کی نصرت پر کمربستہ رہتے۔

یہی باتیں جن پر معترضین اعتراض کرتے ہیں میرے عقیدہ وخیال میں علیؑ کے ان بہترین اور پسندیدہ ترین کاموں میں سے ہیں جو آپ کے نازک احساسات وسلامتی ضمیر کی پیداوار ہیں۔ اعتراض کرنے والے جو یہ اعتراضات کرتے ہیں تو ہمارا خیال ہے کہ وہ علیؑ کے افعال واعمال کو اس زمانہ کے معیار پر جانچنے کی کوشش کرتے ہیں جس زمانہ میں نہ امانت باقی رہ گئی تھی نہ ضمیر ووجدان کوئی چیز تھی، بنی امیہ اور بنی عباس کے دور کے لحاظ سے جبکہ سیاست مکروفریب کی مرادف بن چکی تھی اور انسانی اقدار خاک میں مل چکے تھے اس قسم کے افعال تو قابل اعتراض ہو سکتے ہیں لیکن علیؑ جس زمانہ میں تھے اس زمانہ کے لحاظ سے یہ افعال ہرگز قابل اعتراض نہیں۔

علیؑ تدبیر وسیاست میں اس درجہ پر فائز تھے جو عرب کے بڑے بڑے مدبرین اور سیاسی شخصیتوں کو حاصل نہ ہوا۔ سیاسی معاملات اور جنگی امور میں وہ اتنے دوربین اور گہری نظر رکھنے والے تھے کہ لوگوں کے نفوس کی حالت اور ان کی اندرونی کیفیت سے اتنے باخبر تھے، عواقب ونتائج کے اتنے پیش بین اور لوگوں کی ہوا وہوس اور ان کے ہتھکنڈوں سے اتنے واقف تھے جتنے معاویہ تھے نہ ان کے جیسے دوسرے مکار وشاطر افراد۔ لیکن علیؑ سیاسی جوڑ توڑ اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو انتہائی عیب سمجھتے تھے اور ہر اس بات سے متنفر تھے جو انسان کو شرمندہ اور بے آبرو کر دے۔ وہ مکروفریب سے خواہ وہ کتنا ہی کامیابی کا باعث کیوں نہ ہو اپنے نفس کو پاک رکھتے تھے۔ انہیں صرف صداقت واستواری پسند تھی خود اس زمانہ میں جبکہ معاویہ کے مکرو فریب کی بڑی شہرت تھی اور عام چرچا تھا کہ علیؑ ایسی چالبازیاں نہیں کرتے آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں لیکن وہ غدار وبدکار ہیں اگر غداری سے مجھے نفرت بیزاری نہ ہوتی تو میں عرب کا چالاک ترین انسان ہوتا"۔

اس بحث کو ہم صراحتاً اور ضمناً گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہم یہاں صفین کے

مذکورہ بالا دونوں واقعات کے سلسلہ میں اشارۃً ذکر کر رہے ہیں صرف یہ دکھانے کے لئے کہ آپ کے مخالفین ہی نہیں بعض چاہنے والے بھی آپ کی شخصیت اور روح کو صحیح طور پر سمجھنے سے کتنے قاصر ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں سیاسی میدان میں آپ نے انتظام مملکت اس طرح نہ کیا جس طرح کرنا چاہئے تھا۔ اور کچھ لوگ افسوس کرتے ہیں کہ میدان جنگ میں آپ کو فتح وظفر کے مواقع ہاتھ آئے مگر ہر موقع کو آپ نے کھو دیا۔ یہ دونوں جماعتیں کی حقیقت یہ ہے کہ علیؑ کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہیں اس لئے کہ سیاست کے مفہوم و معنی لشکر کشی کے قواعد دونوں کا سرچشمہ امیر المومنین کے نزدیک ایک ہی تھا وہ سرچشمہ شخصیت۔

یا یوں کہئے روح علویہ تھی جس کے مختلف مظاہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں حسن و قبح خیر و شر جائز ناجائز کی کسوٹی آپ کے نزدیک وجدان سلیم اور خلق کریم تھا اور آپ کے ہر قانون و قاعدہ اور ہر دستور پر انہیں دونوں وجدان سلیم اور خلق کریم کی چھاپ ہے۔

ہمارے ایک ادیب دوست نے جنہیں تاریخ اسلام سے گہری دلچسپی ہے اور مطالعہ بے حد وسیع ایک مرتبہ مجھ سے کہا:

''تم مجھے قائل نہیں کر سکتے کہ علیؑ سیاسی احوال سے واقف اور لوگوں کے معاملات کے انتظام و تدبیر کی ویسی صلاحیت رکھتے تھے جیسی کہ تم کہتے ہو''

میں نے اس ادیب سے کہا:

فرض کیجئے کہ ابن ملجم نے امیر المومنینؑ کے قتل کا ارادہ نہیں کیا ہوتا یا فرض کیجئے کہ جس وقت ابن ملجم نے امیر المومنین کو قتل کرنے کا ارادہ کیا آپ کے اصحاب آپ کے ارد گرد موجود ہوتے اور آپ کو اس کی ضربت سے بچا لیتے آپ کی جان بچ گئی ہوتی اور آپ معاویہ کی سرکوبی پر پھر کمر بستہ ہو جاتے جیسا کہ آپ کا پہلے ہی سے ارادہ بھی تھا اور میدان جنگ میں فتح وظفر آپ کو نصیب ہوتی جیسا کہ قرینہ غالب تھا یا ہم یہ فرض کریں کہ تحکیم کا فریب جو معاویہ نے جنگ صفین میں کھیلا تھا وہ ناکام رہتا علیؑ کے لشکر میں پھوٹ نہ پڑ جاتی اور آپ کا لشکر دو حصوں میں تقسیم نہ ہو جاتا اور وہ لڑائی بند کرنے کے بجائے لڑائی جاری ہی رکھنے پر تلے رہتے اور معاویہ عمرو عاص کو گرفتار کر لیتے اور نتیجہ جنگ وہی ہوتا جو جنگ جمل کا ہوا تھا ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں فرض کر لی جائیں اس کے علاوہ اور بھی جو چاہے آپ فرض کر لیجئے اور علیؑ آخر کار اسی طرح معاویہ کے مقابلہ میں کامیاب ہوتے جس طرح طلحہ و زبیر کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے تھے (اور اگر نہ بھی کامیاب ہوتے تو اس کی ذمہ داری اتفاقات پر ہوتی یا قضا و قدر پر) تو اس وقت آپ علیؑ کی سیاست کے متعلق کیا کہتے؟ اور آپ کی جنگی تدابیر پر کیا اعتراض وارد کرتے؟

کیا آپ بھی ہماری طرح یہ نہ کہتے کہ علیؑ باوجود غیر معمولی بلاغت و حکمت و شرافت نفس اور اخلاق کریمانہ کہ سیاست میں

معاویہ سے زیادہ زیرک و چالاک تھے اور گتھیوں کے سلجھانے اور مشکل مسائل سے نپٹنے میں عمرو عاص سے زیادہ قدرت رکھتے تھے لہٰذا اگر علیؑ معاویہ پر فتح یاب نہ ہوئے تو آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اس کا سبب سیاست سے نابلدی اور جنگی تدابیر سے آپ کی ناواقفیت تھی یہ کیوں نہیں کہتے کہ ناکامی کا اصل سبب اتفاقات تھے صفین کے واقعات کے سلسلے میں ہم نے علیؑ کی سیاست کے متعلق جو کچھ کہا وہی ان اعتراضات کے جواب میں کہا جاسکتا ہے جو معاویہ اور دیگر عمال کی معزولی کے متعلق آپ پر کئے جاتے ہیں جس طرح صفین کی ناکامی اتفاقات اور ناگہانی حادثات کا نتیجہ تھی اسی طرح معاویہ اور دیگر عمال کی معزولی کے بارے میں کہا جاسکتا ہے۔ حادثات و اتفاقات روزگار حضرت عثمان کی سیاست اور لوگوں کے بدلے ہوئے حالات و اطوار نے مکروفریب ظلم و بیداد کے لئے اسلحے ان عمال وولاۃ کے ہاتھ میں دیدیئے تھے کہ علیؑ اپنی پاکی طینت حسن سیرت، عقل وخرد اور شرافت و بزرگی کے سبب ویسے اسلحوں سے کام نہیں لے سکتے تھے۔

تمام لوگ جن میں صاحبان بحث ونظر بھی شامل ہیں اور مورخین بھی معاملات کو دیکھنے اور ان کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنے میں عام رو میں بہہ جانے کے عادی ہو چکے ہیں اور عظیم المرتبت شخصیتوں کی اہلیت وصلاحیت کا اندازہ ان کی فتح وشکست سے لگاتے ہیں وہ نہ اس پر غور کرتے ہیں کہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے کون سے وسائل کام میں لائے گئے اور نہ دوسرے بہت سے احتمالات کو مدنظر رکھتے ہیں وہ نہ مکارم اخلاق کو خاطر میں لاتے ہیں نہ کمینہ خصائل کی پرواکرتے ہیں اور نہ اتفاقات اور ناگہانی امور کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بڑے بڑے ماہر سیاست داں اور چوٹی کے مدبرین اتفاقات و ناگہانی حادثات کی وجہ سے شکست کھا گئے اور انہیں اتفاقات اور ناگہانی حادثات کی وجہ سے معمولی سے معمولی افراد فتح یاب ہوگئے نہ وہ بڑے ماہر سیاست داں اس پر قادر ہو سکے کہ ایسے اتفاقات و ناگہانی حادثات کو پیش آنے سے باز رکھیں نہ معمولی افراد اپنے اختیار وارادے سے اپنے موافق اتفاقات پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

بہر حال یہ دوست داران علیؑ چاہتے ہیں کہ آپ بھی ڈپلومیسی اور مکروفریب کی پالیسی اختیار کرتے اور کامیابی کے موقع کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیتے لیکن علیؑ صداقت و راستی سے منحرف ہونے پر قطعی تیار نہ ہوئے۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علیؑ بھی معاویہ ابن سفیان بن جاتے حالانکہ وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

مشیت الٰہی

اب ہم پھر ان واقعات کی طرف پلٹتے ہیں جن کو ہم بیچ سے چھوڑ آئے تھے۔ حضرت علیؑ سے برہم و ناراض جماعت یعنی خوارج کوفہ سے نکل کر اس سے قریب ہی ایک جگہ حرورا میں فروکش ہوئے اسی گاؤں میں فروکش ہونے کی مناسبت سے اس جماعت کا نام حروریہ پڑا جس طرح لاحکم الا اللہ کا نعرہ بلند کرنے کی وجہ سے محکمہ بھی اس جماعت کا نام ہے زیادہ مشہور نام ان کا خوارج ہے۔

حضرت علیؑ اپنے لشکر سمیت ان کی طرف بڑھے مگر آپ نے امکانی کوشش کی کہ بغیر لڑے بھڑے ان کو پھر اپنے حلقۂ اطاعت میں واپس کرلیں اور ان کے باطل عقیدے کے متعلق ان سے بحث کر کے اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

آپ نے ان کے مقابل پہونچ کر یہ تجویز ان کے سامنے رکھی کہ تم اپنی جماعت میں جس شخص کو زیادہ عقل مند اور معاملہ فہم سمجھتے ہو اس کو مجھ سے بحث کرنے کے لئے بھیج دو اگر وہ مجھ کو قائل کر دے تو میں تمہارے کہے پر عمل کروں گا اور اگر وہ ہار جائے تو تم سب میرے مطیع ہو جانا۔

خوارج نے اپنے امام و پیشوا عبداللہ بن الکواء کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے مقابل بھیجا بہت دیر تک آپ میں اور ابن الکواء میں بحث و مباحثہ ہوتا رہا ابن الکواء نے جتنے سوالات کئے آپ نے سب کے مسکت اور تسلی بخش جوابات دیئے اور طویل گفتگو کر کے خوارج کو ہر طرح قائل کر دیا ابن الکواء نے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ کر انہیں بحث و مباحثہ کی تفصیل سنائی اور کہا کہ علیؑ ہی حق پر ہیں اور ہم میں اور ان میں جو گفتگو اتنی دیر تک ہوا کی ہے علیؑ نے ہمیں ہر طرح قائل کر دیا ہے خوارج اپنی ضد پر اڑے رہے اور وہ کسی طرح قائل ہونے پر آمادہ نہ ہوئے ان کا کہنا تھا کہ جب ہم علیؑ کو کافر قرار دے چکے ہیں تو اب ہم ان کی اطاعت کسی طرح نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں نے ابن الکواء کو عیب لگایا کہ تم میں علیؑ سے بحث کرنے اور ان کو قائل کرنے اور اپنے اس عقیدے کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں کہ علیؑ تحکیم قبول کر کے کافر ہو گئے یہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؑ کا مثل و نظیر دنیا میں کوئی نہیں۔ ان خوارج نے ابن الکواء پر زور دیا کہ تم اب علیؑ سے نہ تو بحث کرنا اور نہ اب تک تم میں اور ان میں جو گفتگو ہوئی ہے اسے کسی کے سامنے ذکر کرنا۔

اتمام حجت ہونے کے بعد بھی خوارج اپنی سرکشی اور عناد و عداوت پر اڑے رہے وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے آپ کو کافر قرار دیتے اور آپ کے انصار و رفقا اور لشکر والوں کے ساتھ زندیقوں اور ملحدوں جیسا برتاؤ کرنے پر مصر رہے۔

علیؑ کو اس کا بے حد رنج و ملال تھا کہ کل جو ہمارے رفیق و جاں نثار تھے وہی آج ہم سے اس طرح جدال و قتال پر کمربستہ ہیں میری روشن واضح دلیلیں بھی ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتیں یہ سب ہوا و حوس کے بندے بنے ہوئے ہیں اور نفسانی خواہشوں نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں آپ نے یقین کر لیا کہ اب ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کر سکتی ہے یہ اس لئے بھی زیادہ ضروری ہے کہ اب یہ لوگ امن عامہ کو تباہ کرنے پر تل گئے ہیں انسانی جانوں کی کوئی قدر و قیمت ان کے نزدیک باقی نہیں رہی ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا ہے جس کو پاتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں جس آبادی میں پہونچ جاتے ہیں تباہی پھیلا دیتے ہیں۔

پھر بھی آپ نے سمجھانے اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی عادت ترک نہ کی آپ نے اپنے سپاہیوں کو تاکید کی کہ دیکھو جب تک وہ خود جنگ و جدال کا آغاز نہ کریں تم اپنی طرف سے ابتدا نہ کرنا دفعتاً خوارج نے اپنا نعرہ بلند کیا لاحکم الا للہ اور اس نعرہ کے ساتھ ہی حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے لشکر پر وہ ٹوٹ پڑے اور انتہائی عداوت و عناد اور پورے جوش و خروش کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگے۔

اب امیر المومنینؑ نے بھی تلوار اٹھائی اور ہولناک جنگ چھڑ گئی جسے جنگ نہروان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دونوں طرف کی فوجیں مرنے مارنے پر تل گئیں جب لڑائی کی آگ فرو ہوئی تو خوارج سب کے سب قتل ہو چکے تھے صرف چار سو خوارج زندہ بچے مگر زخموں سے چور چور اور مردوں سے بدتر اگر وہ زخموں سے ادھ موئے نہ ہو گئے ہوتے تو وہ سب یا تو لڑ بھڑ کر جان دیدیئے ہوتے یا لڑائی جیت ہی کر دم لیتے حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ ان زخمیوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا جائے ہر زخمی کو اس کے خاندان اور قوم و قبیلہ کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس کا علاج معالجہ ٹھیک سے ہو سکے۔

خوارج کی سرکوبی کے بعد حضرت علیؑ نے چاہا کہ وہیں سے شام کی طرف بڑھ چلیں تاکہ معاویہ کی سرکوبی بھی ہو جائے۔ اشعث بن قیس نے اس مرتبہ پھر مکر و فریب کی چال چلی اور ایسی تدبیریں کیں کہ آپ اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکیں اس نے اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشی حرکتوں سے آپ کی فوج کے غالب حصہ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ فوج سے نکل بھاگیں اور آس پاس کے شہروں میں جا چھپیں۔

اشعث کا کہنا یہ تھا کہ عرصہ دراز تک لڑتے بھڑتے رہنے کی وجہ سے سپاہی بے حد تھک چکے ہیں تھوڑی مہلت انہیں

دید یجئے کہ پھر تروتازہ ہو جائیں اس کے بعد یہ سب آپ کے لشکر میں آپہونچیں گے۔

امیر المومنین کوفہ پلٹ آئے تا کہ از سر نو تیاریاں کر کے شام پر چڑھائی کریں۔

معاویہ کے سپاہی ان کے وفادار تھے ہی خوارج نے بھی امیر المومنینؑ سے جنگ کر کے لا شعوری طور پر معاویہ کی مدد کی اور اشعث بن قیس تو جیسا کہ مورخین کا کہنا ہے پس پردہ ان کا مخلص مددگار تھا ہی بعض مورخین نے صراحت کی ہے کہ یہ شام جا کر معاویہ سے ملا ان سے بے شمار دولت حاصل کی اور آئندہ کے واقعات کا انتظار کرنے لگا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اس موقع پر قضا و قدر نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر علیؑ کی طرف پھینکا وہ عظیم ترین انسان اس تیر کا نشانہ بن گیا اور دشمن اپنے دلی مراد کو پہونچے مگر دشمن کی یہ کامیابی اس کے مکر و فریب ہوشیاری و دانائی قوت و طاقت یا عقل و تدبیر کا نتیجہ نہ تھی بلکہ ناگہانی حادثہ اور اتفاق نے اس کی کامیابی کی راہ پیدا کر دی چند کٹر قسم کے خوارج ایک جگہ اکٹھا ہوئے ان اعزہ و رشتہ دار اور رفقاء و انصار کا ذکر چھڑا جو جنگ نہروان میں مارے گئے تھے طے یہ ہوا کہ یہ جتنا کشت و خون ہوا ہے اور ہمارے جتنے مقتولین مارے گئے ہیں ان سب کی ذمہ داری تین شخصوں پر ہے جو ضلالت و گمراہی کے پیشوا ہیں جیسا کہ ان خوارج کا نظریہ تھا ایک علیؑ دوسرے معاویہ تیسرے عمرو عاص ایک خارجی جس کا نام برک بن عبد اللہ تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا میں معاویہ بن سفیان کا کام تمام کرنے کا ذمہ لیتا ہوں دوسرے خارجی عمرو بن بکر نے کہا میں عمرو عاص کا قصہ پاک کروں گا عبد الرحمان بن ملجم نے علیؑ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی۔

ان تینوں خارجیوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ علیؑ معاویہ و عمرو عاص کو ایک ہی شب میں قتل کیا جائے۔

یہ تینوں عقیدہ میں سخت متعصب انتقام لینے پر جان و دل سے تیار، اور اپنے منصوبے کو جان پر کھیل کر پایۂ تکمیل تک پہونچانے والے تھے۔ البتہ عبد الرحمن بن ملجم کے متعلق ایک ایسا عجیب اتفاق پیش آیا جس نے مہمیز کا کام کیا اور اس کے ارادہ کو ایسا مستحکم کر دیا کہ بقیہ دونوں خارجی معاویہ و عمرو عاص کو قتل کرنے میں کچھ ہچکچائیں بھی تو یہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے یہ ابن ملجم مکہ سے چل کر کوفہ آیا۔ وہاں اپنے ایک ساتھی کے پاس ٹھہرا وہاں ناگہانی طور پر اس کی ملاقات قطام بن الاخضر سے ہوئی جو اپنے وقت کی بے نظیر حسین و جمیل عورت تھی اس کے باپ اور بھائی دونوں جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم اس کو دیکھتے ہی جی جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا اس نے پیغام نکاح دیا اس نے پوچھا تم مجھے مہر کیا دو گے۔ ابن ملجم نے کہا جو تم مانگو اس نے کہا میں اپنے مہر میں ۳ ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز مانگتی ہوں اور علی ابن ابی طالبؑ کا قتل۔ ابن ملجم نے کہا ۳ ہزار درہم غلام ایک کنیز کا دینا تو آسان ہے مگر علیؑ کو میں کیسے قتل کر پاؤں گا اس نے کہا انہیں دھوکے سے قتل کر ڈالو اگر انہیں مار

ڈالو گے تو تمہارا بھی کلیجہ ٹھنڈا ہوگا اور میرا بھی پھر ایک مدت تک میرے ساتھ عیش کرو گے۔

ابن ملجم قطام سے ملنے اور اس سے گفتگو کرنے سے پہلے اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے میں متردد تھا اس لئے کہ کسی شخص کا ضمیر خواہ کتنا ہی پست و ذلیل ہو جائے کوئی شخص کتنا ہی کمینگی پر اتر آئے پھر بھی اس کے لئے آسان نہ تھا کہ علیؑ کو ایسے جرم کی بنا پر قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے جس سے علی علیہ السلام کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

اسی طرح کسی انسان کے لئے یہ بھی آسان بات نہ تھی کہ وہ ایسا ہولناک اقدام کر بیٹھے جس کے متعلق اسے یقین ہو کہ اس کا نتیجہ انتہائی خطرناک ہوگا۔ لیکن مقدر یہی تھا کہ ابن ملجم جس کام کو انجام دینے میں متردد تھا اب اس کے لئے جان و دل سے کوشش کرے اور انتہائی ہولناک جرم کرنے پر آمادہ ہو جائے قضا و قدر نے اپنے ترکش سے ایک نیا تیر نکال کر ابن ملجم کے ہاتھ میں دے دیا کہ امام کے سینہ کو نشانہ بنائے۔

ابن ملجم کو قضا و قدر اس کے دوست کے گھر لے گئی ٹھیک اسی وقت قضا و قدر نے قطام کو بھی وہاں پہونچا دیا اور ان دونوں کے درمیان اس عجیب و غریب مہر پر سوال و جواب اور قول و قرار ہوئے اسی کے متعلق کہا گیا ہے:

فلم ارمهر اساقه ذو سماحة كمهر قطام من فصيح و اعجم

ثلاثة الاب او عبد و قينة و ضرب علی بالحسام لمصمم

ولا مهر اعلیٰ من علی وان علا ولا فتك الا دون فتك بن ملجم

میں نے عرب و عجم میں کوئی ایسا فیاض و دریا دل نہیں دیکھا جس نے کسی عورت کو قطام کے مہر جیسا مہر دینے کا وعدہ کیا ہو ۳ ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز اور علیؑ کو شمشیر تیز سے ہلاک کرنا کوئی مہر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو علیؑ سے زیادہ بڑا نہیں اور ہر قتل آسان تر ہے بہ نسبت علیؑ کے قتل کے جس کا مرتکب ابن ملجم ہوا۔

ابن ملجم اور قطام کی گفتگو اس مرحلہ پر آ کر ختم ہوئی اچھا جیسا تم چاہتی ہوئی وہی ہوگا۔ میں علیؑ کو قتل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہوں۔

یہ تینوں خارجی جنہوں نے آپس میں سازش کی تھی مقررہ شب کا عہد و پیمان کر کے اپنے اپنے منزل مقصود کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اس غدار اور روزگار نے عجیب اتفاق دکھلایا اور فلک کج مدار نے بڑی حیرت انگیز تیز رفتاری کا نمونہ پیش کیا جس کا تصور وار کسی کو بھی ٹھہرایا نہیں جا سکتا ایسے اتفاقات زمانہ میں شاید ہی کبھی پیش آئے ہوں۔

جو شخص عمرو عاص کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا وہ کامیاب نہ ہوا اتفاق ایسا ہی پیش آیا۔ اور مقدر یہی تھا کہ وہ عمرو عاص پر فتح یاب نہ ہو۔ ٹھیک اسی رات کو عمرو عاص کی کچھ طبیعت خراب ہوگئی اور یہی چیز ان کی سلامتی کا باعث بن گئی وہ نہ نماز کے لئے گھر سے نکلے نہ کسی اور کام کے لئے انہوں نے کوتوال شہر کو حکم دے دیا کہ میری جگہ تم جا کر صبح کی نماز پڑھا دینا وہ کوتوال شہر جس کا نام خارجہ بن حذافہ تھا جب نماز کے لئے باہر نکلا عمرو بن بکر نے سمجھا کہ یہی عمرو عاص ہے وہ اس کے قریب گیا اور تلوار کا بھرپور وار رسید کیا کہ وہ اسی وقت ختم ہوگیا۔

جب قاتل کو پکڑ کر عمرو عاص کے پاس لے جایا گیا عمرو عاص نے کہا تم نے مجھے قتل کرنا چاہا مگر خدا کی مشیت یہ تھی کہ خارجہ قتل ہو جائے اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

معاویہ بن ابی سفیان مسجد میں آئے برک بن عبداللہ کی نظر پڑی اس نے تلوار کا وار ان کے سر پر کیا مگر وہ تلوار بجائے سر کے ان کے سرین پر پڑی اور وار ناکام رہا ان کی سرین ان کی سپر بن گئی اور معاویہ کی جان بچ گئی۔

لوگ پکڑ کر برک بن عبداللہ کو معاویہ کے پاس لے گئے برک نے کہا میں آپ کو بہترین مژدہ سناتا ہوں معاویہ نے پوچھا وہ کیا؟ برک نے ساری روئیداد بیان کی اور کہا آج ہی شب علیؑ ہلاک کر دیئے گئے ہوں گے۔ آپ مجھے اپنے ہی پاس قید رکھئے اور دیکھئے میری بات صحیح نکلتی ہے یا غلط اگر صحیح نکلی تو آپ کو اختیار ہے میری جان بخشی کر دیجئے گا یا قتل کر ڈالئے گا اور اگر غلط نکلی تو میں آپ سے پختہ عہد و پیمان کرتا ہوں کہ میں خود جا کر اس کام کو اپنے ہاتھ سے انجام دوں گا پھر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا آپ جو سلوک چاہئے گا میرے ساتھ کیجئے گا معاویہ نے اسے قید کر دیا جب علیؑ کی شہادت کی خبر انہیں مل گئی تو انہوں نے برک کو آزاد کر دیا۔

یہ وہ روایت ہے جو ابوالفرج اصبہانی نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں درج کی ہے لیکن مورخین کہتے ہیں کہ معاویہ نے بزک کی جاں بخشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کر ڈالا۔

انہیں نہ ہٹاؤ کہ یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں!

امام علیہ السلام اپنے دشمنوں کو تباہ حال چھوڑ خود سلامتی کے ساتھ دنیا سے اٹھ گئے۔

زمین کے ایک گوشہ میں خلائق سے دور ایک مرد غریب اقامت گزیں ہے اس کی غربت انتہائی اندوہناک ہے وہ ایک گوشہ میں تنہا بیٹھا ہوا ہے اس کی تنہائی اس پر اتنی شاق ہے کہ بیان سے باہر۔

وہ اپنی قوم میں رہتے ہوئے بھی اجنبی اور غریب ہے بلکہ قوم کی بدبختی ان کی پریشاں حالی کی وجہ سے اس کا دل حزن و اندوہ سے پر ہے زمانہ نے اسے نہیں پہچانا حالانکہ وہ تمام زمانہ پر چھایا ہوا تھا۔

زمین نے اسے نہیں پہچانا حالانکہ یہ زمین اس کے شیریں اور حکیمانہ کلمات سے برابر گونجتی رہی اور اس کے بڑے بڑے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

یہ مرد غریب و اجنبی دوسروں پر اپنا کل مال و متاع لٹا دیتا تھا لیکن کسی سے کسی چیز کا طلب گار نہ ہوا اس پر لوگوں نے ظلم کے پہاڑ ڈھائے وہ بھی اپنے دل میں انتقام کا خیال بھی نہیں لایا اپنے دشمنوں پر فتح یاب ہونے کے بعد بھی اس نے انہیں معاف کر دیا۔ اپنے بدخواہوں اور دشمنوں کے ساتھ کبھی زیادتی نہیں کی اپنے چاہنے والوں کے لئے کبھی کسی ناروا فعل کا مرتکب نہیں ہوا۔ وہ ضعیفوں کا مددگار غریبوں کا بھائی یتیموں کا باپ اور زندگی سے تنگ آئے ہوئے لوگوں کے لئے مہربان و شفیق تھا وہ ہر مشکل میں اسی سے مشکل کشائی کی توقع کرتے اور ہر مصیبت میں اسی سے ڈھارس پانے کی امید کرتے علم اس کا بہت زیادہ تھا اس کا حلم بہت عظیم اس نے اپنی عظمت و جلالت سے کوہ و دشت کو بھر دیا تھا لیکن اس کا دل غم واندوہ سے مملو تھا بڑے بڑے دیووں کے سر اس نے اپنی شمشیر سے کاٹے لیکن شفقت و محبت کے لحاظ سے خود مغلوب ہو گیا دن کے وقت وہ عدل و انصاف اور خلائق کی دادرسی کرتا احکام حق کے نفاذ پر کمر بستہ رہتا اور جب رات آتی تھی اور تاریکی شب اپنے شباب پر ہوتی تو غریبوں اور بیکسوں کے حال پر زار و قطار رویا کرتا۔

روئے زمین پر ایک غریب واجنبی تھا کہ جب بھی کسی مظلوم نے اس سے ظلم وزیادتی کی شکایت کی اس نے اپنی کڑکتی ہوئی آواز سے ظالموں کے گھروں میں زلزلہ پیدا کر دیا جب بھی کسی فریادی نے اس سے فریاد کی برق شمشیر اس کی چمکی اور مکرو فریب کرنے والوں کی تاریکیوں کو نگل گئی جب کسی محروم نے اسے آواز دی اس کے دل سے شفقت وعطوفت کی بارشیں ہونے لگیں اور ان بارشوں نے خشک وبنجر اور قحط زدہ کو ڈھانک لیا۔

وہ زمین میں ایسا غریب واجنبی تھا جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ درست تھا وہ کھردرے کپڑے پہنتا عاجزی و خاکساری کے ساتھ چلتا اور جب بھی لوگ پستی کی طرف چلے اس نے اپنا رخ ہمیشہ بلندی کی طرف رکھا۔

اجنبی اور اکیلا انسان جس نے خود ہر قسم کے دکھ جھیلے صرف اس لئے تا کہ عوام الناس مسرتوں سے نہال رہیں۔

یہ مردیگانہ و دلیرا اور اجنبی ویکتا انسان کون تھا جو ہر چیز سے واقف تھا اور ہر جانب جس کی نگاہ تھی۔ جس نے دنیا کی نعمت اور آخرت کی بہشت ایسے لوگوں کے لئے چاہی جو اسے ہمیشہ رنج واذیت پہونچایا کیئے۔

یہ کون مردیگانہ اور روح قدسی والا انسان تھا جس کے دشمنوں نے حسد اور حرص وطمع کی وجہ سے اس کی فضیلتوں کا انکار کیا اور جس کے دوستوں نے خوف وہراس کی وجہ سے جسے بے ناصر ومددگار چھوڑ دیا۔ اس نے فتنہ وفساد اور تباہی وبربادی سے تن تنہا جنگ کی خلائق کے ساتھ صداقت وراستی کے ساتھ پیش آیا اور اپنی روش ہمیشہ استوار رکھی جو فتح یابی وکامرانی پر کبھی فریفتہ نہ ہوا نہ شکست سے کبھی دل شکستہ ہوا وہ مجسمہ حق تھا اور سوا حق کے کسی اور چیز کی طرف دھیان نہ دیتا تھا خواہ کچھ لوگ اس کی بزرگیوں کے منکر اور کچھ لوگ اس سے خوفزدہ ہراساں ہی کیوں نہ رہیں۔

یہ مردیگانہ بے نظیر کون ہوسکتا ہے؟ سوا علی ابن ابی طالبؑ امیر المومنینؑ آزردہ اور اندوہگیں دل والے کے جن سے ایک خبیث وناپاک انسان ایک خبیث وناپاک عورت کے مہر کے لئے عنقریب فریب کرنے والا اور ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنے والا تھا۔

رات تاریک اور ڈراونی تھی آسمان پر ابر سیاہ محیط تھا کبھی کبھی بجلی چمک جاتی تھی جس کی روشنی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اجالا پھیلا دیتی تھی۔

عقاب اپنے گھونسلوں میں سوئے ہوئے اور سرنہوڑائے ہوئے تھے کہ کل ان کے پروبال جھڑ جانے والے تھے اور وہ

سرور جہاں کے غم میں سوگوار ہونے والے تھے۔

امام جاگ رہے تھے آنکھیں خواب سے محروم تھیں کیونکہ روئے زمین پر دکھ کے مارے ظلم کے پنجہ میں تھے اور جینا ان کا دو بھر ہو رہا تھا کچھ لوگ لہو ولعب اور سرکشی میں مبتلا تھے قوت وطاقت والے ایک طرف ظلم وجور کا بازار گرم کئے ہوئے تھے اور کمزور و ناتوان طاقتوروں کا لقمہ بنے ہوئے تھے آپ کے دشمن شر و فساد میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا رہے تھے کچھ بدکار تھے جو معصیت و نافرمانی کے کاموں میں ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرتے تھے کچھ آپ کے یار و انصار تھے جنہوں نے حق کو چھوڑ دیا تھا اور ایک دوسرے کی مدد و نصرت سے گریزاں تھے۔

امام بیدار تھے آنکھوں میں نیند کا پتہ نہ تھا کیونکہ عدل وانصاف سے منہ موڑ لیا گیا تھا نیکی کو خیرباد کہہ دیا گیا تھا اور عوام الناس کی تقدیر فسادیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی خلائق کی جان خونریز مفسدوں کے اختیار میں تھی روئے زمین پر نفاق کی بہتات تھی۔

امام جاگ رہے تھے نیند کے ذائقہ سے محروم وہ دنیا میں ہمیشہ حق وانصاف کے مددگار اور دست و بازو رہے مصیبت زدوں پریشان حالوں کے لئے بمنزلہ شفیق و مہربان بھائی کے تھے۔ ظالموں اور سرکشوں کے سروں پر مثل صاعقہ کے تھے۔ آپ اپنی زبان اور اپنی شمشیر دونوں سے ظالموں سے برسرپیکار رہے۔

اس شب آپ نے اپنی پوری زندگی پر نظر کی اگلے پچھلے حالات کا جائزہ لیا بچپن ہی سے آپ کے ہاتھوں میں شمشیر براں رہی اور آپ اپنی قوم قریش والوں کا کلیجہ سہمائے رہے ان کے منہ پر تلوار لہرایا کئے اور دین اسلام کی ترویج واشاعت کی، آپ کی قوم والے آپ کے ان کاموں کو کھیل سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے لیکن آپ اپنے راستہ پر ثابت قدم اور نور رسالت کی خدمت میں جان لڑاتے رہے۔

آپ نے اپنے متعلق یاد کیا کہ شب ہجرت بستر پیغمبرؐ پر تلواروں کے سایہ میں محو خواب رہے جبکہ آپ کے سر پر آتش انتقام کے شعلے لپک رہے تھے آپ کو امید تھی کہ ابوسفیان اور دیگر مشرکین بھٹک جائیں گے اور پیغمبرؐ تک نہ پہنچ سکیں گے آنحضرت ان دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ پائیں گے اور آپ کا نور رسالت جاہلیت کی تاریکیوں کو کافور کر دے گا۔ آپ نے پھر اپنی گزشتہ صعوبتوں اور ان لڑائیوں کا تصور کیا جن میں آپ کہ تازعرصہ شجاعت اور مرد میدان وغا تھے جس نے اپنے ایمان اور پیغمبرؐ

کی محبت کی قوت وطاقت کے ذریعے قلعوں کو منہدم اور ہر خبیث کو واصل جہنم کیا آپ کے ارد گرد غریب ونادار رفقاء وانصار تھے جو آپ کی ہر ضربت پر سجدۂ شکر کرتے اور زمین کے بوسے لیتے وہ دیکھتے تھے کہ ظالم وسرکش آپ کے سامنے سے یوں بھاگ رہے ہیں جس طرح ٹڈیاں آندھیوں میں تتر بتر ہو جاتی ہیں۔

اپنے ابن عم پیغمبر خداؐ کا تصور کیا جو کمال شفقت ومحبت سے آپ کو دیکھ رہے تھے اور آپ کو اپنے کلیجہ سے لگا کر ارشاد فرمارہے تھے یہ میرا بھائی ہے۔

آپ نے وہ وقت یاد کیا جبکہ پیغمبر خداؐ آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ محو استراحت تھے جناب سیدہؑ نے چاہا کہ آپ کو نیند سے بیدار کر دیں پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا انہیں سونے دو کہ انہیں میرے بعد طولانی مدت تک خواب سے محروم رہنا ہے اس پر جناب سیدہؑ زار وقطار دیر تک رویا کیں۔

آپ نے اس وقت کا تصور کیا جب پیغمبر خداؐ آپ سے فرمارہے تھے۔ اے علیؑ! خدا نے تمہیں اس زینت وآرائش سے آراستہ کیا ہے جو اس کے نزدیک سب سے بڑی زینت تھی تمہیں خداوند عالم نے فقیروں کمزوروں کی محبت بخشی وہ تمہیں اپنا امام بنانے پر راضی اور تم انہیں اپنا پیرو دیکھ کر خوش۔

پھر آپ نے پیغمبرؐ کی رحلت کا وقت یاد کیا جو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوئی پیغمبرؐ نے اپنی آخری نگاہ آپ کے چہرہ پر کی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں فاطمہ زہراؑ کا وہ بے پناہ حزن واندوہ یاد کیا کہ وہ باپ کے مرنے کے بعد چالیس روز کے اندر ہی گھل گھل کر مرگئیں جبکہ آپ کی عمر ۳۰ برس سے زیادہ کی نہ تھی۔ (محققین علمائے امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ جناب سیدہ کی عمر، بوقت وفات ۱۸ سال کی تھی اور آپ نے پدر عالی مقدار کے مرنے کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد دنیا سے رحلت کی) آپ نے سیدہ کو سپرد لحد کیا اور انتہائی حرقت قلب سے گریاں کناں ہوئے فاطمہ کو سپرد لحد کر کے شب میں جب اپنے گھر واپس آئے تو دائمی رنج واندوہ لے کر پلٹے فرط الم سے حالت غیر اور آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی۔

آپ نے عمر ابن خطاب کا تصور کیا جو اپنے مرنے کے وقت آپ سے فرمارہے تھے:

"خدا کی قسم اگر آپ مسلمانوں کے حاکم ہو گئے تو آپ انہیں واضح حق اور روشن شاہراہ پر چلا کریں گے تمام صحابہ کی صورتیں یاد کیں جو یہ فقرہ ہر وقت دہراتے رہتے کہ

کنا لا نعرف المنافقین فی عهد رسول الله الا ببغض علی

عہد پیغمبرؐ میں ہم منافقوں کو ان کی علیؑ دشمنی سے پہچانا کرتے تھے۔

پیغمبرؐ خدا نے ایک مرتبہ نہیں بارہا فرمایا تھا:

یا علی لا یبغضك الا منافق

اے علیؑ تم کو منافق ہی دشمن رکھے گا۔

انہیں لمحوں میں آپ نے اپنے جہاد کے رفقا و انصار کو یاد کیا جو پیغمبرؐ کی زندگی میں باہم متفق تھے ایک دوسرے کے مددگار تھے علیؑ اور پیغمبرؐ کے سایہ میں انہوں نے رشتہ داری استوار کر رکھا تھا آج انہیں میں سے کچھ لوگ آپ کے ساتھ تھے کچھ مخالف کچھ لوگوں نے حکومت کی طمع کی جن میں سے بعض اپنی طمع کی بدولت موت سے ہمکنار ہوئے کچھ ابھی بقید حیات تھے۔ وہ پاک طینت اصحاب جو وفادار حق و عدالت کے حمایتی اور نیکیوں کا قول وقرار کئے ہوئے تھے خداوند عالم ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ وہ اس دنیا میں اجنبی و بیگانہ تھے انہوں نے عدل و وفاداری کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی اور دشمنوں کے جور وستم نے انہیں زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ کر دیا۔

ابوذر غفاری پیغمبرؐ کے بزرگ ترین صحابی جن سے زندگی کی ذلت و اہانت برداشت نہ ہو سکی اور وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے وہ معزز ترین انسان جن کی حق پرستی کی وجہ سے علیؑ کے سوا ان کا کوئی دوست نہ رہا ہائے کتنا اندوہناک انجام ان کا ہوا۔ علیؑ نے اس وقت کا تصور کیا جب ابوذر اپنی پھٹی پرانی عبا پہنے پیغمبرؐ کی خدمت میں پہونچے اور ہر خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اسی وقت سے وہ جی جان سے حق کے سرگرم حمایتی رہے یہاں تک کہ انہوں نے عہد عثمان میں مظلومین و محرومین کی خاطر سارے بنی امیہ کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ پھر حضرت عثمان اور مروان بن حکم کے ہاتھوں ان کا وہ اندوہناک انجام۔ مدینہ سے جلاوطنی اور ربذہ ایسے بے آب و گیاہ مقام پر ان کی بے کسی کی موت وہ بھی ایسے عالم میں کہ ان کی اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر ختم ہو گئی ان کی بے کس و لاچار رفیقہ حیات اپنی آنکھوں سے انہیں مرتے دیکھ رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی کہ ابوذر سے پہلے میں مر جاؤں۔ ابوذر کی مفارقت کا صدمہ مجھے اٹھانا پڑے کہ اس طرح میری موت دہری موت ہو گی ابوذر بنی امیہ کے ہاتھوں نان شبینہ کو محتاج رہ کر بھوک سے مر گئے۔ درانحالیکہ بنی امیہ کے قدموں میں زمین کی ساری

دولت تھی۔ ایسی ہی رات میں چند دن پہلے علیؑ کے رفیق و جاں نثار بلکہ ان کے متقی و پرہیزگار اور دکھ اٹھائے ہوئے بھائی عمار یاسر شہید ہوئے ان کو باغی جماعت اور جفا پیشہ لوگوں نے صفین کی لڑائی میں شہید کیا تھا۔

ہاں آج کہاں تھے علیؑ کے وہ برادران جانثار جنہوں نے اپنے رستہ اختیار کیا جو حق پر تھے اور راستی پر جنہوں نے باہم عہد و پیمان کیا تھا۔ وہ نہ فضول گفتگو کرتے نہ کسی کی غیبت سے زبان آلودہ کرتے اور نہ مکروفریب سے کام لیتے کہاں تھے آج وہ نیکوکار مردم! وہ سب کے سب رخصت ہو چکے تھے ظلم وستم اور ظالم و جفا پیشہ افراد سے خونیں جنگ اور ہولناک لڑائی لڑنے کے لئے صرف علیؑ باقی بچ رہے تھے۔ اگر خداوند عالم علیؑ کو باغیوں پر قدرت عنایت کرتا تو وہ بغاوت کو جلا کر خاک کر دیتے اور باغیوں کو پھونک کر ان کی راکھ دریا میں اڑا دیتے۔

یہ ایسی جنگ تھی جس میں حق ایک طرف یکہ وتنہا تھا جبکہ اس کے بے شمار اعوان وانصار رہ چکے تھے۔

ایسی جنگ جس میں آپ سے وہ قوم برسرپیکار تھی جن کے بچے گمراہ تھے جن کے جوان قاتل تھے اور جن کے بوڑھے نہ امر بالمعروف کے خوگر نہ نہی عن المنکر کے عادی وہ قوم جو صرف اسی شخص سے خائف تھی جس کی زبان سے اسے خوف ہوتا اور صرف اسی کی عزت کرتی جس سے کچھ ملنے ملانے کی امید ہوتی اگر آپ انہیں چھوڑ بھی دیتے تو وہ آپ کو نہیں چھوڑتے اور اگر آپ ان کا پیچھا کرتے تو وہ ناگہانی طور پر آپ پر حملہ کر بیٹھتے وہ گمراہی پر ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور جب جدا ہوتے تو ایک دوسرے کی مذمت کرتا۔

وہ ہولناک جنگ جس کے لئے علیؑ کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کیا گیا سورج دریا کے مانند تھی جسے کسی کے ڈوبنے کی پرواہ نہیں ہوتی اور اس چنگاری کے مانند تھی جو خس وخاشاک پر جا پڑی ہو۔ اور جسے جلانے اور جلا کر راکھ کر دینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ یہ جنگ تھی علیؑ کے درمیان جو دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں دوسروں کے لئے چاہتے اور ان لوگوں کے درمیان جو رعیت کو سرسبز اور مرغزار زمینوں سے نکال کر بنجر و بے آب وگیاہ اور بادسموم میں ڈھکیلنا چاہتے تھے۔

ہائے کیا زندگی تھی علیؑ کی جو یا تو جہاد کرتے گزری یا مصائب وآلام جھیلتے کٹی۔

ہائے وہ کیسے نیکوکار اور درست کردار لوگ دنیا میں تھے جو ایک ایک کر کے اٹھ گئے اور علیؑ کو تنہا چھوڑ گئے۔ ان کے اٹھ جانے کے بعد ظلم وستم کا بازار گرم ہو گیا اور جور وجفا سے دنیا بھر گئی۔

اس مرد بے مثل ونظیر اور غریب و اجنبی نے آنے والے کل کے دن کا تصور کیا جس کی تاریکی ناداروں کی راتوں کی تاریکی سے بڑھ کر دیرپا اور جو بدعہدوں کے ضمیروں سے زیادہ سرد ہوگا جو اپنے بھائی بوجھ سے بدبختوں کو چھاپ لے گا۔

وہ کل کا دن جس میں رعایا کی ان لوگوں کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی جو مکر و فریب سے کام لے کر خود سے لوگوں کے حاکم بن بیٹھیں گے ان خود ساختہ حاکموں کے یہاں تقرب بس انہیں لوگوں کو نصیب ہوگا جو چغل خور ہوں مکر و فریب کے پتلے ہوں اور پکے فسادی ہوں جس دن کہ صرف ظالم و جفا پیشہ افرد سردار بنائے جائیں گے اور امن وچین کی زندگی وہی بسر کر سکے گا جو بے حیا کمینہ اور حمیت و غیرت کی حرارت سے بالکل خالی ہوگا۔

کل کا دن ہائے وہ بے غیرتی کا دن جس کا علیؑ اپنے قلب وعقل سے تصور کر رہے تھے۔ اب رات کے بعد کوئی بھی بڑا آدمی صدق کو مضر سمجھ کر کذب پر ترجیح نہ دے گا جبکہ اس کذب سے اسے فائدہ پہونچنے کی امید ہو۔ اب رات کے بعد کوئی ایسا حاکم نہ ہوگا جو لوگوں کے لئے بمنزلہ باپ کے ہو جو باطل کی لذتوں کے مقابلہ میں حق کے مصائب و آلام کو دوست رکھتا ہو اب رات کے بعد ایسے قلب وعقل کا وجود نہ رہے گا جو خلائق کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کریں حق پر عمل پیرا ہوں چاہے پہاڑوں کو زلزلہ آجائے اور زمین کا سینہ شق ہو جائے۔

کل کا دن ہائے کل کا دن جس میں نادان ظلم و ستم کی انتہا پر اتر آئے گا یہاں تک کہ مغرور سرکش بادشاہ آجائے اور شریف انسان ظالموں کے مظالم کی بیخ کنی کرتے ہوئے تباہی و بربادی اور موت سے ہمکنار ہو جائے گا۔

امیر المومنینؑ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ مارا اور دیر تک روتے رہے۔

آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا ہائے ایرادر ستاروں کو اس تاریک شب میں دیکھا کہ ان کے عکس سرمایہ داروں کے اونچے اونچے محلات پر پڑ رہے ہیں اسی طرح فقیروں کی جھونپڑوں پر بھی، اور جس طرح فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کے فتنہ وفساد کو اپنی تاریکیوں میں چھپائے ہوئے ہیں اسی طرح نیکو کاروں کے مصائب و آلام کو بھی آپ نے دنیا پر اپنے چشم دل سے نظر کی اور فرمایا ''اے دنیا میرے علاوہ کسی اور کو فریب دینا''۔

وقت پر وقت گزرتا گیا اور رات تاریک سے تاریک ہوتی گئی علیؑ ابن ابی طالبؑ نے محسوس کیا وہ اس دنیا میں یکہ و تنہا رہ گئے ہیں ہائے زمین کیسی تنہائی کا گھر وحشت کی جگہ اور اجنبی و بیگانہ منزل ہے۔

آپ کو تھوڑی دیر کے لئے نیند آگئی گویا جتنے خیالات آپ کے دل میں گزرے تھے اس ہولناک تاریک شب میں آپ کی آنکھیں ان خیالات کو اپنے اندر سموئے تھیں زیادہ دیر آنکھ لگے نہ گزری تھی کہ آپ نے پیغمبر خداؐ کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا:

یارسول اللہ میں نے آپ کی امت والوں کی طرف سے کیسے کیسے مصائب و آلام جھیلے کیسے کیسے اختلافات و نزاع کا مجھے ان کی طرف سے سامنا کرنا پڑا۔ پیغمبر خداؐ نے فرمایا: ان پر بددعا کرو۔ آپ نے فرمایا:

خداوندا! مجھے ان لوگوں کے بدلے بہترین مصاحب عنایت فرما اور میرے بدلے بدترین حاکم ان پر مسلط کر۔

اسی تاریکی صبح میں سبک رفتار ہوائیں چل رہی تھیں اور آسمان قطرہائے اشک برسا رہا تھا۔ علی ابن ابی طالبؑ آہستگی سے مسجد کی طرف روانہ ہوئے گویا آپ کے قدم زمین سے ہمکلام اور ان اندوہ گیں لمحات کی سرگزشت بیان کر رہے تھے طائروں پر بھی ایسا ہی حزن واندوہ طاری تھا۔ ابھی آپ مسجد کے صحن میں بھی نہ پہونچے تھے کہ بطیں آپ کی طرف دوڑ کر چیخنے چلانے لگیں اور ان کے ساتھ اس پر برفیلی صبح کو ہواؤں نے بھی فریاد وزاری کی صدائیں بلند کیں۔

نمازی سکوت و خاموشی کے ساتھ آپ کی طرف بڑھے انہوں نے بطوں کو امامؑ کے پاس سے ہٹانا چاہا بطیں نہ آپ کے پاس سے دور ہٹیں نہ انہوں نے چیخنا چلانا بند کیا اسی طرح ہوا بھی سنسناتی رہی۔ گویا ان بطوں اور ہواؤں کو احساس ہو گیا تھا کہ امیر المومنینؑ اس مصیبت کی طرف بڑھ رہے ہیں جو دنیا میں آپ کی آخری مصیبت ہوگی۔

امیر المومنینؑ نے ان چیختی چلاتی بطوں کی آواز بڑی توجہ سے سنی اور لوگوں کی طرف مڑ کر فرمایا:

"انہیں ہٹاؤ نہیں کہ یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں

امیر المومنینؑ کا یہ فقرہ آنے والی مصیبت کی پیشین گوئی تھی۔

یہ بطیں آخر کیوں نوحہ کناں ہوتیں؟ اور لوگ ان بطوں کو چیخنے چلانے سے کیوں روکنے کی کوشش کر رہے تھے؟ علی ابن ابی طالبؑ دیدہ دل سے ان بطوں کی طرف کیوں نہ نظر کرتے۔ اس سے پہلے ہزاروں صبحیں آپ پر گزریں لیکن آج کی صبح اپنے اندر وہ راز چھپائے ہوئے تھی جس راز سے دوسری صبحیں خالی تھیں آج آپ جو کیفیت محسوس کر رہے تھے اس سے پہلے آپ نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ کیا اس مرد عظیم و بزرگ تر کا یہ حق نہ تھا کہ اپنی موت کا مرثیہ بطوں کی چیخ اور ہواؤں کی کراہ میں سنتا۔ کیا اس

مرد عظیم و بزرگ تر کا یہ حق نہ تھا کہ آفتاب اور سایہ کو آج ۔۔۔ وداع کرے جنہیں پھر دیکھنے کی امید نہ تھی؟ کیا اس مرد عظیم و بزرگ کا یہ حق نہ تھا کہ آخری نگاہ ان منازل پر ڈال لے جن میں وہ دوسروں کو غنی بنانے کی خاطر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتا رہا وہ آپ کی شجاعت و بہادری کے بہت سے نمونے اور آپ کی محیر العقول شخصیت کے بہت سے مظاہر اور آپ آلام و مصائب کے گوناگوں مناظر دیکھ چکے تھے جن منازل میں آپ طول وطویل راتوں میں گریہ کناں رہے اور اپنے آنسوؤں سے انہیں سیراب کرتے رہے۔

اگر دنیا کے رہنے والے حق کا دامن پکڑے ہوئے اور دین وجدان سے متمسک ہوتے تو آپ کو اس دنیا کے روز و شب کو رخصت کرتے ہوئے دکھ نہ ہوتا۔ یہ دنیا مردم خوار بھوت اور پر فریب دیو ہے اس کے حلال و حرام آپس میں خلط ملط ہیں خود امیر المومنین کا نفس تنگی و آسائش دونوں حالتوں میں یکساں رہا اگر موت مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو آپ کی روح تن مبارک میں ایک لمحہ کے لئے بھی سکون و اطمینان سے نہ رہتی۔ آپ کو صدمہ اس کا تھا کہ بدکار اور غدار افراد سے یہ زمین چھلک رہی ہے۔

دنیا ان کے دست درازیوں سے نوحہ کناں ہے اور ان کے مظالم سے لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں عراق و حجاز و شام میں محروم عوام کی زندگی دوبھر ہو رہی ہے منافقین اپنے نفاق کے پھلوں سے پوری طرح بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ دنیا کا کیا بگڑتا اگر وہ علی کو دو قدم اور اٹھانے کا موقع دے دیتی اور آپ کچھ چیزوں میں تبدیلی پیدا کر دیتے۔ مگر دنیا کو یہ بات کہاں گوارا کہ چیزوں میں تبدیلی پیدا کی جائے۔

اس روح قدسی اور مرد بزرگ نے محسوس کیا کہ میرے قدم مجھے دور دراز کے سفر پر لے جا رہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر مسجد کے دروازہ پر ٹھہرے ان نوحہ کناں بطوں کی طرف نظر کی اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ سے کچھ دور کھڑے تھے اور کئی مرتبہ یہ فقرہ دہرایا لا تزجروھن انھن نوائح انہیں نہ ہٹاؤ یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں۔

علی مسجد میں آئے رب العالمین کے حضور دو زانو ہوئے۔ ابن ملجم زہر آلود تلوار ہاتھ میں لئے مسجد میں آیا اور حضرت کے سر پر ایسا وار کیا جس کے متعلق اس کا کہنا تھا کہ اگر یہ وار سارے شہر کے باشندوں پر پڑے تو ایک شخص بھی زندہ نہ بچے۔ خدا کی لعنت ہو ابن ملجم پر اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو دنیا میں ہر آنے والے اور دنیا سے ہر جانے والے کی لعنت ہو۔ ہر اس شخص کی لعنت اس پر ہو جو حکم خدا سے پیدا ہوا۔ خداوند عالم ابن ملجم پر ایسی لعنت کرے کہ اگر ویسی لعنت دریاؤں پر پڑے تو

وہ خشک ہو جائیں کھیتوں پر پڑے تو وہ نیست و نابود ہو جائیں اور سرسبز پودوں کو زمین کے اندر ہی جلا دے۔خداوند عالم جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے اس پر مسلط فرمائے ہزار شیطان ان پر مسلط کرے جو اسے منہ کے بل جہنم میں ڈالے رہیں اس جگہ جہاں آگ کے شعلے لپک رہے ہوں اور قہر الٰہی کا جوش ظاہر کر رہے ہوں۔

چیختی چنگھاڑتی ہوائیں چلیں تیز وتند آندھیاں اٹھیں ہر چیز درہم برہم اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئی۔ ہر طرف سے غبار اٹھا اور جس کی طرف سے گذرا اسے اپنی جگہ سے ہٹنے پر مجبور کر دیا جیسے آسمان سے بجلیاں گرنے لگی ہوں۔ روز روشن اندھیری رات کی طرح تاریک ہو گیا آفتاب کی روشنی اندھیرا دور کرنے سے قاصر رہی اجالا غائب ہو گیا بڑا ہولناک اور اندوہ گیں منظر تھا۔ زمین سے نالہ وفریاد کی صدائیں بلند تھیں۔آسمان کو تاریخ ابر ڈھانکے ہوئے تھا اور بجلیاں ہر دم آتشیں آہیں بھر رہی تھیں۔محبان علیؑ کو عظیم ترین صدمہ پہونچا زمانے نے علیؑ پر گریہ کیا اور آنے والی صدیاں بھی ان پر گریہ کریں گی طیور غبار آلود پروں کے ساتھ اپنے بازؤں میں سر چھپائے اپنے گھونسلوں کو روانہ ہوئے اشجار بے چین تھے کہ کس طرح اپنے جڑوں سمیت اکھڑ پڑیں ان میں اس طرح سرسراہٹ پیدا تھی جیسے طائر پھڑ پھڑا رہے ہوں۔انہوں نے اپنے سرسبز پتے شہید کے قدموں پر نچھاور کئے۔

دنیا کی ہر چیز وں شکستہ واندوہگیں ہوئی سوا علیؑ ابن ابی طالبؑ کے چہرے کے کہ وہ ہشاش بشاش تھا انہوں نے نہ انتقام کی خواہش کی نہ غیظ وغضب ظاہر کیا۔لوگ آپ کے دروازے پر عبادت کی غرض سے کھڑے تھے سبھی افسردہ وملول گریاں ونوحہ کناں اور بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا کہ خداوند عالم امیر المومنینؑ پر رحم فرمائے انہیں شفا عنایت فرما کر خلائق کے آلام ومصائب دور فرمائے اوران لوگوں نے ابن ملجم پر حملہ کرکے اسے گرفتار کرلیا جب اسے امیر المومنینؑ کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا: اسے عمدہ غذائیں اور نرم بستر دینا"۔

لیکن آپ کے چہرے کی بشاشت ونرمی، تمام مصائب وآفات سے بڑھ کر اندوہناک تھی اس وقت آپ کا چہرہ سقراط کے چہرے کے مشابہ تھا۔جس وقت کہ جاہل ونادان عوام نے انہیں زہر پلانا چاہا تھا عیسیٰ بن مریم کے چہرے جیسا تھا جبکہ قوم یہود آپ کو کوڑوں سے اذیت پہونچاتی تھی محمد مصطفیٰؐ کے چہرے جیسا تھا جبکہ آپ پر طائف کے نادان سنگ بارانی کرتے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم کس بزرگ ترین خلائق پر سنگ بارانی کر رہے ہیں۔

کوفہ کے بہترین طبیبوں کو امیر المومنینؑ کے علاج کے لئے بلایا گیا ان میں سب سے زیادہ حاذق اشیر بن عمرو بن ہانی نام کا ایک شخص تھا جب اس نے حضرت کی پیشانی کے زخم کا بغور معائنہ کیا انتہائی حزن واندوہ اور ناامیدی سے بولا امیر المومنینؑ جو کچھ وصیتیں کرنا ہوں کرلیں کہ ابن ملجم کی ضربت مغز راس تک پہنچ چکی ہے۔ امام طبیب کے جواب سے دل تنگ نہ ہوئے نہ حرف شکایت زبان پر لائے۔ اپنا معاملہ خدا کے حوالے کیا۔ آپ نے اپنے دونوں فرزند حسنؑ وحسینؑ کو پاس بلایا ان سے وصیتیں فرمائیں اور تاکید کی کہ میرے قتل کی وجہ سے ہنگامہ نہ کھڑا کرنا نہ خونریزی کرنا۔ قاتل کے متعلق فرمایا کہ اگر اسے معاف کردو گے تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہوگا۔

امیر المومنینؑ نے حسنؑ وحسینؑ کو جو وصیتیں فرمائیں اس کے چند فقرے یہ تھے:

تم کو خدا کی قسم اپنے پڑوسیوں کا لحاظ کرنا۔

تمہیں خدا کی قسم فقراء ومساکین کا خیال رکھنا اور ان کو بھی اپنی روزی اور معاش میں شریک رکھنا جیسا کہ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے جس سے بات کرو میٹھی زبان میں اور جب بولو اچھی ہی بات بولو۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑنا۔

تمہارا فرض ہے کہ آپس میں میل جول اور لطف ومہربانی سے پیش آیا کرو اور بے تکلفی اور سادگی برتا کرو۔ اور خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ الگ الگ رہنے کی روش اختیار کرنا اور نہ متفرق ہونا۔

لوگوں نے آپ سے پوچھا یا امیر المومنین کیا آپ کے بعد ہم امام حسنؑ کی بیعت کرلیں آپ نے جواب میں فرمایا:

نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں (فرقہ امامیہ کا مسلک ہے کہ امام حسنؑ اور تمام ائمہ طاہرین بہ نص پیغمبرؐ امام تھے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری خلق پر واجب تھی مسیحی فاضل جارج جرداق نے یہ روایت کتب اہل سنت سے نقل کی ہے اور اس پر ہم سبط اکبر سوانح عمری امام حسنؑ میں تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں)

حضرتؑ نے گوارا نہ کیا کہ کسی کو زبردستی لوگوں کا حاکم مقرر کریں اسی کے ساتھ یہ بھی آپ نے نہ چاہا کہ لوگوں کو ان کے انتخاب واختیار سے منع فرمائیں۔ آپ نے اپنے فقرہ سے یہ حقیقت واضح کردی اور لوگوں کو متنبہ کیا کہ عوام اپنے والی وحاکم کے انتخاب میں آزاد ہیں اور حکومت وخلافت جمہور اور عامۃ المسلمین کا حق ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے لوگوں کی طرف نظر کی اور فرمایا:

''میں کل تمہارا حاکم تھا اور آج تمہارے لئے سبب عبرت ہوں اور کل تم سے جدا ہو جاؤں گا خدا مجھے بھی بخشے اور تمہیں بھی''۔

بروز جمعہ صبح کے وقت حضرت کے فرق مبارک پر ضربت لگی تھی اس کے بعد دو روز تک انتہائی کرب و اذیت کے عالم میں گزرے مگر آپ نے اپنے کرب و اذیت پر اف تک نہ کی غذا سے سہارے اور ڈھارس کی تمنا کرتے لوگوں کو احسان و نیکی اور بے بس ولاچار لوگوں پر رحم و کرم سے پیش آنے کی وصیت فرماتے۔ ماہ رمضان ۴۰ھ کی اکیسویں شب میں آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ وہ مرد یگانہ و بزرگ جسے دشمنوں نے بھی دکھ پہونچائے اور دوستوں نے بھی دنیا سے اٹھ گیا۔ وہ مرد بزرگ و غریب جو جیتے جی شہید تھا اور مرتے وقت شہیدوں کا پدر استقامت و استواری اور خیر خواہی کے شہید نے وفات پائی۔ پاکیزگی اور بزرگی کا شہید جس نے حق و اخلاص کے معاملہ میں ذرا بھی سستی گوارا نہ کی۔

وہ مرد عظیم و بزرگ دنیا سے اٹھ گیا۔ افسوس کہ دنیا نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ ایسی حکومت کی بنیاد رکھ سکے جسے بعد کی آنے والی صدیاں پاتیں اور حکومتیں آپ کی روش اور طرز حکومت کو اپنے پیش نظر رکھتیں اور عوام الناس آپ کے مبارک نام کی برکت سے امن کی زندگی گذارتے اور مفسد و فتنہ انگیز ظالموں کو ذلت و رسوائی کی خاک میں ملاتے۔

آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے بعد ایسا خاندان چھوڑ گئے جس کا ایک ایک فرد راہ حق کا شہید ہوا۔ اپنے بعد دکھیاری بیٹی زینب کو دنیا بھر کے مصائب و آلام جھیلنے کیلئے چھوڑ گئے اور دنیا نے ان کے ساتھ وہ بے رحمی و شقاوت کا سلوک کیا جیسا کسی کے ساتھ نہ کیا ہوگا۔ حسنؑ و حسینؑ کو فرزند ابوسفیان اور دیگر خون کے پیاسے دشمنوں میں چھوڑ گئے۔

علیؑ اور فرزندان علیؑ کے خلاف سازش کا پہلا دور تمام ہوا اس کے بعد بے شمار دور آئے اور ہر دور اپنی آغوش میں ہولناک تر اور سخت و شدید مصائب لئے ہوئے تھا۔

اونچے محلات امیر المومنینؑ کی شہادت سے یوں جگمگا اٹھے جس طرح خشک ریگستان میں سراب جگمگاتے ہیں پانی کے چشمے سوکھ گئے کھیتیاں ویران ہو گئیں۔ غداروں مکاروں کی حکومت مضبوط ہوئی وہ لوگ جو حکومت قائم کرنے کے لئے غداری و خیانت کو جائز سمجھتے تھے آپ کے انتقال کے بعد ہی سرگرم کار ہو گئے وہ حکومت کتنی منحوس ہے جس کی بنیادیں بزرگوں کے قتل و ہلاکت کے ذریعہ استوار ہوں۔

کیسی عظیم ناکامیاں تھیں کہ امیر المومنینؑ کی مصیبت دوستوں کے سینے میں باقی چھوڑ گئیں کتنا زبردست حزن واندوہ تھا جو نیکو کاروں کے دلوں میں اس ہولناک حادثہ سے باقی رہا کیسی زبردست مصیبت تھی جس کی وجہ سے صدیوں عرب کی سرزمین فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنی رہی۔ کیا حزن واندوہ تھا جو مسلسل بڑھتا اور سخت ہوتا ہی گیا اور اس نے ظالموں اور ان کے مددگاروں کے پر وبال جلا دیئے اور ان کی حکومت اور بزرگیوں کے ایوان کو منہدم کر دیا۔ کیا فائدہ ایسی حکومت کو جو غریبوں بیکسوں کے آنسوؤں سے قائم ہو جو کہ علی ابن ابی طالبؑ پر غم میں اشک فشانی کر رہے تھے۔

علی ان کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے غریبوں بیکسوں کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے ضعیفوں بیچاروں پر شفیق ومہربان تھے تمام دنیا کی دولت اور روئے زمین کے سارے خزانے اس مرد عظیم کی جوتی کے تسمے کے برابر نہ تھے۔ تمام ظالم خلفاء اور ان کی ساری دولت نہج البلاغہ کے ایک کلمہ اور آپ کے تصورات کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور آپ کے ایک قطرہ اشک کے مقابلہ میں بے قدر وقیمت۔

وہ مرد عظیم وبزرگ دنیا سے اٹھ گیا اور وہ لوگ جو ناحق اپنے کو بزرگ سمجھتے تھے باقی رہ گئے ایک انسان مرگیا اور سربلند ہوا اور ایک جماعت زندہ رہی اور حقیر وذلیل ثابت ہوئی۔

امام اپنے دشمنوں کو دنیا میں زندہ چھوڑ گئے لیکن ان کی زندگی عین ہلاکت تھی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

تمام شد